چراغ دہلی

اُردو کی پوری تاریخ ہندی اور اُردو کے قدیم نامور شعرا کا
تذکرہ - دہلی کے قدیم حالات غدر ۱۸۵۷ء کے بالتفصیل واقعات
دہلی کا محاصرہ اور فتح - بہادر شاہ شاہ دہلی کا مقدمہ اور حکیم
احسن اللہ خان - حسن عسکری - غلام عباس وغیرہ کے اظہار
آثار الصنادید کل شاہی عمارتوں کی تصویریں اور حالات
دربار دہلی کی لطیف اور مختصر کیفیت وغیرہ +

مصنفہ میرزا حیرت دہلوی

کرزن پریس دہلی میں مصنف کے اہتمام سے چھپی
دسمبر ۱۹۰۳ء
رجسٹری شدہ

قیمت
صرف کرزن گزٹ دہلی کے خریدار کو مفت دی جاتی ہے اخبار کی [illegible]

اُردو کی تاریخ

REFRENCE BOOK
NOT FOR CIRCULATION

جس طرح پیار کے مارے بچوں کا اصلی نام کے علاوہ دوسرا نام رکھ لیتے ہیں۔ اسی طرح اُردو پیار کا نام ہی جو بجائے "ہندوستانی" کے بولا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہی جیسے ترکی کل ترکستان کی زبان ہے۔ یا انگریزی زبان کہنے سے ہم یہ مطلب سمجھ جائیں گے کہ یہ کل انگریزوں کی بولی ہے اسیطرح "ہندوستانی" کہنے سے یہ یہ بات معلوم ہوجائیگی کہ یہ زبان جو اپنے دوسرے نام اُردو کے ساتھ مشہور ہے۔ تمام ہندوستان کی زبان ہے۔ کسی زبان کی مجال نہیں کہ اِسکو آنکھ بھر کے بھی دیکھ سکے

اُردو کی اصل

ہندی ہی جو آ۔ یا ہفت زبان میں سے ایک زبان ہے جو شمالی ہند میں اب بھی کہیں کہیں بولی جاتی ہی۔ باقی کی چھ زبانیں۔ پنجابی۔ سندھی۔ گجراتی۔ مرہٹی۔ بنگالی۔ اور اتریا ہیں۔ مگر یہ زبانیں محدود مقامات میں بولی جاتی ہیں اور ان کا رواج زیادہ نہیں ہے۔ برج بھاشا جو کسی زمانے میں۔ آگرہ۔ متھرا۔ اور دہلی کے گرد و نواح میں بولی جاتی تھی اُردو کی مادر مہرباں ہے۔ تمام صرفی۔ نحوی طریقے اور کلمات وغیرہ براج بھاشاہی سے لیئے گئے ہیں۔ اُسکے بعد اردو میں فارسی۔ عربی اور ترکی الفاظ

بکثرت شامل ہوگئے۔ لیکن یہ بات ضرور ہوئی کہ عربی۔ فارسی وغیرہ کے الفاظ ملنے سے اِسکی اصل میں کچھ فرق نہیں آیا۔ یعنی براج بھاشا کے الفاظ کا رنگ نہیں بدلا جیسا ولی اور سودا کے کلام سے پایا جاتا ہے اور وہی رنگ تلسی داس اور بہاری لعل کے اشعار میں موجود ہے۔ اس کا اعتراف کیا جاتا ہو کہ بعض تحریروں میں اُردو کی اصلی شان میں فرق آگیا ہو کیونکہ وہاں فارسی اور عربی کی مناسبت زیادہ آگئی ہو مثلاً بجائے "خوشی سے" کہنے سے "بخوشی" بولا جائے "سرکاری حکم سے" کہنے کے بجائے "بحکم سرکار" استعمال کیا جائے۔ تو بھی جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے یہ کوتاہیاں اُردو میں سے دور ہوتی جاتی ہیں اور وہ زمانہ قریب آنے والا ہے کہ اُردو میں ان پیچیدگیوں کا نام و نشان بھی نہ رہے گا۔

جو لوگ ہندی کو اُردو کی اصل نہیں مانتے وہ سخت غلطی پر ہیں۔ ہماری دہلی کی زبان میں صدہا الفاظ خاص زمانۂ ویدک کے موجود ہیں مثلاً لفظ "اچھوتا" ہے ہم اس لفظ کا استعمال اُس چیز پر کرینگے جو کسی کے استعمال میں نہ آئی ہو۔ سنسکرت میں یہ لفظ اچھوتیا تھا جو اُس لڈو یا مٹھائی پر استعمال ہوتا تھا جو کسی دیبی یا دیوتا کو بھوگ یعنی نذر چڑھائی جاتی تھی اور دیوتا کے مُنہ سے لگا کے الگ کر لی جاتی تھی اور اُسے بہت ہی متبرک گنا جاتا تھا اُردو میں وہ لفظ "اچھوتا" ہو گیا جس میں اب بھی سنسکرت کے الفاظ کی پوری شان پائی جاتی ہے۔ آٹھویں اور نویں صدی مسیحی میں خاص ہندی زبان میں بھی

غیر قوموں کے الفاظ مخلوط

ہونے لگے تھے اور آخر یہاں تک نوبت پہنچی تھی کہ بارھویں صدی عیسوی میں

تو ہندی بالکل دم توڑنے لگی تھی۔ اس پر بھی تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ سولھویں صدی سے پہلے اُردو کی بنیاد ہی قائم نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ قطب الدین ایبک کے بعد کئی شہنشاہی نسلوں میں فارسی ہی دربار اور خاندان کی زبان رہی۔ اور مفتوحہ اقوام میں اپنی اُسی ہندی کا رواج تھا۔ جسکی عمارت اب منہدم ہوئی چلی تھی۔ جب مسلمانوں کو ہندوستان میں زیادہ دن ہو گئے۔ تو وہ بہت صاف ہندی بولنے لگے۔ مگر ہندی میں مسلمانوں کی طرف سے فارسی کا کوئی لفظ مخلوط نہیں ہوا۔ خود ہندوں نے اپنی زبان میں فارسی کے الفاظ لیکے ہندی کو کھچڑی کر دیا۔ ابتدا اسکی راجہ ٹوڈرمل سے ہوئی جو وزیر مال بنایا گیا تھا۔ اور جب جدید مالگذاری کا سلسلہ بنا ہے تو اس میں راجہ مذکور نے بہت سے الفاظ فارسی کے شامل کر دیئے ۔

اس کے بعد میر آمان دہلوی نے چار درویش یا باغ و بہار تصنیف کی۔ اور گویا اُردو کی بنیاد ہندوستان میں ڈالدی۔ یہ کتاب ۱۸۰۲ء ہندوستان میں شائع ہوئی۔ چونکہ مسلمانوں کو ہندوستان میں ایک زمانہ گزر چکا تھا اور اب ہندوں سے اُن کا میل جول بہت بڑھ گیا تھا اس لیئے دونوں قوموں کی زبانیں باہم خوب مل جل گئیں اور اب اُن میں کوئی مغائرت نہیں رہی۔

اکبر

کے زمانے میں محاصل کے قواعد پورے منضبط ہو گئے تھے اور ہندوں کو مذہبی آزادی اسقدر دیدی گئی تھی کہ مسلمانوں میں اور اُن میں کوئی فرق نہ رہا تھا تو بھی اُردو کی کوئی خاص صورت پیدا نہوئی تھی۔ ہاں جب

شاہجہاں

کی سلطنت ہوئی تو اُردو بجائے خود ایک مستقل زبان کی صورت میں آگئی اور بتدریج اس میں ترقی ہونے لگی۔ یہاں تک کہ یورپی زبانوں کے الفاظ اس میں شامل ہونے لگے۔ مثلاً کمرہ جو اصل میں پرتگیزی لفظ کمیرا ہے مارتول' یہ لفظ بھی پرتگیزی ہی جو بڑھئی کے ایک اوزار کا نام ہے۔ نیلام یہ لفظ بھی پرتگیزی ہی۔ عام طور پر لوگ لیلام بھی بولتے ہیں۔ فرانس نے بھی ہندوستان کے ایک حصہ پر حکومت کی ہے۔ اِسی طرح ڈچوں کا بھی مدت تک کوئی نہ کوئی اثر رہا لیکن زبان پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ لیکن ہاں

انگریزی الفاظ

اُردو میں ملکے اُردو بن گئے ہیں مثلاً کمشنر۔ جج۔ اپیل۔ ڈگری۔ انچ۔ اسٹیشن۔ ریل۔ اسٹامپ وغیرہ۔ اَب رہے وہ انگریزی داں نوجوان جو ہندی یا اُردو کے الفاظ ہونے پر بھی زبردستی انگریزی لفظ اُردو میں داخل کر دیتے ہیں اُسے زبان کی کوئی خوبی سمجھنی نہ چاہیئے۔ جس طرح اُردو میں انگریزی لفظ آئے ہیں اسیطرح انگریزی میں اُردو الفاظ چلے گئے ہیں۔ مثلاً گھی۔ بہشتی وغیرہ اگرچہ یہ الفاظ ابھی تک اطالی حروف میں لکھے جاتے ہیں لیکن زمانہ گزرنے پر یہ انگریزی زبان کا ایک جزو ہو جائینگے اور رفتہ رفتہ وہ مغائرت جاتی رہے گی جو اب دیکھنے میں آتی ہے۔ اُردو کے

صرفی و نحوی قواعد

بالکل اُن ہی اُصول پر مبنی ہیں جن اُصول پر ہندی کے ہیں۔ ہم اُوپر لکھ چکے ہیں کہ اُردو ہندی ہی سے نکلی ہے اس لیئے اِس کے قواعد صرفی و نحوی میں کوئی بڑا فرق

نہیں ہے۔ ہندی کی تاریخ صرف اِسی قدر معلوم ہے کہ گیارھویں صدی عیسوی میں اِسکی حالت کسی قدر درست تھی۔ سوائے اِس زبان کے اور کوئی زبان ہندوستان میں نہ تھی۔ سنسکرت کے بڑے بڑے علمار نے اس امر کو تسلیم کرلیا ہے کہ حضرت مسیح سے چھ سو سال پہلے ہی سنسکرت کا چراغ ہندوستان میں گل ہوچکا تھا جبکہ بودھ مذہب ہندوستان میں پیدا ہوگیا تھا اور برہمنی مذہب پر عام تاریکی چھاگئی تھی۔ اِس وقت سے ہندوستان کے آریہ لوگ "پراکرت" زبان بولنے لگے تھے۔ اِسی پراکرت سے موجودہ آریاؤں کی زبانیں نکلی ہیں۔ وہ زبانیں یہ ہیں۔ مہاراشٹری۔ سارآسینی۔ مگادھی۔ پیساچی۔ اوراپابرہانسہ" محققوں نے یہ تحقیق کرلیا ہے کہ ہندی کی اصل سارآسینی متھرا کی زبان ہے اور اسی سے ہندی نکلی ہے۔ بودھ مذہب کا علم ادب سارا پراکرت زبان میں ہے۔ لیکن جب کہ اُس زمانہ کی تاریخ پر تاریکی چھائی ہوئی ہے اِس لیئے اور کوئی مزید تحقیق ہم اِسکے متعلق نہیں کرسکتے۔

ہندی کا آغاز

گیارھویں صدی عیسوی سے سمجھنا چاہیئے۔ سب سے پہلا شاعر ہندی کا چند بردائی ہوا ہے جس کے اشعار بہت ہی دلپسند ہیں اور جسکی زبان موجودہ ہندی سے ملتی جلتی ہے اِس کے بعد جو شاعر ہوئے اُنھوں نے برج بھاکا میں بہت ترقی کی جن میں کبیر۔ سوُرداس۔ نابھاجی۔ کیشوداس۔ اور بہاری لال بڑے نامور ہیں۔ آخر الذکر کی نظم سب سے برجستہ اور صاف ہندی میں ہے اور بہت ہی اعلیٰ درجے کی ہے۔

ہندوستانی علم ادب

اسکے دو بڑے بڑے حصہ سمجھنے چاہئیں ایک نفس ہندی اور ایک نفس اُردو کا۔ دونوں

علم ادب ایک حد تک علمی مذاق سے پر ہیں اور ان دونوں نے اُس زمین پر قبضہ کیا ہے جس پر علم وفضیلت کی زبانیں سنسکرت اور فارسی قابض تھیں۔ جو لوگ سنسکرت کے دلدادہ ہیں اور اُسکے علم ادب کو اپنا موروثی فن سمجھتے ہیں ان میں سنسکرت کا نام ونشان مٹ چکا ہے مگر اس کے مقابلے میں فارسی ابھی تک زندہ ہے اور کم مسلمان ایسے ہونگے جو فارسی نہ جانتے ہوں۔ ساتھ ہی لاکھوں ہندو اب بھی ایسے نکلینگے جو فارسی اچھی طرح بول اور لکھ سکتے ہیں۔

ابتدائی ہندی

میں علمیت کی جھلک معلوم ہونے لگی تھی اور اس میں زیادہ تر راجپوت بہادروں کے کارنامے درج ہیں اور ساتھ ہی بھگتوں اور وشنووں کے حالات ۱۲۰۰ء سے ۱۵۰۰ء تک کے درج ہیں۔

وسطی ہندی

میں علمی درجے کی نظم کا آغاز ہوا۔ اور ۱۵۰۰ء سے ۱۸۰۰ء تک اس کا عروج رہا۔ اردو کے علم ادب نے سولھویں صدی عیسوی سے نشو ونما شروع کی لیکن اس کا عروج اٹھارھویں صدی سے بہت ہوا اور ابھی تک اس میں برابر ترقی ہوتی چلی جاتی ہے نظم اور نثر دونوں کتابیں برابر لکھی جا رہی ہیں اور ایک بڑی تعداد ہر سال اچھی تصانیف کی شامل ہو جاتی ہے۔ ہندی میں بھی بعد ازاں نشو ونما ہوئی۔ ورنہ ابتدائی ہندی علم ادب بہت ہی ادنیٰ درجے کا تھا مثلاً چند پرتھوی راج راسو کی مرتبہ کتاب کو دیکھا جاتا ہے تو ہندی علم ادب کی کوئی خوبی نہیں معلوم ہوتی۔ اصل میں چند پرتھوی راج کا بھاٹ تھا۔ لاہور کا باشندہ تھا اور لاہور کو مسلمانوں کے

قبضے میں آئے ہوئے دو سو سال ہو چکے تھے خیال ہوتا ہے کہ اس نے مسلمانوں ہی کی سلطنت میں اپنی نظم لکھی۔ ہندی اشعار میں جا بجا فارسی کے الفاظ بھرے ہیں اور زبان کا طرز و انداز زیادہ تر موجودہ پنجابی سے بہت ہی مشابہ ہے۔ چند کی تصنیف "گیتا گووندا" کی سنسکرت سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتی دونوں کی علحدہ علحدہ شان ہے۔ ہاں ایک کتاب "آدی گرنتھ" ہے جو پرانی ہندی کا نمونہ ہے لیکن اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندی نظم میں پہلی تصنیف یہی ہے۔ چند کی کتاب جس میں کچھ واقعات تواریخی بھی درج ہیں ایک عجیب کتاب ہے۔ پرتھوی راج کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے ہیں اور لکھا ہے کہ جب پرتھوی کی سلطان محمد غوری سے جنگ ہوئی تھی تو ہر دفعہ سلطان کو نیچا دیکھنا پڑتا تھا۔ پھر وہ اپنی فوج کے ساتھ قید کر لیا جاتا تھا اور فدیہ دینے کے بعد اسکی رہائی ہوتی تھی۔ حالانکہ یہ بالکل کہانی ہے ۱۱۹۱ء کی جنگ "تراوڑی" تھانیسر کے قریب جو واقع ہوئی تھی اُسے ایک عالم جانتا ہے۔ قدیم ہندی کا دوسرا نمونہ

تصانیف بھگت

ہے۔ اِسکی نظموں میں پدماوتی کا ذکر ہے جو راجہ رتن سین والیٔ چتوڑ کی بیوی تھی۔ جب ۱۳۰۳ء میں سلطان علاء الدین نے چتوڑ کا قلعہ فتح کیا ہے تو حسین رانی نے اپنے کو جلا دیا تھا۔ یہی واقعہ بھگت کی نظم میں بھی موجود ہے۔ لیکن اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ تیرہ ہزار رانیاں اور رئیسوں کی بہو بیٹیاں مسلمانوں کے ہاتھ آ گئیں۔ پھر جو شاعر نے جولانیاں دکھائی ہیں اور جھوٹ کے تودے طوفان باندھے ہیں۔ العظمۃ للہ قدیم ہندی کے شعرا کا ایک گروہ۔

بھگتوں کا گروہ

ہے جنکی ہزار ہا نظمیں موجود ہیں اور یہ لوگ اہل اللہ اور ولی اللہ اہل ہنود میں مانے جاتے ہیں۔ اِن بھگتوں کا اصول شاعری "راما نوجا" کے اصول پر مبنی ہے جسکو فاضل ولسن نے بارھویں صدی عیسوی کے وسط کا بتایا ہے۔ یہ جنوبی ہند کا باشندہ تھا۔ اور اسکے کئی شاگرد شمالی ہند کے رہنے والے تھے۔ رامانند ایک شاعر نے اشعار کا نیا رنگ پیدا کر دیا۔ ولسن اور فاضل ٹرمپ نے اِس شخص کو چودھویں صدی عیسوی کا بتایا ہے۔ رامانند کی مختصر نظم ہمیں گرنتھ میں ملتی ہے جو اُسکی جدت طبع کا ادنی نمونہ ہے راما نوجا اور رامانند کے بین بین ہم جے دیو (سنہ ۱۲۵۰ء) اور نام دیو (سنہ ۱۳ء) کو پاتے ہیں۔ جنکی تصانیف کا کچھ حصہ گرنتھ میں موجود ہے۔ جے دیو قوم کا برہمن تھا۔ اور سنسکرت سے خوب واقف تھا۔ لیکن رامانند اصل میں چھیپی قوم کا تھا جو کپڑوں پہ پھول بوٹے رنگا کرتے ہیں اور اَب بھی اُنکی قوم کے لوگ بکثرت موجود ہیں پہلے ہندو ہی اِس کام کو کیا کرتے تھے۔ مگر اب مسلمان بھی چھیپی موجود ہیں۔ یہی مذکورہ بالا چھیپی پہلا شخص ہے جس نے ہری کی پرستش کی ہندوں میں بنیاد ڈالی۔ اِس کے بعد

کبیر

کا درجہ ہے جو قوم کا جُلاہا تھا۔ لیکن وشنو کے اساتذہ میں اِس کا سب سے پہلے شمار کیا گیا ہے۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ فی الحقیقت مسلمان تھا۔ رامانند کے بارہ شاگردوں میں ایک شاگرد یہ بھی تھا۔ لیکن جے دیو اور راما سے اسکی طرز شاعری بالکل انوکھی ہے پہلے اس کا قیام بنارس میں تھا اور پھر وہ مگھر میں جلبسا تھا جو گورکھپور کے ضلع کا ایک قصبہ تھا۔ سکندر شاہ لودھی کے زمانۂ سلطنت (سنہ ۱۴۸۸ء سے سنہ ۱۵۱۷ء) تک زندہ رہا۔ مگر

گرو نانک

جو سکھوں کا پیشوا ہے اُسکی گرنتھ اصل میں کبیر کی تصانیف کا ایک دیباچہ ہے۔ سنہ ۱۴۶۹ء میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۵۳۸ء میں اسکی وفات ہوگئی۔ ایک نہایت ذہین اور خدا پرست شخص تھا اور گرونانک کو کبیر کا شاعری یا خیالات آفرینی میں ایک پیرو سمجھنا چاہیے

کبیر کی تصانیف

تعداد میں زیادہ ہیں۔ کبیر کے مت والوں کے پاس اسکی پوری تصانیف موجود ہیں عجیب بات یہ ہے حالانکہ وہ پکا مسلمان تھا لیکن اُس کے مرید ہندو بہت ہیں اور اُسے مثل دیوتا کے سمجھتے ہیں۔ ہندوستان میں کبیر کی تصانیف کے بہت سے حصے چھپ چکے ہیں۔ اِسکی سب سے زیادہ مشہور تصانیف یہ ہیں۔ ساکھیر۔ سبدس۔ اور ریختہ۔ عام طور پر لوگ ان کتابوں کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔ بہت سی کتابیں اِسکے علاوہ کبیر کی بیان کی جاتی ہیں لیکن وہ دراصل اسکی نہیں ہیں۔ ہاں اُسکے شاگردوں نے اُنھیں تصنیف کرلیا ہے مثلاً ”بیجک کتاب“ بھاگو داس کی لکھی ہے اور ”سکھ ندھان“ سرت گوپال کی تصنیف سے ہے۔ کبیر کے مذہبی اصول کے وارث سکھ ہیں جو اُس کا نام تعظیم سے لیتے ہیں۔ اُس کے مذہبی اُصولوں کو ولسن نے اپنی کتاب میں پورے طور پر اور بوضاحت بیان کیا ہے۔ کبیر کے بعض شاگرد۔

مذہبی پیشوا

بھی ہو گزرے ہیں مثلاً داؤد ایک بڑے مت کا بانی ہے جو اس وقت راجپوتانہ میں پھیلا ہوا ہے اور انکی بہت سی مذہبی کتابیں ہیں ”داؤد“ نے زیادہ تر اپنے گرو کبیر ہی کے اصول کی تعلیم کی ہے اور آج تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ اُس کے مریدوں کی تعداد ہزاروں لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ سکھ حالانکہ ایک صورت سے داؤد مت

ں کے بھائی ہوتے ہیں لیکن باہمی مغائرت نے کوئی مذہبی یک جہتی ان دونوں میں قائم نہیں کی ہے۔ اسلام کی ایک بگڑی ہوئی شاخ سکھ مذہب ہے کیونکہ سکھ مذہب کے بڑے بانی سب کے سب مسلمان تھے مگر ملکی لڑائیوں نے باہم وہ تنفر پیدا کر دیا کہ ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہو گئے۔ اور اب سکھ مسلمان کو اور مسلمان سکھ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں "ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا" راما نند کے دوسرے شاگردوں میں۔

سورداس

بہت ہی مشہور و معروف ہے اور اُسے کبیر سے دوسرے درجے کا کہتے ہیں اِسکے واقعات زندگی پر پردہ پڑا ہوا ہے اسکے کچھ اشعار گرنتھ میں شامل کر دیئے گئے ہیں اِس کا زمانہ قریب سنہ ۱۶۰۰ء کا تھا۔ اسی نام کا ایک شخص دیوتا کی صورت میں کتاب "بھگتا مالا" میں بیان ہوا ہے۔ اگر یہ وہی شخص ہے اور غالبًا وہی ہوگا تو قوم کا برہمن تھا۔ اور شہنشاہ اکبر کی سلطنت میں سندیلہ ملک اودھ کے ایک پرگنہ کا امین یعنی مالگزاری وصول کرنے کے عہدہ پر مقرر تھا۔ اِس نے غضب یہ کیا کہ مالگزاری کا روپیہ جمع کر کے اپنے مندر "مدن موہن" واقع برندابان میں بھیج دیا۔ اور اکبر کو مالگزاری کے روپیہ کی جگہ تھیلی میں پتھر بھر کے بھیج دیئے۔ یہ بات غصہ آنے کی تو بہت تھی لیکن اکبر نے اپنے مراحم خسروانہ سے معاف کر دیا۔ اس عرصہ میں سورداس نکل کھڑا ہوا اور جنگل کی راہ لی پھر نابینا بھی ہو گیا لیکن شہر اور آبادی کی طرف بالکل رخ نہیں کیا اور وشنو کے بھجن گاتا ہوا جنگل در جنگل پھرنے لگا۔ ایک لاکھ پچیس ہزار اشعار اِس نے نظم کیے ہیں وہ سب جمع کر لیے گئے ہیں اور ان کا نام "سورساگر" رکھا ہے

راما۔ ہری۔ گووند

تینوں کی پرستش کی ابتدا رامانند سے ہوئی ہے۔ اس ست سے پہلے ان تینوں دیوتاؤں کی پرستش معدوم تھی۔ ان کے ماننے والے کرشن جی یا کرشنا کو بھی مانتے ہیں۔ اکثر اشعار میں کرشنا کے بچپن اور جوانی کے کارنامے پائے جاتے ہیں رامانندی فرقہ کے لوگ دنیا کو بے حقیقت جانتے ہیں اور اسکی دولت کو راہ حق سے گمراہ کرنے والی سمجھتے ہیں اور جو راہ انھوں نے حق سمجھ لی ہے نہایت صبر اور خوشی سے اسی پر قانع رہتے ہیں۔ کرشنا اور اسکی بیگم بادھا کے ماننے والے انتہا درجہ کے راحت پسند لوگ ہیں اور عام طور پر عورتیں ہی اس مت کو زیادہ مانتی ہیں اسی مت میں ایک اور گروہ "ولابھاچاریوں" کا نکلا ہے جو گوکلستا گوسائیوں کا پیرو ہے۔ اس ست کا بانی ایک شخص ولابا سوامی قوم کا برہمن ہے جو جنوبی ہند کا رہنے والا تھا۔ یہ شخص قصبہ گوکل قریب متھرا کے آکے رہا اور غالباً اس کا زمانہ سولھویں صدی عیسوی کا سمجھنا چاہیئے۔ اس مذہب کی اعلیٰ درجہ کی کتاب برج بلاس نامی ہے اس کتاب میں کرشنا کے کھیل تماشوں کا ذکر ہے جو وہ برندابان کے عورتوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ اس کتاب کو برج باسی داس نے مرتب کیا ہے۔ اسی مت کی دوسری کتاب ورتنا نامی ہے جو بالکل بھگتا مالا کے مشابہ ہے اور اس میں چوراسی پیشواؤں کے قصے کہانیاں درج ہیں۔ برج بلاس ایک مشہور کتاب ہے بازاروں میں عام طور پر فروخت ہوتی ہے اور ہزاروں آدمی اسکو شوق سے پڑھتے ہیں۔

ہندی کا زمانہ متوسط سنہ ۱۵۴ء سے سنہ ۱۴۵ء تک سمجھنا چاہیئے اسی عرصہ میں اس نے نشو ونما پائی پھلی پھولی اور پھر اسکی بنیادیں چرچرا گئیں۔ ہندی علم ادب میں

اعلیٰ درجہ کے شاعر یہ لوگ ہیں۔ کیشو داس۔ بہاری لال۔ تلسی داس۔ ان کے اشعار ہندوستان بھر میں مشہور ہیں۔ مگر یہ بات دیکھنے کی ہے کہ بہ حیثیت فصاحت۔ اور سلاست و سادگی زبان کی اتنی خوبی نہیں معلوم ہوتی جتنا مضامین آفرینی نے اسکو دوبالا کر دیا ہے۔ جن شاعروں کا ہمنے تذکرہ کیا ہے ان میں "تلسی داس" کا نام اکثر آدمیوں کی زبان پر ہے۔ مگر تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ طرز شاعری اور مضمون آفرینی منجملہ اور شاعروں کے براج سے بہت کچھ چرائی گئی ہے۔ تلسی داس کے اصلی خیالات کا بہت مشکل سے پتہ لگ سکے گا۔ سب پرانے شاعروں کا پس خوردہ ہے جو پیچھے ان کو ملا ہے۔

کیشو داس

جس کا ذکر ہمنے ابھی کیا ہے قوم کا برہمن تھا اور جہانگیر اور شاہ جہاں کے زمانہ میں موجود تھا۔ اِس نے سب سے پہلے ایک منظوم کتاب راما پر تصنیف کی۔ جس کا نام "راچنوریکا" رکھا اور جو ۱۶۰۲ء میں لکھی گئی۔ پھر اسی شاعر نے دوسری کتاب "کاوی پریا" تحریر کی۔ کہتے ہیں اس سے بہتر اُصول شاعری میں دوسری کتاب نہیں لکھی گئی اور بھی کئی کتابیں اس فاضل شاعر نے لکھی ہیں اور سب اپنی طرز کی اچھی ہیں۔ پھر۔

بہاری لال

ہوا جو نظم ست سائی کا مصنف ہے۔ اس کتاب میں سات سو بند ہیں۔ یہ نظم اپنی لطافت اور سادگی میں بہت مشہور رہے۔ اس نظم میں وشنو کی پرستش کا کرشنا کا پہلو اختیار کیا گیا ہے۔ رادھا اور دوسری گوپیوں کے عشق و محبت کے حالات بھی لذت

اور کیفیت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اسکے شاگرد بہت سے ہیں جن میں بعض مسلمان بھی دیکھے گئے ہیں۔ اِسکی کتابوں کا ترجمہ سنسکرت زبان میں ہوگیا ہی بھر

تلسی داس

اگرچہ فن شاعری میں بہت ادنی درجہ کا شاعر ہے لیکن اسکے کلام کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اِسکی کتاب رامایں جس کا اصلی نام "رام چرت مانس" ہے اور جسکے معنے ہیں راما کے کارناموں کی خلیج۔ یہ رامایں شمالی ہند کے باشندوں میں اس کثرت سے پڑھی جاتی ہی جیسے مسیح آبادی میں انجیل۔ کچھ شمالی ہند ہی پر مقرر نہیں ہے بلکہ کل ہندوستان میں رامایں کے پڑھنے کا رواج ہے تلسی داس قنوجی برہمن تھا اور اسکی زبان سے پایا جاتا ہے کہ باشندۂ اودھ ہے۔ زندگی کا بڑا حصہ تو فاضل مصنف نے بنارس میں گزارا ۱۶۲۴ء میں فوت ہوگیا۔ رامایں کے علاوہ چھ منظوم کتابیں اور بھی تلسی داس نے لکھی ہیں جو کم و بیش تواریخی مضمون پر ہیں اور جن میں راما کی پرستش بیان کی گئی ہے۔ علاوہ چھ کتابوں کے سات منظومہ کتابیں اسکے علاوہ تلسی داس کے نام سے نسبت دیجاتی ہیں لیکن مشکوک امر ہے آیا وہ اِن کتابوں کا مصنف بھی ہے یا نہیں۔

اُردو اور اُسکی ابتدائی تواریخ

یہ ابھی تک پتہ نہیں لگا کہ اردو زبان نے اپنی اصلی صورت کب سے اختیار کی بہ مشکل اتنا پتہ لگتا ہے کہ ۱۳۹۸ء زمانہ تیمور شہنشاہ میں اسکی بنیاد پڑ چکی تھی اسی زمانہ میں یا اس سے کچھ بعد مسعود پسر سعد کا دیوان مرتب ہو چکا تھا گیارھویں صدی کے آخری نصف حصہ میں اور بارھویں صدی کے آغاز میں اس دیوان کی شہرت

ہو چکی تھی۔ امیر خسرو دہلوی کے وہ اشعار پائے جاتے ہیں جن میں اُردو کی جھلک موجود ہے۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ شیخ سعدی شیرازی نے بھی اُردو میں کچھ اشعار موزوں کئے تھے۔ لیکن بعد ازاں یہ بیان کیا گیا کہ اُردو کا ایک اور شاعر سعدی تخلص گزرا ہے۔ یہ سعدی شیرازی نہ تھا بلکہ دکن کا ایک باشندہ تھا۔ بہرحال جو نظمیں اِن متقدمین شعراء کی پائی جاتی ہیں یہ پہلے ہندی حروف میں لکھی جاتی تھیں کیونکہ موجودہ طرز نویسی کی ابھی بنیاد نہیں پڑی تھی۔ اسکی شہادت میں کبیر کی نظمیں موجود ہیں جن میں فارسی کے لغت بھرے ہوئے ہیں۔ لیکن ہیں سب ہندی حروف میں لکھی ہوئیں۔ مگر جوں جوں اُردو اپنی اصلی صورت پر آتی گئی۔ فارسی کا رنگ اس میں پیدا ہوتا گیا۔ اور ہوتے ہوتے اس نے ہندی سے اپنے کو بالکل آزاد کرلیا۔ اُردو کے

ابتدائی مُصنّف

سب دکن کے رہنے والے تھے۔ گولکنڈہ اور بیجاپور کے درباروں میں اُن مُصنّفین کا بہت عروج تھا اور جب عالمگیر کے ہاتھ سے اِن خاندانوں کی اینٹ سے اینٹ بجی ہے اُردو عروج پر پہنچ چکی تھی۔ شجاع الدین تخلص نوری فیضی کا بہت بڑا دوست گجرات کا باشندہ تھا۔ امیر خسرو دہلوی کے بعد بس نوری اُردو کا بڑا شاعر ہوا ہے جو متقدمین میں شمار ہوتا ہے۔ شجاع الدین سلطان ابو الحسن قطب شاہ والیئے گولکنڈہ کے بیٹے کا معلم تھا۔ اسی زمانہ میں اُس نے چند غزلیں اُردو میں موزوں کی تھیں۔ اس کے علاوہ علی قطب شاہ والیئے گولکنڈہ جس نے ۱۵۵۰ء سے ۱۵۸۶ء تک سلطنت کی اور اُس کا جانشین عبد اللہ قطب شاہ جو ۱۶۱۱ء میں

تخت نشین ہوا۔ غرض دونوں شاہوں کے دیوان یا کلیات موجود ہیں۔ جن میں غزلیں بھی ہیں رباعیاں بھی ہیں اور مثنوی و قصائد بھی ہیں۔ آخر الذکر شاہ کے زمانہ میں ابن نشاطی نے دو کتابیں لکھیں ایک مثنوی ہے جس کا نام طوطی نامہ ہے اور دوسری کتاب "پھول بن" ہے۔ اول الذکر ۱۶۳۹ء میں لکھی گئی۔ یہ طوطی نامہ" اصل میں ایک ایرانی شاہ نخشبی کی کتاب کا خلاصہ ہے اور اس کا اصلی ماخذ ایک کتاب سنسکرت کی ہے جس کا نام "سوکا سپ تتی" ہے اس کتاب کا نظم و نثر دونوں میں بہت خوبی سے ترجمہ کیا گیا ہے نثر کا نام "طوطا کہانی" ہے جو اردو علم ادب میں گویا پہلی کتاب سمجھنی چاہیے۔ ۱۸۰۱ء میں محمد حیدر بخش حیدری نے ولیم کالج نے اِس کتاب کو ترتیب دیا تھا۔

کتاب "پھول بن" ایک فارسی کی کتاب بوستنین کا ترجمہ ہے جو عشق و محبت کی ایک صاف اور ستھری کہانی ہے۔ دوسری مشہور کتاب جو اسی زمانہ اور اسی مقام سے تعلق رکھتی ہے۔ "کام روپ" ہے۔ تحسین الدین نے بطور مثنوی کے اس کتاب کو لکھا اور ۱۸۳۶ء میں ایم گارسن ڈی ٹیسی نے اسے طبع کرایا۔ اس کتاب میں مضامین ہندی شعرا سے اخذ کیے گئے ہیں "کام روپ" جو اس کتاب کا ہیرو ہے ایک شاہ اودھ کا بیٹا ہے اور اسکی ہیروان "کلا" شاہ لنکا کی بیٹی ہے۔ جو واقعات اس میں درج کئے گئے ہیں وہ سندباد جہازی کے واقعات سے زیادہ ملتے ہیں جن کا ترجمہ الف لیلہ میں موجود ہے۔ شہزادہ اور شہزادی ایک دوسرے کا خواب میں دیکھتے ہیں اور شہزادہ اپنی معشوقہ کو تلاش کرنے کے لیے صحرا بصحرا ہے اور عجیب و غریب شہروں میں پھرتا ہے جو دیدہ ہیں نہ شنیدہ اور پھر صحرانوردی کے

دونوں کی شادی کی گئی ہے۔ غرض بہت دلچسپ کہانی ہے اور پڑھنے میں ایک عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

بیجاپور کا دربار

بھی کچھ کم نامور نہیں ہوا علمی لحاظ سے اس کا بہت شہرہ ہے۔ ابراہیم عادل شاہ جس نے ۱۵۷۹ء سے ۱۶۲۶ء تک حکومت کی علم ادب میں بہت بڑا ماہر ہوا ہے۔ اِس نے ایک کتاب "نورس" تصنیف کی ہے جو افسوس ہے کہ بجائے اُردو کے ہندی حروف میں لکھی ہوئی زیادہ ملتی ہے۔ تین دیباچہ اس منظوم کتاب کے ملا ظہوری کی تصنیف سے موجود ہیں جن کا نام نثر ظہوری ہے جو عام طور پر پڑھائی جاتی ہے اور فارسی کے طلبہ اُسے ضرور پڑھتے ہیں کیونکہ بغیر اس کتاب کے پڑھے فارسی میں پوری قابلیت نہیں ہوتی۔ اِس شہزادہ کا جانشین علی عادل شاہ ہوا ہے۔ اسکے دربار میں ایک شاعر تھا جس کا تخلص نصرتی اور قوم برہمن سے تھا ۱۶۵۷ء میں اِس نے "گلشن عشق" نام ایک مثنوی لکھی۔ اور اس مثنوی میں شہزادہ منوہر اور مدمالتی کے عشق کا تذکرہ ہے۔ دوسری تصنیف اسکی "علی نامہ" مثنوی ہے جو اپنے آقا کے تذکرے میں ہے۔ اِن مثنویوں کے دیکھنے سے کھلتا ہے کہ جو سادگی زبان میں فارسی کے جملے شامل ہونے سے پہلے تھی کیا اچھی معلوم ہوتی ہے۔ خیالات اچھوتے ہیں اور بعض موقعوں پر مضامین آفرینی میں کمال کیا ہے۔ اِسکی طرز انشا پردازی اور دیکھنے کے قابل ہے۔ یہ ابتدائی مصنف گویا رہبر ہیں اُن اُردو مصنفوں کے جو بعد میں پیدا ہوئے۔ بلاشبہ اُردو کی اصلی بنیاد دکن ہی میں پڑی اور وہیں اُردو میں سب سے پہلے کتابیں تصنیف ہوئیں۔ وَلی اورنگ آبادی نے جو ۱۶۶۸ء سے ۱۷۴۴ء تک زندہ رہا اُردو کو خاص

ایک مستقل صورت عطا کی اور جو کچھ کسر رہ گئی تھی وہ اُس کے ہمعصر اور ہموطن "سراج" نے تکمیل کو پہنچایا۔ وَلی "ریختہ کے باپ" کے لقب سے مشہور ہے اور اس کو "بابائے ریختہ" کہا کرتے تھے۔ اِس سے کسیکو بھی انکار نہیں کہ شمالی ہندوستان میں اُردو کا آغاز اور بتدریج ترقی کرنا اور اُردو کی خاص صورت قائم ہو جانا یہ صرف سراج کا طفیل ہے۔ تمام اُردو دانوں کو ان کا ممنون ہونا چاہیئے

وَلی

کے سوانح عمری ہمیں بہت کم معلوم ہیں۔ افسوس ہے کہ اس کے واقعات زندگی ہمیں نہیں مل سکے۔ اتنا پتہ چلا ہے کہ ولی اورنگ زیب کی آخری سلطنت میں دہلی آیا تھا۔ سنا گیا ہے کہ یہاں ایک ولی اللہ شاہ گلشن نے اُردو کی شاعری کے لیئے چند ہدایتیں کی تھیں اور اصلاح دیکے بھی فرمایا تھا کہ فارسی اشعار کا مضمون اُردو میں کیونکر آجاتا ہے۔ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ شاہ گلشن کوئی ولی اللہ بھی تھے اور شاعر بھی تھے اور ولی نے دہلی میں آکے انکے ہاتھ پر بیعت بھی کی تھی اور انکے تلامذہ کے زمرہ میں شریک ہو گیا۔ ولی کا کلیات ایم گارسن ڈی ٹیسی نے سنہ ۱۸۳۴ء اور سنہ ء کے درمیان پیرس میں طبع کرایا تھا اور اسکے بے نقطہ اشعار پر حاشیے بھی چڑھائے ہیں۔ اس کا اصل نسخہ یعنی فاضل شاعر کے ہاتھ کا لکھا ہوا کلیات بھی محفوظ ہے

ظہور الدین۔ تخلص حاتم

دہلی میں اُردو کا بانی اور تمام شعرا کا جد امجد حاتم ہو گذرا ہے جو سنہ ۱۶۹۹ء میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۷۹۲ء میں اسکی وفات ہو گئی۔ محمد شاہ کی تخت نشینی سے دوسرے سال یعنے سنہ ۱۷۱۹ء میں ولی کا دیوان دہلی میں پہنچا اور اس دیوان کو دیکھ کے شعراء کو اُردو

میں اشعار موزوں کرنے کا جوش پیدا ہوا اور پھر شمالی ہند کی اردو میں اشعار موزوں کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد حاتم کے دوستوں ناجی۔ مضمون اور آبرو نے اشعار کہے اور دیوان لکھے۔ پھر حاتم نے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی سب سے پہلے اس کا قابل شاگرد ''رفیع السودا'' ہے جو اپنے ہمعصروں میں ممتاز ہوا ہے۔ اسکے بعد خان آرزو ہوا ہے جو ایک ایرانی عالم تھا سنہ ۱۶۰۹ء میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۷۵۶ء میں اسکی وفات ہوگئی اسکی عمر کا بڑا حصہ فارسی اشعار کے موزوں کرنے میں صرف ہوا۔ آخر عمر میں اردو زبان کی طرف توجہ کی اور اعلیٰ درجے کے نفیس اشعار موزوں کیے۔ اس نے ''سراج اللغات'' نامی کتاب لکھی ہے جس سے اسکی قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔

میر تقی

آرزو ہی کے شاگردوں میں سے تھے۔ اور میر صاحب ہی نے شعرائے زمانہ میں وہ فوقیت حاصل کی کہ شعرائے متاخرین نے روحانی طور پر انہیں اپنا استاد تسلیم کر لیا تھا سنہ ۱۷۳۹ء میں جب نادر شاہ نے دہلی پر حملہ کر کے اسے تاخت و تاراج کیا ہے تو آرزو لکھنؤ میں چلے گئے تھے اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔

انعام احمد خان تخلص یقین

کہتے ہیں اس فاضل شاعر نے اردو شاعری میں وہ قابلیت پیدا کی تھی کہ اپنے استادوں سے بھی بہت سی باتوں میں انکا منہ بڑھا ہوا تھا۔ فاضل ''یقین'' کا احمد شاہ کے زمانہ سلطنت سنہ ۱۷۴۵ء میں انتقال ہو گیا تھا۔ انکے بعد

میر درد

ہوئے جنکی زبان نے ایک عجیب رنگ اختیار کیا اور جن کے اشعار میں وہ سادگی

اور درد پایا جاتا ہے کہ عام طور پر میر درد کے اشعار لوگوں کے نوک زبان ہیں۔ ان کا دیوان ہندوستان میں سب جگہ ملتا ہے۔ بڑھاپے میں آپ فقیر ہوگئے تھے۔ اور خاندان نقشبندیہ میں بیعت کر لی تھی۔ دہلی میں ابھی تک میر درد کی بارہ دری مشہور ہے اور اس بزرگ شاعر کے مسکن کا دھندلا سا سایہ اب بھی پایا جاتا ہے میر درد کی ۱۷۹۳ء میں وفات ہوگئی۔

سودا و میر تقی

کا شمار بھی ہندوستان کے مستند شعرا میں ہے۔ اردو کی استادی میں کسیکو بھی کلام نہیں۔ مرزا سودا اٹھارھویں صدی کے آغاز میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ حاتم سے تعلیم پاتے رہے۔ جب دہلی برباد ہوگئی تو فاضل شاعر لکھنؤ چلا گیا جہاں نواب آصف الدولہ نے چھ ہزار روپیہ سالانہ کی ایک جاگیر سودا کی مقرر کر دی۔ اور اخیر دہلی کا یہ نامور شاعر ۱۷۸۰ء میں لکھنؤ ہی میں فوت ہوگیا۔ آپ کے اشعار کی تعداد بہت ہے اور انمیں لطیف اردو کا رنگ پایا جاتا ہے۔ ہجو میں فاضل شاعر کا پایہ بہت بڑھا ہوا ہے۔ اس فن میں وہ باریکیاں فاضل شاعر نے پیدا کی تھیں کہ ہندوستان میں اس پایہ کا کوئی شاعر نہیں ہوا۔

میر تقی آگرہ میں پیدا ہوئے لیکن بچپن ہی میں دہلی چلے آئے اور یہیں بود و باش اختیار کر لی۔ آرزو سے میر تقی نے تعلیم حاصل کی۔ میر صاحب سودا کی وفات کے وقت بھی دہلی میں موجود تھے۔ لیکن ۱۷۸۲ء میں لکھنؤ چلے گئے۔ جہاں انکی نواب لکھنؤ کی طرف سے ایک معقول پنشن مقرر ہوگئی۔ پھر میر صاحب کا بہت ہی بڑی عمر میں ۱۸۱۰ء میں انتقال ہوگیا۔ آپ کا کلیات بہت ضخیم ہے اور اس میں چھ

دیوان ہیں۔ کہتے ہیں غزل اور مثنوی میں میر صاحب سودا سے بڑھے ہوئے ہیں اور شعرائے متاخرین کچھ میر صاحب ہی کو زیادہ مانتے ہیں جیسا میرزا غالب نے کہا ہے

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

اس میں کلام نہیں کہ میر تقی سودا کے بعد ہوئے ہیں۔ اور سودا کی زبان کچھ بری نہیں ہے۔ لیکن جو سادگی اور بیساختگی میر کو نصیب ہوئی ہے وہ سودا میں نہیں ہے خیالات کی بلند پروازی اس میں شبہہ نہیں کہ سودا میں میر صاحب سے بڑھی ہوئی ہے۔ لیکن سادگی اور فطری کرشموں سے سودا کے اشعار اتنے مزین نہیں ہیں جو میر کے ہیں۔

جب دلی کی ترقی کا ستارہ پستی میں آگیا اور اس پر یہ مقولہ صادق آیا کہ "بدقسمتی کبھی تنہا نہیں آتی۔" تو پھر نادر شاہ نے ۱۷۳۹ء میں حملہ کر کے اسکی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اسکی ترقی اور سرسبزی کو خاک میں ملا دیا۔ ابھی بدنصیب دہلی نادر کے حملہ اور تاخت و تاراج سے سنبھلی نہ تھی کہ احمد شاہ درانی کی ۱۷۶۱ء میں خونریز جنگ ہوئی۔ ابھی اس سے ہوش نہ آیا تھا کہ ۱۷۵۹ء میں مرہٹوں نے آدبایا۔ اور دہلی کے علم و فضل۔ فنون اور زندہ دلی کو ہمیشہ کے لئے مٹا دیا۔ جب اس طرح سے دہلی برباد ہوئی تو لکھنو جو اودھ کا جدید پایہ تخت بنا تھا ان فاضل شعرا سے آباد ہونے لگا۔ یہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ آرزو سودا اور میر نے بھاگکر یہاں آکے پناہ لی اور اخیر اسی زمین پر فوت ہو گئے۔ ہائے اگر ان کا وطن نہ اجڑتا تو وہ کاہے کو غیر سرزمین میں جان دیتے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے سچ کہا ہے کہ وطن میں اس لئے نہیں مرا جا سکتا کہ ہم وہاں کی پیدایش ہیں۔ جب

سوائے پریشانی اور بربادی کے وطن میں کچھ حاصل نہو تو پھر وطن میں انسان کیونکر رہ سکتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

دلم از صحبت شیراز بکلی بگرفت — وقت آنست کہ پرسی خبر از بغدادم
سعدیا حب وطن گرچہ حدیثیست صحیح — نتوان مرد بہ سختی کہ من اینجا زادم

غرض جب آزردہ سودا اور میر لکھنؤ میں آئے تو یہاں اور چند اپنے ہموطن پناہ گزینوں کو دیکھا تو ذرا ڈھارس بندھی کہ غنیمت ہے کہ اس دیار لکھنؤ میں ہموطن ہمزبان تو کئی ایک مل گئے۔ یہاں میر حسن سے ملے (سنہ وفات ۱۷۸۶ء ہے) میر سوز کو دیکھا (سنہ وفات ۱۷۹۸ء ہے) اور قلندر بخش جرأت سے ملاقات کی (سنہ وفات ۱۸۱۰ء ہے) انکے علاوہ اور بھی کئی شاعر دہلی کے جنھوں نے انکی طرح اودھ کے اس جدید پایۂ تخت میں پناہ لی تھی۔

میر حسن

جو خواجہ میر درد کے دوستوں میں تھے پہلے فیض آباد میں رہتے تھے۔ لیکن پھر لکھنؤ میں چلے آئے تھے۔ غزل۔ رباعی۔ مثنوی۔ اور مرثیہ میں انھیں پوری دستگاہ حاصل تھی۔ چونکہ دہلی سے پورا فیض پا چکے تھے اس لیئے انکے اشعار میں ایک عجیب رنگ پیدا ہوگیا تھا۔ مگر مثنوی میں فاضل شاعر نے وہ ناموری حاصل کی کہ سب پر فوق لے گئے اس مثنوی کا نام "سحر البیان" ہے اور فی الواقع یہ عجیب و غریب مثنوی ہے جو اس طرز اور رنگ کی اردو میں پہلے کبھی نہیں لکھی گئی۔ اس مثنوی میں شہزادہ بے نظیر اور شہزادی بدر منیر کے عشق و محبت کا افسانہ بیان ہوا ہے۔ دوسری مثنوی انکی گلزار ارم ہے جو فیض آباد کی تعریف میں ہے۔ یہ مثنوی بھی بہت وقعت

کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔

میر محمدی۔ سوز

بھی قابل شعرا میں گزرے ہیں انھوں نے ریختی میں سب سے پہلے اشعار موزوں کئے اور ریختی گوئی کی ہندوستان میں بنیاد ڈالی۔ یہ اخیر میں فقیر ہوگئے تھے اور بالکل ترک دنیا کردی تھی اور اسی میں وفات پائی۔ اِنکی نظم بھی قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی اور شعرا نے انھیں اعلیٰ طبقہ کا شاعر تسلیم کرلیا ہے۔ یہ اکثر ذو معنی کلام کہا کرتے تھے۔ ظاہری معنی تو ایک شعر کے فحش ہوتے تھے لیکن غور کرنے کے بعد اُسکے دوسرے مہذب معنی ہوجاتے تھے۔

جرأت

بھی ایسا ہی بلا کا شاعر گزرا ہے لیکن اُسنے بھی سوز ہی کا رنگ اختیار کرلیا تھا اور دو معنے اشعار اکثر ریختی میں نظم کیا کرتا تھا جن کے ظاہری معنے فحش پر دلالت کرتے تھے اگرچہ یہ ضرور ہے کہ اسکی ریختی میں مطالب آفرینی اور جدت کوٹ کوٹ کر بھری ہے لیکن فحش مضامین سے دل برداشتہ ہوجاتا ہے اس نے سودا کی طرح ہجویہ نظم بھی موزوں کی اور اس میں شک نہیں کہ اپنے ہجویہ اشعار میں کامیابی حاصل کی جسطرح اُردو میں فاضل شاعر کو مہارت تھی اسیطرح ہندی میں بھی کچھ کم نامور نہیں ہوا دوہرے اور کبت بہت [illegible] ہیں جو ہندی علم ادب کی جان سمجھنے چاہیئں۔

مسکین

لکھنوی ایک اچھا شاعر ہوا ہے جسکی مرثیہ گوئی کی بڑی شہرت تھی۔ تمام مرثیوں میں جو مسکین نے موزوں کئے حضرت مسلم اور آپکے صاحبزادوں کی مظلومانہ شہادت کا بیان قابل داد ہے اور مسکین کے تمام مرثیوں میں اسی کو چوٹی کا مرثیہ سمجھنا چاہیئے۔ دہلی کے

برباد ہونیکے بعد جب لکھنو آباد ہوا تو اُردو کے علم ادب میں برابر ترقی کرتا گیا یہانتک کہ خاندان اودھ کا آخری نواب بادشاہ ۱۸۵۶ء میں قید کرکے کلکتہ بھیج دیا گیا بس اُسی کے ساتھ لکھنو میں اُردو علم ادب کا چراغ بھی بُجھ گیا اور ترقی اُسنے دہلی کے برباد ہونیکے بعد دہلی کے شعرا کے صدقہ میں کی تھی وہ وہیں کی وہیں رُکی رہ گئی - اِنّا للہ وَاِنّا اِلیہِ رَاجِعُون دہلی کے شعرا نے لکھنو کو لکھنو بنا دیا تھا اور اس پوربی سرزمین میں وہ تاثیر پیدا کردی تھی کہ یہاں سے بھی انسان پیدا ہونے لگے تھے - چنانچہ

آتش و ناسخ

جنھوں نے غزل گوئی میں ایک خاص شہرت حاصل کی اسی بدنصیب سرزمین دہلی کے فیض یافتہ تھے ان دونوں شعرا کا ۱۸۴۱ء اور ۱۸۴۷ء میں چھ سات سال کے آگے پیچھے انتقال ہوگیا اور انکی خوش قسمتی تھی کہ انھوں نے اپنے شاہ کو برباد ہوتے ہوئے اور قید میں کلکتہ جاتے ہوئے نہ دیکھا - کیونکہ ان دونوں فاضل شعرا کو شاہِ اودھ کے زمانہ میں بہت عروج تھا اور یہ ایسا عروج تھا کہ انکے اور ہمعصروں کو کم حاصل ہوا ہوگا -

اِنکے بعد

میر انیس و دبیر

کا طوطی بولا - میر انیس میر حسن کے پوتے تھے اور اِنکے ہمعصر دبیر تھے - انیس کا انتقال بماہ دسمبر ۱۸۷۵ء میں ہوا اور دبیر ان کے چند ماہ بعد فوت ہوئے - دونوں شاعر مرثیہ گوئی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اور تمام شعرا نے اِس فن میں ان دونوں صاحبوں کو لاثانی تسلیم کرلیا ہے پہلے یہ مشہور تھا کہ "بگڑا ہوا شاعر مرثیہ گو ہوتا ہے" لیکن ان دونوں کے کمال نے اس مقولہ کو غلط ثابت کردیا ہے - ابھی تک دو گروہ لکھنؤ میں موجود ہیں - جو دبیریئے اور انیسیئے کہلاتے ہیں - انیس والے دبیر کے اشعار پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور

اور دبیر والے انیس کے مرثیوں پر۔ یہ بھی لکھنؤ میں بیان کیا جاتا ہے کہ دبیر نومسلم تھے
و رانکے نام کے ساتھ لفظ میرزا اور بڑھانا چاہیئے مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ لفظ "میرزا"
کیونکر نومسلم کے ساتھ چسپاں ہو سکتا ہے۔ شاید شاہی خطاب ملا ہو۔ کہتے ہیں یہ پہلے
کایستھ ہندو تھے مگر اسکی تصدیق ہونی باقی ہے آیا انکے والد مسلمان ہوئے تھے یا انھوں
نے خود اسلام اختیار کر لیا تھا خیر جو کچھ ہو میرزا دبیر انیس کی ٹکر کے تھے اور باہم ایک دوسرے
کے مخالف موافق گروہ ایک دوسرے کو کچھ ہی کیوں نہ سمجھیں لیکن عام طور پر جسطرح
میر انیس کو مسلمانوں نے قبول کر لیا ہے اسی طرح میرزا دبیر کو بھی مانتے ہیں اور لکھنؤ کے باہر یہی
عقیدہ ہے کہ دونوں ہم پلہ ہیں۔ تھے

رجب علی بیگ سرور

جو ۱۸۶۹ء میں فوت ہو گئے ایک پایہ کے شاعر ہوئے ہیں اور اس صدی کے علم ادب
میں انھیں وہ فضیلت ہے جس کا اعتراف بڑے بڑے قابل لوگ کرتے ہیں انھوں نے
فسانہ عجائب کتاب لکھ کے اس بات کو ثابت کر دیا کہ زمانہ سابق کے علم ادب میں
سرور کا کتنا اثر ہے بہر طرف۔ عجائب پر کیا منحصر ہے اشعار بھی سرور کے موجود ہیں جن سے
کمال شاعری پایا جاتا ہے۔ خود

واجد علی شاہ تخلص اختر

بھی شاعر تھے انکے تین دیوان چھپے ہیں۔ اشعار سے رنگینی اور حکومت کی بو آتی ہے اور بھی
کئی کتابوں کے مصنف ہیں بعض تو عربی اشعار بھی موزوں کئے ہیں لیکن سنا گیا ہے کہ
ان میں غلطیاں بھی اگر ہوتی تھیں تو درباری علما عمدہ طور سے ان اشعار کو صحت کا
جامہ پہنا دیتے تھے۔ غرض شاہ اودھ کی کل کتابیں دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔

بدنصیب دہلی

اگرچہ ویران ہو گئی تھی لیکن اسکی آب و ہوا میں ابھی وہ تاثیر باقی تھی جو روز ازل سے اس میں رکھی گئی ہے۔ جب اس نے نادر درانی اور مرہٹوں کی دستبرد سے نجات پائی تو پھر اس میں علمی مذاق کا چرچہ شروع ہو گیا اور امن کی حالت میں یہاں کے باشندے اپنے اصلی مذاق پر آ گئے۔ مغلیہ خاندان کے آخری شاہوں میں شاعری کا مذاق موجود تھا سب سے پہلے

شاہ عالم ثانی

کا ذکر کرتے ہیں جس نے سنہ ۱۷۶۱ء سے ۱۸۰۶ء تک ٹوٹی پھوٹی حکومت کی یہ بھی بہت بڑا شاعر تھا اس نے سب سے پہلے "آفتاب" نامی ایک کتاب تصنیف کی اور پھر ایک فسانہ منظوم اقدس نامی تحریر کیا۔ شاہ عالم کا ایک دیوان بھی دیکھا گیا ہے جس سے شاہ کی موزونی طبع کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ شاہ عالم کے بیٹے

سلیمان شکوہ

نے بھی کچھ کم تو طبیعت کا فن شاعری میں اظہار نہیں کیا۔ سلیمان شکوہ اکبر شاہ ثانی کے بھائی تھے اور جب دہلی حملہ آوروں کی دستبرد سے برباد ہوئی ہے تو انھوں نے بھی لکھنو میں جا کے پناہ لے لی تھی۔ لیکن لکھنؤ سے جب دہلی آباد ہوئی تو ۱۸۱۵ء میں واپس چلے آئے تھے اور یہیں انکی وفات ۱۸۳۸ء میں ہو گئی۔ ان کا بھی ایک دیوان موجود ہے انکے اشعار بلا کے پُر مذاق اور برجستہ ہوتے تھے اور ہر شعر سے مسکینی کے ساتھ ایک عجیب تمکنت پائی جاتی ہے۔ خاندان مغلیہ کا سب سے آخری بادشاہ جو انگریزوں کا پنشن خوار تھا۔

بہادر شاہ ثانی تخلص ظفر

ہوا ہے جنکی وفات بمقام رنگون ۱۸۶۲ء میں ہوئی تھی اس میں کلام نہیں کہ شاعر اعلیٰ درجہ

کا تھا۔ اگرچہ بہادر شاہ شیخ ابراہیم ذوق کے شاگرد تھے لیکن انصاف سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ جو مشہور ہے کہ استاد ذوق اشعار کہہ دیا کرتے تھے اور بہادر شاہ اپنے نام سے محفل میں سنا دیا کرتے تھے محض غلط اور بالکل لغو ہے۔ جسکو کچھ بھی شعرگوئی یا شعر فہمی کا مذاق ہوگا وہ سمجھ سکتا ہے کہ ذوق اور ظفر کے رنگ میں زمین آسمان کا فرق ہے کل اشعار میں ایک شعر کا رنگ بھی نہیں ملتا۔ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ جب معمولی چھوکرے اور کنجڑے۔ بھٹیارے۔ قصائی۔ اشعار موزوں کر سکتے ہیں او بہادر شاہ ایک شعر بھی موزوں نہ کر سکتے ہوں شاعری کے معاملہ میں بہادر شاہ کی نسبت یہ خیال کرنا بہت ہی رکیک ہے

ذوق

نہ صرف شاعر تھا بلکہ بہت بڑا فاضل بھی تھا اکثر انکے ہاں عربی کتب کا درس رہا کرتا تھا۔ انکی شاعری مسلم ہے۔ محاورہ میں سب سے اول نمبر ہے اور بعض اوقات فلسفیانہ مضامین اشعار میں ایسے باندھ جاتے ہیں کہ پڑھکر تعجب ہوتا ہے کہ یہ کس دل و دماغ کا شخص تھا۔ ہر شعر سے فاضل شاعر کی قابلیت پائی جاتی ہے لیکن دو باتیں جو شاعری کی جان ہیں وہ بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں ایک تو "درد" بہت کم محسوس ہوتا ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ آپکا سارا زمانہ نہایت فارغبالی میں بسر ہوا کبھی تمام عمر کوئی مصیبت آ کے نہیں پڑی اور بہت عیش سے زندگی بسر کی یہی وجہ تھی کہ فاضل شاعر اپنے اشعار میں درد پیدا نکر سکا۔ دوسری بات جو کھٹکتی ہے وہ رنگینی ہے۔ یہ تو نہیں کہا جاتا کہ کسی شعر میں رنگینی اور تازگی نہیں ہے لیکن ہاں یہ ضرور کہا جائیگا کہ کم شعر ایسے ہیں جن میں شادابی پائی جاتی ہے۔ اس میں بھی فاضل شاعر فطرتاً معذور تھا۔ اول دن سے نہایت متقی اور پرہیزگار رندوں اور آزادوں کی صحبت سے متنفر پورا مولوی علم حدیث اور تفسیر میں

ماہر حسب زندگی کا آغاز اور اختتام ان حالتوں میں ہو تو پھر کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے کہ فاضل شاعر اپنے اشعار میں رنگآمیزی پیدا کر دیتا۔ اگرچہ اکثر اشعار میں شراب نوشی ہجر اور مصیبت کا ذکر آیا ہے لیکن اس ذکر سے نہ تو شراب نوشی کی رنگینی پائی جاتی ہے اور نہ فراقِ یار کے بیان میں کچھ درد ٹپکتا ہے مثلاً استاد نے یہ فرمایا ہے۔

اے ذوق بس نہ آپکو صوفی جتایئے
معلوم سب ہے حقیقت ہو حق جناب کی
نکلے ہو میکدہ سے ابھی مُنہ چھپا کے تم
ڈالے ہوئے بغل میں صراحی شراب کی

اشعار اعلیٰ درجہ کے قابل۔ زمانہ کے مکّار صوفیوں کا جو ظاہرا ہو حق میں گزاریں اور پوشیدہ شراب نوشی اور ایسے ہی افعال شنیعہ کریں نقشہ اُتارا گیا ہے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ جب تمہاری یہ خراب حالت ہے تو اپنے کو صوفی نہ جتاؤ۔ مگر ایک شادابی اور رنگینی جو شراب کے بیان میں ہونی چاہیئے وہ ان اشعار میں نہیں۔ شراب نوشی کا بھی بیان ہے میکدہ کا بھی ذکر ہے صراحی بھی ہے لیکن یہ الفاظ یہاں ایسے خشک ہیں جیسے آزاد طبع نوجوانوں کو کسی مولوی کی زبان سے مجلسِ وعظ میں سُنائی دیں۔ جہاں اُستاد ذوق نے حسرت و یاس کا فوٹو اُتارا ہے اور انتہا کر دی ہے وہاں بھی کچھ اوپری اُوپری مفہوم پایا جاتا ہے مثلاً اُستاد فرماتے ہیں۔

ہائے رے حسرتِ دیدار میری ہائے کو بھی
لکھتے ہیں ہائے دو چشمی سے کتابت والے

اِس شعر کی قابلیت اور عمدگی میں شک نہیں شعر کو دیکھ کے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کہنے والا کس قابلیت اور دل و دماغ کا آدمی ہے مگر حسرت اور مایوسی جو اس شعر کے پڑھنے سے پیدا ہونی چاہیئے مطلق نہیں پائی جاتی۔ یاد رکھیئے کہ ہر ہر لفظ میں مصنف کی روح ہوتی ہے اور جس میں روح نہ ہو وہ بیجان ہے اُسکے پڑھنے والوں کو خاک مزا نہیں آتا۔ جن مصنفوں کی

خود عذر کیا ہے کہ اُردو میں میرا رنگ پھیکا ہے لیکن فارسی میں مجھے پوری دستگاہ ہے چنانچہ وہ خود کہتے ہیں۔

فارسی بیں تا بہ بینی نقشہاے رنگ رنگ
بگذر از مجموعۂ اُردو کہ بیرنگ منست

لیکن نہیں ہم میرزا نوشہ کے اس عذر اور کسر نفسی کو قبول نہیں کرتے اُنکے اُردو کے دیوان میں سے اُن اشعار کو نکال کے جو ادق ہیں اور جنکے معنے سمجھنے میں دقت پڑتی ہے اگر صاف اور سُتھرے اردو کے اشعار چُن لیئے جائیں تو معلوم ہوگا کہ فاضل شاعر کس دل و دماغ کا شخص ہے اور جو رنگ اُسنے اُردو میں پیدا کیا وہ بالکل نیا رنگ ہے ہر شعر میں فلسفہ۔ جذبات فطری۔ انسانی یاس اور واقعات سے بحث ہے اور تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ میرزا نوشہ کی ذات میں یہ کل صفتیں خداوند تعالیٰ نے کس طرح ودیعت فرمائی تھیں۔ درد شاعری کا جزو اعظم ہے اور انسانی فطرت اور نفس واقعات کی بحث یہ ایک ایسی عجیب و غریب بحث ہے جس سے شعر میں جان پڑ جاتی ہے اور یہ ممکن نہیں کہ انسان ایک شعر کو پڑھے اور اُسکے حواس خمسہ میں ایک سنسناہٹ نہ پیدا ہو جائے۔ مثلاً میرزا نوشہ فرماتے ہیں۔

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

ایسے فطری واقعات ہر انسان کو اُسکی زندگی میں واقع ہوتے رہتے ہیں جب وہ جبہہ سائی کرتے کرتے تھک جاتا ہے تو خود اُسکا دل یہ گویا ہوتا ہے کہ جب اتنی مدت تک اس مقام سے کچھ حاصل نہوا تو ایسی جبہہ سائی کرنے کیلیئے اور بھی در موجود ہیں۔ جبہہ سائی کا جب کوئی فائدہ نہ نکلا اور یہ مفت کی بیگار ہو گئی تو ایسی بیگار ہر جگہ ہو سکتی ہے اس سے زیادہ انتہائے مایوسی اور انتہائی درد کا جو لگاتار کوشش کی ناکامی پر حاصل ہوتا ہے عمدہ پیرایہ

ہیں بیان نہیں ہو سکتا۔ کوئی مبالغہ نہیں کوئی استعارہ نہیں کوئی خیالی بات نہیں انسانی فطرت۔ جذبات۔ محسوسات اور ناکامی کی ایک سچی تصویر اُتاری گئی ہے اور یہ ایسی تصویر ہے جس کا جواب انسانی حادثات طبعیہ میں نہیں ہو سکتا پھر میرزا نوشہ فرماتے ہیں۔

مہرباں ہو کے بُلا لو مجھے چاہو جب تم
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آبھی نسکوں

اس دماغ کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ جس سے یہ شعر نکلا ہے شاعر اپنے دوست کو تسکین دیتا ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ میں نے ناراض ہو کے تم سے ملنا چھوڑ دیا ہے میں تو اب بھی ایک نگاہِ لطف کا منتظر ہوں اگر مہربان ہو کے بلا لو گے بخوشی حاضر ہونیکو موجود ہوں۔ مجھ میں وقت کی سی بیوفائی نہیں ہے کہ جانے کے بعد پھر آنیکا نام نہیں لیتا۔ دوسرے فاضل شاعر اپنے دوست کو خاص ایک تعلیم بھی کرتا ہے کہ وقت پر بھروسہ نکرنا چاہیئے ہاتھ سے نکلنے کے بعد پھر وقت کبھی واپس نہیں آسکتا۔ جو کچھ کرنا ہے آج کر لو آج کا کام کل پر اُٹھا کے نہ رکھو۔ پھر عاشقانہ خیالی مضمون جو درد و یاس کا شاعر باندھا کرتے ہیں اُسے اس خوبصورتی سے ادا کیا ہے کہ جی پھڑک پھڑک جاتا ہے اور تعجب ہوتا ہے کہ میرزا کا دماغ کس بلا کا تھا جس سے یہ اشعار نکلے تھے۔ چنانچہ عاشقانہ خیالی مضمون فرماتے ہیں۔

رفوئے زخم سے مطلب ہے لذت زخم سوزن کی
سمجھیو مت کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے

یعنی میں رفوئے زخم اس لیئے نہیں کر رہا ہوں کہ زخم اچھا ہو جائے اور خیال یہ کر لیا جائے کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے۔ بلکہ یہ رفو اس لیئے کیا جاتا ہے کہ زخم میں جو سوئی آئے جائے گی اُس کے چبھنے سے ایک خاص لذت آتی ہے۔ یہ باتیں ہیں تو خیالی جن کے پڑھنے سے قائل کی طبّاعی معلوم ہوتی ہے لیکن پھر بھی انتہائے محبت ہے

کہ اپنے دل کے زخموں کو رفو اسی غرض سے کیا جاتا ہے کہ اور بھی تکلیف ہو ورنہ اور کوئی غرض نہیں ہے۔

میرزا نوشہ۔ ذوق۔ مومن۔ تینوں اپنے اپنے وقت میں فرد تھے۔ مؤمن کا زمانہ کسی قدر پہلے ہوا ہے یعنی ذوق اور غالب سے مؤمن خاں بڑے تھے لیکن تینوں بڑے دوست تھے اور باہم بہت بڑا اتحاد تھا۔ رنگ تینوں کا جدا جدا تھا۔ مومن خاں عجیب سج دھج سے رہتے تھے۔ لمبی لمبی زلفیں۔ پور پور چھلے انگوٹھیاں۔ ہاتھ پیروں میں مہندی لگی ہوئی۔ گھیتلی جوتی پیر میں۔ سر پر زریں ٹوپی غرض انکی یہ وضع تھی۔ مگر ابراہیم ذوق کی وضع ملانی اور سادی تھی۔ اور ہمارے میرزا نوشہ جو پشنگی اور افراسیابی نسل سے تھے عجیب وضع رکھتے تھے۔ سر پر چوگوشیا اونچی باڑ کی مغلئی ٹوپی جو اب تک مغل بچے پہنا کرتے تھے۔ گو آجکل بہت ترک ہوگئی ہے ایک لمبی قبا اور اس پر ایک جامہ پہنے ہوئے۔ لیکن جوتی گھیتلا۔ اس زمانہ میں کل شریف لوگ یہی جوتی پہنتے تھے۔ اخیر میں بیچارے کی کمر بہت جھک گئی تھی اور افسوس ہے کہ بیچارے تمام عمر لا ولد رہے بھانجے کو بیٹا بنا لیا تھا لیکن وہ بھی قبل از وقت دنیا سے رخصت ہوگیا۔ ایک دفعہ میرزا صاحب قماربازی میں گرفتار ہوئے تھے لیکن انسپکٹر پولیس نے انکے ساتھ بہت رعایت کی تھی انکو ہاتھ نہیں لگایا کسی قسم کی توہین نہیں کی اور ضمانت پر رہا کر دیا۔ غرض بڑے بامذاق اور رنگیلے تھے اور عجب دل لگی کے آدمی تھے۔ ایک دن بہن کی عیادت کو گئے دیکھا کہ بہن کی حالت اچھی نہیں ہے۔ بھائی کی صورت دیکھ کے بہن رونے لگیں میرزا نوشہ نے ہنس کے کہا بہن روتی کیوں ہو؟ بہن نے جواب دیا روتی یوں ہوں کہ موت کا پیغام تو آچکا ہے اب بچنے کی امید نہیں لیکن مجھپر قرض بہت سا ہے دیکھیے وہاں

یا بنتی ہے۔ یہ سُن کے اُسی رندھی آواز میں میرزا نوشہ نے جواب دیا بہن کچھ غم نکرو مفتی درالدین آسمان پہ تمھارے نام سمن جاری نہیں کرا سکتے اور نہ تم پہ وہاں ڈگری دیجائیگی تم ناحق اپنا جی کڑھاتی ہو۔

ایک دوسرا مذاق

کسمیوسا کا ناچ ہو رہا تھا اور میرزا نوشہ تشریف لائے اُنکے ایک بھائی نے جو ایک چھوٹی ریاست کے نواب تھے امیر خسرو کی خالق باری کا میرزا نوشہ کو دیکھکے یہ مصرع پڑھا

”بیا برادر آورے بھائی“

میرزا نوشہ نے بیساختہ یہ جواب دیا کہ دوسرا مصرع بھائی تم سے کس لیئے رکھ چھوڑا ہے یہ بی صاحب کی طرف خطاب کر کے پڑھ دو اس پہ مجلس میں بڑا قہقہہ اُڑا اور وہ مصرع یہ ہے ”بنشیں مادر بیٹھ ری مائی“ یہ عام طور پر سُنا جاتا ہے کہ جب کوئی بڑے معرکہ کا مشاعرہ ہوتا تھا تو میرزا نوشہ ذوق کے مقابلے میں نہ آتے تھے اور کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ٹال دیتے تھے چنانچہ بنگش کے کمرہ میں ایکدفعہ بڑا مشاعرہ ہوا میرزا نوشہ کو بلایا گیا لیکن اُنھوں نے طبیعت کی ناسازی کا بہانہ کر کے ٹال دیا اور اسی مشاعرہ میں اُستاد ذوق نے اپنی وہ مشہور غزل پڑھی جس کا ایک شعر یہ ہے۔

توڑا کمرِ شاخ کو کثرت نے ثمر کی
دنیا میں گرانباری اولاد غضب ہے

یہ بات تو بالکل صحیح کہ ایسے مشاعروں سے میرزا نوشہ پہلو بچاتے تھے اسکی وجہ یہ تھی کہ [illegible] ذوق کا اثر امرا اور عوام پہ بہت بڑا تھا کیونکہ ایک تو وہ بہادر شاہ کے اُستاد تھے اور دوسرے انکی شاعری کا رنگ اُس زمانہ کے مقبول اور موزوں رنگوں میں تھا میرزا نے اُردو [illegible] پیدا کی تھی اور ابھی وہ زمانہ نہیں آیا تھا کہ میرزا کا یہ نو ایجاد رنگ قبول

کر لیا جاتا۔ مشاعرہ میں جسقدر اُستاد ذوق کے شعروں پر داد واہ ہوتی اور کسیکو یہ بات نصیب نہ تھی دوسرے میرزا بھی خود تسلیم کرتے تھے کہ میں اُردو میں میرزا کی ہمسری نہیں کر سکتا اُن کا نیا رنگ جس طرح اوروں کو پھیکا معلوم ہوتا تھا اسی طرح اُنھیں خود بھی بمقتضائے آب و ہوا اور زمانہ پھیکا معلوم ہوتا تھا چنانچہ اُنھوں نے اپنے فارسی کے کلیات میں ذوق کی طرف خطاب کر کے خود کہا ہے "آنچہ درگفتار فخر تست آں ننگ منست" یعنے اُردو شعر گوئی تیرا مایۂ ناز ہے اور مجھے اِس سے ننگ ہے۔ ایک دفعہ سہرہ پر باہم دونوں شاعروں کی کھٹک گئی تھی اور اس میں میرزا نوشہ کو عاجز ہونا پڑا تھا۔ جواں بخت کی شادی پر یہ سہرہ کہا گیا تھا اور دونوں شاعروں نے یہ سہرہ کہا تھا لیکن ذوق کا سہرا ایسا مقبول ہوا کہ تمام دہلی میں لوگ اُسے پڑھ پڑھ کے جھومنے لگے یہانتک کہ گلی در گلی بچے پڑھتے پھرے۔ جب میرزا نوشہ نے دیکھا کہ ذوق بازی لیگیا اب زیادہ بگاڑ سے کیا فائدہ ہے تو ایک منظوم معذرت نامہ انکی خدمت میں بھیجا جو آنکے اُردو کے دیوان میں موجود ہے اور اُسکے اشعار عام طور پر اہل مذاق کو یاد ہیں جن میں سے دو ایک شعر ہم ذیل میں درج کر دیتے ہیں۔

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہگری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے
اُستاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
صادق ہوں اپنے قول کا غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

اسی معذرت نامہ میں اپنی اُردو کی بابت بھی فرمایا ہے کہ مجھے اُردو اشعار سے کیا تعلق ہے میں تو فارسی کہتا ہوں اور یہی میرا مایۂ فخر ہے۔

فارسی زبان اس میں شک نہیں کہ میرزا نے وہ مہارت اور مقبولیت پیدا کی تھی

کہ ایرانی بھی عش عش کرتے تھے اور جہانتک ہمیں واقفیت ہے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان بھر میں اِس سے بہتر فارسی کا شاعر کوئی نہیں ہوا۔ اگرچہ میرزا ترکانی یا ایرانی غرض تھے باہر ہی کے لیکن ہندوستان میں چونکہ زمانہ دراز ہو گیا تھا اِس لیئے وہ یہیں کے ہو گئے تھے۔ کچھ عرصہ وہ آگرہ میں رہے اور پھر دہلی میں آ رہے اور اخیر دہلوی کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

فارسی میں بھی میرزا کو چین نہ تھا ایک نہ ایک کانٹا ضرور لگا ہوا تھا قتیل کے شاگردوں نے اعتراض کرکے میرزا کو تنگ کر دیا تھا ایک دفعہ میرزا نے "مے زدہ غم زدہ شراب زدہ" مصرع کہا۔ اِس پر وہ غل مچا اور قتیل کے شاگردوں نے وہ اعتراضات کیئے کہ اخیر بوڑھے مغل کو کلکتہ جانا پڑا۔ اس زمانہ میں اگرچہ ریل تو بنی نہ تھی راستہ بہت دشوار گزار تھا پھر بھی یہ ارادہ کا پورا کلکتہ پہنچا اور اسنے وہاں جاکے ایک مجلس منعقد کی اور قتیل کے بڑے بڑے شاگردوں سے مقابلہ کی ٹھیری۔ ہزاروں آدمی ہندو مسلمان جمع ہوئے کہ دیکھیں میرزا نوشہ کیا کہتے ہیں صدہا انگریز بھی موجود تھے جنکی فارسی قابلیت بہت علی درجہ کی تھی جب جلسہ بھر گیا تو میرزا نے مثنوی باد مخالف پڑھی جسکے دو ایک شعر یہ ہیں۔

اے تماشائیان بزم سخن
وے مسیحا دمان نادر فن
اے گراں مایگان کلکتہ
وے زبان آوران کلکتہ
ہمچو من آرمیدۂ ایں شہر
بہر کارے رسیدۂ ایں شہر
اسد اللہ بخت برگشتہ
در خم پیچ و تاب گشتہ

یہ تو مثنوی کا آغاز ہے لیکن جہاں قتیل کو مخاطب بنایا ہے وہ اشعار حسب ذیل ہیں۔

حاشا للہ بد کسے گویم
واں ہم از پیش خود نمی گویم
مگر آنانکہ پارسی دانند
ہم بدیں عہد ورائے پیمانند

[illegible] زبان نبود قتیلش ہرگز از اصفہان نبود قتیل
میں زبان خاصۂ اہل ایران است مشکل ما [illegible] اہل ایران ست
ست تماشائیان شرف نگاہ ہاں بگو سید حسینہ لِلّٰہ
کہ بیان از خز[illegible] ہیچم سر او بجا [illegible] عی [illegible] و دہر مشر
[illegible] از کف گشتہ ہیچگونہ رہا [illegible] فی [illegible] نبیہ می را

[illegible] ساری مثنوی بہت ہی اچھی ہے مگر جب بوستے مغل سے کلکتہ پہنچے پر فرنگستانی خواتین کو دیکھا حیران ہوگئے کہ ایسی سیمتن ماہ پیکر تن آزادی سے پھرتی ہیں اور کسیکی مجال نہیں کہ آنکھ بھر کے دیکھ سکے چنانچہ ہمارے خاندان متوسلہ کے آخری یادگار میرزا نوشہ نے یہ برجستہ اشعار موزوں کئے۔

گفتم این ماہ پیکران چہ کسانند گفت خوبان کشور لندن
گفتم اینہا مگر دلے دارند گفت دارند [illegible] آہن

[illegible] ہمارے مرزا نوشہ کو کلکتہ میں بہت فتح ہوئی اور وہ کامیاب ہو کے دہلی واپس پہنچے سے انکا [illegible] دلی آیا [illegible] گھر [illegible] ایک ہندوستانی [illegible] نے یہ چہار دیواری کھچوادی ہے

[illegible] کی پوری تاریخ لکھنا بڑا مشکل کام ہے مجھسے جہانتک ہو سکا میں نے نہایت مختصر طور پر اسکی [illegible] لکھدی ہے اگر میں ہر صدی کی اردو تصانیف پر رائے دیتا اور جو ترقی اس عزیز زبان [illegible] نے کی ہے اسکے پورے حالات بیان کرتا تو ایک ضخیم کتاب بن جاتی اور پھر اصلی مطلب فوت ہو جاتا اسلیئے میں نے اتنے ہی لکھنے پر قناعت کی۔ اب میں دہلی کا جہاں [illegible] کا ہی کچھ تذکرہ کرنا چاہتا ہوں اس تذکرہ میں دہلی کے حدود اربعہ اسکی قدیم

تاریخ اور اسکے مشہور مقامات کا ذکر ہوگا جو غالباً دلچسپی سے خالی نہوگا میں کوشش کرونگا کہ دہلی کی ایک کامل تاریخ اور جہاں آباد یا شاہجہاں آباد کی ایک زبردست یادگار قائم ہوجائے اور خدا کرے میں اپنی کوشش میں کامیاب ہوں۔

جغرافیائی حالت

اسکی حدود ریاست جمنا کے مغربی اور شمالی کنارے پر واقع ہیں ان حدوں کا طول ۵۷ میل ہے اور عرض ۶ میل سے ۲۲ میل تک ہے دہلی کے شمال میں ضلع کرنال ہے مشرق میں دریائے جمنا جس نے میرٹھ اور اضلاع بلند شہر کو اس سے جدا کر دیا ہے۔ جنوب میں رہتک اور مغرب میں گوڑگانوہ تمام ملک پتھریلا اور ریتیلا ہے اور زیادہ تر اسکی زمین کی کاشت مصنوعی نہروں سے کیجاتی ہے مغربی جمنا نہر سے ۶۰ میل تک ضلع میں چلی گئی ہے اور جو علی مردان [illegible] ہے یہ کل کاشتکاری دکھائی دیتی ہے اور [illegible] جمنا کنارے اور گرد [illegible] سے [illegible] کا لحاظ [illegible] کی پہاڑیاں شمال مشرق [illegible] سلسلہ سے ایک چٹانی قطعہ دو سے تین میل چوڑا پیدا کرتا ہے اور [illegible] سطح سے [illegible] اونچائی پانسو فٹ ہے۔

مردم شماری

۱۹۱۱ء کی مردم شماری کی تعداد حسب ذیل ہے کل ضلع دہلی کی آبادی چھ لاکھ آٹھ ہزار آٹھ سو پچاس تھی اور یہ آبادی ۱۲۴۲ مربع میل میں پھیلی ہوئی ہے اور حساب لگایا گیا ہے کہ ایک مربع میل میں ۵۵۴ آدمی رہتے ہیں ضلع دہلی میں مذاہب کے لحاظ سے تعداد یہ ہے ہندو چار لاکھ اڑتیس ہزار آٹھ سو چھیاسی مسلمان ایک لاکھ تئیس ہزار چھ سو پینتالیس سکھ [illegible] دوسری قومیں اٹھائیس ہزار

سات سو انتالیس۔ خاص دہلی کی آبادی ۱۵۴۴۱۷۔ سونی پت ۱۲۱۷۶ فریدآباد ۷۹۹۰ اور بلب گڈھ ۶۲۸۱ ت ۱۸۶۸ء کی یہ مردم شماری لیکن حال کی مردم شماری میں ایک آبادی اور بڑھ گئی دہلی میں بجائے ڈیڑھ لاکھ کے دو لاکھ کا اندازہ ہے اور اسی طرح ہر شہر میں ایک ایک حصہ آبادی کا بڑھا ہے۔

کاشت

ضلع دہلی میں گیہوں۔ جو۔ جوار۔ باجرہ۔ مکئی۔ اعلیٰ درجہ کا چانول۔ نیشکر او تمباکو پیدا ہوتا ہے پیلی بھیت کا چانول بہت مشہور ہے لیکن دہلی کے چانول کی برابری نہیں کر سکتا خود دہلی والے نہیں جان سکتے کہ دہلی کی سرزمین دہقانوں کے حق میں بہشت ہے زرخیز ہے ضلع دہلی کا رقبہ ۸۱۴۶۷۲ مربع میل ہے لیکن کاشت صرف ۵۲۵۲۵۵ قطعہ زمین پر کیجاتی ہے ۱۱۴۷ ایکڑ زمین کا ایک ٹکڑا دہلی کے حکمرانوں نے شکار کے لیے علیحدہ کر رکھا تھا اب اس ٹکڑے میں لکڑی پیدا ہوتی ہے اور حکومت انگریزی اسکی بہت حفاظت کرتی ہے جمنا کے کنارے پر اور بہت سے قطعات زمین محکمہ جنگلات میں دیدیے گئے ہیں۔ دہلی کی پہاڑیوں میں دو قسم کا پتھر برآمد ہوتا ہے ایک تو سفید پتھر جو عموماً کام آرہا ہے اور دو قسم کا نہایت ہی خوبصورت سنگ مرمر ہے ایک سیاہ رنگ کا سنگ مرمر اور ایک سفید رنگ کا اگرچہ نفسہ وہ سنگ مرمر نہیں ہے لیکن مثل سنگ مرمر کے ہے عام نظریں کبھی اسکی صحیح جانچ نہیں کر سکینگی۔ ایک سفید چکنی مٹی ارنج پور۔ مراد پور اور قاسم پور میں دریافت ہوئی ہے رڑکی میں گورنمنٹ کے کارخانہ میں اسکی کٹھالیاں بنتی ہیں اور انکی بہت تجارت ہوتی ہے

انتظامی حالت

ضلع دہلی میں تین تحصیلیں ہیں۔ دہلی۔ لرساہو۔ اور بلب گڈھ۔ شہر دہلی میں ڈپٹی کمشنر مفصلہ ذیل عملہ کے ساتھ رہتا ہے۔ دو اسسٹنٹ۔ دو اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ایک عدالت خفیفہ کا جج تین تحصیلدار۔

پڑی ہوئی ہیں بہت سی مساجد ہیں جہاں انسان کبھی جا کے بھی نہیں پھرتا- کیا تماشہ کی بات ہے کہ ہم مسلمان روزمرہ نئی نئی مساجد بنواتے چلے جاتے ہیں اور پرانی مسجدیں برباد کر رہے ہیں

جدید عمارتوں میں

گورنمنٹ کالج ہے جو ۱۷۹۲ء میں بنا تھا۔ بدلنی پروٹسٹنٹ کا گرجہ جس کو دس ہزار پونڈ کی لاگت سے کرنیل اسکینر نے بنوایا تھا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی تاریخ میں ایک بڑے نامور افسر گزرے ہیں- چاندنی چوک کے وسط میں گھنٹہ گھر ہے جو اس تالاب پر بنایا گیا ہے جو غدر سے پہلے یہاں بنا ہوا تھا- چاندنی چوک کے پیچھے جانب شمال ملکہ کا باغ ہے- مغرب اور شمال کیطرف شاہی خاندان کے خوبصورت مقبرے ہیں- ہمایوں خاندان مغلیہ کا دوسرا شہنشاہ بھی یہیں آرام کر رہا ہے یہ مقبرہ سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے اور بہت ہی خوبصورت ہے شہر سے اس کا فاصلہ قریب دو میل کے ہے اِسکے گرد ایک دیوار ہے اسکے چار دروازے ہیں- یہاں بڑے بڑے باغات لگے ہوئے تھے حوض اور نہروں کے نشان اب بھی موجود ہیں وسط میں ایک پلیٹ فارم قریب بیس فیٹ کے اونچی اور دو سو فٹ مربع بنی ہوئی ہے چاروں طرف سیڑھیاں ہیں اسکے اُوپر مزار بنا ہوا ہے اور مزار پر بہت بڑا سنگ مرمر کا برج ہے جانب غرب ایک میل کے فاصلہ پر بہت سے مزار اور مقبرے ہیں سب سے زیادہ خوبصورت اور مشہور

حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ

کا مزار ہے یہ مزار جسقدر خوبصورت ہے اُسیقدر مرجع خلائق بھی ہے یہاں چھوٹی سی آبادی بھی ہے اور اکثر شہزادے رہتے ہیں حضرت نظام الدین اولیا کی سال بھر میں ایک مرتبہ سترھویں ہوتی ہے اور دوسری سترھویں اُنکے فاضل شاگرد یا مرید امیر خسرو دہلوی کی منائی جاتی ہے- ایک قسم کی فاتحہ خوانی ہے جس کا دستور ہمیشہ سے چلا آتا ہے لیکن زمانہ گزرنے پر اس تقریب

میں تبدیلی پیدا ہوگئی پہلے حضرت نظام الدین اولیا کی قبر پر قوالی نہیں ہوتی تھی اور نہ ڈھول بجتی تھی کیونکہ انکے ملفوظات میں ہے کہ حضرت شاہ صاحب کو موسیقی سے سخت نفرت تھی مگر رنگیلی طبائع نے بعد ازاں اس بزرگ اسلام کی حد ادب کا پاس ملحوظ نہیں کیا اور وہاں اسکے سامنے قوالی ہونی شروع ہوئی یہانتک بھی مضائقہ نہ تھا لیکن رفتہ رفتہ کسبیوں کو بھی دخل ملنے لگا اور اب افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ قوالوں سے زیادہ [illegible] کسبیاں بھی حقانی گیت گاتی ہوئی نظر آتی ہیں یہاں ہر ششماہی میلہ بہت بڑا ہوتا ہے لیکن جو اشخاص فاتحہ خوانی کی نیت سے جاتے ہیں انکی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ حضرت نظام الدین اولیا کے [illegible] کے سامنے **محمد شاہ رنگیلے** مع اپنے اور خاندان کے ایک گوشہ میں آرام کر رہے ہیں انکی چھوٹی سی قبر بنی ہوئی ہے اور اس پر کوئی برج وغیرہ نہیں ہے صحن مزار سے ایک بلند قطعہ زمین پر جس کے گرد جنگلا گھرا ہوا ہے محمد شاہ اور دوسرے شاہان دہلی آرام کرتے ہیں اور اب انکی ایسی بیکسانہ حالت ہے کہ اللہ کی پناہ خالی دنوں کو تو جانے دو جب ہر ششماہی پر ہزاروں آدمی جمع ہوتے ہیں کوئی انکی قبروں پر آنکھ نہیں ڈالتا وہ عروج تھا اور یہ زوال ہے۔ سنا گیا ہے کہ شاہ نظام الدین کے مزار پر جو مقبرہ تعمیر ہے یہ محمد شاہ رنگیلے نے تعمیر کیا تھا انھیں حضرت سلطان جی سے عقیدہ بہت تھا چونکہ اتفاقیہ دہلی کی سلطنت انھیں مل گئی تھی تو یہ سمجھ گئے تھے کہ محض شاہ نظام الدین اولیا رحمہ اللہ کی نظر توجہ سے بادشاہی حاصل ہوئی ہے۔ محمد شاہ خاندان مغلیہ میں سے نہ تھے نہ ان کا کوئی حق تھا یہ اصل میں ترک تھے چونکہ انکی ماں کا رسوخ بہت تھا اور اس وقت شاہی نسل کا کوئی شخص نظر بھی نہ آتا تھا اس لیئے انھیں بادشاہ بنا دیا گیا افسوس نہ وہ سلطنت رہی نہ وہ خاندان سب برباد ہوگئے اور ان کا دھندلا

سابہ گورستان میں کچھ کچھ نظر آتا ہے۔

قطب صاحب کی لاٹ شہر سے جنوبی سمت قریب نو میل کے واقع ہے یہ عمارت سنگ سرخ کی عجیب و غریب ہے اسکے کئی درجے ہیں اندر سیڑھیاں ہیں ہر شخص آسانی سے اوپر چڑھ سکتا ہے اسکے ایک ہی حصہ پر چڑھ کے دیکھو تو عجب حسرت خیز نظارہ معلوم ہوگا۔ ہزاروں محلات ادہر ادہر نظر آئینگے لیکن سوائے کھنڈروں کے اور کوئی چیز نہیں دکھائی دیتی جب یہ زمانہ میں سب بنے ہونگے اور جن لوگوں نے بنائے ہونگے اسوقت انکی کیا حالت تھی مگر اب کیا تو الو دن کو اسکے بسیرا لیتے ہیں اور یہاں ہر وقت ویرانی کا دور دورہ رہتا ہے۔

چشم عبرت بیں کشا و تان شاہاں را نگر
تا جہاں از گردش گردون گردانش خراب
پردہ داری میکند بر طاق قیصر عنکبوت
بوم نوبت میزند بر گنبد افراسیاب

جو سیاح باہر سے آئے اُس کا سب سے پہلا فرض ہے کہ وہ ان کھنڈرات کی ضرور سیر کرے کیونکہ ان ہی کھنڈروں میں مسلمانوں کی گذشتہ شان و شوکت کا پتہ لگتا ہے اور یہی کھنڈر اور خاک کے تودے ہیں جہاں شاہوں شہنشاہوں شاہزادوں شاہزادیوں کی ہڈیوں کا چونا ملا ہوا ہے اور مسلمانوں کی صدہا سال کی پر دبدبہ اور پر جلال سلطنت اسی چند مٹی کے ڈھیروں میں مل گئی ہے یہ کھنڈر زبانِ حال سے ناظر کے سامنے گویا ہوتے ہیں "ہمیں حقارت سے نہ دیکھو تمہیں بھی ایکدن پورا غرق ہونا ہوگا اگرچہ اب ہم پائمال ہو رہے ہیں" پھر لاٹ سے آگے بڑھکے خواجہ صاحب کا مزار ہے ایک خوبصورت مسجد بنی ہوئی ہے اور اسکی بغل میں مزار پر انوار ہے جہاں بکثرت لوگ زیارت کو جاتے ہیں کسی حیدرآبادی رئیس نے اسکے گرد سنگ مرمر کا کٹہرا بنوا دیا ہے۔ اور بھی صدہا مزار اور تاریخی مقامات ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

دہلی کی تواریخ

ہندوستانی تواریخ کے ابتدائی زمانہ سے دہلی اور اُسکے مضافات میں اس بات کا کھوج ملتا ہے کہ یہاں ایک بہت بڑا دار الخلافہ آباد تھا۔ موجودہ دہلی سے اگر ہم چند میل باہر نکل کے دیکھیں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ کئی بار شہر پر شہر آباد ہوئے اور برباد ہوگئے۔ کئی درجن شہروں کا کھوج لگتا ہے کہ کس شان سے آباد ہوئے اور کس افسوسناک طریقہ سے برباد ہوگئے یہ باتیں ہندوستان میں اور کہیں بھی نہیں پائی جاتیں سب سے پہلے پائے تخت جو آباد ہو کے برباد ہوگیا اندرست تھا جو حضرت مسیح علیہ السلام سے پندرہ سو برس پہلے آباد تھا مہا بھارت سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ یوڈانشٹر نے کیونکر اس شہر کی بنیاد ڈالی اور اُسکے پانچ بھائیوں پانڈوں نے کیونکر مدد کی یہ شہر جمنا کے ساحل پر آباد تھا اسی کے قریب ہمایوں کا مقبرہ ہے موجودہ شہر کے جانب جنوب قریب دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ نگمود گھاٹ جو دہلی کے پُرانے کلکتی دروازے کے قریب ہے اُسی زمانہ کی یادگار ہے۔ اندرپست چودہ سو سال تک خوب عروج پر رہا۔ لیکن بعد ازاں ایک اولوالعزم راجہ دہلو نامی نے حضرت مسیح سے [illegible] سو سال پہلے ایک نئے پائےتخت کی بنیاد ڈالی اور اس کا نام دتی یا دہلی رکھا یہ شہر جنوب تک آباد ہوتا چلا گیا۔ قطب صاحب کی لاٹ کو شہر کا مرکز سمجھنا چاہیئے پھر تیسری اور چوتھی صدی عیسوی میں جدید شہر آباد ہوتے اور برباد ہوتے رہے لیکن انکی شان اور عظمت کے نشان اب بھی کہیں کہیں نظر آتے ہیں مثلاً لوہے کی لاٹ اس زمانہ کی ایک بہت بڑی یادگار ہے اس لاٹ کا محیط دائرہ کچھ اوپر سولہ انچ ہے اور اس کا طول پچاس فٹ سے زیادہ ہے جس میں ۲۲ فٹ زمین کے اوپر ہے ٹھوس لوہے کی بنی ہوئی ہے سنسکرت زبان میں ایک کتبہ اس پر چھ سطروں میں کندہ ہے اور یہ لاٹ راجہ دہلو کی بنائی ہوئی ہے پھر [illegible]۳۶ء میں انگ پال نے ایک نئی دہلی کی

بنیاد ڈالی۔ اس راجہ کا خاندان دہلی میں مدت تک حکومت کرتا رہا اور قنوج میں بھی اسی راجہ کی حکومت تھی ۱۱۵۱ء میں اجمیر کے چوہان راجپوتوں نے اس خاندان کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اسکو بالکل برباد کردیا لیکن فاتح خاندان کے ایک لڑکے کی اس مفتوح خاندان کی شہزادی سے شادی ہونے پر یہ دونوں خاندان پھر باہم شیر و شکر ہو گئے۔ اس رانی سے مشہور و معروف پرتھوی راج پیدا ہوا جو دہلی کے ہندو راجاؤں کا آخری راجہ تھا ۱۱۹۱ء میں محمد غوری نے پرتھوی راج پر حملہ کیا۔ اس حملہ میں شکست کھا کے محمد غوری چلا گیا اور پھر دو سال کے بعد واپس آکے پرتھوی راج کا قلع قمع کردیا اور یہ راجپوت بہادر میدان جنگ میں کام آیا۔ قطب صاحب میں ایک ایسے مقام کا پتہ ملتا ہے جہاں سلطان محمد غوری اور پرتھوی راجہ کی بڑی خوں ریز جنگ ہوئی تھی لیکن تواریخ میں اس مقام کی توضیح کچھ بھی درج نہیں ہے اس تاریخ سے دہلی بجائے ہندوانی شہر کے اسلامی شہر ہو گیا۔ سلطان محمد اپنے سپہ سالار قطب الدین کو دہلی چھوڑ کے آپ اپنے وطن چلا گیا قطب الدین کا خاندان خاندان غلامان مشہور ہے اس خاندان کی سلطنت میں دہلی کو بہت ہی عروج ہوا اور اس کا ستارہ بہت ہی بلندی پر پہنچ گیا۔ اس زمانہ کی شان و عظمت کی نشانیاں ابھی تک موجود ہیں مثلاً قطب صاحب کا منار اور مسجد جو موجودہ دہلی کے جانب جنوب واقع ہے قطب الدین اصل میں ایک مسجد بنانا چاہتا تھا جس کا یہ عظیم الشان منار موجود ہے لیکن بعض سیاسی معاملات کی وجہ سے اسکی یہ مراد پوری نہو سکی اگر اس منارے کی طرح ایک مسجد بھی بنجاتی تو اس کا نظیر آج کہیں دنیا پر نظر نہ آتا خاندان غلامان کی حکومت ۱۲۸۸ء تک رہی پھر جلال الدین خلجی نے اس خاندان کا چراغ بجھا دیا۔ اس آخر الذکر خاندان کا ایک بڑا نامور بادشاہ علاؤالدین ہوا ہے جسکے عہد میں دو بار مغلوں نے دہلی پر حملہ کیا تھا پہلے حملہ میں علاؤالدین نے شہر کی فصیلوں کے نیچے مغلوں کو

بڑی بھاری شکست دی دوسرے حملہ میں مغلوں نے دو مہینے محاصرہ کرنے کے بعد بغیر جنگ کے شہر چھوڑ دیا سنہ ۱۳۲۱ء میں خلجی خاندان کا بھی خاتمہ ہو گیا اور اسکی جگہ خاندان تغلق نے لی۔ پٹھان شاہوں نے کسی دوسرے دارالخلافہ کے آباد کرنے کی ضرورت نہیں دیکھی۔ ہندوؤں کے پرانے شہر پر قناعت کی اور اپنے مذاق کے موافق اس میں کچھ تغیر و تبدل کر لیا لیکن اسی خاندان کے شاہوں میں غیاث الدین تغلق نے ایک نئے دارالخلافہ کی بنیاد ڈالی جو جانب مشرق چار میل کی دوری پر ابھی تک موجود ہے ہر سیاح کا فرض ہے کہ جب وہ قطب صاحب کی سیر کرنے جائے تو واپس آتے وقت تغلق آباد کا محل یا قلعہ دیکھے وہاں [illegible] خود بخود یاد آجائیگی کیسی عالیشان اور مستحکم عمارت ہے اور یہ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ ابھی تک خاندان تغلق کے کچھ لوگ یہاں رہتے ہیں اور بیچارے کھیتی باڑی کرتے ہیں سیاح یہاں آکے اس بات کو اچھی طرح دیکھ لیگا کہ تغلق آباد کتنا بڑا شہر تھا وہ گلیوں اور شاہراہوں کا نشان ابھی تک اسکی نظر پڑیگا کہ کتنی چوڑی چوڑی شاہراہیں ہیں اور اپنے عروج اور آبادی کے زمانہ میں اسکی شان و شوکت کی کیا کیفیت ہوگی غیاث الدین کے بعد محمد تغلق ہوا جسنے سنہ ۱۳۲۵ء سے سنہ ۱۳۵۱ء تک حکومت کی اسکے وقت میں تغلق آباد کو بہت عروج ہوا اور ایسا عروج ہوا کہ اسکے بعد سوائے زوال کے اور دن دیکھنا قسمت نے نہیں رکھا تھا۔ محمد تغلق کی آنکھیں بند ہوتے ہی تغلق آباد کا بھی زوال شروع ہوا کیونکہ اسکے جانشین فیروز شاہ تغلق نے ایک جدید شہر کی بنیاد ڈالی جو قطب صاحب کی لاٹ سے جانب شمال چند میل کے فاصلہ پر موجود ہے اور اپنے نام پر اسکا نام فیروز آباد رکھا سنہ ۱۳۹۸ء میں محمود تغلق کے زمانہ میں تیمور نے دلی پر چڑھائی کیا محمود گجرات بھاگ گیا اسکے لشکر کو پایہ تخت کی لڑائیوں میں بہت شکست ملی اور آخر تیمور کے سپاہ قلعہ کے پرے پہنچ کر اہل شہر نے اطاعت قبول کر لی اور شہر کے دروازے کھولدیے شہر لٹوا دیا

پناہ دیکھا یگی شہر والوں نے اطاعت قبول کر لی۔ تیمور نے اپنے وعدہ کے خلاف شہر کو لوٹ بھی لیا اور رعایا کو قتل بھی کر دیا۔ فتح اور برباد کرنے کے بعد تیمور واپس چلا گیا تو تیمور کے بعد شہر کی عجیب حالت تھی نہ کوئی گورنمنٹ تھی اور نہ رعایا شہر کیا تھا بالکل ویرانہ معلوم ہوتا تھا۔ جب محمود نے سُنا کہ تیمور ہندوستان سے چلا گیا تو اپنے پایہ تخت میں واپس آیا شہر کی درستی کی اور اُسے دوبارہ آباد کیا سنہ ۱۴۱۲ء میں محمود کی آنکھیں بند ہوتے ہی اسکے خاندان کی آنکھیں بھی ساتھ ہی بند ہو گئیں۔ تغلق کی جگہ سیدوں کا خاندان قائم ہوا لیکن سنہ ۱۴۴۴ء میں سید بھی مٹا دیئے گئے اور انکی جگہ خاندان لودھی نے لی جو اس خاندان نے بجائے دہلی کے آگرہ کو اپنا پایہ تخت بنایا سنہ ۱۵۰۶ء میں

بابر

سلطنت پر قبضہ کیا۔ بابر تیمور کا چھٹی پشت میں تھا۔ پانی پت کے ایک خونریز میدان میں ابراہیم لودھی کو شکست دی اور نہایت طمطراق سے دہلی میں داخل ہوا۔ اور افغانی خاندان کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔ دہلی کی فتح کے بعد بابر نے اپنا پایہ تخت آگرہ کو بنایا۔ لیکن اسکے بیٹے ہمایوں نے دہلی ہی کو دارالخلافہ کے لئے پسند کیا اور وہ یہاں چلا آیا سنہ ۱۵۴۰ء میں شیر شاہ نے ہمایوں کو شکست دیکے مار کے نکال دیا اور ایک جدید پایہ تخت دہلی میں اپنے مذاق کا تعمیر کرایا اسکے گرد فصیلیں بنائیں اور ہر مقام پر زبردست گڑگج تعمیر کیے۔ شیر شاہ کے زمانہ میں دہلی ہمایوں کے مقبرہ سے موجودہ شہر دہلی کے جنوبی دروازہ تک آباد تھی۔ سنہ ۱۵۵۵ء میں ہمایوں نے دوبارہ دہلی کو فتح کر لیا لیکن اس فتح کے چھ مہینے کے بعد اسکی وفات ہو گئی اور پھر اسکا بیٹا اکبر تخت نشین ہوا

اکبر اور جہانگیر

کے زمانہ میں آگرہ یا لاہور سلطنت کا پایہ تخت رہا اس سبب سے دہلی ایک بار اور بھی تنزل

میں پھنس گئی۔ لیکن شاہجہاں نے ۱۶۳۵ء اور ۱۶۵۸ء کی مدت میں دہلی کو موجودہ شکل پر تعمیر کیا۔ لال قلعہ۔ جامع مسجد۔ اور مغربی جمنا کنیال کی تعمیر شاہجہاں ہی نے کی۔ سلطنت مغلیہ کو اکبر کے زمانے میں عروج شروع ہوا تھا اور عالمگیر کے آخری زمانہ تک یہی عروج ہوتا رہا۔ آخر ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کی آنکھیں بند ہوئیں اور اُسکے بعد سلطنت مغلیہ کو تنزل شروع ہوا۔ بغاوتیں اور ملکی لڑائیاں سکھوں اور مرہٹوں کی پیدا ہوگئیں اورنگ زیب کے جانشین بجائے خود قابل نہ تھے بلکہ امرا کے ہاتھ میں مثل کٹ پتلیوں کے تھے۔ اورنگ زیب کے پوتے جہاندار شاہ کو ایک ہی سال بیٹھے ہوئے تخت پر گذرا تھا کہ کسی نے اُسے قتل کروا دیا۔ پھر

محمد شاہ رنگیلے

ہوئے جنکے زمانہ سلطنت میں سب سے اول مرہٹوں کی فوجیں دہلی کی فصیلوں کے نیچے آئیں یہ واقعہ ۱۷۳۷ء میں ہوا اس کے تین سال بعد نادر شاہ آدھمکے اور مغل فوج کو کرنال پر شکست دیکے بڑے جاہ و جلال سے شہر میں داخل ہوئے۔ ابھی عہد و پیمان ہی ہو رہا تھا کہ اہل شہر نے نادر کی فوجوں پر حملہ کر دیا اور کئی پلٹنیں کاٹ ڈالیں نادر نے اس ہنگامہ کو بہتیرا فرو کرنا چاہا لیکن نہ ہو سکا۔ اخیر اُس نے غصہ میں آکے اپنی فوج کو قتل عام کا حکم دیدیا اور آپ سنہری مسجد میں مع اپنے وزرا کے بیٹھا۔ سنہری مسجد ابھی تک موجود ہے اور شہر کی کوتوالی کے پہلو میں بنی ہوئی ہے۔ کچھ کم دو مہینے تک نادر دہلی میں رہا۔ نادر سے جتنا لے گیا یہاں سے لے گیا علاوہ اور قیمتی اشیا تخت طاؤس وغیرہ کے نقد روپیہ اندازاً آٹھ ملین سٹرلنگ پونڈ اور دوسری روایت کے بموجب بارہ کروڑ روپیہ لے گیا اور دہلی میں اُسکی فوج بالکل جھاڑو دے گئی۔ غرض ۱۷۰۷ء سے سلطنت کو تنزل شروع ہوا اور ایسا تنزل ہوا اور اس تیزی سے ہوا جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی یہانتک کہ ۱۷۷۱ء میں شاہ عالم عالمگیر ثانی کا بیٹا مرہٹوں کا پنشنخوار

سے لال قلعہ میں زندگی بسر کرنے لگا اور قریب قریب تمام ہندوستان کی حکومت مرہٹوں کے قبضہ میں آگئی۔ ۱۷۸۸ء میں شاہ عالم نے اس بات کی کوشش کی تھی کہ مرہٹوں کے پنجہ سے آزاد ہو جائیں مگر بیچارے کامیاب نہیں ہوئے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرہٹوں کی ایک مستقل فوج دہلی میں رہنے لگی۔

اس تاریخ سے شاہ دہلی مرہٹوں کے ہاتھ میں مثل کٹ پتلی کے رہنے لگا یہانتک کہ ستمبر ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے دہلی کی فصیلوں کے نیچے مرہٹوں کو شکست دیکے شاہ عالم کو اپنی پناہ میں لیلیا۔ ۱۸۰۴ء میں مہاراجہ ہولکر نے دہلی پر سخت حملہ کیا لیکن کرنیل اوکٹرلونی نے جسکو اہل دہلی اختر لونی کہتے ہیں بڑی بہادری سے شکست ہولکر کو دی اور وہ دہلی سے بھگا دیا گیا۔ اس تاریخ سے دہلی کی تواریخ میں ایک جدید سال کا آغاز ہوتا ہے ۵۳ سال تک امن و امان رہا۔

سلطنت مغلیہ کا ایک دھندلا سا سایہ صرف دہلی کی چار دیواری میں رہ گیا تھا سلطنت بالکل جا چکی تھی مگر انگریز حکام نے بادشاہ کی عزت و حرمت کو ایک حد تک برقرار رکھا تھا انہیں ایک معقول وظیفہ دیا جاتا تھا۔ اور ان کے ذاتی معاملات میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں کی جاتی تھی۔ شہر بسا ہوا تھا اور صاحبقران تیمور کی اولاد انگریزوں کی سرپرستی میں آسانی سے ناراض نہیں تھی۔ بہادر شاہ یا اُن کے والد نے آنکھ کھول کے سوائے انگریزوں کے اور کسی کو نہیں دیکھا مگر وہ شریفانہ برتاؤ جو انگریز بہادر شاہ یا اُن کے والد سے کرتے تھے شاہ عالم نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا مثل سابق کے بہادر شاہ کے دربار میں بھی شاہانہ ادب و آداب برتا جاتا تھا اور انگریزی حکام خوشی یا ناخوشی سے اسکی پابندی کرتے تھے۔ ایسے دھندلے سایہ کا قیام واقعی بہت مشکل تھا۔

مسلمان مرہٹوں کے ظلم سہتے سہتے ایسے تنگ آ گئے تھے کہ انھیں انگریزوں کی سلطنت بسا غنیمت معلوم ہوتی تھی اگر باغی اور بے رحم فوج دہلی کا رخ نہ کرتی اور یہاں انگریزوں ہی کا تسلط رہتا تو ہرگز کسی قسم کی بربادی نہ ہوتی۔ خدا کو جو کچھ منظور تھا وہ ہوا۔ اور اب شکر کا مقام ہے کہ انگریزوں کی سلطنت ہندوستان کے لیئے ایک نعمت غیر مترقبہ مانی گئی ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ غدر ۱۸۵۷ء کے مختصر حالات درج کریں تاکہ معلوم ہو کہ باغی نمک حراموں کو کیسی زک اٹھانی پڑی اور انگریزوں کو جن کے معصوم بچوں اور عورتوں کو قتل کیا گیا۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے فضل سے کیسی فتح عنایت کی۔ غدر کے ان حالات سے یہ پتہ چل جائیگا کہ اسکی ابتدا کیونکر ہوئی اور یہ آگ ہندوستان کے اکثر حصوں میں کیونکر بھڑک اٹھی۔ بہادر شاہ کا مقدمہ کیونکر ہوا اور بعض بڑے بڑے مسلمان یا ہندو عہدہ داروں نے کیا کیا اظہار دیئے۔ فقط

پہلا باب

۱۸۵۷ء کی بغاوت

شروع سال ۱۸۵۷ء میں مفسدہ پردازوں نے یہ غلط خبر مشہور کی کہ نئی بندوقوں کیواسطے ولایت سے جو کارتوس آئے ہیں اُن میں سور اور گائے کی چربی لگی ہوئی ہے اور ایسے کارتوسوں کے تقسیم کرنے سے سرکار کا ارادہ ہے کہ مذہب ہنود اور اسلام کو بگاڑا جائے اور سب لوگ عیسائی ہو جائیں ۲۳ تاریخ جنوری ۱۸۵۷ء کو مقام دمدمہ میں جو کلکتہ کے قریب ہے کسی ادنیٰ قوم کے ہندو نے دوم بنگال گرانیڈیر کے ایک برہمن سپاہی سے پانی پینے کو لوٹا مانگا برہمن نے انکار کیا اُس نیچ ذات کے آدمی نے سپاہی سے کہا کہ جی مہاراج! آپ اپنی ذات پر شیخی نہ ماریئے دیکھو تو سہی ہوتا کیا ہے آپکو گائے اور سور کی لگی ہوئی چربی کے کارتوس منہ سے کاٹنے پڑینگے پھر آپ کی ذات کہاں رہیگی برہمن نے یہ سنکر اس خبر کو سب اپنے بھائی بندوں میں پھیلایا گویا یہاں سے بغاوت کی ابتدا ہوئی۔ تمام فوج ہندوستانی متعینہ دمدمہ کو گمان ہوا کہ وہ ذات میں سے خارج ہو گئے اور جب وہ گھر جائینگے تو کوئی اُنکے ساتھ کھانا نہ کھائیگا جب اس بات کی خبر انگریزی افسروں کو ہوئی اُنھوں نے پریڈ کا حکم دیا۔ حکم ہوتے ہی سب فوج آراستہ ہو کر کھڑی ہوئی افسروں نے ناراضگی کا باعث استفسار کیا اُنھوں نے جو سنا تھا وہ بیان کر دیا۔ افسروں نے سنکر اُنکی دلجمعی کی اور جو

تھا سراسر جھوٹی خبر ہے اُنھوں نے تشفی بخش اُنکی تردید کی خشک کارتوس دیئے گئے اُنسے
کہا گیا کہ چاہو جس چکنائی سے انکو چکنا کر کے استعمال کرو علاوہ ازیں یہ بھی قرار پایا کہ
ولایت سے کارتوس تیار نہ آئیں بلکہ کاغذ اور گولی علیحدہ علیحدہ بھیجے جاویں تاکہ وہ ہندوستان
میں تیار کیے جاویں اسکے بعد بارک پور جہاں کہ کلکتہ کی چھاؤنی ہے ایک اور واردات
درپیش ہوئی وہاں سکھ سپاہیوں نے نئے کارتوس کو مونہ سے کاٹنے میں انکار محض کیا اور
کہا کہ کارتوس کے کاغذ پر چربی لگی ہوئی ہے جسکے مونہ میں لگنے سے ان کا ایمان جاتا
رہیگا ۶ تاریخ فروری کو جنرل ہیرسی صاحب حاکم فوج بارکپور نے مع دیگر صاحبان
فوج اس امر کی تحقیقات کے واسطے اجلاس فرمایا اور پلٹن نمبر دوم گرانیڈیر کے سپاہیوں
کے سامنے بلاکر استفسار کیا کہ کارتوس نہ کاٹنے کی کیا وجہ ہے تب بیج ناتھ سپاہی نے آگے
بڑھکر عرض کی کہ ہم کو شک ہو کہ اس کاغذ کے کارتوس سے شاید ہمارے ایمان میں فرق
آجاوے ایسا کاغذ ہم نے کبھی پیشتر نہ دیکھا تھا اور لوگ بازار میں مشہور کرتے ہیں کہ اس کاغذ
پر چربی چڑھی ہوئی ہے یہ سنکر صاحبان کچہری نے اُسکے ہاتھ میں وہ کاغذ دیا اور کہا کہ
اِسکو اچھی طرح روشنی میں دیکھکر بیان کرو کہ تمھارے نزدیک اِس میں کونسی چیز قابل
اعتراض ہے بیج ناتھ نے کہا کہ غریب پرور مجھکو اس کاغذ میں اِس باعث سے شک ہوا
ہے کہ یہ سخت اور کپڑے کی مانند معلوم ہوتا ہے اور کاغذ کے طور سے نہیں پھٹتا بعد ازاں
ایک اور سپاہی مسمی چاند خاں کے اظہار ہوئے اُس نے بیان کیا کہ کاغذ کے کارتوس
کے کاٹنے میں اعتراض اس وجہ سے ہوا کہ وہ مثال چمڑے کے سخت معلوم ہوتا ہے
اور جلانے کے وقت اُس میں سے بو چربی کی آتی ہے چنانچہ سپاہیوں نے چوتھی تاریخ
ماہ حال کو کاغذ کے کارتوس کو جو پانی میں بھگو کر جلایا تو جلتے وقت اُس میں سے چراند

پھیلی یہ دیکھ کر تمام رجمنٹ کے لوگ خائف ہو گئے۔ اِس کہنے پر کارتوس کے کاغذ کا ایک بڑا ٹکڑا اُسی اجلاس میں جلایا گیا اُس وقت پھر چاند خاں سے دریافت کیا گیا کہ انبو اس میں سے ویسی بدبو آتی لیکن پھر بھی اُس نے کاغذ کے استعمال سے انکار کیا اور کہا کہ وہ موم جامہ کے مانند معلوم ہوتا ہے۔ اسکے بعد صوبہ دار خدا بخش کو بلا کے پوچھا اُس نے جواب دیا کہ مجھکو اس کاغذ کے کاٹنے میں کچھ انکار نہیں ہے لیکن پلٹن میں عام مشہور ہے کہ اس کاغذ پر چربی چڑھی ہوئی ہے۔ بعد ازاں گلاب خاں جمعدار نے بھی بالیقین یہ بیان کیا کہ کاغذ میں ضرور چربی لگی ہے کیونکہ یہ مانند کاغذ کے نہیں ہے جو کہ پہلے مروج تھا جب کہ عدالت ابتدائی کو معلوم ہوا کہ فوج کے لوگ اس کاغذ کے کاٹنے سے بالکل ناراض ہیں تو اِس لحاظ سے کہ مذہبی توہمات میں خواہ غلط ہوں یا صحیح مگر دخل نہ دینا چاہیے حکم دیا کہ اس امر کی آزمایش کیجاوے کہ آیا کارتوس بغیر منہ سے کاٹنے کے بائیں ہاتھ سے پھاڑ کر نئی رفل میں باسانی تمام بھر سکتے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ اس امر کا امتحان کیا گیا۔ اور امتحان پر معلوم ہوا کہ سپاہی بائیں ہاتھ سے کارتوس پھاڑ کے اُتنے ہی جلدی اور آسانی سے رفل میں بھر سکتے ہیں جیسا مُنہ سے کاٹ کے اِس تجربہ کے بعد سپہ سالار ہند نے اس بات میں اپنی منظوری کا حکم دیا اور [illegible] نواب گورنر جنرل ہند نے اس حکم کا اعلان فرمایا کہ آیندہ سپاہی بجائے مُنہ کے کاٹنے کے کارتوس کو بائیں ہاتھ سے پھاڑ کے بھریں یہ فیصلہ ہوا ہی تھا کہ برہام پور میں تازہ فساد پیدا ہوا ۱۹ ویں پلٹن کے کچھ سپاہی بارک پور سے بدل کے برہام پور گئے۔ یہ شہر بھاگیرتی کے بائیں کنارہ پر ایکسو بیس میل کلکتہ سے مغرب کی طرف واقع ہے اس مقام پر ۱۹ ویں پلٹن کے سپاہیوں نے اُنکی دعوت کی دعوت کے وقت انھوں نے تمام ماجرا جو دمدمہ اور بارک پور میں کارتوس کا ہوا تھا بیان کیا ۲۶ تاریخ فروری کو

حسب دستور کارتوس سے قواعد کرنے کا حکم ہوا انھوں نے انکار کیا اور ٹوپیاں نہ لیں اور بیان کیا کہ کارتوس کے کاغذ میں انکو شبہ ہے کہ دو طرح کے دیئے گئے ہیں ایک میں انکو گمان ہے کہ چربی لگی ہوئی ہے حالانکہ یہ امر محض غلط تھا وہی پرانے کارتوس اُن کو دیے گئے تھے یہ عدول حکمی یا تو صریح انحراف اور انتشار بغاوت کے باعث تھی یا اُن کو کسی نے بہکایا ہوگا یہ دیکھکر حاکم افروختہ ہوئے لفٹنٹ کرنل مچل صاحب حاکم فوج نے حکم دیا کہ صبح کو رسالہ سوار اور توپخانہ ہندوستانی پریڈ پر حاضر ہو اُسی شب دس یا گیارہ بجے انیسویں رجمنٹ کے سپاہیوں نے بلوہ کرکے کوتھ جہاں کہ بندوقیں جمع رہتی تھیں کو توڑ کر اپنی اپنی بندوقیں لین میں لا رکھیں صبح ہوتے ہی توپیں تیار ہوئیں اور افسروں نے پریڈ پر پہنچ کر دیکھا تو سپاہی بغیر وردی لیکن مسلح غل و شور مچا رہے ہیں یہ دیکھکر مچل صاحب نے ان سے تقریر کی اور کہا کہ تم لوگوں کو کیا گمان فاسد ہوگیا ہے اور جو توہمات تمھارے دلوں پر چھا رہے ہیں وہ محض غلط اور بے بنیاد ہیں اور تمھیں چاہیے کہ اپنے ہتھیار رکھ دو اور بدستور اپنی لین کو جاؤ۔ یہ سنکر افسران ہندوستانی نے کہا کہ سپاہی ہتھیار رکھنا نہیں چاہتے جب تک کہ آپ توپخانہ اور رسالہ نہ ہٹا لیں گے صاحب بہادر نے منظور فرما کے توپخانہ اور سواروں کو ہٹا لیا اسکے بعد سپاہیوں نے بھی اپنے ہتھیار رکھدیے چوتھی تاریخ مارچ ۱۸۵۷ء کو خبر مفسدہ بہرامپور کی کلکتہ پہنچی لیکن چونکہ گورہ فوج بہت کم تھی بعد نافرمان سپاہیوں کی سزا دہی میں تامل واقع ہوا پلٹن نمبر ۸۴ پیادگان شاہی گورہ کو رنگون سے طلب کیا اور پلٹن مذکور ۲۰ تاریخ ماہ مذکور کو کلکتہ میں پہنچ گئی۔ اب میجر جنرل ہیرسی صاحب حاکم فوج بارک پور نے مصمم ارادہ کیا کہ ۱۹ ویں پلٹن سے جس نے بہرامپور میں صریح حکم عدولی کی اور آمادہ فساد ہوئی ہتھیار چھین کے اُس کا نام کاٹ دیا جاوے

چنانچہ ۳۱ مارچ کو پلٹن مذکور بہرام پور سے بارک پور طلب ہو کر آئی اور اُسکے ہتیار لے لیئے گئے تنخواہ کل سپاہیوں کی بیباق کردی گئی اور اُن کو پھلنا گھاٹ سے دریا پار اُتار دیا۔ نواب گورنر جنرل ہند نے جب ولایت کو یہ لکھ کے بھیجا کہ اب اُمید ہے کہ اس سخت سزا سے کل ہندوستانی فوج کو یقین ہو جائیگا کہ حکام کی عدول حکمی سے بجز بربادی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ہتیار لینے کے وقت میجر جنرل ہیرسی صاحب نے تمام فوج کے سامنے جو اُس وقت پریڈ پر موجود تھی بہت فصاحت اور صفائی کے ساتھ گورنر جنرل ہند کا حکم پڑھکے سنایا کہ مذہبی دست اندازی کے باب میں جو افواہیں فتنہ پردازوں نے مشہور کی ہیں وہ محض بے اصل اور بے بنیاد ہیں اور سرکار انگلشیہ کو ہرگز ہرگز کبھی منظور نہ ہوا اور نہ ہوگا کہ کسی کے مذہبی عقائد میں دست اندازی کرے ۳۴ ویں پلٹن متعینہ بارکپور بھی نہایت برانگیختہ خاطر تھی اور برگشتگی کی ہوا نے اُسکے دل میں زیادہ اثر کر رکھا تھا جبکہ ۱۹ ویں پلٹن مذکورۂ بالا کو ہتیار ڈالنے کیلیئے طلب کیا تھا تو ابھی وہ باراست میں (جو کہ آٹھ میل بارک پور سے ہے) پونہچی بھی نہ تھی کہ ۳۴ ویں پلٹن کے سپاہیوں نے پیغام بھیجا کہ تم اپنے انگریزی افسروں کو مارڈالو اور بارک پور میں آن کے ہمارے ساتھ ملکے یہاں کے تمام افسروں کا کام تمام کرو اور چھاؤنی اور بنگلہ پھونک کے کلکتہ پر حملہ کرو لیکن ۱۹ ویں پلٹن نے اِس پر عمل نکیا۔ ۱۹ مارچ کو ۳۴ ویں پلٹن کے ایک سپاہی مسمی منگل پانڈے نشہ میں بدمست ہو کر مسلح ہوا۔ تلوار اور بندوق لیکے گھر سے نکلا۔ اور اپنے بھائی بندوں کو آواز دی کہ اُسکے ساتھ ہو جاویں اور اُس نے بیان کیا کہ جب کسی انگریزی افسر کو وہ دیکھے گا مار ڈالیگا۔ لفٹنٹ با صاحب نے جب یہ حال اور کل پلٹن کی برانگیختگی مزاج کا حال سنا تو وہ فی الفور سوار ہو کر لین میں تشریف لائے منگل پانڈے

نے صاحب موصوف کو گولی ماری لیکن وہ اُنکے گھوڑے کے لگی صاحب نے بھی تپنچہ کا فیر کیا لیکن گولی نے خطا کی اس پر سپاہی نے صاحب کو تلوار سے زخمی کر کے گھوڑے سے اُتار لیا سینکڑوں سپاہی خاموش تماشا دیکھا کئے اور کوئی شخص سوائے شیخ پلٹو اور ہندوستانی سارجنٹ میجر کے صاحب کی مدد کو نہ آیا بلکہ ایک جمعدار نے منگل پانڈے کی گرفتاری سے انکار کیا اور اپنے سپاہیوں کو نہایش کی کہ کوئی صاحب کی مدد نہ کرے صاحب موصوف بہزار خرابی اُس خونخوار کے ہاتھ سے بال بال بچ سکے۔ یہ حال سنکر میجر جنرل ہیرسی صاحب مع دیگر افسران موقع واردات پر آئے اور بہ دقت منگل پانڈے کو گرفتار کیا اور کورٹ مارشل یعنی عدالت جنگی میں منگل پانڈے و جمعدار پر جرم ثابت کر کے پھانسی کا حکم دیا چنانچہ ۸۔ اپریل کو پھانسی دیگئی۔ حاکمان کلکتہ کو یقین ہوگیا کہ اس سزا کے باعث سے کل ۳۴ ویں پلٹن کے آدمیوں کو عبرت ہو جائیگی۔ لیکن برخلاف اسکے وہ پلٹن اور بھی زیادہ گستاخ اور نافرمان بردار ہوگئی۔ جب پانی سر سے گزر گیا تو یہ فیصلہ ٹھیرا کہ اس پلٹن کے ہتیار بھی چھین لیئے جاویں چنانچہ ۵ تاریخ مئی ۱۸۵۷ء کل فوج گورہ و ہندوستانی قرب وجوار کلکتہ مع توپخانہ بارک پور میں جمع کی گئی و ۶ تاریخ صبح کو یہ فوج دو صف میں آراستہ ہوئی اور چار سو سپاہی ۳۴ ویں پلٹن کے جو چھاونی بارک پور میں جمع تھے توپوں کے سامنے کھڑے کئے گئے لفٹنٹ چامیر صاحب مترجم نے اُس پلٹن کے ہتیار چھین لینے اور نام کاٹنے کا حکم سنایا بعد ازاں جنرل ہیرسی صاحب نے اُن کو حکم دیا کہ ہتیار رکھدو اور وردی جسکو تمہارے جسم سے کمال بعزتی ہو اُتار کے حوالہ کرو جب اُنھوں نے ہتیار دیدیئے اور وردی اُتار کے حوالہ کر دی اُس وقت اُن کی تنخواہ بیباق کی گئی اور اُن کو مع اُنکے بال بچوں کے بحراست کمپنی گرانیڈیر ۸۴ رجمنٹ

گورہ اور سواران ہندوستانی کے چنسرہ کو روانہ کیا تاکہ وہاں مقیم رہیں [illegible] یا پار ہو کے شہر چاٹگام کی طرف جہاں باقی چار کمپنی اُنکی پلٹن کی متعین تھیں نہ جانے پاویں اِس موقع پر بھی فوج کی دلجمعی کی گئی کہ سرکار نے عقائد مذہبی میں کبھی دست اندازی نہیں کی اور نہ آیندہ کریگی اور اُنکو لازم ہے کہ فتنہ پردازوں کے فریب میں نہ آئیں اور اُن شیاطین کے اغوا کرنے سے کوئی امر نمک حرامی یا عدول حکمی کا نہ کریں۔

یہ سرگذشت تو فساد بنگالہ کی ہے۔ اب اضلاع شمال مغربی کا احوال سنیئے نئے کارتوسوں کی خبر یہاں بھی پہونچی اور اُس کا اثر اول انبالہ میں نمودار ہوا۔ ہرجنبی سنگھ صوبہ دار ۳۶ ویں پلٹن متعینہ چھاونی انبالہ نے سب اپنے بھائیوں کے آگے بیان کیا کہ نئے کارتوسوں میں کچھ خرابی نہیں ہے اور نہ مجھے اُسکے استعمال میں کچھ عذر ہے ۲۶ تاریخ مارچ کو اُسکے گھر میں کسی نے آگ لگا دی جس سے اُس کا گھر اور اسباب جل گیا پھر تو چھاونی میں آتش زدگی شروع ہوئی ۱۳ تاریخ اپریل کو آگ لگی پھر پندرھویں کو اور پھر سولھویں کو۔ اس روز تین ہزار روپیہ کا سرکاری اسباب جل گیا ۱۷ تاریخ کو ایک خالی بنگلہ اور ایک افسر کا اصطبل اور ایک مکان جل گیا ۲۰ تاریخ کو معلوم ہوا کہ پانچویں پلٹن کے جمعدار اور حوالدار کا گھر جلانے کا ارادہ تھا یہ دونوں ہندوستانی افسر نئے کارتوس سے راضی تھے۔ جمعدار کے پلنگ کے نیچے باروت اور گندک چھپی ہوئی پکڑی گئی ۲۱ اور ۲۲ - اور ۲۵ تاریخ کو برابر آتش زدگی رہی اور چھاونی کے اکثر مکانات جل گئے یہ حال دیکھکر افسران انگریزی اور کمشنر بارنس صاحب کو کمال تشویش ہوئی اور کپتان ہوارڈ صاحب مجسٹریٹ چھاونی انبالہ نے کلکتہ کو اس مضمون کی چٹھی لکھی کہ چھاونی انبالہ میں اس آتش زدگی کا باعث میرے نزدیک تو   نو ایجاد کارتوس ہیں سپاہیوں کے دل میں سما گیا ہے کہ ان کارتوسوں کے استعمال سے اُن کا دین اور

ایماں جانا رہے گا کل سپاہیوں میں سازش ہو گئی ہے اور انہیں کا یہ سب کام ہے اور اسی وجہ سے باوجود اقرار انعام اور کوشش اور تحقیقات تمام کے کوئی شخص جرم آتش زدگی کا مرتکب اور مجرم ظاہر نہیں ہوا۔

میرٹھ میں بغاوت کا آغاز اور وہاں سے سرکشوں کا دہلی کی طرف فرار ہونا۔

یہ کب گمان تھا کہ میرٹھ میں جہاں اتنی فوج گورہ مقیم تھی اول سرکشی شروع ہو گی۔ بارک پور سے لیکے ستلج تک کہیں اتنی فوج گورہ کی تعینات نہ تھی میرٹھ میں اسوقت ۶۰ ویں رفل گورہ جس میں ایکہزار مضبوط جوان تھے اور چھ سو جوانوں کا چھٹا رسالہ ڈریگون اور ولایتی توپخانہ اسی میں پانچ سو توپچی موجود تھے۔ غرضکہ کل فوج گورہ قریب دو ہزار دو سو کے تھی اور ہندوستانی فوج گورہ کی فوج سے کچھ تھوڑی زیادہ تھی یعنی تیسرا رسالہ ترک سواروں کا اور گیارھویں اور ۲۰ ویں پلٹن پیادگان۔ چربی لگے ہوئے کارتوسوں کی خبر اور مختلف بے بنیاد افواہیں سب جگہ پہنچ گئی تھیں علاوہ ازیں فتنہ انگیزوں نے یہ بھی مشہور کیا کہ سرکار نے ہنود کا مذہب بگاڑ دینے کے واسطے آٹے میں بیل اور گائے کی ہڈیاں پسوائی ہیں اور اس لغویات کو علاوہ سپاہیوں کے جو فقرہ جاہل مشہور ہے اچھے اچھے معقول آدمیوں نے یقین کر لیا۔

اس میں شک نہیں کہ ان جھوٹی خبروں کو ان آدمیوں نے زیادہ مشہور کیا جن کا منشا سرکشی کرنے کا تھا تاکہ ہنود جو بیوقوف اور سادہ لوح ہیں وہ ان کا یقین کر کے انکی طرف ہو جاویں۔ غرضکہ جب سپاہیوں کو میرٹھ میں ان افواہوں کا یقین ہو گیا اور آپس میں ان کا بڑا چرچہ پھیلا اُس وقت میجر جنرل ہیوٹ صاحب نے فوج کو سمجھایا کہ سرکار کو تمہارے مذہب میں دخل دینے سے کیا مفاد حاصل ہوگا اور یہ امر بالکل خلاف انتظام

اور قواعد سرکار انگلشیہ پر تم اس پر ہرگز یقین نلاؤ اور سمجھو کہ سرکار کو تمھارے عقائد کا کتنا پاس لحاظ ہے اور رہا ہے اس فہمی نے اُنکے دلوں پر مطلق اثر نہ کیا اور وہ طریقہ عدول حکمی اور سرکشی روز بروز زیادہ اختیار کرتے جاتے تھے اور چھاؤنی آتش زدگی کا بازار گرم ہو گیا ۲۳ تاریخ اپریل کو کرنل سمتھ صاحب حاکم سوم رسالہ ترک سوار نے حکم دیا کہ صبح کو پریڈ ہو تاکہ ان کو وہ نیا طریقہ کارتوس بھرنے کا بتلایا جائے جس میں کارتوس منہ سے کاٹنا نہیں پڑتا بلکہ ہاتھ سے پھاڑ کے بھرنا ہوتا ہے۔ اس حکم کے دینے سے کرنل صاحب ممدوح نے یقین کیا کہ ہندوستانی فوج کو معلوم ہو جائیگا کہ سرکار انگلشیہ ہندوستانیوں کے خیالات کا کتنا پاس کرتی ہے۔

۲۴ تاریخ جب رسالہ مذکور پریڈ پر آراستہ ہوا اس وقت حوالدار میجر نے کارتوس طریقۂ جدید سے بھر کے چھوڑ کر دکھایا جب سواروں کو حکم قواعد ہوا اس وقت انھوں نے کارتوس لینے میں پس و پیش ظاہر کیا حالانکہ یہ وہی کارتوس تھے جن سے وہ ہمیشہ قواعد کرتے تھے۔ بلکہ میجر ہریسن صاحب نے اس امر کی تحقیقات کی چنانچہ ۲۵ تاریخ بذریعہ اجلاس فوج کے آدمیوں نے بیان کیا کہ ہمکو قابل اعتراض کوئی چیز اس کاغذی کارتوس میں نہیں ظاہر ہوئی لیکن مشہور یہ ہے کہ نجس چیز کا بنا ہوا ہے اور اسکا ہمیں یقین ہو گیا ہے۔ ہرچند کہ میجر صاحب ممدوح نے ان کو بہت سمجھایا اور ان سے تقریر کی آخر یہ ہوا کہ سب لوگ فوج کے راضی ہو گئے اور انھوں نے بیان کیا کہ ہم عدول حکمی اور گستاخی سے بہت نادم ہوئے اور ہمیں ان کارتوسوں کے استعمال میں آیندہ بھی عذر نہ ہو گا اس فیصلے کے بعد پھر بھی فوج کے اطوار سے انکی نارضامندی ظاہر ہوتی تھی۔

میجر جنرل ہیوٹ صاحب نے یہ سوچا کہ اس کشمکش کا تصفیہ ہونا چاہیے اور فوج کی اطاعت

یا عدول حکمی کا بھی احوال بخوبی ظاہر ہوا اس لیئے حکم دیا کہ ۶ تاریخ مئی صبح کے وقت تیسرے رسالہ ہندوستانی کی پریڈ ہو چنانچہ ۵ تاریخ کی شام کو کارتوس تقسیم کیئے گئے اور یہ کارتوس وہی تھے جو اُنکو ہمیشہ ملتے تھے اور جن سے اُنھوں نے ہمیشہ کام دیا تھا۔ پچاسی سواروں نے کارتوس لینے سے انکار کیا یہ حرکت چونکہ قوانین جنگی کے بالکل برخلاف تھی اس لیئے فوراً وہ گرفتار کرلئے گیئے اور افسران فوج نے انھیں حوالات سپرد کردیا اور کورٹ مارشل یعنی عدالت جنگی میں ان پر جرم عدول حکمی اور بغاوت ثابت ہوا اور ہر شخص کو ان میں سے چھ برس سے دس برس تک کی قید بامشقت کی سزا کا حکم سنایا گیا چنانچہ ۹ تاریخ مئی کو اس حکم کی تعمیل ہوئی اُس صبح تمام فوج گورہ اور ہندوستانی پریڈ پر جمع ہوئی اور ۸۵ مجرم وہاں لائے گئے اور تمام فوج کے سامنے اُنکی وردی اُتاری گئی اور بیڑی اور ہتکڑی ہر ایک کو پہنا کر جیلخانہ روانہ کیا پابزنجیر کرنیکے وقت مجرموں اور اُنکے رسالہ کے سواروں میں جو وہاں موجود تھے ایسے اشارات ہوئے کہ جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ مجرم اُنکی طرف بنظر کمال طعن دیکھ رہے ہیں اگرچہ رسالہ کے سواروں کے تیور بدل گئے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ اپنے بھائیوں کی یہ بے عزتی نہ ہونے دیں لیکن اتنی گورہ فوج کے سامنے اُن کا کچھ قابو نہ چل سکتا تھا جب مجرموں کی روانگی کے بعد کل فوج نے لین کی طرف مراجعت کی تو سب ہندوستانی فوج سخت برانگیختہ اور خفا معلوم ہوتی تھی اور اس تمام روز اور شام کو اُن میں صلاحیں اور مشورے اور تجاویز ہوتی رہیں۔ اہل فرنگ کو کچھ اس امر کا خیال بھی نہ تھا جو دوسرے روز دسویں تاریخ ماہ مئی ۱۸۵۷ء اتوار کے روز شام کے وقت ظہور میں آیا اُس روز گویا سرکشی کھلم کھلا شروع ہوئی۔ انگریز مسیں اور میمیں اس وقت شام کی نماز کو گرجہ کی

طرف سوار ہو کے جاتی تھیں کہ یکایک تہلکہ عظیم برپا ہو گیا بندوقوں کی آوازیں آنے لگیں اور ہر طرف آگ روشن ہو گئی غارت گری اور قتل شروع ہوا پانچ بجے شام کو تیسرا رسالہ اور ۲۰ ویں پلٹن مسلح ہو کے ۱۱ ویں پلٹن کی لین میں گھس گئی اور اُن کو بھی اپنے ساتھ لیا یہ سنکر کرنل فنس صاحب افسر گیارھویں پلٹن سوار ہو کے لین میں آئے اور اپنے سپاہیوں کو سمجھانے لگے لیکن بیسویں پلٹن کے سپاہیوں نے اُن پر ایک باڑ ماری اور گولیوں سے اُن کا بدن چھلنی کر دیا یہ اول افسر تھے جو بغاوت کے شروع میں مارے گئے یہ دیکھکر اور افسر گورہ چھاؤنی کی طرف چلے گئے تیسرے رسالہ کے سواروں نے اول جیلخانہ کو جا کر توڑا اور اپنے بھائیوں کو قید سے رہا کیا اور اُنکے ساتھ بارہ سو قیدی جو محبس میں تھے وہ بھی رہا ہوئے پھر تو ان سب باغی سپاہیوں نے محشر برپا کر دیا چاروں طرف چھاؤنی میں آگ لگا دی عیسائیوں میں سے عورت و مرد اور بچے جو اُنکے پنجہ میں آگئے اُنھیں اس بیرحمی سے قتل کیا کہ لکھتے ہوئے دل کانپتا ہے۔ گورہ فوج یہ ماجرہ دیکھ کے تیار ہو گئی لیکن تا وقتیکہ وہ ہندوستانی چھاؤنی تک پہنچے رات بہت آگئی تھی اور تاریکی چھاگئی تھی سرکش سب جلا پھونک کے اور قتل کر کے دہلی کی طرف فرار ہو گئے یہ ہوتے ہی ضلع میں بدانتظامی اور بدعملی پیدا ہو گئی۔ عملہ پولیس بھاگ گیا۔ سلسلہ ڈاک بند ہو گیا تار برقی لوٹ گئی اور لوٹ کھسوٹ ہونے لگی ۱۶ تاریخ مئی کو ۶ کمپنیاں سپیرز اینڈ مائنرز یعنی سفرمینا کی رڑکی سے میرٹھ پہنچیں اُسی روز اُنھوں نے اپنے افسر میجر فریزر صاحب کو مار ڈالا اور خود دہلی کی طرف روانہ ہوئیں اور جو کمپنیاں کہ نہ بھاگیں اُنکے ہتیار چھین لیے گئے

باغیوں کا دہلی میں داخل ہونا

سوار اور سپاہی میرٹھ سے راتوں رات بھاگ کے اور چالیس میل منزل طے کر کے ۱۱ ویں

تاریخ کی صبح کو وہی میں داخل ہوئے دہلی کی چھاؤنی میں جو شہر سے مشرق کی طرف دو میل کے فاصلے پر واقع ہے ایک ہندوستانی توپخانہ اور تین ہندوستانی پلٹن ۳۸ ویں اور ۵۴ ویں اور ۷۴ ویں مقیم تھیں اور برگیڈیر گریوس صاحب اس فوج کے حاکم تھے دوشنبہ کے روز ۱۱ ویں تاریخ ماہ مئی ۱۸۵۷ء حسب دستور سب کچہریاں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں باغیوں کی آمد کی خبر مشہور ہوئی جب اس کی اطلاع مسٹر ہچنسن صاحب مجسٹریٹ شہر کو ہوئی بگی دوڑا کے چھاؤنی پہنچے اور برگیڈیر صاحب کو اس خبر سے مطلع کیا انھوں نے ۵۴ ویں پلٹن کو مع دو ضرب توپ سرداری کرنل رپلی صاحب روانہ ہونیکا حکم دیا جب صاحب مجسٹریٹ چھاؤنی سے واپس شہر کے کشمیری دروازے پر پہنچے اسوقت ایک بلوہ عظیم شہر میں برپا ہو گیا تھا اور بڑا ہجوم تھا مسٹر لیباس صاحب جج نے انکو اندر جانے سے منع کیا لیکن انھوں نے نہ مانا پھر اُن کا پتہ نہ لگا کہ وہ کیونکر اور کہاں مارے گئے۔

مسٹر سائمن فریزر صاحب کمشنر باغیوں کی آمد کی خبر سنتے ہی بگی میں سوار ہو کے کلکتہ دروازہ پر جو مابین پل اور شہر کے واقع ہے پہنچے وہاں انھوں نے باغیوں کو شہر میں آنے سے روکنا چاہا لیکن نہ ہو سکا مسٹر ٹڈ صاحب مہتمم تار برقی اور سارجنٹ بل کو باغی قتل کرتے ہوئے دروازہ کے رستے شہر میں آگھسے اول سوار داخل ہوئے تھے پہلے سائمن فریزر صاحب پھر کپتان ڈگلس صاحب قلعہ دار کا متفا اور بعض کہتے ہیں کہ جج صاحب موصوف وہیں مارے گئے اور بعض کی روایت ہے کہ وہ کپتان ڈگلس صاحب کے گھر جو قلعہ کے دروازے پر تھا مع کپتان صاحب موصوف اور پادری جننگ صاحب اور ان کی بیٹی کے قتل ہوئے باغیوں نے قلعہ میں جا کر شاہ کو

اپنا افسر قرار دیا۔ جیلخانہ جات کے تمام قیدیوں کو رہا کیا اور دریا گنج میں جہاں ایک بڑی جماعت پنشن دار عیسائیوں اور صاحبان میگزین بیوی بچوں کی رہتی تھی قتل کرنی شروع کی۔ بہت سے عیسائی عورت و مرد اور بچے جنھوں نے کشن گڈھ والے راجہ کی حویلی میں پناہ لی تھی آخر کو قلعہ میں ۱۶ تاریخ کو بڑی بے رحمی سے قتل کیے گئے۔ کشمیری دروازے کے متصل پادری مدرس اور مسٹر برسفورڈ صاحب مہتمم بنک مع تمام کنبے کے مارے گئے۔ پادری ہلے ہبرڈ صاحب اور مسٹر سانڈیسن اور مسٹر لوس کاک صاحب اور ڈاکٹر چمن لال صاحب سب اسسٹنٹ سرجن دہلی بھی قتل ہوگئے۔ بنگلوں میں آگ لگا دی اور لوٹ شروع کر دی۔ ۵۴ ویں پلٹن جو چھاؤنی سے رفع فساد اور انتظام کیواسطے شہر کو آئی وہ بھی کشمیری دروازہ میں داخل ہوتے ہی باغیوں میں مل گئے اور کپتان اسمتھ صاحب کپتان برس صاحب۔ لفٹنٹ اڈوارڈز صاحب۔ لفٹنٹ واٹرفیلڈ صاحب۔ ڈاکٹر ڈوپنگ صاحب جو پلٹن کے ساتھ تھے باغیوں کے ہاتھ سے مارے گئے اور کپتان ریلی صاحب کو جن کے ستر زخم لگے تھے بگمان مردہ چھوڑ کے چلے گئے جن کو اسٹوارڈ صاحب گاڑی میں ڈال کے چھاؤنی لے آئے۔ برگیڈیر صاحب نے یہ حال سنکر چھاؤنی کا انتظام کیا اور سب انگریز معہ زن و بچہ نشان برج میں جمع ہوئے یہ ایک چاردیواری کا گول گھر مابین شہر و چھاؤنی کے واقع ہے جس پر فوج کا نشان رہتا تھا اگرچہ یہ مقام مستحکم نہ تھا لیکن اس امید سے کہ انگریزی فوج جو قریب میرٹھ میں ہے عنقریب آکر مدد دیگی اس لیے سب نے مع بال بچوں کے یہاں قیام کیا اور برگیڈیر* صاحب نے فوج کو مختلف جگہ تقسیم کر کے خاص موقعوں پر توپیں لگا دیں حکام ملکی وغیرہ مثلاً لباس صاحب جج اور ڈاکٹر بالفور صاحب اور مارشل صاحب سوداگر بھی شہر سے بھاگ کے اس برج میں آگئے۔ لفٹنٹ ولوبی صاحب

مہتمم میگزین شہر نے اس خبر کے سنتے ہی کہ باغی شہر میں گھس آئے ہیں میگزین کی حتی الامکان بڑی حفاظت کی صدر دروازہ اور اس دروازہ پر جہاں سے توپخانے کو جاتے ہیں اور اور موقعوں پر توپیں المضاعف چھرّہ بھر کر لگا دیں اور لفٹنٹ صاحب موصوف کے حکم کے بموجب مسٹر بکلے مسٹر اسکلے سارجنٹ اسٹوارٹ نے نہایت بجگری اور شجاعت کے ساتھ ایک باروت کی لکیر مخزن باروت تک قائم کی اس عندیہ سے کہ جب تاب مقابلہ نہ رہیگی اُسوقت میگزین میں آگ دیکے مرجائینگے باغی قلعہ سے سیڑھیاں لگا کے میگزین کی دیوار پر جوق جوق چڑھ گئے لیکن تاہم ان چند انگریزی افسروں نے پانچ گھنٹہ تک ہزاروں آدمیوں کا مقابلہ کیا۔ جب آخر کو سرکش میگزین پر بالکل قابض اور محیط ہو گئے اسوقت حسب الایمار لفٹنٹ ولوبی صاحب کے مسٹر اسکلے صاحب نے باروت خانہ صدر میں آگ لگا دی اُسوقت ایک ایسا صدمۂ عظیم ہوا کہ تمام شہر میں زلزلہ پڑ گیا اور آسمان پر سفید غبار چھا گیا صدہا باغی میگزین کی دیواروں کے نیچے دبکے مر گئے لیکن قدرت خدا کی دیکھئے کہ میگزین کے کل انگریز بچ کے صاف نکل گئے۔ اگرچہ پھر لفٹنٹ ولوبی صاحب اور اور انگریز باہر گنواروں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ بغاوت کے بعد پلٹن نمبر ۵۴ کی کمپنیاں ۳۸ ویں اور ۷۴ ویں پلٹن جو کشمیری دروازہ پہ مقیم تھیں بہت عرصہ تک خاموش رہیں اسی وجہ سے وہاں پر بہت سے انگریزوں اور میموں نے پناہ لی تھی لیکن آخر قریب تیسرے پہر کے انھوں نے بھی بغاوت کی۔ گورڈن صاحب ۷۴ ویں پلٹن کے کپتان کو مار ڈالا اور بعد ازاں لفٹنٹ ریولی صاحب اور لفٹنٹ اسمتھ صاحب کو قتل کیا یہ حال دیکھکر انسائن ایلیٹن لفٹنٹ اوسبرن اور اور افسر اور میمیں فصیل شہر سے خندق میں کود کے بھاگ گئے ۵۴ ویں پلٹن کی کمپنیوں کو جنھیں شہر کے انتظام کے واسطے بھیجا گیا تھا رہگذر پر

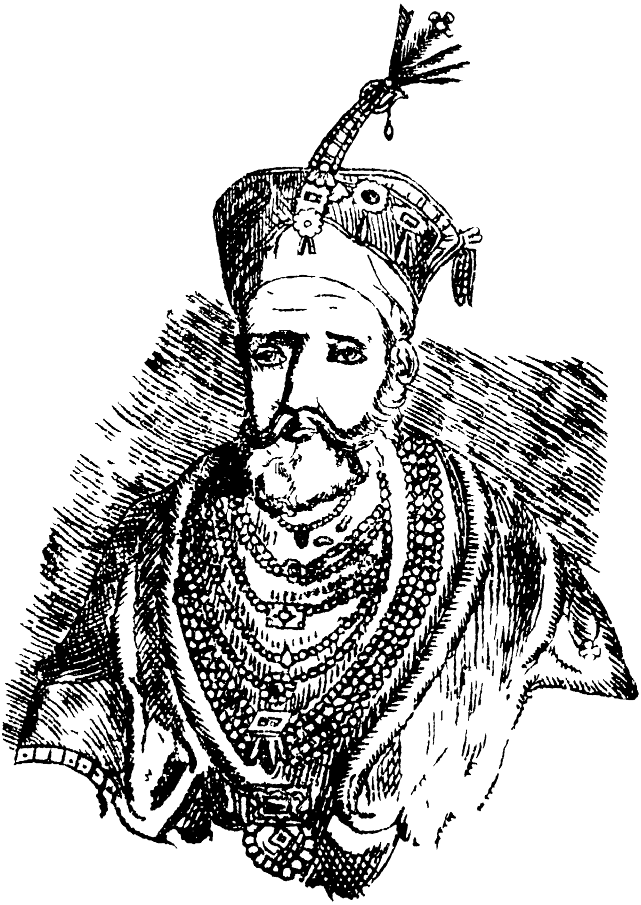

بہادر شاہ

صاحب نے چھاؤنی کا حال دیکھ کے انکو شہر سے طلب کرلیا- اول تو وہ سب واپس نہ گئے اور جو گئے تھے اُنھوں نے اپنے افسر میجر ایبٹ صاحب کو چھاؤنی تک بسلامت پہنچا کے خود شہر کو مراجعت کی جو سپاہی کہ اب چھاؤنی میں تھے اُنکو برگیڈیر صاحب نے حکم دیا کہ تم باغیوں پر چلکر حملہ کرو لیکن اُنھوں نے صاف انکار کر دیا جب سب طرح سے کامل مایوسی ہوگئی اور کوئی صورت انتظام اور بچاؤ کی نہ رہی اور اب دن بھی آخر ہونیکو تھا اُسوقت کل انگریزوں کی یہی رائے ہوئی کہ یہاں رہنا مصلحت نہیں اب بھاگ چلنا چاہیے اُس وقت سب یوروپین اور میمیں بچے گاڑیوں اور گھوڑوں پر سوار اور بعض پا پیادہ بُرج نشان سے نکل چلے بعض نے میرٹھ کی راہ لی اور بعض کرنال کیطرف روانہ ہوگئے-

ان لوگوں کی مصیبتوں کا حال بیان سے باہر ہے تمام ملک اُن کا یکایک دشمن ہوگیا تھا گنواروں نے اُنکے ساتھ بڑی زیادتیاں کیں- بعض ان میں سے بہزار خرابی اور تکالیف جاں بر ہوئے اور بعض راستہ ہی میں بہزار مصیبتیں اُٹھاکر مارے گئے بیچاری ناز پروردہ مسوں اور میموں کو جنھوں نے گھر سے باہر قدم بھی نہ رکھا تھا منزلوں بھوکی پیاسی اور برہنہ پا جلتی ہوئی دھوپ میں افتان و خیزاں چلنا پڑا لٹیروں اور قزاقوں نے بدن پر ایک چھلا تک نہ رکھا نقدی اور زیور کا تو کیا ذکر ہے کوئی جگہ ایسی نہ رہی کہ جہاں کوئی انگریز دم بھر چین اور آرام سے رہ سکے جہاں کہیں وہ تھکے ماندے اور شکستہ حال پناہ کے خواستگار ہوتے تھے وہیں سے لوگ باغیوں کے خوف سے اُنھیں نکالدیتے تھے-

دوسرا باب

واقعات دہلی

دہلی کا روزنامچہ ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء سے ۳۰ مئی ۱۸۵۷ء عیسوی تک

(منقول از روزنامچہ چنی لال مخبر)

۱۲ مئی ۱۸۵۷ء روز سہ شنبہ کو بادشاہ دیوان عام میں آئے اور مجرئی مجرا بجا لائے ۳۸ و ۵۴ نمبر کے پلٹن کے صوبہ داروں نے حاضر ہو کر عرض کی کہ چند اہلکار رسد رسانی کے واسطے مقرر ہونے چاہییں رام سہائے مل اور دوالی مل مقرر کیے گئے کہ وہ پلٹنوں و بہیر کی رسد خوراکی وغیرہ سر انجام کر کے پلٹنوں میں پہنچایا کریں محمد ابراہیم بن علی محمد سوداگر کے گھر میں چار انگریز پوشیدہ تھے سواروں نے سنکر سوداگر مذکور کے گھر کو لوٹ لیا اور فرنگیوں کو مار ڈالا ایک بیچاری عیسائی عورت ہندوستانی کپڑے پہنے ہوئے لال ڈگی کے قریب چلی جاتی تھی۔ سواروں نے اُسے قتل کر ڈالا۔ تلنگوں نے شہر میں چند دوکانیں لوٹ لیں بادشاہ نے یہ سنکر میرزا منیر الدین کو جو پہلے پہاڑ گنج کا تھانہ دار تھا منتظم شہر مقرر کیا اور لوٹ اور غارتگری روکنے کے واسطے اُسکو مع ایک پلٹن تلنگان کوتوالی روانہ کیا مرزا مذکور نے اطلاع کی کہ سپاہی چوڑی والوں کا بازار لوٹ رہے تھے یہ سنکر بادشاہ نے سب پلٹنوں کے صوبہ داروں کو طلب کیا اور اُن سے اس امر میں اپنی ناراضگی ظاہر کی اور کہا کہ اسکا انتظام ضرور ہے ایک پلٹن کا دہلی دروازہ پر تعین ہوا اور ایک زیر جھروکہ اور ایک ایک کمپنی اجمیری اور لاہوری اور کشمیری دروازوں پر اور ایک کمپنی فراشخانہ کی کھڑکی پر مقرر ہوئی۔ بعد ازاں سوار و پیادوں نے نگر سیٹھ کی گلی کو لوٹنا چاہا باشندوں نے دروازے بند کر لیے اور اوپر سے اینٹ اور

پتھر مارکے اُنکو ہٹا دیا۔ اکثر انگریزی نویس عیسائی جو راجہ کلیان سنگھ کشن گڈھ والے کی حویلی میں پناہ گیر ہوئے اُن پر سواروں نے حملہ کیا اور بندوقیں چلائیں انگریزوں نے بھی اندر سے مقابلہ کیا سوار پھر دو توپیں لے آئے اُسوقت سب عیسائی مع زن وبچہ اندر تہ خانوں میں چلے گئے اور سوار واپس چلے آئے۔ شاہ نے مرزا مغل کو ہدایت کی کہ ایک کمپنی سپاہیوں کو ہمراہ لیکے لوٹ کا انتظام کرے چنانچہ مرزا ہاتھی پر سوار ہوکے تھانہ بہ تھانہ گئے اور اعلان عام دیا کہ جو کوئی لوٹ کریگا اُسکی کان اور ناک کاٹ دیجائیگی اور دوکاندار اگر دوکانیں نہ کھولینگے اور سپاہیوں کے ہاتھ سودا بیچنے سے انکار کرینگے تو سزا پاوینگے اور مقید ہونگے دو فرنگی جو ہندوستانی لباس پہنے ہوئے چلے جاتے تھے گرفتار ہوئے۔ اور کوتوالی کے سامنے مارے گئے۔ شاہ خود ہاتھی پر سوار ہوکے مع دو پلٹن تلنگاں اور چند ضرب توپ شہر میں دوکانیں کھلوانے کے واسطے آئے اور دوکانداروں کو حکم دیا کہ دوکانیں کھولیں اور سب سامان فوج کے لیے سرانجام پہنچاویں۔ احسن اللہ خان کی وساطت سے حسین علی مجرا بجالایا اور ایک اشرفی نذر کی گزرانی شاہ نے حکم دیا دربار میں حاضر رہو کچھ مشورہ کرنا ہے۔ مرزا منیر الدین کو بابت تقرری منتظم شہر خلعت عطا ہوا اور اُس نے چار روپیہ نذر کے گزرانے **۱۲ مئی ۱۸۵۷ء** روز چہارشنبہ شاہ تسبیح خانہ میں تشریف لائے نواب محبوب علیخان اور اور سردار آداب بجالائے مرزا منیر الدین خان کو حکم ہوا فوج کے واسطے خوراک کا انتظام ابھی تک نہیں ہوا اسکی تدبیر کرنی چاہیئے۔ شاہ نظام الدین پیرزادہ اور بڈھن صاحب کو حکم ہوا کہ اُن سے خلوت ضرور ہے مرزا مغل اور مرزا خضر سلطان اور مرزا عبداللہ کو حکم ہوا کہ وہ فوج پیادہ کے نئے کرنیل مقرر ہوئے دو دو ضرب توپ لیکے کشمیری لاہوری اور دہلی دروازوں پر جاکے انتظام کریں شاہ نظام الدین نے

عرض کی کہ سواروں نے نواب میر حامد علیخاں کو پکڑ لیا ہے اور جواہر خانہ تک پیادہ حکیم احسن اللہ خاں کے پاس لے گئے ہیں اِس الزام سے کہ اُسکے گھر میں فرنگی پوشیدہ ہیں۔ شاہ نے نظام الدین کو حکم دیا کہ سوار و پیادہ لیکر میر مذکور کے گھر کی تلاشی لو چنانچہ تلاشی کے وقت کوئی فرنگی اُنکے گھر سے نہ نکلا بعد تلاشی میر کو رہا کیا اور اُس کا مال دلوا دیا۔ مرزا ابوبکر سواروں کے رسالہ کا کرنیل مقرر ہوا۔ چند سوار کرنیل اسکنر صاحب کے گھر پر گئے اور مسٹر جوزف اسکنر صاحب کے لڑکے کو گرفتار کر کے کوتوالی کے سامنے لا کے مار ڈالا سوار بعض اشخاص کے بہکانے سے رام سرن داس ڈپٹی کلکٹر متوفی کے گھر پر گئے اور اس بہانہ سے کہ اُسکے گھر میں فرنگی پوشیدہ ہیں سارا مال و اسباب لوٹ لیا بادشاہ نے سب پلٹنوں کو چار چار سو روپیہ خرچ کے واسطے عنایت کیا مرزا منیر الدین منتظم شہر نے اشتہار دیا کہ جس کسی کو نوکری کرنی منظور ہو اپنے اپنے ہتھیار لیکے حاضر ہو۔ اور جس کسی کے گھر میں کوئی عیسائی پوشیدہ ہوگا اُسکو سزا سنگین ہوگی۔ نواب احمد علیخاں اور نواب ولی داد خاں والی مالاگڈھ حسب الطلب حاضر ہوئے اُنکو حکم ہوا دربار میں روز حاضر ہوا کریں۔ شاہ نے بنیوں کے چودہریوں کو بلا کے حکم دیا کہ غلہ کا ایک بھاؤ مقرر کر کے اپنی اپنی دوکانیں کھولدو **۱۴ مئی ۱۸۵۷ء روز پنجشنبہ** شلہ دیوان خاص سے تسبیح خانہ میں آئے حسین مرزا کپتان دلدار علیخاں۔ احسن اللہ خان۔ میرزا منیر الدین خان۔ مرزا ضیاء الدین خان اور مولوی صدر الدین خاں آداب بجا لائے۔ اور مولوی صدر الدین خاں سے ایک اشرفی نذر کی گزرانی شاہ نے اُنکو حکم دیا کہ تم سرانجام کار عدالت ملکی کرو لیکن مولوی صاحب نے اپنا عذر بیان کیا۔ بعد ازاں خزانچی ساگر رام حسب الطلب حاضر ہوا اور ایک اشرفی نذر کی گزرانی بادشاہ نے پوچھا کہ خزانہ میں کتنا روپیہ

سے اُسنے کہا کہ مجھے معلوم نہیں حشمت علیخاں کو حسن علیخاں نے پیش کیا جسنے ایک اشرفی نذر کی گزرانی شاہ نے پوچھا یہ شخص کون ہے عرض کیا گیا کہ یہ نواب فیض محمدؐ کا بیٹا اور حسن علی کا جسنے اسکو حضور میں پیش کیا ہے بھتیجا ہے۔ محمد علیخاں بن خنجخاں نے ایک اشرفی نذر کی گزرانی بادشاہ نے اُس کا حال دریافت کیا عرض کیا گیا کہ یہ شخص نواب بہادر جنگ خاں رئیس دادری کا بھتیجا ہے۔ راجہ رام سنگھ والیٔ جے پور کے نام فرمان جاری ہوا کہ وہ اپنے کو مع فوج دہلی میں حاضر کرے۔ بعد ازاں اسی طرح فرمان بنام عبدالرحمن خان والیٔ جھجھر اور بہادر جنگ خاں رئیس دادری۔ اور احمد علیخاں نواب پاٹودی اور راجہ ناہر سنگھ والیٔ بلب گڈھ اور حسن علیخاں دوجانہ والہ اور محمد حسین خان نواب فرخ نگر جاری ہوئے اور مرزا امین الدین خاں اور مرزا ضیاالدین خاں کے نام بھی احکام اس مضمون کے جاری ہوئے کہ وہ انتظام جھرکہ فیروزپور [illegible] کا بخوبی کریں خبر آئی کہ چند گانوں کے گوجر ہر شب سبزی منڈی اور تیلی واڑہ اور راجپور وغیرہ کی دوکانیں لوٹ لیتے ہیں۔ مرزا مغل کو حکم ہوا کہ اس امر کی تحقیقات کرے چنانچہ مرزا ابوبکر مع اپنے رسالہ کے جاکر جنگلی دل گانوں کو لوٹا اور جلا دیا۔ ایک گوجر سپاہی جو بطور جاسوس شہر میں آیا تھا گرفتار ہوا بادشاہ نے اُسکو جیلخانہ بھیجا اور ایک سپاہی شہید ہوا۔ منیرالدین خاں کے نام حکم ہوا کہ ۲۸ ویں پلٹن کو چھاؤنی کی طرف بھیجا کے سبزی منڈی اور پہاڑی وغیرہ کا انتظام کرادو کہ لوٹ وغیرہ نہونے پائے چار مسافروں نے میرٹھ سے آکے اطلاع دی کہ فوج گورہ وہاں سے روانہ ہوکے آتی ہے تلنگوں کو یہ خبر غلط معلوم ہوئی انھوں نے اُن چاروں آدمیوں کو حوالات سپرد کیا۔ تھانہ دار پہاڑ گنج کو حکم ہوا کہ مسٹر فریزر صاحب کمشنر اور کپتان ڈگلس صاحب

قلعہ والوں کی لاشوں کو قبرستان میں دفن کرادے اور باقی فرنگیوں کی لاشوں کو دریا میں پھکوادے اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ گوجروں نے فریزر صاحب کے گھر کو لوٹ لیا اور کمشنری اور ایجنٹی کے دفتر کو غارت کیا۔ ۸ مئی ۱۸۵۷ء روز جمعہ شاہ دیوان خاص میں تھے مولوی عبدالقادر نے ایک فہرست بابت تنخواہ فوج (جو اُسنے تیار کی تھی) گزرانی۔ مولوی مذکور کو بابت تقرری عہدہ نیابت نواب محبوب علیخاں ایک جوڑا دوشالہ کا عطا ہوا۔ غلام علیخاں مہتمم کالامحل معہ میر اکبر علی سوار (جو فریزر صاحب کی اردلی میں رہتا تھا) حاضر ہوا۔ سوار نے عرض کی کہ پچاس سوار نواب جھجھر کے حاضر ہیں اور نواب صاحب خود بباعث اس امر کے کہ ملک میں بدعملی اور بدانتظامی ہے دربار میں حاضر ہونیسے قاصر ہیں۔ مولوی احمد علی بلبگڈھ کے راجہ کی طرف سے دربار میں حاضر ہوا۔ اور ایک روپیہ نذر گزرانا اور راجہ کی عرضی پیش کی جس کا مضمون یہ تھا کہ بباعث غارت اور فتنہ و فساد جو گوجروں نے مچا رکھا ہے میں خود حاضر نہیں ہو سکتا انشاءاللہ بعد انتظام حاضر دربار شاہی ہونگا۔ اُسکے نام حکم جاری ہوا کہ جہانتک ہو جلد حاضر ہو۔ خبر پہونچی کہ صاحب مجسٹریٹ رہتک ضلع چھوڑ کے چلے گئے اور یقین ہے کہ خزانہ لُٹ جاویگا۔ شاہ نے ایک پلٹن پیادگاں اور کچھ سواروں کو حکم دیا کہ خزانہ رہتک کا لے آویں۔ عبدالکریم کے نام حکم ہوا کہ چار سو پیادہ سپاہی پانچ روپیہ ماہواری کی شرح پر اور ایک رسالہ سواروں کا بیس روپیہ ماہواری کی شرح پہ بھرتی کرے چنانچہ دو سو آدمی آج کی تاریخ بھرتی ہو گئے۔ بادشاہ کی طرف سے سواروں کے نام حکم جاری ہوا کہ مرزا ابوبکر موقوف کیا گیا اور سوار خاص شاہ کے زیرحکم رہیں۔ قاضی فیض اللہ دربار میں حاضر ہوا اور پانچ روپیہ نذر گزرانے اور عرضی دی کہ میں کوتوال شہر مقرر کیا جاؤں بادشاہ نے اُسکی درخواست قبول فرمائی۔ جے سنگھ پورہ کے میواتیوں نے سڑک آہنی کے افسر کا

مال واسباب قریب چار ہزار روپیہ کا لوٹ لیا چنانچہ پیادہ اور سواروں کا یہ مشورہ ہوا کہ میواتیوں کو گرفتار کریں اور جیسنگہ پورہ کو غارت کریں یہ سنکر لالہ بدہ سنگہ بکال ۔۔ جیو رتن مینہ جے سنگہ پورہ نے بادشاہ کو عرضی دی اُس پر حکم ہوا کہ کوئی سپاہی جیسنگہ پورہ کو بلا حکم شاہی نجانے پاوے بادشاہ کو اطلاع ہوئی کہ سپاہی شہر کے انتظام کے واسطے ننگی تلوار لیکے گشت کرتے ہیں جس سے باشندوں اور دوکانداروں کو دہشت معلوم ہوتی ہے حکم ہوا کہ آیندہ سے کوئی تلوار برہنہ لیکے شہر میں نہ پھرنے پاوے۔ پیادہ اور سوار باہم مشورہ کرکے شاہ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اُنکو تنخواہ اور کپڑے ابھی تک نہیں ملے۔ اور اُنکو یقین ہے کہ نواب محبوب علیخان اور حکیم احسن اللہ خاں انگریزوں سے سازش رکھتے ہیں نواب محبوب علیخاں نے قرآن پر ہاتھ رکھ کے قسم کھائی کہ اُسکو انگریزوں سے کچھ واسطہ نہیں ہے آغا محمد خاں کا سپاہیوں نے گھر لوٹ لیا۔ **۱۶ مئی ۱۸۵۷ء روز شنبہ** شاہ نے دیوانِ عام میں دربار کیا حکیم احسن اللہ خاں اور بخشی آغا سلطان اور کپتان ولداد علیخاں اور رحمت علیخاں حاضر ہوئے سوار اور پیادہ مع افسروں کے ایک خط حکیم احسن اللہ خاں اور نواب محبوب علیخاں (بنام صاحبانِ انگریز) دربار میں لائے اُنھوں نے بیان کیا کہ یہ خط دہلی دروازے پر پکڑا گیا ہے اس میں یہ دونوں شخص مذکور انگریزوں کو بلانا چاہتے ہیں کہ اگر انگریز جوان بخت کو ولیعہد کریں تو وہ سب سپاہیوں کو گرفتار کردینگے یہ خط احسن اللہ خان اور نواب محبوب علیخاں کے سامنے رکھا گیا اُنھوں نے صاف انکار کیا اور کہا کہ یہ ہمارا خط نہیں ہے یہ جعل ہے اور نہ اس پر ہماری مہر ہے سپاہیوں کے سامنے اپنی مہریں مطابقت کیواسطے اُتار کے پھینکدیں اور قرآن کی قسم کھائی کہ یہ خط ہمارا نہیں بعض شخصوں نے سواروں کو اطلاع دی کہ کچھ فرنگی شہر کی حویلیوں میں پوشیدہ ہیں۔ یہ

NOT FOR CIRCULATION

سنکر مرزا ابوبکر سواروں کے ساتھ موقع پر جہاں مخبروں نے نشاندہی کی تھی گئے اور مرزا مذکور نے نہر میں کود کر گولی چلائی لیکن کوئی فرنگی وہاں ظاہر نہ ہوا۔ بعد ازاں سواروں نے تلواریں میان سے نکالکر حکیم احسن اللہ خاں کو گھیر لیا اور کہا کہ تو انگریزوں سے سازش رکھتا ہوا سواسطے تو نے سب فرنگیوں کو جیلخانہ میں قید کر رکھا ہے کہ جب انگریز آویں تو اُنکو حوالہ کیا جاوے۔ غرض کہ اس امر میں بڑا جھگڑا رہا آخیر فیصلہ اس بات پر ہوا کہ جملہ عیسائی اور میم اور بچے جو جیلخانہ میں مقید تھے سواروں کے حوالے کئے گئے تاکہ وہ اُن سب کو قتل کریں مرزا منجھلے نے اُس وقت بیان کیا کہ عورتوں کا قتل کرنا شرع محمدی میں جائز نہیں ہے سوار مرزا موصوف کے قتل پر آمادہ ہوئے لیکن وہ بھاگ کر بچگیا تمام فرنگی قیدیوں کو قلعہ میں نقارخانہ کے قریب بٹھاکے ایک سوار نے قرابین بھر کے ماری اُس سے ایک خاص شاہی نوکر زخمی ہوا۔ اسکے بعد بادشاہ کے خاص نوکروں نے تلوار سے سب مردوں عورتوں اور بچوں کا سر کاٹا ایک شخص کی تلوار ٹوٹ گئی اور بعد قتل کے لاشوں کو چھکڑوں میں بھروا کے دریا میں پھکوا دیا۔ نواب مالاگڈھ کے نام حکم پہنچا کہ اضلاع شرقی دریاء جمن میں گوجروں نے بڑا فساد اور بلوہ مچا رکھا ہے اُس کا تدارک کرے لاہوری دروازے کے دوکاندار نالشی ہوئے کہ کاشی ناتھ تھانہ دار ایک ہزار روپیہ بطور رشوت مانگتا ہے اور دھمکاتا ہے کہ درصورت نہ ادا کرنے روپیہ کے وہ سبکو گرفتار کر کے کوتوالی چالان کر دیگا۔ یہ سنکر حکیم احسن اللہ خان نے کوتوال قاضی فیض اللہ کے نام حکم بھیجا کہ تھانہ دار مذکور کو سپرد حوالات کرے ۱۷ مئی سنہ ۱۸۵۷ء روز یکشنبہ بادشاہ دیوانِ خاص میں تھے جبکہ چند سوار اور پیادے مع اپنے افسروں کے حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اُنھوں نے سلیم گڈھ کی بخوبی مضبوطی کی ہے اور مورچہ بنایا ہے حضور چلکر اُس کو ملاحظہ

فرمادیں چنانچہ بادشاہ تخت رواں پر سوار ہو کر وہاں گئے اور توپوں کا ملاحظہ کیا۔ اور مراجعت کی اور سپاہیوں کی دلجمعی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور اگر کوئی فرنگی گرفتار کرکے لاؤ تو میں خود اپنے ہاتھ سے مار ڈالنے کو تیار ہوں اور تمکو چاہیئے کہ حکیم احسن اللہ خاں اور محبوب علیخاں اور ملکہ زینت محل پر بھی اعتبار کلی رکھو۔ سپاہیوں کو یہ سنکر حکیم مذکور کی طرف سے شک جاتا رہا دیوان عام میں چند سپاہیوں نے قیام کیا تھا چنانچہ وہاں سے اُن کو اُٹھا دیا گیا اور برسوں کے بعد اس مکان کی از سر نو آراستگی ہوئی اور فرش اور قالین اور جھاڑ اور فانوس سے مکلف کیا گیا امین الدین خاں اور ضیاء الدین خاں سب للطلب حاضر ہوئے اُنکو حکم ہوا کہ ہر روز دربار میں حاضر ہوا کریں اُنھوں نے بیماری کا عذر پیش کیا پھر بادشاہ نے اُنکو حکم دیا تم کو فوج بھرتی کرنی چاہیئے کیونکہ ایک بڑے ملک کا انتظام تمہارے سپرد کیا جائیگا اُنھوں نے جواب دیا کہ حسب الحکم عمل میں آئیگا بعد ازاں دوست خاں و وزیر خاں برادر نواب مصطفےٰ خاں جہانگیر آبادی اور اکبر خاں وغیرہ حاضر ہوئے اور دو دو روپیہ نذر کے گزرانے۔ اتنے میں ایک سوار آیا اور خبر کی کہ چند لاکھ روپیہ بابت مالگذاری گوڑگانوہ بحراست ایک کمپنی پیادگاں اور چند سوار دہلی کو آتا تھا راستہ میں تین سو میواتیوں نے حملہ کیا ہے اور لڑائی ہو رہی ہے یہ سنکر مولوی محمد باقر چھاپہ خانہ والے کو حکم ہوا کہ فوراً دو کمپنیاں سپاہی اور ایک توپ رسالہ کا لیکے جاوے اور خزانے کو محفوظ لے آوے۔ دہلی کے زمینداروں نے حاضر ہو کر ایک ایک روپیہ بطور نذر گزرانا اور اپنی نمک حلالی اور اطاعت ظاہر کی بادشاہ نے اُن سے فرمایا کہ اپنے گانو کا انتظام قرار واقعی رکھو۔ دوپہر کو ہرکارہ شاہی میرٹھ سے واپس آئے اور خبر کی کہ قریب ایک ہزار فرنگی مرد اور عورت اور بچہ صدر بازار میں جمع ہو کے رہتے ہیں اور سورج کنڈ پر

توپیں چڑھاکر مورچہ قائم کیا ہے اور بیان کیا کہ گوجروں نے میرٹھ اور سلیم پور کے بیچ میں بڑی لوٹ مچا رکھی ہے اس واسطے بادشاہ نے دو کمپنیوں کو پل جمن پر تعین کیا حکیم عبدالحق نے حاضر ہوکر پانچ روپیہ نذر کے گزرانے پانچ کمپنیاں سیپرز اینڈ مائنرز یعنی سفرمینا کی دہلی میں داخل ہوئیں - مہاراجہ نراندر سنگھ والی پٹیالہ اور رام سنگھ راجہ جے پور اور راجگان الور اور جودھپور اور کوٹہ اور بوندی وغیرہ کے نام فرمان جاری ہوئے کہ وہ جلد حاضر ہوں **۱۸ مئی سنہ ۱۸۵۷ء روز دوشنبہ** بادشاہ دیوان خاص سے دیوان عام میں رونق افروز ہوئے اور تخت سلطنت پر جلوہ فرمایا اور پانچ پلٹنوں کا انگریزی باجہ بجتا رہا اور خلعت ہائے فاخرہ مرزا مغل کو بابت تقرری عہدہ سپہ سالاری کل فوج اور مرزا کوچک سلطان اور مرزا مینڈھو اور بیٹوں کو بابت تقرری عہدہ ہائے کرنیلی فوج اور ابوبکر پوتہ کو بابت تقرری عہدہ کرنیلی سواراں عطا ہوئیں - مرزا مغل نے پانچ اشرفیاں نذر کی گزرانیں اور شاہزادوں نے ایک ایک اشرفی اور پانچ پانچ روپیہ - نواب حسن علیخاں دربار میں حاضر ہوکر آداب بجالایا نواب مذکور سے کہا گیا کہ ہر روز بلاناغہ دربار میں حاضر ہوا کرے بادشاہ نے اُن سے کہا تمکو بہت سا ملک عطا ہوگا تمکو چاہیئے کہ فوج پیادہ اور سوار بھرتی کرو حسن علیخاں نے عرض کی کہ یہ تو مجھسے نہ ہوسکے گا لیکن دربار میں حاضر رہا کرونگا دو سوار جو الور کو فرمان لیکے گئے تھے واپس آئے اور عرض کی کہ ہزارہا گوجروں نے راستہ میں فساد عظیم مچا رکھا ہے اور اُنھوں نے ہمارے کپڑے اور گھوڑے وغیرہ لوٹ لیئے اور فرمان شاہی کو پھاڑ کر ہمارے ہاتھ پر رکھدیا - لیکن بہزار منت و سماجت ہمارے گھوڑے واپس کیئے اور شتر سوار بھی جو فرخ نگر والے نواب کے پاس فرمان لے گیا تھا واپس آیا اور کہا کہ گوجروں نے راستہ بند کر رکھا ہے - سفرمینا کی پلٹن کے افسر حاضر ہوئے اور بیان کیا

کہ میرٹھ میں سب انگریزوں نے دمدمہ پر جمع ہو کے مورچہ قائم کیا ہے اور جب انکی پانچ
کمپنیاں رڑکی سے میرٹھ میں آئیں تو فرنگیوں نے انکو سمجھایا کہ تمھاری تنخواہ بڑھا دیجائیگی
تم سب اپنا اپنا کام کرو جب ہمنے یہ منظور نہ کیا تو انھوں نے گراپ بھر کے مارے اور سو
سے زیادہ سپاہی مارے گئے اور باقی ہم سب بھاگ کر حاضر حضور ہوئے ہیں انکو ہدایت ہوئی کہ
کہ سلیم گڈھ میں قیام کریں۔ نواب محبوب علیخاں نے ایک فہرست سوداگروں اور دہلی
کے ساہوکاروں کے نام کی مثل رامجی داس گودام والہ۔ رامجی داس گوڑ والہ۔ اور خزانچی
سالگ رام وغیرہ گزرانی چنانچہ یہ فہرست انکے پاس روانہ کی گئی اور انکو فہمایش ہوئی۔
کہ پچیس سو روپیہ روز کا خرچ فوج کا ہے تم سب کو چاہیئے کہ پانچ لاکھ روپیہ کی سبیل
کرو سب ساہوکار اور سوداگر جمع ہو کے محبوب علیخاں کے پاس گئے اور کہا کہ ہم سب
لٹ گئے اب روپیہ کہاں سے لاویں اور رامجی داس نے کہا کہ اگر اور سب ساہوکار روپیہ
دیں گے تو میں بھی دینے کو تیار ہوں۔ مرزا ابوبکر رسالہ کو لیکر چندراول اور وزیر آباد کیطرف
گوجروں کی تادیب کیواسطے گئے لیکن گوجر فرار ہو گئے **۱۹ مئی سنہ ۱۸۵۷ء** بروز شنبہ
بادشاہ دیوان عام میں برآمد ہوئے۔ دو سوار میرٹھ سے آئے انھوں نے بیان کیا کہ بریلی
اور مراد آباد سے فوج پیادگان اور سوار مع توپخانہ اور خزانہ کثیر میرٹھ میں پہنچے ان سے انگریزوں
نے فریاد کی کہ میرٹھ کی فوج نے نمک حرامی کرکے اور افسروں کو قتل کرکے دہلی کی طرف راہ لی
فوج بریلی اور مراد آباد نے انگریزوں کو جواب دیا کہ اسکا عوض تم نے تین سو سفر مینا کی
پلٹن کے سپاہی مار کے لے لیا یقین ہے کہ تم ہم سے بھی ایسا ہی سلوک کروگے۔ یہ سنکر
انگریز اپنے مورچہ گاہ میں چلے گئے اور فوج پر گولہ اندازی شروع کی فوج نے بھی مورچے
جماکے توپ سے صدمے شروع کیئے خدا کی قدرت سے ایک گولہ اس سرنگ میں جو فرنگیوں نے

کھودی تھی جا پڑا اور سرنگ کے اڑتے ہی تمام فرنگیوں کا مورچہ اڑ گیا اب کوئی فرنگی میرٹھ میں باقی نہیں رہا یہ سنکر تمام فوج اور بادشاہ کو نہایت خوشی حاصل ہوئی اور سلیم گڈھ سے پانچ توپیں سر کیں بعد ازاں یہ خبر ملی کہ کلکٹر گوڑگانوہ ضلع چھوڑنے کے وقت سترہ ہزار روپیہ ہرسرو کی گڈھی میں چھوڑ گیا ہے اس خزانے کے لے آنے کے واسطے سو سوار اور دو کمپنیاں پیادہ روانہ کیں جب یہ روپیہ آگیا تو اسکو خزانے میں جمع کرا دینے کا حکم دیا۔ ایک سوار بیجا بائی صاحبہ کا آیا اور اس نے بیان کیا کہ بائی صاحبہ کو انگریزوں۔ بچوں اور میموں کے قتل کی خبر کا ابھی تک اطمینان نہیں ہے اس امر کی صداقت کے واسطے مجھے بھیجا ہے۔ بادشاہ نے اس سے فرمایا کہ کل فرنگیوں کا خاتمہ ہو گیا اور سوار کو ہدایت کی کہ معہ دو سوار شاہی گوالیار کو روانہ ہو اور بائی صاحبہ سے کہو کہ جلد مع فوج حاضر حضور ہوں۔ حسین مرزا داروغہ محلات کو حکم ہوا کہ کنور اجیت سنگھ چچا مہاراج پٹیالہ کو پیش کرے چنانچہ کنور موصوف دربار میں آیا اور ایک اشرفی نذر کی گزرانی بادشاہ نے کنور صاحب سے فرمایا کہ میں تمکو خوب جانتا ہوں۔ تم مدت سے دہلی میں رہتے ہو ایک خلعت بھی انکو عطا ہوا۔ احمد مرزا اور حکیم عبدالحق حکیم کے لڑکے نے بھی دربار میں حاضر ہو کر پانچ پانچ روپیہ نذر کے گزرانے۔ رسالہ دار مرسلہ محمد اکبر جلیجان حاضر حضور ہوا۔ اور دو روپیہ نذر کے پیش کیے اور اپنے آقا کی طرف سے عرضی گزرانی اس میں عذر غیر حاضری بباعث بدعملگی ملک مرقوم تھا اور لکھا تھا کہ خان مذکور بعد انتظام فی الفور حاضر حضور ہوگا۔ دو انگریز اور تین میمیں اور ایک لڑکا نتھو درزی کے گھر میں پوشیدہ تھے باغی سوار یہ سنکر ان کو گرفتار کر لائے اور درزی کا گھر جلا دیا بادشاہ نے ان قیدیوں کو سپاہیوں کی حوالات میں رکھا بادشاہ سلیم گڈھ پر تشریف لے گئے وہاں سلامی ہوئی بیسویں پلٹن کے افسروں نے بیان کیا ہم کو اعتبار نہیں ہے کہ میرٹھ کا انگریزی

مورچہ اُڑ گیا اس واسطے ہمارا ارادہ ہے کہ ہم خود میرٹھ جاکر مورچہ کو اُڑا دیں بادشاہ نے کہا کچھ ضرور نہیں اور اگر تمھارا ارادہ بھی ہو تو حسب الحکم اپنے سپہ سالار مرزا مغل کے کام کرنا چاہیے۔ قاضی فیض اللہ کوتوال شہر کے پاس حکم گیا کہ دو کشتیاں پل جمن کی اپنی جگہ سے ہٹ گئی ہیں چاہیئے کہ سوم دوشنبہ کشتیوں کو درست کرا دو۔ خبر پہونچی کہ پلٹن کے ہندوستانی ڈاکٹروں نے مسلمانان شہر کے ساتھ ملکے جامع مسجد میں محمدی جھنڈا قائم کیا بادشاہ نے یہ سنکے اُن کو کہلا بھیجا کہ کوئی انگریز اب شہر میں باقی نہیں ہے اسواسطے اب جھنڈا بلند کرنا ضرور نہیں ہے مولوی سعد الدین خاں اُنکو سمجھانے کو گئے۔ بہت سے چھکڑے غلہ اور نمک وغیرہ کے گرفتار کرکے شہر میں لائے گئے **۲۰ مئی سنہ ۱۸۵۷ء** روز چہارشنبہ بادشاہ محل کے اندر سے دیوان عام میں برآمد ہوئے تھے سعید ڈاکٹر حاضر ہوکر آداب بجا لایا بادشاہ سے کہا تمنے انگریزوں کے خلاف جامع مسجد میں محمدی جھنڈا کھڑا کیا اب ملک میں کوئی انگریز باقی نہیں رہا اسلامی جھنڈے کی کیا ضرورت تھی ڈاکٹر نے جواب دیا کہ جھنڈا ہنود کے خلاف کھڑا کیا گیا تھا یہ سنکر بادشاہ نے جواب دیا کہ میرے نزدیک ہندو اور مسلمان ایک ہیں بعد ازاں فوج کے افسر حاضر ہوئے اور اُنھوں نے فریاد کی کہ مسلمانوں نے مسلمانی جھنڈا ہنود کے خلاف کھڑا کیا ہے بادشاہ نے اُنکی دلجمعی کی کہ وہ انگریزوں کے خلاف کھڑا کیا گیا تھا۔ افسروں نے یہ بھی عرض کی کہ میگزین کے ایک نوکروں میں سے ایک چھوٹی برنجی توپ لیئے جاتا تھا۔ چنانچہ سکوپل پر گرفتار کیا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اُسکو توپ سے اُڑا دو۔ مرزا امین الدین خاں اور مرزا ضیاء الدین خاں اور حسن علیخاں۔ اور رحمت علیخان آداب بجالائے بادشاہ نے اُنکو ایک ایک چوبدستی از راہِ الطاف شاہانہ عنایت کی اور اُنھوں نے پانچ پانچ روپیہ بطور نذر پیش کئے مرزا مغل کے نام حکم ہوا کہ

کہ وہ سبہ داری چار پلٹن پیادگان اور سواران مع چار ضرب توپ میرٹھ کی طرف روانہ ہوں اور مورچہ انگریزی کو اٹھا دیں۔ مرزا مذکور نے عرض کیا کہ مرزا امین الدین خاں اور مرزا ضیاء الدین خاں اور حسن علیخاں اور اور رئیس جو بڑے بڑے تعلقوں کے مالک ہیں انکو بھی میرے ہمراہ جانے کا حکم ہو۔ سب رئیس یہ سنکر خاموش ہو رہے۔ بادشاہ نے مرزا ابوبکر کو حکم دیا کہ وہ سبہ داری فوج میرٹھ کو جاوے اور نواب محبوب علیخاں اور حکیم احسن اللہ خاں کو ہدایت ہوئی کہ تمام سامان اخراجات و رسد وغیرہ فوج کے واسطے میرٹھ جانے کو تیار کرا دیں۔ چند سواروں نے مبارک باغ سے جو چھاونی سے پرے ہے جاکے دو فرنگیوں کو جو وہاں پوشیدہ تھے مار ڈالا فوج کے افسروں نے آکر عرض کی کہ پانچ میمیں جو قید میں ہیں وہ فوج کے حوالہ کیجائیں۔ بادشاہ نے محبوب علی ڈاکٹر سے اسکے بارے میں فتوی طلب کیا اس نے بیان کیا کہ از روے شرع محمدی عورتوں کا قتل جائز نہیں ہے بعد ازاں بادشاہ دیوان خاص میں تشریف لے گئے اور وہاں بیگم صاحبہ اور میر منشی مکند لال سے گفتگو کرتے رہے۔

تیسرا باب

محاصرۂ دہلی

گیارھویں مئی ۱۸۵۷ء کو سر ہنری برنارڈ صاحب حاکمِ اعلیٰ افواج انبالہ و سرہند نے بذریعۂ تار برقی اخبارِ وحشت آثار میرٹھ اور دہلی سے اطلاع پائی تو فوراً اُنھوں نے اپنے سکرٹری کو جنرل انیس صاحب بہادر سپہ سالار افواج ہند کے پاس شملہ روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ یہاں سے آپ کا اُترنا بہت ضرور ہے ۱۴ تاریخ مئی کی شام کو کمانڈر انچیف صاحب موصوف شملہ سے روانہ ہو کے ۱۵ کی صبح کو انبالہ میں پہنچے اور وہاں آ کے ایک اشتہار عام فوج کیواسطے دیا۔ ۲۳ تاریخ مئی کو اُنھوں نے محاصرہ دہلی کے واسطے یہ تجویز کی کہ فوج جو انبالہ میں موجود ہے اُس کے دو حصے کیئے جاویں اور خود اُسکے کمان افسر بنکے دہلی کو جانے پر مستعد ہوئے اور ہنری بارڈ صاحب کو بدستور انبالہ میں ٹھیرنے کا حکم دیا اور دونوں حصوں کی تقسیم اِس طور پر کی اوّل حصہ کو زیر حکم برگیڈیر ہالی فاکس صاحب کے کیا جس میں یہ فوج تھی ۷۵ نمبر کی پلٹن شاہی گورہ۔ اول پلٹن بنگال فیوزی لیرز گورہ۔ دومتن رسالہ گورہ نمبر نہم لانسرز یعنے بھالہ بردار اور ایک ترپ توپخانۂ اسپی۔ حصۂ دوم جو زیر حکم برگیڈیر جونز صاحب کے تھا اُس میں مفصلۂ ذیل فوج تھی۔ پلٹن نمبر دوم بنگال فیوزی لیرز گورہ۔ پلٹن پیادگان ہندوستانی نمبر ۶۔ دومتن رسالۂ نہم گورہ۔ ایک متن بھالہ برداران رسالہ چہارم ہندوستانی۔ ایک ترپ توپخانۂ اسپی۔ اِن دونوں حصوں میں علاوہ توپخانہ کے صرف اٹھارہ سو گورہ تھا اور قریب ایک ہزار ہندوستانی فوج کے۔ اس جماعت کو کمانڈر انچیف صاحب نے انبالہ سے روانہ کرنا چاہا کہ ۳۰ مئی تک کرنال میں داخل ہو اور وہاں سے پہلی تاریخ جون کو روانہ ہو کے پانچویں

تک باغپت میں پہنچ جاوے اور چھٹی تک سیج ٹرین یعنی توپخانہ قلعہ شکن بھی اُس مقام پر جا پہنچے اور اسی اثنا میں ایک کمپو میرٹھ سے تیار ہو کے پانچویں جون تک باغپت میں انبالہ کی فوج سے آملے پھر دہلی کیطرف سب فوج روانہ ہو یہ تجویز کمانڈر انچیف صاحب بہادر نے مستحکم قرار دی لیکن تقدیر میں نہ تھا کہ اُنکے ہاتھوں اس کا عملدرآمد ہوتا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اول کمپو میرٹھ کا حال لکھیں کہ اُسکو میرٹھ سے باغپت آنے تک کیا کیا وارداتیں پیش آئیں اور پھر انبالہ کی فوج کا احوال لکھیں گے بعد ازاں پھر دونوں نے باغپت سے عین زیر دیوار دہلی تک جو جو کام کیے اُن کو بیان کرینگے اور اسکے بعد کیفیت محاصرہ دہلی شروع ہوگی - ۲۷ تاریخ مئی ۱۸۵۷ء کی شام کو میجر جنرل ہیوٹ صاحب حاکمِ اعلیٰ فوج میرٹھ نے ایک کمپو بسرداری کرنیل ارجالدوسن کے باغپت کی طرف روانہ کیا (اسی افسر نے دہلی فتح کی اور لقب جنرل کا حاصل کیا) اس کمپو میں بہت قلیل فوج تھی یعنی ساٹھویں نمبر گورہ کی رفل پلٹن کے پانچسو جوان سے بھی کم تھے اور دوسو سوار رسالہ قرابینی گورہ اور ایک توپخانہ میدان جنگی اور ایک توپخانہ اسپی یہ تھوڑی سی فوج تین رات کوچ کرکے ۳۰ مئی کی صبح کو قصبہ غازی الدین نگر میں پہنچی یہ قصبہ ہیڈن ندی پر اٹھارہ میل دہلی سے مشرق کی جانب واقع ہے - ہیڈن پار ہونے کے واسطے ایک بہت عمدہ لوہے کا پل انگریزوں نے بنوایا - اس پل کے قریب انگریزی فوج نے قیام کیا گرمی کی وہ شدت تھی کہ انسان اور حیوان تڑپے جاتے تھے اور لو بھی بشدت چل رہی تھی - اس روز کبھی دشمن سے مقابلہ ہونیکا گمان نہ تھا جب چار بجے تو یکایک دشمن کی فوج حملہ آور ہوئی ندی کے پرلے کنارے سے دشمنوں کی ایک کثیر فوج نے مع پانچ ضرب توپ حملہ کرنا شروع کیا انگریزی بیوگل فوج کو ہشیار کرنے نہ پایا تھا کہ ایک اٹھارہ پنی توپ کا گولہ آکے پڑا اور دو کہاروں کی ٹانگیں جو کہ قرابینوں کے دروازہ پر اسپتال کے خیمہ کے قریب بیٹھے تھے صاف اڑ گئیں فی الفور دو

دو کمپنیاں رفل اور ایک تن قرابینیوں کا پار ہو کے پل کی طرف گیا اور توپخانہ اسپی دہنی طرف ہمارے کیمپ کے آراستہ ہوا۔ اور اسکاٹ صاحب کا جنگی توپخانہ پل کے نیچے نصب کیا گیا اور دو بھاری توپیں محصول گھر کے قریب اونچی سڑک کے آخری سرے پر لگا کے دشمنوں پر آگ برسانی شروع کی اتنے میں باقی رفل کی کمپنیاں بھی تیار ہو کے میدان جنگ میں پہنچ گئیں۔ پل پار کر کے دشمنوں پر خوب فیر کیئے۔ جب دشمنوں کی توپوں سے قریب اسی گز کے فاصلہ پر پہنچ گئے تو کرنیل رفل نے یکبارگی ان دونوں کمپنیوں کو جو اول تیار کی گئی تھیں فوراً حملہ کرنے کا حکم دیا۔ حملہ کرتے ہی دشمن پریشان ہو گئے اور دشمنوں کی ایک گاڑی محمولہ سامان جنگ اڑ گئی۔ تلنگوں نے مایوس ہو کے یہ گاڑی دیدہ و دانستہ اڑا دی۔ سب توپیں بھی دشمنوں سے چھین لیں یہ لڑائی اگرچہ بہت دیر تک نہ رہی لیکن سرکار انگلشیہ کو فتح کامل حاصل ہوئی یہ اول ہی لڑائی تھی جس میں باغیوں کی بسم اللہ غلط ہوئی صرف سات سو ولایتی فوج نے قریب پانچ ہزار آدمیوں کو بھگا دیا اور ایسی مضبوط جگہ سے کہ اگر دو کمپنیاں اسی فوج شاہی کی وہاں مقیم ہوں تو پھر کیا طاقت تھی کہ کوئی اور گورہ پلٹن ان کو اس جگہ سے نکال سکتی۔ توپیں اس روز پانچ ہاتھ لگیں جن میں دو بڑی بھاری تھیں اسکے بعد انگریزی فوج نے میدان جنگ سے دشمنوں کا تعاقب کر کے ان کو اس گانوں سے بھی نکالا جو کہ قریب پل کے واقع تھا اور جسکی اوٹ میں وہ لڑتے تھے اور گانوں کو جلا کر خاک کر دیا۔ اور ایک خندق میں پچاس سپاہی پوشیدہ تھے ایک بھی ان میں سے زندہ نہ چھوڑا۔ غرضکہ دشمنوں کے آدمی بہت مر گئے اور زخمی ہوئے اور چھکڑے اور گاڑیاں اسباب جنگ کی بھری ہوئی چھوڑ گئے فوج انگریزی میں گیارہ آدمی قتل ہوئے اور اکیس زخمی ہوئے اور کپتان اینڈریوز صاحب دشمنوں کی دو بھاری توپیں چھیننے کے وقت مارے گئے۔ دوسرے دن ۳۱ مئی کو اتوار تھا

صبح کو جتنے سپاہی مارے گئے تھے دفن کئے گئے معلوم ہوا کہ اس مقام کو ابھی تک دشمنوں نے بالکل خالی نہیں کیا ہے اُنکے سوار اِدھر اُدھر پھرتے ہوئے نظر پڑتے تھے ایک بجے اُن کے معلوم ہوا کہ پھر پانچہزار فوج باغی نے پل کے اُس پار ایک میل نشان انگریزی سے پرے مورچہ قائم کیا ہے اُس وقت توپخانہ اسپی اور دو ضرب اٹھارہ پنی توپ مع ایک گروہ قرابینیوں کے روانہ کیا اور ایک جماعت پلٹن رفل اور قرابینیوں کی نشان کی مدد کے واسطے پل پر بھیجدی گئی دو گھنٹہ تک توپخانہ انگریزی سے برابر مقابلہ رہا ہر چند سواران دشمن نے بار با توپخانہ پر حملہ کیا لیکن ہر مرتبہ کامل زک اٹھائی۔ جب دشمنوں کی آگ ٹھنڈی پڑی اُسی وقت برگیڈیر ولسن نے عام حملہ بولدیا نتیجہ ظاہر تھا وہی امر پیش آیا جو کل ہو چکا تھا دشمن شکست کھا کر سراسیمہ بھاگے البتہ اس بات کا بڑا افسوس رہا کہ قلت فوج اور کثرت تپش آفتاب کے باعث دشمنوں کا تعاقب قرار واقعی نہ ہو سکا۔ اسی وجہ سے وہ اس مرتبہ اپنی ساتوں توپیں واپس لے گئے اِس لڑائی میں انگریزوں کی طرف سے کل چوبیس آدمی زخمی اور مقتول ہوئے۔ جن میں سے دس آدمی تو صرف تمازت آفتاب سے مر گئے۔ اس امر سے گرمی کی کیفیت معلوم ہو گی کہ کس قدر حرارت کی شدت تھی افسروں میں لفٹنٹ پرکنز صاحب متعلقہ توپخانہ اسپی مارے گئے اور کپتان جانسن اور النسائن ہپے بیر زخمی ہوئے۔ اِن دونوں لڑائیوں میں غازی الدین نگر میں کوئی امر تازہ نہوا۔ تیسری جون کی صبح اور سو جوان اُسی ساٹھویں رفل پلٹن شاہی گورہ کے جو کمپو میں موجود تھی میرٹھ سے آکر شامل ہوئے اور پلٹن گورکھہ الملقب بہ پلٹن سرمور ڈیرہ دون سے آکر اس فوج میں شامل ہو گئی۔ بعد ازاں اس کمپو نے باغپت کی طرف کوچ کیا اور ۵ تاریخ جون کو باغپت کے مقام پر جمنا پار ہو کے ۷ تاریخ اتوار کے روز علی پور میں فوج انگریزی سے جو انبالہ سے آئی تھی شامل ہوا۔ یہ فوج انبالہ اب زیر حکم میجر جنرل سر ہنری برنارڈ صاحب

کے تھی۔ کیونکہ ستائیسویں تاریخ مئی کو جنرل جارج امیسن صاحب بہادر کمانڈر انچیف افواج ہند بعارضہ ہیضہ مر گئے تھے۔ اب ہم اُس انگریزی فوج کا بیان کرینگے جو انبالہ سے دہلی کی طرف روانہ ہوئی تھی۔ اُوپر بیان کر چکے ہیں کہ ماہ مئی کی ۲۲ تاریخ تھی جس روز کمانڈر انچیف بہادر نے دہلی کی طرف فوج کی روانگی کی تجویز فرمائی جس فوج کے ساتھ مقام باغپت میں فوج میرٹھ کو ملنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ کمانڈر انچیف صاحب بہادر ممدوح ۲۴ تاریخ انبالہ سے روانہ ہوئے اور ۲۵ کو کرنال میں داخل ہوئے اور کل فوج انبالہ جس کا اُوپر بیان ہو چکا ہے اُس مقام میں پہنچ گئی لیکن دو ترپ توپخانہ اسپی ابھی تک نہ پہنچنے پائے تھے اور سیج ٹرین یعنی توپخانۂ قلعہ شکن بھی بہت دور تھا اور اُسکے آنے میں عرصہ تھا اس واسطے صاحب بہادر نے بذریعہ تار برقی کلکتہ کو خبر بھیجی کہ کرنال سے ۳۱ تاریخ مئی تک روانگی عمل میں نہیں آسکتی دوسرے روز ۲۶ تاریخ مئی کو تمام اُنکی تجویزیں ایک طرف رکھی رہیں اور وہ خود چند گھنٹہ کے عرصہ میں بعارضۂ ہیضہ مر گئے۔ مرتے وقت جناب صاحب کمانڈر انچیف بہادر نے سر ہنری برنارڈ صاحب کو انبالہ سے طلب کر کے اُنکو اُس فوج کی کمان جو محاصرہ دہلی کو جاتی تھی سپرد کی۔ اس موقع پر انتظار منظوری نواب گورنر جنرل کا بیفائدہ تھا۔ کیونکہ سلسلۂ ڈاک بالکل مسدود تھا اور تار برقی ٹوٹ گئی تھی نواب ممدوح نے ۲ جون کو یہ خبر سنی اور تقرری سر ہنری کی منظور فرمائی۔ لیکن یہ منظوری ایک مدت بعد محاصرین کو معلوم ہوئی۔ میجر جنرل ریڈ صاحب بہادر بعد وفات کمنڈر انچیف صاحب کے اُنکی جگہ قائم مقام ہو کر ۲۸ تاریخ راولپنڈی سے دہلی کیطرف روانہ ہوئے لیکن بباعث علالت مزاج اسقدر ناتوان تھے کہ فوج دہلی کی کمان خود اپنے ہاتھ میں نہ لے سکے۔ دوسرے سر ہنری برنارڈ صاحب بھی اگرچہ بیمار تھے لیکن حسب الطلب جارج امیسن صاحب کمانڈر انچیف صاحب بہادر جنھوں نے مرتے وقت اُنکو طلب کیا تھا فی الفور پلنگ سے اُٹھ کے کرنال

میں پونہچ گئے اور فوج دہلی کی کمان اپنے ہاتھ میں لی۔

سر ہنری برنارڈ صاحب نے کرنال سے روانگی فوج کی مناسب نجانی تاوقتیکہ بھاری توپخانہ پنجاب سے نہ پونہچ جاوے ۳۲ مئی کو ایک توپخانہ توپہینی توپوں کا کیمپ میں پونہچ گیا۔ چنانچہ اُسی روز اُنھوں نے پانی پت کی طرف کوچ کیا اور توقع یہ تھی کہ فوج میرٹھ زیر حکم برگیڈیر ولسن رائی کے مقام پر جہاں جمنا پر پل واقع ہے آکے شامل ہوگی۔ لیکن چونکہ صاحب ممدوح نے غازی الدین نگر سے ایک پھیر کا رستہ اختیار کیا تھا اسی باعث سے وہ اس روز اُس مقام پر فوج انبالہ کے ساتھ شامل نہو سکے برنارڈ صاحب نے علی پور کی طرف کوچ کیا اور وہ ۵ جون کی صبح کو وہاں داخل ہوئے چونکہ توپخانہ کا سامان میرٹھ کے کیمپ کے ساتھ زیادہ تھا اس لیئے اُنھوں نے میرٹھ کی فوج کے انتظار میں قیام کیا چنانچہ ۷ تاریخ کی صبح کو فوج مذکور آملی جب دونوں فوجیں انبالہ اور میرٹھ کی علی پور میں شامل ہوگئیں تو ۷ تاریخ ماہ جون کی شب کو ایک بجے کے وقت اُنھوں نے دہلی کی طرف کوچ کیا اور یہ امر تحقیق تھا کہ دن نکلتے ضرور دشمنوں سے مقابلہ ہوگا۔ علی پور سے یہ فوج اس طور پر تقسیم ہوئی سب سے آگے کے غول میں تیسرا ترپ توپخانہ اسپی متعلقہ دستہ نمبر سوم زیر حکم میجر ٹومبز صاحب اور تین تمن رسالہ نہم بھالہ برداران گورہ کے تھے۔ اس غول کے کل توپخانہ کی کمان لفٹنٹ کرنیل موہرے مکنزی صاحب کے سپرد ہوئی اور کل غول کے افسر برگیڈیر ہوپ گرانٹ صاحب مقرر ہوئے۔ گروہ دوم تحت حکومت برگیڈیر شورز صاحب میں ایک تمن رسالہ قرابینیان نمبر ۶ اور چار بھاری توپیں اور ایک جماعت سیپرز یعنی سفر مینا مورچہ اور سرنگ وغیرہ کے کام کے واسطے جن میں اکثر گورے تھے اور چار توپیں اسکاٹ صاحب کے توپخانہ کی اور ۷۵ نمبر کی پلٹن شاہی گورہ اور نمبر اول پلٹن بنگال فیوزی لیرز گورہ داخل تھیں۔ تیسرے

جس میں فوج تھی اول حصہ ساٹھویں رفل شاہی گورہ اور ایک جماعت سفر مینا زیر حکم لفٹنٹ [illegible] صاحب اور ترپ دوم متعلقہ دستہ سوم توپخانہ اسپی زیر حکم کپتان منی صاحب اور ایک تمن رسالہ نمبر ۹ بھالہ برداران۔ یہ غول زیر حکم برگیڈیر گریوس صاحب کے تھا۔ عقب کے غول میں جو میجر کوب صاحب کے مطیع تھا دومنہ کی شاہی فیوزی لیرز گورہ اور ایک تمن رسالہ ششتم ترا بندبان اور ایک کمپنی منبہ دوم بنگال فیوزی لیرز گورہ اور دو توپیں میجر اسکاٹ صاحب کے توپخانہ کی تھیں۔ یہ گروہ قلعہ شکن توپوں کے سامنے آراستہ ہوکے چلا۔ اس طریقہ سے کل فوج انگریزی چار جماعت بنکر میدان جنگ کے واسطے آراستہ اور مستعد ہوکے علی پور سے روانہ ہوئی۔ اس فوج کی تعداد اس قدر کم تھی کہ دشمنوں کی فوج سے تو انکی کچھ بھی نسبت نہ تھی۔ اول گروہ آدھے گھنٹہ شب رہے روانہ ہوا جب چلتے چلتے صبح کا نمودار ہوئی اور ساڑھے پانچ بجے فوج عبادالله کی سرائے جو بادلی کی سرائے کے نام سے مشہور ہے پہنچی یہ جگہ دہلی سے کل چار میل کے فاصلے پر ہے۔ اس جگہ دشمنوں نے نہایت مستحکم مورچہ قائم کر رکھا تھا یہاں پہنچتے ہی لڑائی شروع ہوگئی دشمنوں نے اپنی مورچہ بندی ایک بہت اچھے موقع پر باغات و عمارات کی آڑ میں کی تھی توپیں بہت عقلمندی کے ساتھ رکھیں اور اس سرعت سے آگ برسائی کہ ایک لمحہ کا بھی توقف نہ تھا۔ سب سے آگے کی فوج میں جب دشمنوں کی آگ سے بڑا نقصان ہونا شروع ہوا تو لفٹنٹ جنرل صاحب نے حملہ کرکے توپیں چھین لینے کا حکم دیا۔ یہ کام دوسرے دستہ کی ۷۵ ویں پلٹن گورہ کے ذمہ ہوا جس نے اس موقع پر بکمال شجاعت کی اور سنگینیں چڑھا کے پلٹن مذکور کے گورے بے خوف و خطر مورچہ دشمن کیطرف دوڑے عین توپوں کی آگ میں گھس کر دشمنوں کو پسپا کیا اور مورچہ کی توپیں چھین لیں اسی اثنا میں نمبر ۹ رسالہ بھالہ برداران نے میدانی توپوں کو چھین کے اُن کا منہ دشمنوں کیطرف پھیر دیا

غرضکہ باغیوں کو شکست کامل ہوئی بارہ توپیں اُن سے چھین لیں جن میں سے تین بہت بڑی تھیں علاوہ توپوں کے کل اسباب جنگ اور خیمہ اور اونٹ وغیرہ جو دشمن میدان میں بجنسہ چھوڑ کے بھاگ گئے تھے انگریزی قبضہ میں آئے۔ فوج انگریزی آگے بڑھی چلی گئی۔ جب اُس بلند میدان میں جھیل نجف گڈھ کی ندی کے کنارہ پر پہنچی تو وہاں تھوڑی دور ٹھیر کے اور کچھ ناشتہ کر کے پھر کوچ کیا اور ارادہ یہ کیا کہ ندی پار کر کے جو اُن دنوں پایاب تھی چھاؤنی دہلی میں ہو کے اُس بلند پہاڑی زمین پر جو چھاؤنی سے اُوپر کی طرف واقع ہے قبضہ کریں یہ مقام شمال میں شہر دہلی کے قریب ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ندی پار ہوتے ہی اس جگہ پر دشمنوں کا ہجوم کثیر معلوم ہوا یہ دیکھتے ہی جنرل برنارڈ صاحب ساٹھویں پلٹن رفل گورہ زیر حکم کرنیل جونز اور دوسری بنگال فیوزی لیرز گورہ زیر حکم کپتان باڈ صاحب اور ایک ترپ توپخانہ اسپی زیر حکم کپتان منی صاحب کو لیکر جلد پہاڑی پر چڑھ گئے اور دشمنوں کو مار کے بھگا دیا اور بالکل مطلع صاف کیا اس جگہ چھبیس توپیں دشمنوں کی چھین لیں اور کل اسباب لشکر اور جنگ جو وہ بجنسہ سراسیمہ ہو کر چھوڑ گئے تھے انگریزوں کے قبضہ میں آیا۔ رفل پلٹن گورہ نے اس مقام پر بڑی داد شجاعت دی۔ اُس روز صاحبان انگریز کی فوج میں کل اکیاون آدمی مارے گئے اور ایکسو بتیس ۱۳۲ زخمی ہوئے۔ ان میں سے افسروں کی فہرست یہ ہے کرنیل چسٹر صاحب فوج کے اجیٹن جنرل کپتان ولاہین اور کپتان رسل صاحب مارے گئے اور کرنیل ہربرٹ کپتان ڈاسن کپتان گریول لفٹنٹ لائٹ ہنیر۔ ڈیوڈسن۔ ہئیر۔ فٹزجریلڈ۔ بارٹھ۔ ورس ایلس اور انسائن یم زخمی ہوئے۔

اس لڑائی کے بعد عین دہلی کے سامنے اُس اُونچی زمین پر جو پہاڑی کے نام سے مشہور ہوئی ہے ۸ جون کی شام کو انگریزی فوج نے قیام کیا اور اُس روز سے لیکے تا تاریخ فتح

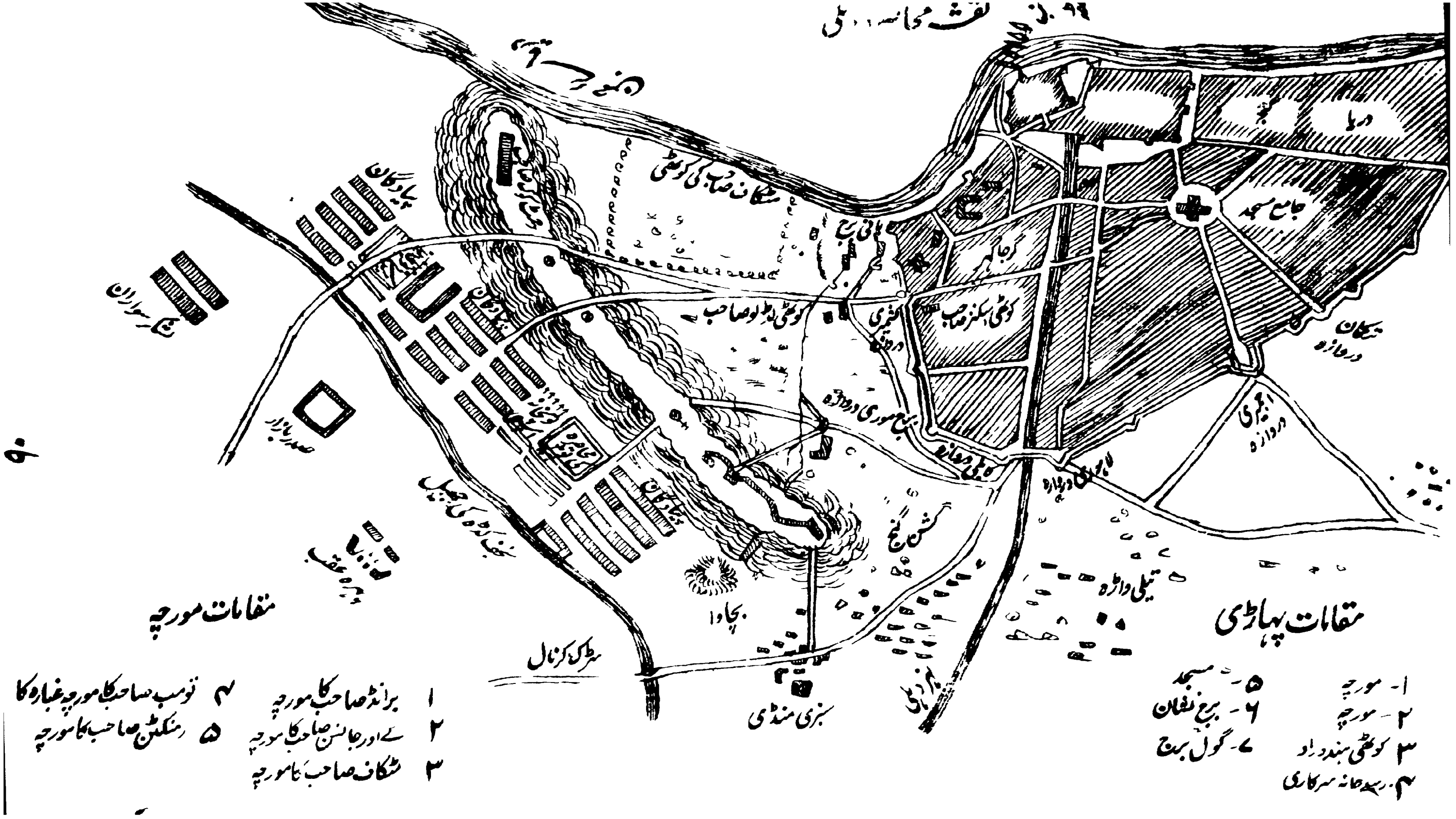

٩٩ ن. نقشہ محاصرہ دہلی
دریا
جامع مسجد
گرجا گھر
کوٹھی سکنر صاحب
کشمیری دروازہ
پانی برج
مٹکاف صاحب کی کوٹھی
کوٹھی لڈلو صاحب
برج موری دروازہ
کابلی دروازہ
لاہوری دروازہ
اجمیری دروازہ
ترکمان دروازہ
تیلی واڑہ
کشن گنج
بچاوا
سبزی منڈی
سڑک کرنال
نجف گڑھ کی جھیل
صدر بازار
پیادگان
پیادگان
سواران
مقامات مورچہ
١ برانڈ صاحب کا مورچہ
٢ رے اور جانسن صاحب کا مورچہ
٣ مٹکاف صاحب کا مورچہ
٤ ٹومب صاحب کا مورچہ غبارہ کا
٥ ریمنگٹن صاحب کا مورچہ
مقامات پہاڑی
١- مورچہ
٢- مورچہ
٣ کوٹھی ہندو راؤ
٤- ریچھ خانہ سرکاری
٥- مسجد
٦- برج نشان
٧- گول برج

دہلی وہاں سے نہ ہٹی اب گویا محاصرۂ دہلی شروع ہوا۔ اب اس جگہ محصورین اور محاصرین کی کیفیت بخوبی سمجھ لینی چاہیئے اسکے سمجھنے کے واسطے نقشۂ ذیل کو بغور ملاحظہ کیجیئے۔ مشہور دہلی جہاں کل فوج باغی ہندوستانی نمک حرامی کرکے پناہ گزین ہوئی تھی دریائے جمن پر واقع ہے۔ شہر دہلی سے چار سو میل کے فاصلہ پر مغرب کی جانب لاہور واقع ہے۔ اور پشاور قریب سات سو میل کے اور مشرق میں الہ آباد اس سے پانسو میل ہے جہاں کہ دریائے جمن دریائے گنگ سے شامل ہوا ہے۔ کلکتہ اور دہلی میں قریب نو سو میل کے فاصلہ ہے۔ مشرق کی سمت میں دہلی کے دریائے جمن بہتا ہے۔ چار دیواری اس شہر کی بہت پختہ اور سنگ سرخ سے بنی ہوئی ہے۔ اصل میں شاہجہاں نے یہ شہر پناہ بنوائی تھی لیکن سنہ ۱۸۰۳ء میں جب انگریز دہلی پر قابض ہوئے تو اس زمانہ میں یہ بہت بے مرمت اور شکستہ ہوگئی تھی۔ علاوہ شکستگی کے از روئے قوانین جنگ یہ بہت ناقص تھی۔ توپوں کے لگانے کے برج بہت چھوٹے چھوٹے تھے اور مضبوط نہ تھے اور نہ اسکے بازوؤں پر کوئی پناہ گاہ تھی۔ خندق بھی مناسبت کے ساتھ نہ تھی اور گرد و پیش شہر پناہ کے بوسیدہ عمارتوں کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے۔ سرکار انگریزی نے اسکی تیاری اور مرمت کا کام کپتان ہجینس صاحب اور اسمتھ صاحب کو تفویض کیا۔ انھوں نے اسکی قرار واقعی مرمت کی اور توپوں کے برج از سر نو مع دیوار پردہ اور بازو کی پناہ گاہوں کے تعمیر کرائے اور دیوار کے سامنے چاروں طرف میدان صاف کرا دیا خندق نئے سرے سے تیار کرادی چار دیواری اسکے ملحق برجوں کے علاوہ اور بھی کئی گول برج اسکے متصل تیار کرائے گئے جسکے مابین اور فصیل شہر کے آمد و رفت کے واسطے ایک چوبی پل رکھا گیا کہ جب چاہیں اس کو اٹھا لیں تو شہر پناہ سے اس کا تعلق جاتا رہے اور جن پر ایک ایک توپ اس طور سے

محور پر رکھی جا سکے کہ چاہے جسطرف اُسکو گھما کے فیر کریں۔ یہ برج اس واسطے بنائے گئے کہ اگر مبادا شہر میں کوئی بلوہ ہو تو وہاں سے توپ چلائی جاوے۔ اور ۱۸۳۸ء میں جناب نواب لارڈ اکلینڈ صاحب گورنر جنرل ہند نے پھر مضبوطی سے شہرپناہ اور اُسکے بروج کی مرمت کرائی اور جمنا کی طرف ایک برج بنام ولیسلی برج نیا کرایا۔ شہرپناہ کے برجوں میں سے مشہور برجوں کے نام یہ ہیں۔ اکثر ان میں سے بڑے بڑے حاکمان انگریز کے نام سے مشہور ہیں۔ نقشہ شہرپناہ کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ دریاے جمن کے پانی کے ملحق بُرج بنے ہوئے ہیں اور بعدازاں اس سلسلہ سے برج واقع ہیں۔ نصیر گنج کا بُرج۔ بدررو دروازہ کا برج۔ شاہ بُرج۔ برن صاحب کا برج۔ گارسٹن صاحب کا برج۔ اکبر برج اختر لونی یا اوکٹر لونی صاحب کا برج۔ لیکما صاحب کا برج۔ ولیسلی صاحب کا برج۔ نواب بُرج۔ ان بروج کے علاوہ تیرہ دروازے اور سولہ کھڑکیاں شہر کی تھیں جن میں سے ایک دروازہ اور تین کھڑکیاں مسدود ہوگئی تھیں اور باقی آمدورفت کے واسطے کُھلی ہوئی تھیں اور تھوڑے عرصہ سے انگریزوں کی طرف سے ایک نیا دروازہ بنام کلکتہ دروازہ تیار ہوا تھا سلیم گڑھ سے شمال اور مغرب کی جانب کلکتہ دروازہ اور نگمبود دروازہ اور کیلے کے گھاٹ کا دروازہ واقع ہے اور یہاں سے شہرپناہ مغرب کی طرف مڑ جاتی ہے جس میں یہ دروازے ہیں کشمیری دروازہ۔ بدررو دروازہ۔ پھر شہر کی دیوار قریب ایک میل کے شمال اور جنوب کی طرف کو جاتی ہے جس میں یہ دروازے ہیں۔ کابلی دروازہ۔ پتھر گھٹی دروازہ۔ (مسدود) لاہوری دروازہ۔ یہاں سے پھر شہر کی دیوار گرد گھوما جمنا کے کنارہ کی طرف مشرق کی جانب جھکتی ہوئی دو میل تک چلی گئی ہے اس میں اجمیری دروازہ ترکمان دروازہ۔ اور دہلی دروازہ ہے اخیر کو دیوار شہر دریا کے کنارے کنارے ڈیڑھ میل تک برابر چلی گئی ہے

البتہ اُس جگہ نہیں ہے جہاں وسیلے برج اور نواب برج واقع ہیں۔ اس طرف راج گھاٹ دروازہ اور خضری دروازہ واقع ہے۔ اس کے بعد دیوار قلعہ شہر کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ علاوہ اِن دروازوں کے کھڑکیوں کے نام یہ ہیں۔ نگمبود کی کھڑکی۔ بہاد علیخاں کی کھڑکی۔ خلیل خان کی کھڑکی۔ امیر خاں کی کھڑکی۔ فراشخانہ کی کھڑکی۔ بلند باغ کی کھڑکی (مسدود) سید بھوے کی کھڑکی (مسدود) اجمیری دروازہ کی کھڑکی (مسدود) شاہ گنج کی کھڑکی۔ نئی کھڑکی۔ نصیر گنج کی کھڑکی۔ سلیم گڑھ کی کھڑکی۔ مثمن برج کی کھڑکی۔ نواب غازی الدین خاں کی کھڑکی۔ نواب احمد بخش خان کی کھڑکی۔ زینت المساجد کی کھڑکی۔ کل احاطہ شہر کا طول سات میل کے قریب ہے۔ سلیم گڑھ کا مقام بھی سمجھ لینا چاہیئے۔ یہ پرانی عمارت شمال اور مشرق میں شہر دہلی کے دریائے جمن کے بیچ میں قلعہ سے ملحق واقع ہے۔ قلعہ سے اس گڑھ میں آنے کے واسطے دریا پر ایک پختہ پل بنا ہوا ہے جو اس نقشہ کے دیکھنے سے معلوم ہوگا۔ شمال اور مشرق کیجانب دریا پر کشتیوں کا پل ہے اُس کے پار ہو کے میرٹھ اور پورب کی طرف سڑک گئی ہے یہ تو مختصر بیان دہلی کا ہے جہاں کہ باغی فوج مقیم ہوئی۔ اب مورچہ گاہ انگریزی کا احوال سنئے لشکر انگریزی بعد فتوحات تاریخ ہشتم ماہ جون دشمنوں کو ہٹاتا ہوا اُسی روز شام کو دہلی کے سامنے آپہنچا اور چھاؤنی قدیم پر جہاں ہمیشہ سے فوج انگریزی رہتی تھی قابض ہوگیا۔ اور پریڈ کے میدان میں لشکر مذکور خیمہ زن ہوا یہ مقام شمالی حصہ شہرپناہ سے قریب ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے اور اس سے تھوڑی دور آگے اُونچی پہاڑ کی زمین واقع ہے جس سے شہر اور لشکرگاہ کے مابین بہت اچھی آڑ تھی اس پہاڑ کی زمین کو مجنوں کا ٹیلہ یا پہاڑ کہتے ہیں۔ اسی پہاڑی پر گول گھر یعنی چھاؤنی کا نشان برج جس کا پہلے بیان ہوچکا ہے واقع ہے اور اس سے دہنے ہاتھ کو جہاں اس پہاڑی کا اُٹھا رہے

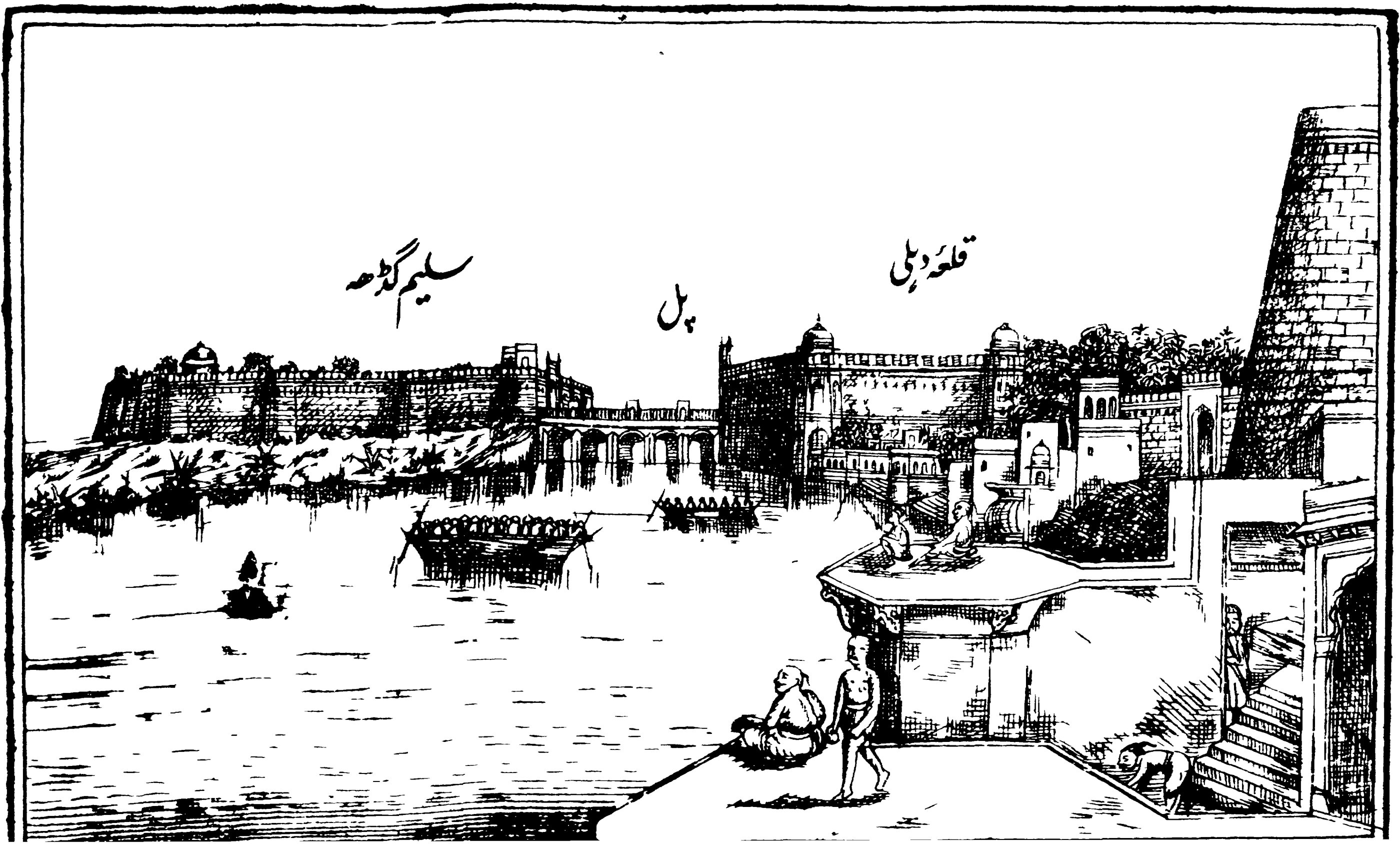
قلعۂ دہلی
پل
سلیم گڑھ

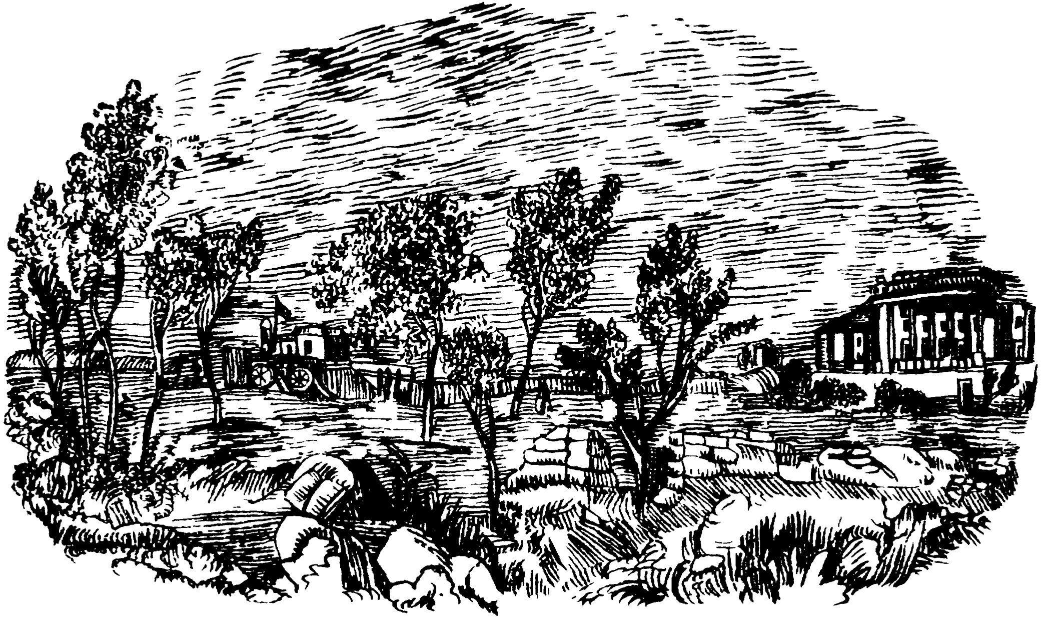

کوٹھی ہندوراؤ کا مورچہ

ایک عالی شان عمارت ہے جو ہندو راؤ کی کوٹھی کے نام سے مشہور ہے اور جس میں مہاراجہ بابا ہندو راؤ مرہٹہ رہتا تھا اور ان دونوں مکانوں کے وسط میں ایک پرانے زمانہ کی مسجد واقع ہے اور ہندو راؤ کے مکان کے متصل رسد خانہ کا مکان ہے۔ ان سب مقاموں کے علاوہ ہندو راؤ کی کوٹھی کے سامنے بھی مورچے بنائے گئے اور ان پر پلٹن رفل گورہ اور گورکھوں کی سرمور پلٹن اور گائڈ کور کی پنجابی پلٹن ڈالی گئی۔ یہ پہاڑی تو گویا سامنے کی جانب دیوار شہر اور لشکر انگریزی کے بیچ میں تھی۔ لشکر کے عقب میں نالہ تھا جو نجف گڈھ کی جھیل سے آیا ہے اور اخیر میں دہنے ہاتھ کو سبزی منڈی تھی یہ منڈی کابلی دروازہ شہر سے شمال اور مغرب کی جانب قریب سوا میل کے فاصلہ پر ہے بائیں طرف لشکر کے دریا جمن تھا جیسا کہ ملاحظہ نقشہ سے معلوم ہو جائے گا قریب سے قریب کا مورچہ دیوار شہر سے اس روز پندرہ سو گز سے کچھ زیادہ فاصلہ پر تھا۔ ایسی قلیل فوج سے اور آگے بڑھنا قرین مصلحت نہیں سمجھا گیا۔ جب اس مقام پر فوج انگریزی خیمہ زن ہوئی تو اس وقت یہ خیال ہوا تھا کہ کاشمیری دروازہ کو اڑا کے شہر میں یکبارگی داخل ہونا چاہیے لیکن بعد غور و تامل یہ تجویز مزید فوجی مدد کے آنے تک ملتوی کی گئی اور مناسب یہی معلوم ہوا کہ ابھی خود حملہ نکرنا چاہیے۔ البتہ اگر دشمنوں کی طرف سے حملہ ہو تو اس کا صرف مقابلہ ضرور ہے۔

نویں تاریخ جون کو گائڈز کور یعنی جاسوس کی پلٹن پنجاب سے کیمپ انگریزی میں داخل ہوئی یہ ایک پنجابی پلٹن ہے جو مشتمل ہے دونو سوار اور پیادوں سے اور جس میں کوئی خاص قسم یا ذات کے آدمی بھرتی نہیں کیے گئے تھے۔ بھرتی کے وقت پہاڑی اور افغان اور سکھ وغیرہ اس میں داخل کیے گئے تھے سنہ ۱۸۴۶ء میں یہ عمدہ پلٹن بھرتی ہوئی تھی۔

پلٹن کے کل آدمی جوانمردی اور دلیری اور وفاداری اور نمک حلالی میں شہرۂ آفاق تھے۔ اور یہ باتیں اُنکی دہلی کے سامنے اور بھی ثابت ہو گئیں۔ اوائل میں اس رجمنٹ میں ایک ترپ سواراں اور دو کمپنیاں پیادگان توپخانہ کی تھیں یعنی کل تین سو آدمی تھے۔ لیکن لارڈ ڈلہوزی کی حکومت میں اس پلٹن میں چار کمپنی پیادگان توپخانہ اور دو ترپ سواران زیادہ کیے گئے۔ یعنی کل پلٹن قریب ساڑھے آٹھ سو جوانوں کے کی گئی۔ یہ پلٹن پنجاب کے پرلے کنارے مقام مردان میں تھی جب اسکو حکم روانگی دہلی کا ہوا۔ چنانچہ ایسے سخت گرم موسم میں چھ سو میل کا فاصلہ بائیس روز میں طے کر کے لشکر گاہ دہلی میں داخل ہوئی۔

نویں تاریخ کی دوپہر کو فوج باغی جوق جوق آراستہ ہو کے مع توپخانہ وغیرہ شہر سے نکلی اور انگریزی لشکر پر حملہ آور ہوئی اور چاہا کہ مورچہ ہندوراؤ کی توپوں کا قبضہ کر لیں لیکن بہادراں انگریزی کے سامنے جو دشمن کی نسبت شمار میں عشر عشیر بھی نہ تھے دال نہ گلی۔ دشمنوں کو مار کے دہلی کے اندر بھگا دیا۔

اُس روز کپتان کونٹن بیٹائی صاحب حاکم حصہ سواران پلٹن جاسوس شدید زخمی ہو کے چوبیس گھنٹہ کے بعد مر گئے۔ اسی روز صبح کو ہیضہ بھی لشکر میں نمودار ہوا۔ سرجن گوکلن صاحب ڈاکٹر پلٹن گورہ نمبر ۷۵ ہیضہ کر کے گیارہ بجے رات کو مر گئے۔ اوائل میں فوج باغی نے بڑی سختی اور مضبوطی سے انگریزی فوج پر حملہ جاری رکھا اور کوئی تدبیر یا دقیقہ اُنکے وہاں سے نکال دینے اور غارت کرنے میں باقی نہ چھوڑا اور واقع میں اس قلیل فوج انگریزی نے ابتدا میں بڑی بڑی تکالیف اور مصیبتیں برداشت کیں رات اور دن اپنے اپنے مقاموں اور پہروں پر کمربستہ اور ہتیار بند رہنا پڑتا تھا اور قلت فوج کے سبب سے کسی متنفس کو آرام کی نوبت نہیں پہنچتی تھی۔ دن میں لڑنا اور رات کو پہروں پر ہوشیار

رہنا- اگرچہ فوج انگریزی محاصرہ کے واسطے دہلی آئی تھی- لیکن آتے ہی اُسکو معلوم ہوگیا کہ بجائے محاصرین کے وہ اصل میں خود محصور ہیں- بلکہ کیمپ میں اس بات کا چرچا پھیلا اور اچھے اچھے افسروں کی رائے سُنی گئی کہ اتنے قلیل اور کم توپخانہ سے ایسے بڑے اور مضبوط شہر کا محاصرہ کرنا مناسب نہ تھا اور اصل میں یہ بات ہے کہ اگر دہلی میں بجائے ہندوستانی فوج فرض کرو کہ کوئی فرنگستانی فوج ہوتی تو کبھی کسی جنرل کی مجال نہ ہوتی کہ اسقدر کم فوج سے اُس کے محاصرہ کی تدبیر کرتا-

ہندوستانی فوج ہر روز دہلی سے نکلکر حملہ آور ہوتی تھی بلکہ بعض روز تو دن میں چار چار مرتبہ اور اُنکی مدد کو فوج بغاوت اور نمک حرامی کرکے ہر چہار طرف سے دہلی میں فراہم ہوتی جاتی تھی- اس کے خلاف انگریزی لشکر میں کہیں سے جلد مدد آنے کی توقع نہ تھی بلکہ جتنے آدمی تھے اُن میں سے بھی ہر روزہ لڑائی اور بیماری سے کم ہوتے جاتے تھے- بظاہر دو یا تین ہفتہ تک نتیجہ اچھا نہیں دکھائی دیتا تھا اور بڑے بڑے معمر اور تجربہ کار افسران انگریزی کے نزدیک حالات نازک ہوئی تھی- دوسرے روز [illegible] جون کو پھر باغیوں نے ہندوراؤ کے مورچہ پہ سبزی منڈی کی طرف سے حملہ کیا اور اگرچہ دشمنوں کو سبزی منڈی کے باغات سے مار کے نکالدیا لیکن بہت انگریزی سپاہی مارے گئے- یہ خیال کرکے کہ فوج باغی پھر اسی جگہ آن کے قابض ہوگی اس واسطے ایک پہرہ اور مورچہ سبزی منڈی کے قریب قائم کیا- اُس روز دشمنوں نے بڑی سخت آگ برسائی لیکن انگریزی فوج خاموش اور مستعد کھڑی رہی جبکہ دشمنوں نے منہ سے نکل کے بہت کچھ گولہ باری کی اور ہوتے ہوتے انگریزی فوج کے قریب جا پہنچے اُسی وقت انگریزی فوج اُن پر جا پڑی اور مار کے پھر شہر کے اندر کر دیا اس لڑائی کے بعد توقع ہوئی کہ آج کے دن کی محنت ہو چکی رات کو آرام کرینگے کل پھر دیکھا جائیگا-

لیکن گیارہ بجے رات کے انگریزی فوج میں بیوگل بجا سب فوج تیار ہوگئی لیکن اخیر معلوم ہوا کہ یہ خطرہ بے اصل تھا۔

۱۱ جون کو کوئی تازہ امر پیش نہ آیا۔ اس دن ایک حکم جاری ہوا کہ جو کوئی دشمنوں کا چوبیس پنی گولہ لے آویگا اُسکو دو آنے کے پیسے ملیں گے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت انگریزی فوج میں بڑی توپوں کا اسباب جنگ بہت کم تھا۔ بہت سے ہندوستانیوں نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالکے یہ کام اختیار کیا۔ ہائے پیٹ بھی کیا بری بلا ہے۔ ۱۲ جون بھی تواریخ محاصرۂ دہلی میں کچھ کم خونی نہیں ہے۔ دشمنوں کا ایک انبوہ کثیر جمع ہوکے انگریزی مورچہ (برج نشان) کے قریب آپہنچا اور قریب تھا کہ توپوں کا قبضہ کرلیں اور باوجود سخت مقابلہ کے دشمن آگے بڑھا چلا آتا تھا۔ اتنے میں ۶۰ رفل پلٹن کی دو کمپنیاں تیار ہوکے جلد فرودگاہ سے پہاڑی پہ چڑھ کر برج نشان پر جا پہنچیں پھر تو دشمنوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور اتنے جلدی وہ آگے نہ بڑھے تھے جتنے وہ پیچھے کو ہٹے۔ بھلا جس وقت رفل کی بندوق ساٹھویں پلٹن کے گوروں کے ہاتھ میں ہو اُس وقت مہاراج پانڈے جی مکھرام کی کیا طاقت تھی کہ میدان میں مقابلہ کرسکتا۔ اُس دن کی لڑائی میں کپتان نوکس صاحب ۷۵ ویں پلٹن کے اور بہت سے گورے کام آئے۔ لیکن حسب دستور فتح کامل حاصل ہوئی۔ اُس روز ایک انگریزی مورچہ مٹکاف صاحب بہادر کی کوٹھی پر قائم ہوا۔ نقشہ کے ملاحظہ سے یہ مقام معلوم ہو جائیگا۔ یہ کوٹھی ایک نہایت عمدہ عمارت سر تھیا فلس مٹکاف صاحب بہادر کمشنر اور ایجنٹ دہلی کی بنوائی ہوئی تھی۔ اسکی تیاری اور آرایش میں ایک زر کثیر صرف ہوا تھا اور بقول ایک مصنف کے یہ شعر اُس پر صادق آتا تھا۔

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم ÷ کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست ÷ سی تاریخ

اس کوٹھی کو سرکشوں نے خاک میں ملا دیا۔ ۱۲ جون کی رات کو یہ صلاح قرار پائی کہ رات کو حملہ کر کے دہلی لینی چاہیئے اور دروازۂ شہر کو اڑا کے دشمنوں پر یکایک جا پڑنا چاہیئے سب فوج تیار ہوئی بلکہ رفل پلٹن تیار ہو کے چل نکلی اور قریب تین سو گز شہر کی دیوار تک پہنچنے پائی تھی کہ یہ تدبیر مناسب نہ سمجھی گئی اور پلٹن مذکور کو حکم واپسی کا دیا گیا۔

۱۴ تاریخ پھر دشمنوں نے انگریزی پہروں اور مورچوں پر حملہ کیا لیکن پھر اُن سے کچھ نہو سکا اور ناچار دہلی کے اندر بھاگ گئے۔ ۱۵ تاریخ کو صبح نہ ہونے پائی تھی کہ دشمنوں نے انگریزی مورچوں پر حملہ کیا بڑی مضبوطی کے ساتھ لڑتے رہے مقابلہ سخت ہوا۔ ساڑھے پانچ بجے صبح سے تیسرے پہر کے دو بجے تک ہنگامۂ جدال قتال خوب گرم رہا لیکن دشمن نقصان عظیم اٹھا کے ہٹ گئے اور پھر دہلی کے اندر چلے آئے۔ ۱۶ تاریخ کو کوئی تازہ امر نہیں ہوا ۱۷ تاریخ زخمیوں کو باغپت کے راستے سے میرٹھ روانہ کیا اور اسی روز خبر پہنچی کہ دشمن کشن گنج کی سرائے کے قریب مورچہ قائم کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی فوراً حملہ کا ارادہ کیا اور دو کمپنیاں رفل پلٹن کی اور دو گورکھوں کی مع توپخانہ ٹومب صاحب دو گروہ میں تقسیم ہو کے زیر حکم میجر ریڈ صاحب اور میجر ٹومب صاحب روانہ ہوئیں اور سرائے کے دروازہ کو اڑا کے چالیس یا پچاس سپاہیوں کو جو اسکے اندر تھے مار ڈالا اور اُنکی توپ چھین لی۔ گورکھوں نے دہلی کے محاصرہ میں اسقدر وفاداری اور دلیری ظاہر کی ہے کہ وہ کمال مورد تحسین اور آفرین ہوئے ہیں۔ گورکھا ایک پست قد پہاڑی قوم ہے اور دلیری میں فوج ولایتی سے کچھ کم نہیں۔

۱۸ تاریخ کو کوئی امر تازہ نہوا۔ ۱۹ کو دشمنوں نے فوج انگریزی کے عقب میں جا کے حملہ کرنا چاہا جب برگیڈیر گرانٹ صاحب کو خبر ملی کہ دشمن اُس روز پیچھے سے حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اُنھوں نے فوراً مقابلہ کی تیاری کی اور برگیڈیر صاحب موصوف مع چھ ضرب توپ

اور ایک تمن رسالہ نہم ولایتی بحالہ برداران روانہ ہوئے ٹھیک عقب میں لشکر انگریزی تھا۔ شمال و مغرب کی جانب مبارک باغ سے ایک میل پیچھے دشمن کو مقیم پایا۔ مدد کو فوج ور پہنچ گئی اور لڑائی کا بازار گرم ہوا ٹھیک شام کے وقت دشمنوں نے بڑی عقلمندی اور چالاکی کے ساتھ توپیں سرگرمی شروع کیں اور قریب تھا کہ بازو کی انگریزی فوج کو شکست دیکر دونوں توپوں پر قبضہ کریں لیکن برگیڈیر صاحب نے یکبارگی حملہ کا حکم دیا اور حملہ ہوتے ہی باغیوں کے پیر نہ جمے اور انگریزی فوج نے اُن کو میگا کے شہر کے اندر کردیا۔ اس شام کو یول صاحب کرنیل نویں رسالہ گورہ کے مارے گئے۔ لفٹنٹ الگزنڈر صاحب بھی قتل ہوئے اور ڈیلی صاحب خاکی پلٹن کے کپتان مع اور چھ افسروں کے زخمی ہوئے۔ اس دن کی لڑائی میں کل ۱۹ آدمی مارے گئے اور ستتر زخمی ہوئے اور ساٹھ گھوڑے مارے گئے۔ تین سپاہیوں میں سے دو ولایتی اور ایک ہندوستانی مسمی طامس ہین کاک اور جان پرسل اور روپ جان نے بڑی شجاعت میدان جنگ میں ظاہر کی اگرچہ ۱۹ کو دشمنوں نے شکست کھائی تاہم رات کو اُنھوں نے میدان بالکل خالی نکیا تھا راتوں رات اُنکو شہر سے مدد اور پہنچی اور قریب دس بجے صبح کے اُنھوں نے انگریزی فوج کے پیچھے سے گولہ اندازی شروع کی اول گولہ جنرل صاحب کے باورچیخانہ میں لگ کے پڑا اور برتنوں کا نقصان ہوا فی الفور ایک دستہ ۷۵ ویں پلٹن گورہ کا اور کل پلٹنیں اول اور دوم بنگال فیوزی لیرز گورہ مع توپخانہ و سوار دشمنوں کے مقابلہ کو روانہ ہوئے مقابلہ ہوتے ہی دشمن حسب عادت بھاگے اُنکی دو توپیں اور تین گاڑیاں اسباب کی ہاتھ لگیں ۲۱ - اور ۲۲ تاریخ کو کوئی تازہ واقعہ نہیں ہوا۔ ہاں یہ کہ طرفین سے مورچہ کی توپیں سر ہوتی رہیں ۲۳ جون کو مخبروں نے خبر دی کہ اس روز باغیوں نے ساعت نیک دیکھ کے مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ کل ہندو مسلمان جمع ہو کے انگریزوں کو نیست و نابود کردیں اور اُنکو یقین کامل ہے کہ

اُس روز اُن کو فتح کامل نصیب ہوگی۔ علی الصباح ۲۳ تاریخ منگل کے روز چھ ہزار سے زیادہ فوج سرکش دہلی سے نکلی اُسی وقت لشکر انگریزی سے بھی مورچوں پر فوج اور میدانی توپیں روانہ ہوئیں اور توپ اندازی شروع ہوئی۔ دشمن سبزی منڈی کی طرف آکے پھیل گئے۔ اُنکے مقابلہ کے لیئے انگریزی فوج بڑھی ایک معرکۂ عظیم پیش آیا۔ ۱۱ بجے کے قریب ۷۵ ویں پلٹن کے سو گورہ زیر حکم کپتان بروکس صاحب اور ۴ کمپنیاں ولایتی دوم بنگال فیوزی لیرز کی مع چھ ضرب توپ اور کچھ فوج پنجابی میدان میں آئی اور جنگ شروع ہوئی۔ اُس وقت اسقدر سخت مقابلہ ہو رہا تھا کہ الاماں۔ جب سخت لڑائی ہوتے ہوتے چارج گئے اُس وقت رفل اور گورکھا اور گارڈ کور کی پلٹنوں کو حکم ہوا کہ اب یکایک حملہ کر کے سبزی منڈی کو لے لینا چاہیئے۔ باوجودیکہ ۱۱ گھنٹہ دھوپ میں لڑتے ہوئے ہو چکے تھے اور کسی نے ایک لقمہ تک نکھایا تھا مگر حکم ہوتے ہی دشمنوں پر جا پڑے اور اُنکو پریشان کر دیا۔ جب میدان میں تلنگوں کی کچھ پیش نہ چلی تو منڈی کے مکانوں کی چھت پر پناہ لیکے لڑنے لگے لیکن باوجود اس آڑ کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور حسب دستور شہر میں بھاگ گئے۔ اگرچہ اس روز فتح بہت بڑی ہوئی لیکن جانوں کا نقصان بھی بہت ہوا۔ اُس دن سے سبزی منڈی انگریزی قبضہ میں آگئی پھر دہنی طرف کا انگریزی مورچہ اُس جگہ قائم کیا گیا۔ ۲۴ تاریخ کو جانب راست ایک خفیف مقابلہ ہوا لیکن طرفین کا کچھ نقصان نہ ہوا۔ اس روز مشہور و معروف برگیڈیر جنرل چیمبرلین صاحب انگریزی فوج میں پہنچے۔ ان سے انگریزی فوج کو نہایت تقویت حاصل ہوئی۔ ۲۶ تاریخ کو کوئی امر تازہ وقوع میں نہیں آیا۔ ۲۷ تاریخ کو دشمنوں نے پھر دونوں طرف سے تنومند حملہ کیا اور چھ بجے صبح سے ۲ بجے تک لڑائی جاری رہی اخیر پھر وہی ہوا۔ جو ہمیشہ ہوتا آیا تھا۔ اس تاریخ سے برسات شروع ہوگئی اور خوب مینہ برسا۔ تمام لشکر گویا

ایک تالاب ہوگیا تھا مینہ کے ساتھ ہی ہیضہ بھی شروع ہوگیا اور اس تاریخ کو کئی آدمی اس مرض مہلک سے مرگئے۔ ۲۸ تاریخ اتوار کے روز سوائے گولہ باری کے طرفین سے کوئی مقابلہ نہوا اس مہینے کے اخیر دن پھر دشمنوں نے حملہ کیا اور نو بجے سے دو بجے تک لڑائی رہی۔ اور دشمن حسب معمول شکست کھا کے بھاگ گئے۔

ماہ جولائی ۱۸۵۷ء پہلی تاریخ کی صبح کو چار سو سپاہی ۶۱ ویں پلٹن پیادہ گورہ کے انگریزی کیمپ میں پہنچے لیکن اس تھوڑی سی مدد کے مقابل میں اُسی روز بریلی کا باغی کمپو دہلی میں داخل ہوا اور دریائے جمن کے پرلے کنارے پر مقیم ہوا۔ اس میں تین ہزار آدمی مع چھ ضرب توپ تھے اور چھ لاکھ روپیہ نقد سرکاری خزانہ کا لوٹ کے لے آئے تھے اس کمپو میں ۱۸ ویں اور ۶۱ ویں پیادہ پلٹنیں ہندوستانی مع رسالہ سوار بیقاعدہ متعینہ بریلی تھیں اور ۲۹ ویں پلٹن متعینہ مرادآباد بھی اُنکے شامل تھی۔ ۳ کو اس تاریخ میجر ریڈ صاحب حاکم سرمور پلٹن گورکھانے جسکے زیر حکم جانب راست کا مورچہ سبزی منڈی سے ہندوراؤ کی کوٹھی تک تھا دیکھا کہ دشمن کا ایک اژدہام کثیر اجمیری اور ترکمان دروازوں سے نکل کر میدان میں جمع ہوتا جاتا ہے پھر اپنے عقب میں دیکھا تو وہاں بھی ایک فوج پیادہ اور سوار مع ۱۲ ضرب توپ اور غباروں کے مقیم ہے معلوم ہوا کہ اُس مقام پر ایک دن پہلے سے پہنچی ہوئی ہے۔ یہ دشمنوں کے دونو گروہ عیدگاہ سے ایک میل پر شامل ہو کے آگے بڑھے اور اُس وقت اس کثیر تعداد سے کہ دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ اگر ایک ایک مٹھی خاک کی بھی اُٹھا کر پھینکیں گے تو انگریزی فوج دب جائیگی مغرب کیوقت دشمن کی فوج پیادہ قریب چھ ہزار کے کشن گنج ہوتی ہوئی دہنی طرف انگریزوں کے چلی۔ سب سے اخیر میں سبزی منڈی کے آگے بڑھ کے ایک شوالہ تھا جہاں کل ایک سو پچاس پنجابی سپاہی کا پہرہ کپتان ٹروس صاحب کے زیر حکم رہتا تھا۔ دشمنوں کی فوج کو آتے دیکھ کے

میجر ریڈ صاحب نے کپتان صاحب موصوف کے پاس حکم بھیجا کہ جبتک دشمن بہت نزدیک نہ آجائیں فیر کرنا لازم نہیں اس حکم کے ساتھ ڈیڑھ سو گورے بھی اُنکی مدد کو بھیجدیئے۔ یہ مٹھی بھر سپاہی تمام رات ہزاروں دشمنوں کے مقابلہ میں لڑا کیے اور ایک انچہ بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ جب صبح ہوئی تو دشمنوں نے اور بھی زور باندھا اور اس قلیل فوج انگریزی کے ہٹانے کے واسطے بڑی بڑی جرأتیں کیں لیکن ایک بھی کام نہ آئی اور آخر کار دوپہر کے وقت بائیس گھنٹہ کی لڑائی کے بعد کل فوج دشمن پسپا ہو کر شہر میں واپس چلی آئی۔ ۲ تاریخ صبح کو کوک صاحب کی پنجابی پلٹن رفل انگریزی کیمپ میں پونہچی۔ اس پلٹن کے آنیسے واقع میں انگریزی فوج کو بڑی مدد ملی۔ اس نے دہلی کے میدان میں بڑی شجاعت دکھائی۔ اسکے بعد ایک نیا گل کھلا یعنی ۲ جولائی کو ایک سکھ کی وساطت سے اس امر کا افشار راز ہوا۔ ایک پنجابی پلٹن میں ایک کمپنی پوربیوں کی بھی تھی جسکے کل آدمی دہلی کے باغیوں سے ملے ہوئے تھے اُنھوں نے اپنی پلٹن کے سکھوں کو سمجھایا کہ خدا کی مرضی یہ ہے کہ حکومت انگلشیہ ہندوستان سے اُٹھ جائے اور خاندان مغلیہ کا دوبارہ عروج ہو تم کو چاہیئے کہ انگریزوں کا ساتھ چھوڑ دو اور جس کو خدا سلطنت دینا چاہتا ہے اُسکے ساتھی ہو جاؤ اور اگر ایسا نکروگے تو فتح کے بعد بہادر شاہ کے حکم سے ایک سکھ بھی زندہ نرہیگا۔ یہ سُنکر ایک سکھ اپنے انگریزی افسر خیمہ میں چلا گیا اور اس ماجرے سے مطلع کیا۔ فی الفور نمکحرام سرغنہ گرفتار ہوئے اور جنگی عدالت کے حکم سے تین شخصوں پر جرم سرغنۂ بغاوت ثابت ہوا۔ چنانچہ قبل از مغرب اُن کو پھانسی دیدی گئی اور باقی پوربیوں کی کل کمپنی کو اُن کا حساب بیباق کرکے اور ہتھیار لے کے لشکر سے نکالدیا۔ ۳ جولائی کو باغیوں کی ایک فوج دہلی سے مع کئی ضرب توپ انگریزی لشکر کے عقب کی طرف جاتی ہوئی معلوم ہوئی۔ یہ دیکھکر خطرہ ہوا فوراً ایک انگریزی فوج مقابلہ کیواسطے

روانہ ہوئی لیکن دشمن کا ارادہ عقب میں جاکر مقابلہ کا نہ معلوم ہوا اس واسطے فوج واپس چلی آئی۔ پیچھے معلوم ہوا کہ یہ فوج باشندگان علی پور کی سزا کے واسطے آئی تھی کیونکہ بعض روز سے علی پور کے لوگ سرکار انگریزی کے خیر خواہ رہے اور رسد وغیرہ کے پہنچانے میں سرگرم تھے چنانچہ رات۔ تمام گاؤں کو دشمنوں نے جلا دیا اور لوٹ لیا اور قریب پچاس یا ساٹھ سکھوں کو جو پہرہ پر تھے مار ڈالا۔ جب صبح کو یہ خبر انگریزی کیمپ میں پونہچی تو فی الفور انگریزی فوج روانہ ہوئی تاکہ اُن کو دہلی کے اندر جانے سے روکے۔ چنانچہ دو بار بریلی کی فوج پر اُس روز انگریزی فوج نے حملہ کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ قریب سو باغیوں کے مارے گئے اور دو گاڑیاں مملوئہ اسباب جنگ چھین لیں۔ دوسرے روز ۵ جولائی اتوار کے دن ایک ایسا بڑا حادثہ انگریزی فوج میں پیش آیا جس کا کبھی گمان نہ تھا نو بجے صبح کے **جنرل سر ہنری برنارڈ** صاحب سپہ سالار فوج انگریزی مرض ہیضہ میں مبتلا ہوئے ہر چند علاج کیا گیا لیکن جانبر نہوئے صرف چھ گھنٹہ بیمار رہے تین بجے سہ پہر کے وقت راہی عالم بقا ہوئے ان کے مرنے سے لشکر میں ایک سخت ماتم ہوا۔ اگرچہ شدید محنت اور طرح طرح کے افکار جنگ نے اُنکی ضعیف عمر پر بہت بڑا اثر کیا تھا لیکن تو بھی اس کا کسیکو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ بلکہ امید یہ تھی کہ خدا تعالی اُنکی محنتوں کا اجر دیگا اور فتح دہلی کی عزت اُنھیں کے ہاتھ رہیگی۔ لیکن تقدیر میں ایسا نہ تھا۔ مرتے وقت اپنے کنبے کی نسبت جو انگلستان میں ہے جنرل صاحب نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اُن سے کہدینا کہ میں اس جہان سے بہت خوش جاتا ہوں۔ دس بجے صبح کے دوسرے روز جنرل صاحب موصوف دفن ہوئے۔ اسی تاریخ کچھ خزانہ اور اسباب جنگ جسکو کپتان بروکس صاحب مع تین سو گوروں کے علی پور سے لینے گئے تھے بحفاظت تمام لشکر میں داخل ہوا اور اس حکم کا اعلان ہوا کہ جنرل ریڈ صاحب بہادر پرووژنل کمنڈر انچیف

یعنی قائم مقام سپہ سالار ہند نے فوج دہلی کی کمان اپنے ہاتھ میں خود لی۔ ۷ تاریخ کو کوئی تازہ امر نہ ہوا اور لڑائی نہ ہونے سے بیچاری تھکی ہوئی فوج کو بہت آرام ملا اسی روز سے لشکر میں جنرل صاحب متوفی اور آنریبل جارج اینسن صاحب بہادر کمنڈر انچیف کے اسباب کا نیلام شروع ہوا کئی روز تک نیلام جاری رہا اور چیزیں بہت گراں فروخت ہوئیں۔ آٹھ روز برابر گزر گئے اور دشمنوں نے کوئی حملہ نہ کیا اس کا کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اگرچہ اس کے متعلق سینکڑوں افواہیں کیمپ میں اُڑتی تھیں۔ لیکن اصلیت معلوم ہونی مشکل تھی۔ ۸ جولائی کو بھی خونریزی نہیں ہوئی البتہ طرفین سے مورچوں پر سے گولہ اندازی رہی اور انگریزی گولندازوں نے ایسے نشانے مارے کہ ایک بڑی توپ کو جو لاہوری دروازہ شہر پر چڑھ رہی تھی بیکار کر دیا۔

اسی اثنا میں بہادر شاہ کے نام سے ایک فرمان جاری ہوا جو بریلی کا چھپا ہوا تھا سمجھ میں نہیں آتا کہ جب دہلی میں چھاپے خانے موجود تھے پھر بریلی میں یہ فرمان کیوں چھپوایا گیا۔ بہرحال وہ فرمان یہ ہے۔

فرمان شاہ دہلی بنام راجگان و رئیسان و رعایائے ہند

جمیع راجگان و روسا ہند پر واضح و لائح ہو کہ تم بہمہ وجوہ نیکی اور نیک خصلتی اور فیاضی میں مشتہر الدہر و العوام ہو اور تمہارے حسن حمایت طرز اور فہم و درایت سے مذاہب ہنود ونسان کی اعانت ہے لہٰذا از راہ خیر اندیشی تمہارے تم کو ہدایت ہوتی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تم کو اپنے مختلف مذاہب کے قائم کرنے کے واسطے پیدا کیا ہے اور تم پر فرض ہے کہ اپنے عقائد اور قوانین مذہبی کو بخوبی درست جانو اور اُن پر ثابت قدم رہو کیونکہ خدائے تعالیٰ نے تم کو یہ مرتبہ عالی اور ملک و دولت اور حکومت اس واسطے بخشی ہے کہ تم اُن لوگوں کو جو تمہارے

مذہب میں رخنہ اندازی کریں غارت کرو اور جو اشخاص کہ تم میں سے صاحب طاقت ہیں- اُن کو ضرور ہے کہ وہ اُن لوگوں کو جو تمھارے مذہب کو بگاڑا چاہتے ہیں نیست ونابود کریں- اور جو اتنی قدرت نہیں رکھتے وہ بدل وجان ایسی تدبیروں میں مشغول رہیں جن سے اُنکے مذہب کے دشمنوں کی پائمالی ہو اور یہ تمھارے عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مذہب بدلنے سے مرجانا بہتر ہے اور واقع میں یہی حکم خداوند تعالی کا بھی ہے جو خاص وعام پر روشن ہے- انگریز جملہ مذاہب کو غارت کیا چاہتے ہیں اور ہندوستانیوں کے تخلل مذاہب کیواسطے اُنھوں نے ایک مدت سے بہت سی کتابیں لکھوا کر اپنے پادریوں کے ہاتھ سے سب ملک میں تقسیم کرائی ہیں اور پادریوں کو بلوا کر اپنے مقولوں کا اعلان کیا ہے سمجھنے کی بات ہے کہ انگریزوں نے کیا کیا تدبیریں واسطے غارتی ہمارے مذاہب کے کی ہیں- اوّل یہ کہ جب ایک بیوہ مرجاوے تو وہ دوبارہ شادی کرے- دوسرے یہ کہ ستی ہونیکی ایک رسم مذہبی قدیم تھی جس کو انگریزوں نے اپنے قوانین کی رو سے موقوف کیا- تیسرے یہ کہ اُنھوں نے تمام خلقت کو علانیہ سمجھایا کہ اگر وہ اُن کا مذہب قبول کرینگے تو سرکار میں اُنکی توقیر ہوگی- اور یہ بھی ہدایت کی کہ تم عیسائی کلیساؤں میں جا کر وعظ سنو- علاوہ اسکے اُنھوں نے یہ حکم قطعی دیا ہے کہ صرف حقیقی اولاد راجگان ورئیسان ہند کی مسندنشین ہوگی اور گود لی ہوئی اولاد کا کچھ حق نہ ہوگا- حالانکہ ازروئے شاستر دس طرح کے مختلف وارث فرایاب سلطنت ہو سکتے ہیں- اس تدبیر سے اُن کا مطلب خاص یہ ہے کہ وہ اخیر کو تمھاری ریاستیں اور جاگیریں چھین لیں جیسا کہ اُنھوں نے فی زمانہ ریاست ہائے لکھنؤ اور ناگپور میں عمل کیا وراے ازیں ایک اور تدبیر اُنھوں نے یہ کی کہ قیدیان جیلخانہ کو جبراً پکی ہوئی روٹیوں کے کھانے کا حکم دیا اکثر قیدیوں نے یہ امر قبول نکیا بھوکے مرگئے اور جنھوں نے لاچار ہو کر روٹی کھانا قبول کیا

اُنھوں نے اپنا ایمان کھویا۔ جب یہ تدبیر انگریزوں کی اچھی طرح نہ چلی تو اُنھوں نے آٹے اور شکر میں ہڈیاں پسوا کر ملوائیں تاکہ لوگ اُن کو بلا کسی ظن او شبہہ کے کھا کے اپنا ایمان کھو دیں اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑے استخوان اور گوشت کے چانولوں کے ساتھ ملوا کر اُنکو سر بازار بکوایا۔ علاوہ اسکے اُنھوں نے ہر ایک تدبیر ایسی کی جس سے ہمارے مذاہب غارت ہوں انجام کار بعض بنگالیوں نے بعد غور یہ امر قرار دیا کہ اگر ابتداءً اہل فوج اس معاملۂ مذہبی میں پیرو رہے انگریزوں کے ہو جاویں تو فرقہ بنگالیان بھی اُنھیں کے مطابق کاربند ہوگا انگریزوں نے اس تدبیر کو بہت پسند کیا اور بے اندیشہ اس مثل کے کہ چاہ کندہ را چاہ درپیش آمد۔ برہمنان اور افضل قوم کے لوگوں کو اُن کارتوسوں کے کاٹنے کا جنکے بنانے میں چربی لگی تھی حکم دیا تھا۔ اس حالت میں اگرچہ مسلمان سپاہیوں نے خیال کیا کہ ان کارتوسوں کے کاٹنے سے مذہب ہنود کا صرف جاتا رہے گا لیکن تاہم اُنھوں نے اسکے کاٹنے سے انکار کیا۔ تب اُن سپاہیوں کو جنھوں نے کارتوس کاٹنے سے انکار کیا تھا انگریزوں نے توپ سے اُڑا دیا۔ یہ ظلم شدید دیکھکر سپاہ نے انگریزوں کا قتل شروع کیا اور جہاں کہیں فرنگی کو پایا مار ڈالا اور بفضل ایزدی اور امداد سروری بالفعل اُن تدابیر میں مشغول ہیں اِس سے کہ چند انگریز جو کہیں کہیں باقی رہ گئے ہیں وہ بھی نیست و نابود ہو جاویں اور ہمارا الیقین واثق ہے کہ اگر اب انگریز ملک ہندوستان میں رہیں گے تو کُل اس مُلک کے آدمیوں کو مار ڈالیں گے اور ہمارے مذہبوں کو مٹا دینگے۔ ہر چند بعض آدمی ہمارے ملک کے اب بھی انگریزوں سے موافقت رکھتے ہیں بلکہ اُنکی طرف سے لڑنے بھڑنے میں ہیں اُنکے حال پر جو بخوبی غور کیا گیا تو یہی ظاہر ہوا ہے کہ انگریز نہ اُن کا مذہب چھوڑیں گے اور نہ تم سب کا پس ایسی صورت میں ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ تم نے اپنے ایمان اور جان کی سلامتی کے واسطے کیا تدبیر کی ہے۔ اگر ہماری اور تم سب کی رائے

متفق ہو تو بہت آسانی سے انگریزوں کو غارت کرکے اپنے ملک اور ایمان کو بچا سکتے ہیں۔ چونکہ تم سب ہندو مسلمانوں کی بھلائی پیش نظر ہے اور انگریز یہ دونوں فرقوں کے دشمن ہیں لہذا صرف تمھارے مذہب کی حمایت کا پاس و خیال کرکے اور بنظر اندفاع اعدا دین ہندیہ اس فرمان مطبوعہ سے اعلان کیا جاتا ہے کہ اہل ہنود کو گنگا جی اور تلسی اور سالگرام کی قسم ہے اور مسلمانوں کو قرآن کی قسم ہے کہ وہ بالاتفاق شامل ہو کر اپنی جان اور ایمان کی حفاظت کے واسطے انگریزوں کا قتل اپنے ذمہ فرض سمجھیں۔ اور چونکہ گائے کے ذبح کرنے میں ہندوؤں کے مذہب کی اہانت ہے بدیں نظر رؤسا اہل اسلام نے یہ عہد و پیمان کیا ہے کہ اگر ہنود قتل عیسائیاں میں گرمجوش اور مسلمانوں کے شامل حال ہونگے تو اُسی روز سے گائے اور بیل کا ذبح ہوجانا موقوف ہوجائیگا اور بعد اس کے اگر کوئی مسلمان اس عہد پہ کاربند نہو گا تو وہ پیرو قرآن نہ سمجھا جاویگا اور جو مسلمان کہ گائے کا گوشت کھائیگا وہ اُسکو سور کے گوشت کی برابر ہوگا اور اگر اہل ہنود قتل عیسائیاں اور فرنگیان میں کمربستہ و آمادہ نہونگے تو وہ خدا کی نظر میں اُتنے ہی گنہگار ہونگے جیسا اُنھوں نے گائے ذبح کی یا اُس کا گوشت کھایا۔ شاید اہل فرنگ بھی اپنی مطلب براری کے واسطے ہندوؤں سے بحلف ایسا ہی اقرار کرینگے۔ الّا کوئی عقلمند اس دام فریب میں نہ آئیگا کیونکہ اقرار ان اہل فرنگ کے ہمیشہ مملو بفریب ہوتے ہیں اور جہاں اُن کا ایک مرتبہ مطلب نکل آیا پھر وہ فوراً اپنے عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھدیتے ہیں اور ہر غریب و امیر ہند پر روشن اور ہویدا ہے کہ فریب ان انگریزوں کی عادتِ جبلّی ہے اور ہمیشہ دغابازی ان کا شعار ہے اسی واسطے انگریزوں کے کہنے پر کبھی یقین نلاؤ اور یقین واثق جانو کہ پھر کبھی ایسا موقع جو بالفعل موجود ہے ہاتھ نہ آئے گا۔ فقط یہ فرمان مولوی سید قطب شاہ صاحب کے بتہام سے مطبع بہادری واقع شہر بریلی میں طبع ہوا۔

چونکہ نمک حرام اور باغی کبھی سرسبز نہیں ہوتے اسی لیئے ۱۸۵۷ء کی انگریزی باغی فوج کو بھی پے در پے شکست ملی۔ جو کچھ انھوں نے معصوم بچوں اور میموں پر ظلم کیئے وہ انکے آگے آگئے۔ ناظرین! پہاڑی کی لڑائی کی کیفیت گزشتہ صفحوں میں پڑھ چکے ہیں اب ہم دہلی کے حملہ اور فتح کی مختصر کیفیت لکھتے ہیں اور پھر بہادر شاہ کے مقدمہ کے حالات لکھیں گے۔ انگریزی فوج باغیوں کو شکست دیتی ہوئی شہر کے قریب چلی آرہی تھی یہانتک کہ وہ ۱۴ ستمبر ڈھائی بجے دہلی کے گرجہ میں پہنچ گئی اور پھر کشمیری دروازہ کابلی اور موری دروازہ اور سکنر کے مکان اور کالج پر قابض ہو گئی۔ یہ دیکھکے باغی فوج شہر سے نکلکے بھاگنے لگی۔ اس کے بعد تین بجے سپہ سالار اور اُس کا گروہ لڈلو کیسل روانہ ہوا۔ اور اب اس بات کا انتظار ہونے لگا کہ آفتاب نکلنے سے پہلے شہر پر حملہ کردیا جائے چنانچہ وقت مقررہ پر حملہ کیا گیا جس میں انگریزی فوج کا سخت نقصان ہوا اسکی نسبت جنرل ولسن نے اپنی بیوی کو دس بجے دن کے ایک خط لکھ کے بھیجا جس کا خلاصہ یہ ہے " جنگ بہت سختی سے جاری ہے ہماری فوج بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی ہے بہت سے زبردست مقامات ابھی لینے ہیں غالبًا بادشاہ کے آگے محل کے قریب بڑی بھاری جنگ ہوگی۔ غرض اس خطرناک جنگ کے بعد انگریزی فوج شہر میں داخل ہوئی اور محل سلیم گڈھ اور شہر کے خاص مقاموں پر گولہ باری شروع کی باغی خوب قدم جما کر لڑے اور انگریزی فوج کا بہت سخت نقصان ہوا بالخصوص افسر بہت کام آئے لیکن اس پر بھی فتحمندی انگریزوں ہی کے نام رہی۔ تمام باغی ریواڑی کی طرف بھاگ گئے۔ انگریزوں نے یہ ارادہ کرلیا تھا کہ اگر لال قلعہ خالی نہ کر دیا گیا تو اُسکی شہرپناہ گولوں سے منہدم کردی جائیگی۔ یہ حساب لگا لیا گیا تھا کہ اگر چھبیس گھنٹے لگاتار قلعہ کی دیواروں پر

گولے مارے جائیں تو دیواریں آن پڑینگی۔ اس عرصہ میں انگریزی سپاہ چاندنی چوک میں داخل ہوگئی یکایک یہ خبر پونہچی کہ تیلی واڑہ اور کشن گنج خالی کر کے باغی بھاگ گئے مگر سخت افسوس ہے کہ برگیڈیر نکلسن فتح دہلی کے وقت ایسا سخت زخمی ہوا کہ پھر جانبر نہو سکا اس کے بعد رفتہ رفتہ انگریزی فوج نے شہر کے دوسرے حصوں پر قبضہ کر لیا اور ۱۷ ستمبر کو دہلی بنک میں ایک فوجی چوکی قائم کر دی نامرد باغی عورتوں کا بھیس بدل بدل کے شہر سے بھاگنے لگے چنانچہ تین مفسد کشمیری دروازہ پر عورتوں کے لباس میں گولی مار دیئے گئے ۱۸ تاریخ کی تمام شب قلعہ پر گولہ باری ہوتی رہی اور انگریزی فوج کے ہاتھ باغیوں کی ۱۵۵ توپیں لگیں جب یہ کیفیت ہوئی تو بہادر شاہ نے انگریزوں کے پاس آنا چاہا لیکن اُنکے مصاحبین نے اُنھیں روک دیا اُسوقت شہر میں ہر شئے گراں ہو رہی تھی چنانچہ آٹا روپیہ کا دو سیر بک رہا تھا ۱۸ تاریخ تک کوئی ایسا اچھا مقام انگریزی فوج کے ہاتھ نہ لگا کہ وہاں سے وہ قلعہ کی دیواروں کو توڑ سکتی۔ اب بھی سلیم گڈہ سے انگریزی فوجوں پر گولے مارے جا رہے تھے ۱۷ تاریخ کو شام کے وقت محل کا دہلی دروازہ کھولا گیا اور وہاں سے بہت سی گاڑیاں جن پر چادریں پڑی ہوئی تھیں قلعہ سے باہر جاتی معلوم ہوئیں مگر ۱۹ ستمبر تک بہادر شاہ کے متعلق کوئی خبر نہیں آئی۔ اسی تاریخ بہت دھواں دھار پانی برسا جس سے موسم میں خنکی پیدا ہوگئی۔ اسی اثنا میں کچھ سکھوں کی فوج انگریزی مدد کے لیئے پونہچ گئی ۱۹ تاریخ کو انگریز لال قلعہ کے اتنے قریب ہوگئے کہ صرف ۴۰۰ گز کا فاصلہ رہ گیا محل اور سلیم گڈہ بالکل خالی ہو چکا تھا تعجب سے ہے کو یہ خبر آئی کہ بہادر شاہ نظام الدین پہنچ گئے ہیں اور انگریزوں نے ۲۰ ستمبر کو پورے شہر اور قلعہ پر قبضہ کر لیا اس تاریخ تک ٹھیک طور پر یہ معلوم نہیں تھا کہ آیا بہادر شاہ نے ہمایوں کے مقبرے میں پناہ لی ہے یا نظام الدین میں جسوقت انگریز قلعہ میں داخل ہوئے ہیں صرف ۲۰ آدمی وہاں چھپے ہوئے

ملے جنھوں نے تین انگریزی سپاہیوں کو زخمی کر دیا اور بھاگ گئے اسی تاریخ لاہوری دروازہ پر بھی قبضہ ہوا باغیوں نے اجمیری دروازہ اور آس پاس کے مورچوں کو خالی کر دیا اسی تاریخ دہلی میں بھاگڑ مچی اور غول کے غول عورتوں اور مردوں کے باہر نکلنے لگے۔ پھر باغیوں نے اپنے لشکرگاہ میں ایک میگزین اڑا دیا اسی تاریخ ۲۰ ستمبر انگریزی فوج نے جامع مسجد پر بھی قبضہ کر لیا۔ سات توپیں قلعہ کے دروازے پر پڑی ہوئی ہاتھ لگیں ۲۱ تاریخ کو یہ معلوم ہوا کہ بہادر شاہ نے ہمایوں کے مقبرے میں پناہ لی ہے چنانچہ میجر ہاڈسن بہادر شاہ کے پاس پہنچے اور اُن سے گفتگو ہوئی بہادر شاہ نے اس شرط پر اپنے کو سپرد کیا کہ مجھے میری بیوی زینت محل اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے میجر موصوف نے یہ شرط قبول کر لی اور بادشاہ کو مع جواں بخت زینت محل کے گرفتار کر کے لال قلعہ میں لائے ۲۲ تاریخ کو بہادر شاہ کے دو بیٹے اور ایک پوتا ہمایوں کے مقبرے سے گرفتار ہو کے لال قلعہ آ رہے تھے کہ مقدمہ کی کارروائی میں شریک کیا جائے مگر راستہ میں جو لوگوں کا جوش دیکھا تو میجر ہاڈسن نے اُن تینوں کو اپنے ہاتھ سے گولیاں مار دیں ۲۷ جنوری ۱۸۵۸ء سے جنگی افسروں کے اجلاس اور خاص دیوان خاص میں بہادر شاہ کے مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی جس مقدمہ میں بہادر شاہ کو مفسد اور قاتل قرار دیا گیا اور انھیں مع اُنکی دو بیبیوں اور شاہزادہ جواں بخت کے رنگون بھیجدیا گیا جہاں وہ ۷ ویں نومبر ۱۸۶۲ء میں نواسی سال کے ہو کے انتقال کر گئے۔ فقط

چوتھا باب

مقدمہ بہادر شاہ شاہ دہلی

انگریزی فوجی کمیشن کی کارروائی

جو بتاریخ ۲۷ جنوری ۱۸۵۸ء کو بمقام دہلی بحکم میجر جنرل پینی - سی - بی - کمانڈنگ افسر قسمت حسب الہدایت سر جان لارنس چیف کمشنر پنجاب اس غرض سے منعقد ہوئی تھی کہ اس قسم کے جو قیدی حاضر ہوں انکے اظہار لیے جائیں۔

پریسیڈنٹ

لفٹنٹ کرنیل ڈاوس - توپخانہ

ممبران

میجر پامر - شاہی نمبر ۶۰ توپخانہ - میجر ریڈمنڈ شاہی نمبر ۶۱ رجمنٹ

میجر سائزر - شاہی نمبر ۶ قرابین بردار - کپتان روتھن - نمبر ۴ سکھ پیدل -

ترجمان - مسٹر جیمس مرفی -

وکیل سرکار - میجر ایف - جے - ہیریٹ - ڈپٹی - جج ایڈوکیٹ جنرل -

(پہلے دن کی کارروائی)

۲۷ جنوری ۱۸۵۸ء کے دن گیارہ بجے قلعہ دہلی کے دربار خاص میں اجلاس منعقد ہوا۔ پریسیڈنٹ ممبران و ترجمان و ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل موجود تھے - عدالت قائم کرنے اور منعقد کرنے اور لفٹنٹ کرنل ڈاوس توپخانہ کے پریسیڈنٹ مقرر کرنے کے بعد احکام پیش

کئے اور سنائے گئے۔

اُن افسروں کے نام جو عدالت میں کام کرنے کے لیئے مقرر ہوئے تھے قیدی کو سنائے گئے

طلب دعویٰ

سوال عدالت (خطاب بہ قیدی بادشاہ) تمھیں پریسیڈنٹ یا کسی اور افسر کے جو فوجی کمیشن میں اجلاس کریگا۔ اپنے مقدمہ میں سماعت کرنے پر کچھ عذر ہے۔

جواب۔ نہیں۔

پریسیڈنٹ و ممبران و ترجمان و ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل نے حلف اُٹھایا۔ کل گواہوں کو باہر کر دیا۔ الزامات پڑھے گئے اور حسب ذیل درج مثل ہوئے۔

الزامات

(۱) باوجود سلطنت برطانیہ ہند کا پنشن خوار ہونیکے ۱۰ مئی و یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیانی زمانہ میں مختلف اوقات پر اُس نے محمد بخت خان توپخانہ کی رجمنٹ کے صوبہ دار و مختلف اشخاص والیسٹ انڈیا کمپنی کی فوج کے ہندوستانی کمیشن افسروں اور نامعلوم سپاہیوں کو سلطنت کے خلاف غدر و بلوہ کرنے میں جرأت و امداد دی اور اعانت کی۔

(۲) ۱۰ و یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیانی زمانہ میں مختلف اوقات پر بمقام دہلی اپنے بیٹے مرزا مغل رعیت و حکومت برطانیہ ہند اور دیگر نامعلوم اشخاص باشندگان دہلی و صوبۂ ممالک مغربی و شمالی ہند کو جو نیز حکومت برطانیہ مذکور کی رعایا تھے سلطنت کے خلاف بلوہ کرنے اور لڑنے میں جرأت و امداد دی و اعانت کی۔

(۳) درصورت رعایا بر حکومت برطانیہ ہند ہونے کے حق اطاعت کا خیال نہ کیا اور بمقام دہلی ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء یا اسکے قریب کی کسی تاریخ میں سلطنت سے نمک حرامی کرکے اپنے تئیں

بادشاہ و شہنشاہ ہند مشہور و ظاہر کیا اور دغا بازی سے شہر دہلی پر بے ضابطہ قبضہ کر لیا اور علاوہ ازیں ۱۰ مئی و یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیانی زمانہ میں مختلف اوقات پر شل نمکحراموں کے مرزا مغل و محمد بخت خان صوبہ دار رجمنٹ توپخانہ اور مختلف دیگر نامعلوم مفسدوں و غداروں کے ساتھ سلطنت کے برخلاف سرکشی کرنے اور لڑائی لڑنے میں مفسدانہ سازش و مشورہ اور اتفاق کیا اور نیز سلطنت برطانیہ ہند کے انہدام اور غارت کرنے اور اپنے مفسدانہ منصوبے پورے کرنے کے لیئے مسلح فوج کو جمع کیا اور سلطنت برطانیہ مذکور کے خلاف لڑنے کے لیئے روانہ کیا۔

(۳) یہ کہ ۱۶ مئی ۱۸۵۷ء یا کسی قریب کی تاریخ پر بمقام دہلی قلعہ کی چار دیواری کے اندر ۴۹ آدمیوں کو قتل کرا دیا اور قتل میں مدد دی جن میں زیادہ تر انگریزی عورتیں و بچے و دوغلے انگریز شامل تھے اور مزید برآں ۱۰ مئی و یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیانی زمانہ میں مختلف سپاہیوں اور دیگر اشخاص کو انگریزی افسروں اور دیگر انگریزی رعایا کو جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے قتل کرنے کی جرأت دی اور اعانت کی اور اس کام کے لیئے قاتلوں کو ملازمت۔ ترقی۔ و خطابات دیئے۔ اور وعدہ کیا۔ اور نیز یہ کہ ہندوستان کے مختلف خود مختار دیسی رئیسوں کو احکامات بھی دیئے کہ عیسائیوں اور انگریزوں کو اپنے حدود اور علاقہ میں جب اور جہاں پائیں قتل کر دیں۔ یہ فعل کل یا اس کا کوئی جزو ہندوستان کی قانونی کونسل کے ایکٹ ۱۶ مصدرہ ۱۸۵۷ء کے مطابق جرم عظیم ہے۔

دستخط۔ ایف۔ جے۔ ہیرٹ میجر
ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل و وکیل سرکار

سوال۔ محمد بہادر شاہ جو الزامات تمہارے برخلاف قائم کیئے گئے ہیں تم اُنکے مجرم ہو یا نہیں؟

(جواب) مجرم نہیں ہوں۔

تمام گواہ باہر کر دیئے گئے

داد خواہی

جج ایڈوکیٹ کا اڈریس

صاحبان! اِس مقدمہ مین بحث کرنے سے پیشتر یہ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کے روبرو وہ شہادت پیش کیجائیگی جو بالکل اُن الزامات پر مبنی نہیں ہے جو ابھی آپنے ملاحظہ کیئے۔ یہ بات قابلِ قیاس معلوم ہوتی ہے کہ کل واقعات متعلقہ بلوہ اگرچہ الزام ماخوذی استغاثہ و نالش سے در پردہ ہی متعلق کیوں نہوں ٹھیک ٹھیک درجِ مثل کیئے جائیں۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ حال ہی میں یہ بات تصفیہ پاچکی ہے کہ بادشاہ کی حفاظت جان کا وعدہ کیا گیا ہے اِس لیئے ثبوت الزامات کے لئے تحقیقات کرنے یا تحقیقات کی صورت پیدا کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ وہ کل واقعات جو تحریروں اور دیگر ذرایعۂ اخبار سے منکشف ہوئے ہیں شامل ہونے چاہئیں۔

مجھے یہ معلوم نہیں کہ ایسی صورت میں جبکہ کوئی خاص الزام قائم کرنا نہیں ہے عدالت اپنی رائے درج مثل کریگی یا نہیں مگر یہ خیال کرکے کہ بحوالہ قیدی تحقیقات زیادہ قابل اطمینان ہونی چاہیئے خواہ وہ ایک فریق ہی کیوں نہ ہو اور تحریری یا دیگر ثبوت میں اُسکے باطل کرنیکا موقع نکالے۔ میری یہ رائے ہے کہ تحقیقات بصراحت و مناسب شکل میں ہونی چاہیئے تاکہ ایسے واقعات سے جرم اور بیگناہی ثابت ہوجائے۔ یہ بات مانی جاچکی ہے اور چنانچہ میں سے اُن الزامات کا ملاحظہ کیا مگر یہ بات صاف صاف سمجھ لینی چاہیئے کہ وسعت تحقیقات اصطلاحات کے مشاہدے کے سبب جز بانی ترتیبی اور باقاعدہ تحقیقات

کے متعلق میں کسی طرح محدود نہیں ہو سکتیں۔

سرکاری چٹھی جو میں نے میجر جنرل پینی۔ سی۔ بی۔ کمانڈر قسمت کو مضمون تحقیقات الزامات بخلاف قیدی بھیجی تھی اور جو انھوں نے منظور کر لی ہے عدالت کی اطلاع کے لیئے پیش کرتا ہوں۔

یہ چٹھی مسٹر سانڈرسن قائمقام کمشنر دہلی کے پاس بھی بھیجی گئی تھی۔ اور یہ بات فیصلہ پا چکی ہے کہ جو رائے انھوں نے پیش کی تھی اُس پر عملدرآمد ہونا چاہیئے۔ چنانچہ الزامات قائم ہوئے اور تحقیقات شروع ہوئی

مگر پھر بھی اصل منشا کا وہ حصہ کہ بلوہ کے متعلق کل واقعات کی کامل تحقیقات کیجائے نظر انداز نہیں کیا گیا اور میں نے اس واقعہ کو اس غرض سے بیان کیا ہے کہ جو معاملہ کسی طرح غیر متعلق ثابت ہو اُسکی وجہ تقریب ظاہر ہو جائے۔ اور عدالت اُسکے اختیار کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ اس تمہیدی بیان کو ختم کر کے میں چند الفاظ اس مقدمہ کی نوعیت کی بابت کہونگا۔ اور الزام ماخوذی استغاثہ نالش کی تائید میں ثبوت پیش کروں گا۔

یہ مقدمہ خواہ قیدی کے سابق بلند مرتبہ ہونے کی وجہ سے خواہ اُس کے اُس مرتبہ کی وجہ سے جو اُسے پیدائشی یا جانشینی کے سبب بخیال تدابیر ملکی ابتک حاصل ہے یا اُس مقدار جرائم کی وجہ سے جو اُس پر عائد کیئے گئے یا اُن واقعات میں اُسکے تعلق کیوجہ سے جو صفحۂ تاریخ پر ہمیشہ یادگار رہیں گے معمولی دلچسپی کا نہیں ہے۔ یہ مقدمہ غیر معمولی ہوگا کیونکہ بہر حال اس کا اختتام فیصلۂ آخری پر ہوگا مگر پھر بھی اُس فیصلہ آخری کو ہزارہا آدمی اُس نظر سے دیکھینگے جو عدالت فوجداری کی کارروائی سے بہت کم پیدا ہوا ہو۔

چٹھی نمبر ۱۹ مورخہ ۲۶ نومبر ۱۸۵۷ء منجانب سی۔ بی۔ سانڈرس صاحب قائمقام کمشنر

دہلی بنام میجر جنرل پینی۔ سی۔ بی۔ کمانڈنگ افواج جنگ دہلی کے مندرجہ خلاصوں سے یہ ظاہر ہو جائیگا کہ عدالت فیصلۂ آخری نہ کر سکتے اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ میجر جنرل ولسن نے قیدی کی زندگی کی ضمانت کر لی ہے اور وہ حکم قید کی حالت میں بھی روک دیا گیا ہے۔

مسٹر سانڈرس کی چٹھی حسب ہدایت سر جان لارنس چیف کمشنر پنجاب لکھی گئی ہے جس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

“ساتھ ہی مجھے تمکو اس بات سے مطلع کرنا ہے۔ چونکہ کپتان ہولسن نے حسب ہدایت میجر جنرل ولسن بادشاہ سے اُنکی زندگی کی ضمانت کر لی ہے لہذا فوجی کمیشن کو لائق نہیں ہے کہ اُس پر کوئی حکم آخری دے۔ خواہ اُنکی تحقیقات کا نتیجہ قید ہی کیوں نہ ہو”

“تحریری ثبوت جو مجھے اس مقدمہ کے متعلق ملے ہیں وہ بھیجتا ہوں اور منشاء مافی الضمیر کے بر لانے میں شاہدوں کی حاضری وغیرہ کے لیئے جو کچھ میرے اختیار میں ہے اُس سے مدد دینے کے لیے ہر وقت تیار ہوں”

میں نے اُردو تحریرات کا ترجمہ باحتیاط مسٹر جیمس مرفی ڈپٹی کلکٹر رسوم دہلی سے جو بڑا زبان دان شخص ہے کرایا ہے اور اگر آپ منظور کریں تو اُنکی خدمات بطور ترجمان، آپ کے تصرف میں دیجا سکتی ہیں۔

تحریری ثبوت بکثرت تھے اور اُنکو سریع الفہم کرنے کے لیئے پانچ مختلف مدّات میں ترتیب دیدیا ہے۔ یعنی (اول) کاغذات متفرق (دوم) متعلقہ قرضہ (سوم) متعلقہ تنخواہ سپاہیان (چہارم) متعلقہ کل معاملات جنگی (پنجم) متعلقہ قتل جس کا خاص حوالہ الزام چہارم میں ہے۔

اِن تحریرات کا بڑا حصہ وہ ہے جس پر گمان کیا جاتا ہے کہ قیدی کے خاص قلم کے احکامات تحریر میں اور جنکی بابت شہادت لیجائیگی۔ دیگر کاغذات کی قسمت اس طرح قائم کی جائیگی جیسا کہ

روئداد مقدمہ سے ممکن ہو۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ بعض تحریرات غیر بے پردہ ثبوت کے پیش کی جائینگی جو اُن اشخاص سے دستیاب ہوئی ہیں جنکے نام وہ منسوب تھیں۔ ایسی صورتوں میں عدالت تحقیقات کامل نہایت ضروری سمجھے گی۔ اور یہ کہ تحقیقات اُس وقت تک کامل ہوگی کہ شہادت بذات خود قابلِ لحاظ نہو۔ مگر محض اس وجہ سے کہ غیر ضروری اظہار نہ لیے جائینگے نامنظور کر دیجائے۔ عدالت اُن مشکلات کو یاد کریگی جو ان تحریرات کے ثابت کرنے میں جو مصنف کی قلم نہونگی پیش آئیں گی۔ جن کے پاس اس وقت کسی بات کے تسلیم نکرنے کی قوی وجوہ ہیں جن کا تعلق قیدی سے ہو۔ میں زبانی شہادت کا بڑھانا ضروری نہیں سمجھتا۔ میں اس بات کی کوشش کروں گا کہ جو شہادت حاصل کیجائے وہ نہایت معتبر ذریعہ سے ہو سکر تاہم یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قریب قریب ہر ہندوستانی جن کو میں بطور شہادت اِس عدالت میں پیش کروں گا اپنے افسانہ کو اور نیز اُن حالات کو جو وہ بیان کرنا چاہے گا کچھ اس رنگ سے ادا کریگا کہ غدر اور بلوہ اُن وسیع اور مسلّمہ واقعات کے مناسب ہو جائیں جو ہمیں پہلے سے معلوم ہیں۔ میں تحریری ثبوت سے ابتدا کروں گا اور قیدی اور دیگر اشخاص جنھوں نے بلوہ میں شرکت کی تھی اُنکی تحریروں کے ثابت کرنے کے لیے اپنا پہلا گواہ پیش کرونگا

پہلا گواہ احسن اللہ خان شاہی حکیم عدالت میں طلب ہوا اور اُس سے اقرار لیا گیا

اظہار بذریعہ جج ایڈوکیٹ۔ کاغذات بمد متفرقات نمبری ۲ و ۳ و ۴ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۹ و ۲۰ و ۲۱ و ۲۲ و ۲۴ و ۲۷ و ۳۰ و ۳۳ و ۲۹ و ۴۰ و ۴۱ و ۴۳ و ۴۴ و ۴۸ و ۵۰ و ۵۲ و ۵۳ و ۵۴ گواہ کو دکھلائے گئے جس کا بیان ہے کہ ہر ایک کاغذ کی پیشانی پر احکامات قیدی کی قلم کے ہیں۔ ذیل کے نمبر ۲۶ و ۱۵ و ۱۸ و ۲۵ و ۲۶ و ۳۱ و ۳۲ و ۳۵ و ۳۶ و ۵۴ بھی گواہ کو دکھائے گئے۔ اُس نے خاص مہر کو شناخت کیا کہ قیدی ہی کے ہاتھ کی لگائی ہوئی ہے۔

کاغذات نمبری ۵ و ۱۶ و ۲۹ و ۳۴ و ۳۰ گواہ کو دکھائے گئے اُس نے اظہار کیا کہ یہ سب مکند لال کے لکھے ہوئے ہیں جو قیدی کا خاص سکتر تھا اور یہ کہ اُن میں سے تین نمبروں پر یعنی ۵ و ۱۶ و ۳۴ پر جو مہر ثبت ہے وہ شاہی مہر ہے۔ کاغذات نمبری ۱۲ و ۲۳ و ۲۸ و ۳۷ و ۴۲ و ۴۳ و ۴۷ و ۵۱ و ۵۵ بھی گواہ کو دکھائے گئے اُن میں سے کسی کی تحریر کو اُس نے نہیں پہچانا البتہ یہ کہا کہ نمبر ۲۳ پر مرزا مغل کمانڈر انچیف کی نمبر ۲۷ پر چیف پولیس افسر اور عدالت چیف کورٹ دہلی کی نمبر ۲۴ پر بدر پور پولیس سٹیشن کے دفتر کی اور بادشاہ کے سکتر کی و نمبر ۴۶ پر مرزا مغل کی مہر ہے۔ اور نمبروں کے متعلق وہ کچھ نہیں جانتا۔ کاغذات نمبری ۶ و ۷ و ۸ و ۹ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۷ و ۴۹ گواہ کو دکھائے گئے۔ اُس نے ان کاغذات کی مہر کو شناخت کیا کہ بادشاہ کی مہر ہے اور باستثنائے نمبر ۱ کے دیگر کل مکند لال قیدی کے خاص سکٹری کی قلم کے ہیں نمبر ۲۶ بھی گواہ کو دکھایا گیا اُس نے شناخت کیا کہ وہ مکند لال کی تحریر ہے اور اس پر بادشاہ کی خاص مہر ثبت ہے۔

جج ایڈوکیٹ نے مندرجۂ بالا کاغذات کا نمبر ۲۶ تک ترجمہ ملاحظہ کیا

(دوسرے دن کی کارروائی)

۲۸ جنوری ۱۸۵۸ء یوم پنجشنبہ کو عدالت ۱۱ بجے دربار خاص دہلی میں مکرر منعقد ہوئی۔ اور گزشتہ دن کی کارروائی پھر شروع کی۔

پریسیڈنٹ و ممبران و ترجمان و ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل موجود تھے۔ قیدی عدالت میں لایا گیا۔ احسن اللہ خاں عدالت میں طلب ہوا اور اسکو پہلے اقرار کی یاددہانی کی گئی۔ اس وقت قیدی نے یہ درخواست کی کہ غلام عباس نامی وکیل کو عدالت میں حاضر ہونے کی اجازت دیجائے تاکہ وہ عدالت میں قیدی کی جانب سے پیروی کرے۔ اس درخواست

کو عدالت نے منظور کیا۔ اور غلام عباس عدالت میں حاضر ہوا۔

ترجمان نے اصل کاغذات ملاحظہ کیئے جن کا ترجمہ گزشتہ دن جج ایڈوکیٹ نے پڑھا تھا۔ اور جو کچھ گواہ نے ہر ایک کاغذ کے متعلق کل اظہار دیا تھا وہ قیدی کے مددگار کو سنایا گیا۔ جب ترجمان نے فارسی کے اصل کاغذات نمبر ۳۶ تک ملاحظہ کر لے تو جج ایڈوکیٹ نے نمبر ۵۶ کے کاغذات کا ترجمہ دیکھنا شروع کیا۔

(تیسرے دن کی کارروائی)

۲۹ جنوری ۱۸۵۸ء یوم جمعہ

دربار خاص میں اُس دن گیارہ بجے پھر عدالت منعقد ہوئی۔ میر مجلس و ممبر و ترجمان وڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل موجود تھے۔ قیدی عدالت میں لایا گیا اور غلام عباس بطور اُسکے معاون کے حاضر ہوا ترجمان نے اصل کاغذات فارسی میں ملاحظہ کیئے اور جس کا ترجمہ جج ایڈوکیٹ نے گزشتہ دن پڑھا تھا۔ یعنی نمبر ۵۶ تک۔ غلام عباس اب بطور گواہ قرار دیا گیا جج ایڈوکیٹ نے اظہار لیئے۔

سوال۔ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کی صبح کو تم کہاں تھے جبکہ مفسد رسالے میرٹھ سے آئے۔

جواب۔ میں اسی دربار خاص کے دروازہ پر تھا۔

سوال۔ جو کچھ تم نے اس موقع پر دیکھا بیان کرو!

جواب۔ قریب آٹھ بجے صبح کے میں نے یہ سنا کہ کمپنی کے رسالہ کے پانچ یا چھ سوار آئے اور بادشاہ کے خلوت خانہ کے پاس کھڑے ہو گئے۔ اُنھوں نے بے تحاشا غل مچایا جس پر بادشاہ نے اپنے خواص میں سے کسی کو حکم دیا کہ دیکھو یہ غل کیسا ہے؟ اُن میں سے ایک شخص جھروکے میں گیا اور سواروں سے کچھ باتیں کر کے بادشاہ کے پاس واپس

آیا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اُس نے بادشاہ سے آکر کیا کہا۔ مگر بادشاہ خلوت خانہ کے متصل کمرہ میں آئے اور مجھے طلب کیا۔ بادشاہ نے پھر مجھسے کہا کہ یہ سوار باغی ہوگئے ہیں اور میرٹھ سے آئے ہیں۔ مذہب کے لیئے لڑنا اور انگریزوں کو قتل کرنا چاہتے ہیں اور مجھے ہدایت فرمائی کہ میں کپتان ڈگلس کے پاس فوراً جاؤں اور یہ معاملہ اُنکے گوش گزار کرکے اُن سے کہوں کہ مناسب انتظام کریں۔ بادشاہ نے ساتھ ہی اپنے کسی ملازم کو یہ بھی حکم دیا کہ خلوت خانہ کے نیچے کا دروازہ فوراً بند کردے۔ میں حسب الحکم کپتان ڈگلس کے پاس گیا اور اُن کو یہ پیغام پہنچا دیا۔ کپتان ڈگلس فورا میرے ہمراہ آئے اور کہا ہم خود چلکر اس معاملہ کو دیکھینگے۔ وہ اِسی دربار خاص میں آگئے اور بادشاہ اُنکو آتے دیکھکر باہر نکل آئے اور اُن سے ملگئے۔ بادشاہ اُسوقت اسقدر توانا تھے کہ وہ بغیر عصا کے سہارے کے کپتان صاحب کے ساتھ پھرتے رہے۔ بادشاہ نے کپتان ڈگلس سے استفسار کیا کہ اُنکو اِس معاملہ کی کچھ خبر ہے یا نہیں اور نیز یہ کہ یہ فوج کیوں آئی ہے اور کہا کہ فوراً مناسب موقع بندوبست ہونا چاہیئے۔ میں اور احسن اللہ خاں اُس وقت موجود تھے۔ کپتان ڈگلس نے درخواست کی بادشاہ کے خلوت خانہ کے نیچے کا دروازہ کھولدیا جائے کہ وہ جاکر سواروں سے سوال وجواب کرے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ وہ اُن کو نہیں جانے دینگے کیونکہ باغیوں کے سر پر خون سوار ہے اور مبادا اُنھیں مار ڈالیں۔ کپتان ڈگلس نے باربار کوشش کی کہ دروازہ کھولدیا جائے مگر بادشاہ راضی نہوئے اور کپتان صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا اگر تم اُن لوگوں کو دیکھنا اور اُن سے بات کرنا چاہتے ہو تو یہ باتیں جھروکے میں سے کرسکتے ہو۔ اس پر کپتان ڈگلس شاہی کمروں اور دربار خاص کے درمیانی کٹہرے پر آگئے اور اُدھر سے اُس مقام کو دیکھا جہاں سوار اکٹھے تھے

میں کپتان صاحب کے ہمراہ کٹہرے تک آیا اور دیکھا کہ ۳۰ یا ۴۰ سوار نیچے کھڑے ہیں۔ کسی کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی اور کوئی پستول اور قرابین ہاتھ میں لیئے تھا۔ بہت سے پل کی جانب سے پیدلوں کے ساتھ جو بظاہر سائیس معلوم ہوتے تھے اور جن کے سر پر کچھ گٹھر تھے آرہے تھے۔ کپتان ڈگلس نے سواروں سے کہا اس طرف مت آؤ۔ یہ بادشاہ کی محلسرا ہے اور تمھارا یہاں کھڑا ہونا بادشاہ کی بےعزتی ہے" اس پر ایک ایک کر کے سب راج گھاٹ کی طرف چلے گئے اور جب سب چلے گئے تو کپتان ڈگلس بادشاہ کے پاس آئے اور کہا کہ "قلعہ اور شہر کے دروازے فوراً بند ہونے چاہئیں کہ مبادا یہ لوگ شہر میں نہ گھس آئیں" کپتان صاحب نے بادشاہ کو یقین دلایا کہ خوف کی کوئی بات نہیں ہے اس معاملہ کی نگرانی کرنا میرا فرض ہے میں ابھی جاتا ہوں اور فوراً اس کا انتظام کیئے دیتا ہوں۔ اس کے بعد بادشاہ اور کپتان ڈگلس اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے اور میں اور حکیم احسن اللہ خان دربار خاص کے اس کمرہ میں آکر بیٹھے۔ ہم دونوں کو یہاں بیٹھے ہوئے ایک گھنٹہ ہوا ہوگا کہ کپتان ڈگلس صاحب کا ملازم دوڑا ہوا آیا۔ اور ایک رقعہ حکیم احسن اللہ خاں کو دیکر کہا کہ صاحب یاد فرماتے ہیں حکیم صاحب کے کہنے پر میں اُن کے ہمراہ گیا۔ جو آدمی ہم لوگوں کو لینے کے لیئے آیا تھا اُس نے کہا کپتان صاحب اس وقت مفتاح خانہ میں ہیں مگر جب ہم اُس جگہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ پھر اپنے مقام پر واپس گئے۔ اس وقت ہم نے دیکھا کہ دریا گنج کی جانب بہت دھواں اٹھ رہا ہے اور کچھ راہگیروں سے معلوم ہوا کہ باغی شہر میں گھس گئے ہیں اور انھوں نے بنگلوں میں آگ لگا دی ہے۔ ہم قلعہ کے لاہوری دروازے کے اوپر جہاں ڈگلس صاحب کی فرودگاہ تھی گئے۔ اس جگہ ہم کو معلوم ہوا کہ کپتان صاحب تیسرے

کمرے میں ہیں۔ اور درمیانی کمرے میں مسٹر سائمن فریز صاحب بیٹھے ہوئے تھے اُن سے ملاقات ہوئی۔ احسن اللہ خان کپتان صاحب سے ملنے چلے گئے اور میں فریز صاحب کے کہنے پر اُنکے ساتھ واپس آگیا۔ اور اُنھوں نے مجھے حکم دیا کہ میں بادشاہ سلامت سے جاکر کہوں کہ کپتان ڈگلس صاحب کے مکان کی محافظت کے لیئے دو توپیں اور کچھ سپاہ پیادہ بھیجدیں۔ میں اور فریز صاحب اور ایک اور انگریز جو اُنکے ہمراہ تھے زینہ سے اُترے فریز صاحب کے ہاتھ میں ایک غلاف دار تلوار تھی اور دوسرے صاحب کے (جن کا نام میں نہیں جانتا) ایک ہاتھ میں پستول اور دوسرے میں بندوق تھی۔ فریز صاحب نے جو حکم دیا کہ جلدی جاؤ اور خود بھی بادشاہ کی طرف چلے مگر میں اُن سے آگے آیا۔ بادشاہ کے کمرے پر پہنچکر میں نے دستک دی وہ خود باہر نکل آئے اور میں فریز صاحب کا پیغام پہنچا دیا۔ بادشاہ نے فوراً خاصہ کے آدمیوں کو حکم دیا کہ دو توپیں اور تمام رسالے اور افسر جو موجود ہوں کپتان ڈگلس کی فرودگاہ پر پہنچاؤ اُسی وقت احسن اللہ خاں بھی پہنچے اور بادشاہ سے کہا کپتان ڈگلس کہتے ہیں کہ دو پالکیاں بھیجکر اُن دونوں میموں کو جو اُنکے پاس ہیں بُلا کے محلسرا میں چھپا دیجائیں۔ بادشاہ نے احسن اللہ خاں سے کہا کہ تم انتظام کرلو اور خاصہ کے ملازموں کو ہدایت کی کہ دو پالکیاں مع مناسب تعداد کہاروں کے باغ کے گرد ہوکر لیجاؤ تاکہ باغی رسالے اُنھیں نہ دیکھ سکیں جو اس وقت قلعہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ بادشاہ یہ حکم دیکر یہ دیکھنے کے لیئے کھڑے ہوگئے کہ اس حکم کی تعمیل ہوجائے اور احسن اللہ خاں بھی اُنکے پاس کھڑے تھے۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد نوکروں میں سے ایک نوکر جو پالکیوں کے لیئے گیا تھا واپس آیا اور کہا کہ پالکیاں روانہ ہوگئیں اور اسکے بعد ہی ایک اور ملازم جو پالکیوں کے ہمراہ گیا تھا اُس سے واپس آکر کہا کہ فریز صاحب تو

قتل کر دیئے گئے یہ دس بجے سے کچھ پہلے کا وقت تھا۔ احسن اللہ خاں نے اس خبر پر اور آدمیوں کو اسکی تصدیق اور یہ دریافت کرنے کے لیئے کہ کپتان ڈگلس کہاں اور کس حال میں ہیں بھیجا۔ ان آدمیوں نے واپس آکر کہا کہ نہ صرف فریزر صاحب بلکہ کپتان ڈگلس و دیگر میمیں اور اَور انگریز جو اُن کے ساتھ رہتے تھے سب قتل کر دیئے گئے۔ یہ سنکر بادشاہ اندر چلے گئے اور احسن اللہ خاں اور میں سخت پریشان کہ دیکھیئے کیا ہوتا ہے پھر دربار خاص میں چلے آئے۔ اسکے کچھ ہی دیر کے بعد دونوں پیدل کمپنیاں جو قلعہ کے دروازے پر محافظ تھیں مع مفسد رسالہ کے جو میرٹھ سے آیا تھا دربار خاص کے سامنے کے میدان میں آگئیں اور اپنی بندوقیں۔ قرابینیں اور تپنچے ہوا میں اُڑانے لگیں اور بڑا غل مچایا۔ بادشاہ یہ غل سُنکر باہر نکل آئے اور دربار خاص کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر اپنے خواصوں کو حکم دیا کہ رسالوں سے خاموش رہنے کیلئے کہیں اور ہندوستانی افسروں کو آگے بُلایا کہ اُن سے اس کارروائی کا منشاء دریافت کریں۔ اس پر یہ غل کم ہو گیا اور رسالہ کے افسر آگے بڑھے اور بیان کیا کہ اُنھیں کارتوسوں کے منہ سے کاٹنے کا حکم دیا گیا تھا جس کا منشاء یہ تھا کہ ہندو ہوں خواہ مسلمان اپنے اپنے مذہب سے گمراہ ہو جائیں کیونکہ کارتوسوں میں گائے اور سور کی چربی لگی ہوئی تھی چنانچہ اُنھوں نے میرٹھ میں انگریزوں کو قتل کیا اور بادشاہ کی محافظت کے لیئے یہاں آئے ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا

"میں نے تمھیں نہیں بُلایا اور جو کچھ تم نے کیا بہت بُرا کیا" یہ سُنکر سو یا دو سو مفسد پیادہ فوج جو اس وقت میرٹھ سے آئی تھی سیڑھیوں پر چڑھکر کمرہ میں آگئی اور کہا جبتک حضور یعنی بادشاہ ہمارے ساتھ نہونگے ہم سب بے سردار ہیں اور حضور کے ساتھ ہونے سے ہم اپنے ارادہ میں کامیاب ہو جائیں گے" اس پر بادشاہ ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور ہر

سپاہی اور افسر غرض کہ کل یکے بعد دیگرے آگے بڑھے اور ہر شخص بادشاہ کے آگے اپنا سر جھکا کر کہتا تھا کہ "حضور ہمارے سر پہ ہاتھ رکھیں" بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور ہر شخص جو اُسکے دل میں آیا کہتا ہوا واپس ہوتا گیا۔ جب ہجوم زیادہ ہو گیا تو میں وہاں سے چلا آیا۔ اسوقت غل غپاڑہ بہت تھا اور سب ایک دم زور زور بول رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ اپنے کمرے میں واپس آ گئے اور سواروں نے اپنے گھوڑے صحن میں باندھ دیے۔ مفسد رسالوں نے اپنی اپنی جگہ پسند کر لی اور دربار عام میں بستر لگا دیے اور محافظ قلعہ چاروں طرف مقرر کر دیے۔ اس کے بعد میں حکیم احسن اللہ کے کمرے میں گیا اور وہاں جا کر لیٹ گیا۔ شام کے قریب چار بجے یا اسکے بعد بڑی سرنگ اُڑنے کی آواز کانوں میں آئی اور باہر جا کر دیکھا تو میگزین کیطرف بہت خاک اُڑتی ہوئی دکھائی دی۔ جو لوگ اسوقت وہاں تھے اُن سے معلوم ہوا کہ مفسدوں نے میگزین پر ہلّا کر دیا مگر مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ جو انگریزی افسر وہاں تھے یہ اُنھیں کی کارروائی تھی۔ قریب پانچ بجے میں نے یہ سُنا کہ کوئی سات یا آٹھ انگریز مرد و عورت و بچے مفسدوں کے ہاتھ لگے اور اُنھوں نے بادشاہ سے اُنکے قتل کرنے کی درخواست کی مگر بادشاہ نے سپاہیوں سے کہا کہ ان قیدیوں کو مجھے دیدو اور میں اُنھیں اپنی حفاظت میں رکھونگا۔ چنانچہ اُنھوں نے اس شرط پر کہ اُن پر محافظ اُنھیں میں سے رکھے جائیں بادشاہ کے سپرد کر دیا۔ بادشاہ نے اُن کو کسی کمرہ میں بند کر دیا اور حکم دیا کہ اُنھیں کھانا پینا باقاعدہ بادشاہ کے توشہ خانہ سے دیا جائے۔ بعد غروب آفتاب میں نے شہر میں اپنے مکان پر جانا چاہا جب میں دربار عام کے میدان میں پہنچا تو وہاں بھی رسالوں کا ہجوم پایا اور معلوم ہوا وہ دہلی کی رجمنٹوں کے سپاہی تھے۔ اسکے بعد میں گھوڑے پر سوار ہو کر گھر چلا گیا۔ دوسری صبح کو قلعہ پہنچکر

معلوم ہوا کہ جو توپیں رات کے دس یا گیارہ بجے چھوٹی تھیں وہ دہلی کے دیسی توپخانہ والوں نے بادشاہ کی سلامی میں فیر کی تھیں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ بادشاہ کے عنان حکومت اختیار کرنے پر فیر ہوئی تھیں یا کسی اور وجہ سے۔ اسکے بعد میں دربار خاص میں آیا جہاں احسن اللہ خاں سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اُن سے دریافت کیا کہ بادشاہ نے اس بےچینی کے رفع کرنے کے لیئے کوئی بندوبست کیا۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ بادشاہ نے ایک خط اِس مضمون کا اونٹنی سوار کے ہاتھ لفٹنٹ گورنر کے پاس آگرہ روانہ کیا ہے اور قریبًا پندرہ روز کے بعد میں نے پھر اُن سے پوچھا کہ اُس کا کیا جواب آیا اُنھوں نے جواب دیا کہ اونٹنی سوار بلا رسید یا جواب واپس آگیا مگر یہ بھی کہا خط ضرور پہنچا جس کا جواب بعد میں دینے کا وعدہ ہوا۔ اول دن کے واقعہ کے بعد میں نے قلعہ کی باقاعدہ حاضری ترک کر دی صرف تیسرے یا چوتھے دن آتا تھا اور محض بادشاہ کو سلام کر کے واپس چلا جاتا تھا۔ چنانچہ اور واقعات کے بعد تو گفتگو کرنے کی نوبت بھی نہ آئی۔

سوال۔ کیا تم نے سنا کہ فریزر صاحب کو کس نے قتل کیا۔ آیا بادشاہ کے ملازموں نے یا کسی اور نے اُنکو قتل کیا۔

جواب۔ اُس وقت تو یہ سنا تھا کہ سپاہی کھڑے ہو گئے تھے اور فریزر صاحب کو بلوہ میں قتل کیا مگر بعد میں یہ سننے میں آیا کہ اُنکو ایک جوہری نے جسکی دوکان بازار میں کپتان ڈگلس کی قیام گاہ کے نیچے ہی تھی قتل کر دیا۔ مجھے اُس شخص کا نام نہیں معلوم اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ اب وہ کہاں ہے۔

سوال۔ جب بادشاہ نے دیسی افسروں اور سپاہیوں کے سر پر ہاتھ رکھا تو اُس کا کیا منشا تھا۔ کیا اُس سے یہ مراد تھی کہ اُنکی خدمات منظور کی گئیں۔

جواب۔ یہ اُنکی اطاعت اور خدمات کے منظور کرنے ہی کے برابر تھا۔ مگر میں نہیں کہسکتا کہ اُسوقت بادشاہ کا کیا ارادہ تھا۔

سوال۔ بادشاہ کے اختیارات دہلی میں کب عام طور پر مشتہر ہوئے یا یہ بات کب مشہور ہوئی کہ بادشاہ نے عنانِ حکومت اختیار کی۔

جواب۔ مجھے نہیں معلوم کہ کوئی باقاعدہ شہرت اس بات کی دی گئی۔ ممکن ہے ایسا ہوا ہو اور مجھے اُس کا علم نہیں ہوا ہو۔ مگر جس دن فساد ہوا اُسی دن بادشاہ کے اختیارات قائم ہو گئے تھے۔

سوال۔ کیا اِسی وجہ سے اُسکی سلامی کی توپیں چھوٹی تھیں۔

جواب۔ میں نہیں جانتا جو کچھ میں نے سُنا وہ یہ تھا کہ توپخانہ والوں نے شاہی حکومت میں آنے کے موقع پر بطور سلامی فیر کی تھیں۔

سوال۔ تمھیں معلوم ہے کتنی توپونکی سلامی ہوئی تھی۔

جواب۔ میرے خیال میں معمولی شاہی سلامی کی ۲۱ توپیں فیر ہوئی تھیں۔

سوال۔ کس دن بادشاہ نے پہلا دربار عام کیا۔

جواب۔ فساد کے دن ہی سے روزانہ دربار ہوتا تھا۔ رسالہ والوں کو جو پہلا موقع حاضری کا دیا گیا وہی اول دربار خیال کرنا چاہیئے۔

سوال۔ فساد سے پیشتر کیا تم بادشاہ کے درباروں اور اُس کے خاندان سے ہر وقت کے جلسوں میں تھے۔

جواب۔ میں روزانہ قلعہ میں آتا تھا اور تمام خط و کتابت جو میری معرفت لفٹنٹ گورنر اور بادشاہ میں ہوتی تھی سناتا تھا۔ میں بادشاہی ملازم تھا مگر سر تھیوفیلس مٹکاف صاحب کی

سفارش پر مقرر ہوا تھا۔

سوال۔ تمھیں کبھی قلعہ کے اندرونی حالات معلوم ہونے کے موقعے ملے یا وہ مضامین جس پر غدر سے پہلے گفتگو ہوتی تھی۔

جواب۔ مجھے ایسے موقعے تو ملے مگر میں نے کوئی خاص بات نہیں سنی۔

سوال۔ کیا تم پر بادشاہ کا زیادہ بھروسہ تھا یا تم اُن معتمدوں میں تھے جن پر کوئی راز یا تجویز جو وہ حکومت برطانیہ سے مخفی رکھنے کی غرض سے ظاہر کرنا چاہتے ہوں ظاہر کیجاتی ہوں۔

جواب۔ میں اُن میں سے نہ تھا جن سے مشورہ ہوتا ہو یا جن کو ایسے معاملات کی اطلاع دیجاتی ہو البتہ احسن اللہ خاں اور محبوب علیخاں ایسے آدمی تھے۔

(چوتھے دن کی کارروائی)

سوال۔ کیا تمھیں فساد ہونے سے پیشتر قیدی کی تحریرات دیکھنے کا موقع ملا تھا۔

جواب۔ ہاں میں نے بارہا اُسکی تحریریں دیکھیں اور اُن کو پہچانتا ہوں۔

سوال۔ جو کاغذ عدالت میں پیش ہوئے اور جن پر گمان ہے کہ وہ قیدی کے قلم کے ہیں۔ اور اُسی کی مہر اُن پر ثبت ہے کیا تمھیں اُنکی صداقت میں شبہہ ہے۔

جواب۔ اکثر کاغذات بادشاہ ہی کی قلم کے ہیں اور شاید ایک یا دو نہوں۔

سوال۔ جب قلعہ میں انگریزی عورت اور بچے قتل ہوئے تو کیا تم وہاں تھے۔

جواب۔ نہیں۔ میں قلعہ میں نہیں تھا مگر میں نے بعد میں سُنا کہ چند عورتیں اور بچے مقتول ہوئے

سوال۔ کیا تمھیں معلوم ہوا کہ کس نے اُنھیں قتل کیا سپاہیوں نے یا قیدی ہی کے ملازموں نے

جواب۔ میں اس بارے میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا مگر دو یا تین دن بعد جب میں قلعہ میں آیا تو میں نے احسن اللہ خان سے کہا کہ تم نے قتل عام روکنے کی کیوں نہ کوشش کی

اُس نے جواب دیا کہ حتی الوسع کوشش کی مگر باغی ایک نہ مانے۔

سوال۔ کیا احسن اللہ خاں نے تم سے کہا کہ اُس موقع پر وہ وہاں موجود تھا۔

جواب۔ نہیں۔ اُسنے صاف صاف یہ نہیں کہا کہ وہ وہاں تھا یا نہیں۔

سوال۔ کس قدر انگریز اس موقع پر قتل ہوئے؟

جواب۔ پیشتر مجھے تعداد معلوم نہیں تھی اور ممکن ہے کہ میں نے سنا ہو اور بھول گیا ہوں مگر اب کوئی دس یا پندرہ دن ہوئے کہ مجھے معلوم ہوا مقتولین کی تعداد قریبًا ۵۰ تھی جس میں عورتیں اور لڑکے بھی شامل ہیں۔

سوال۔ کیا یہ عورتیں اور بچے قیدی کے منشا رسے قتل ہوئے۔

جواب۔ مجھے اس معاملہ میں اس سے زیادہ علم نہیں جسقدر کہ احسن اللہ خاں نے مجھسے کہا کہ کہ بادشاہ نے قتل عام روکنا چاہا مگر کچھ پیش نہ چلی۔

سوال۔ کیا تمھیں معلوم ہے کہ مفسدہ کے زمانے میں بادشاہ کے کسی ملازم نے واقعات کا روزنامچہ تیار کیا اگر تیار کیا تو کس نے لکھا۔

جواب مجھے اسکے لکھے جانے یا نہ لکھے جانیکا علم نہیں۔ البتہ غدر سے پیشتر ایک روزنامچہ تیار ہوا تھا

سوال۔ کیا مرزا مغل شاہزادہ کو باغی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا تھا۔ اور کس نے اور کہاں؟

جواب۔ بیشک مرزا مغل فوج کے سپہ سالار مقرر ہوئے تھے اور مشہور ہے کہ بادشاہ نے فوج کی درخواست پر انھیں مقرر کیا تھا۔

سوال۔ مفسدہ سے پہلے بھی تم نے کبھی فوج کی بے اطمینانی کا حال سنا تھا۔؟

جواب۔ ہاں میں نے سُنا تھا کہ کلکتہ میں دو رجمنٹوں نے چربی دار کارتوسوں کے استعمال کرنے کی بنا پر غدر کیا۔ وہ توڑ دی گئی تھیں۔

سوال۔ دہلی میں بلوہ ہونے سے پیشتر کیا تم نے سُنا تھا کہ اِس مقام کی رجمنٹیں کسی طرح بے اطمینان تھیں۔ (جواب) نہیں۔ (جرح عدالت)

سوال۔ کیا انگریزوں کے قتل ہونے کے بعد بھی تم نے لاشیں خون آلود یا اس قتل کے اور نشانات دیکھے ؟

جواب۔ میں نے کسی قسم کی کوئی بات نہیں دیکھی۔

(سوال) جہاں یہ عورتیں اور بچے قتل ہوئے تھیں وہ جگہ معلوم ہے۔

جواب۔ میں نے سنا تھا کہ وہ حوض کے قریب اُس میدان میں قتل کیے گئے تھے جو لاہوری دروازے سے قلعہ میں گھسنے پر پہلے پڑتا ہے۔ لوگوں نے اُس جگہ کو بیان کیا تھا مگر قتل ہونے کی خاص جگہ نہیں بتائی۔

سوال۔ تم جانتے ہو کہ لاشیں کیا ہوئیں۔ ؟

جواب۔ مجھے نہیں معلوم کہ اُسکے بعد اُن کا کیا حشر ہوا مگر سُننے میں آیا تھا کہ گاڑیوں میں ڈالکر وہاں سے اُٹھائی گئیں۔ (جرح ثانی جج ایڈوکیٹ)

سوال۔ تمھیں معلوم ہے کہ قتل سے پیشتر یہ عورتیں اور لڑکے قید کیے گئے تھے اور اگر قید کیے گئے تھے تو کہاں ؟

جواب۔ میں نے سُنا تو تھا کہ وہ قید ہوئے اور بادشاہ کے مطبخ میں یا اُسکے قریب ہی کے کمرہ میں بند کیے گئے تھے۔

سوال۔ کتنے دن وہ محبوس رہے ؟

جواب۔ قریبًا ہفتہ یا عشرہ بھر۔

سوال۔ بلوہ کے زمانہ میں قیدی کی شاہی مہریں کس کے پاس تھیں۔

جواب وہ قیدی کے خاص کمروں میں رہتی تھیں۔

سوال۔ کیا اُن کا استعمال بالکل قیدی کے ہاتھ میں تھا۔

جواب۔ مہر بلا اجازت بادشاہ کبھی ثبت نہ ہوتی تھی۔

قیدی نے جرح سے انکار کیا۔ گواہ قیدی کے پاس بیٹھ گیا۔

(پانچویں دن کی کارروائی)

احسن اللہ خاں بروئے اقرار سابق مکرر طلب ہوئے اور آٹھوں کاغذ مرتبہ بمد تنخواہ انکو دکھائے گئے۔

(جرح جج ایڈوکیٹ)

اِن کاغذات کی تحریر قلم اور مہر کی نسبت تم کیا جانتے ہو؟

(جواب) چھ کاغذات یعنی نمبران ۱ و ۴ و ۵ و ۶ و ۷ و ۸ پر احکام قیدی ہی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ نمبر ۲ مکند لال قیدی کے سکتر کی قلم کا ہے اور یہ مہر اُس خاص مہر کا نشان ہے جس پر اُس کا مخفف نام کندہ ہے۔ نمبر ۳ جو قیدی کے بیٹے مرزا مغل کی دستخطاً ثبت ہے جسکی تصدیق اُس کے عہدۂ سپہ سالاری کی مہر سے ہوتی ہے۔ جوالا ناتھ اُس کے ایک اہل مد کی قلم کا تحریر شدہ معلوم ہوتا ہے۔

(چھٹے دن کی کارروائی)

حکیم احسن اللہ خاں مکرر عدالت میں طلب ہوئے اور باقرار سابق اظہار دیئے۔

(اظہار بذریعۂ جج ایڈوکیٹ)

سوال۔ اِن چھ کاغذوں کو دیکھو اور پہچانو کہ کس کی قلم کے لکھے ہوئے ہیں۔ چھ فارسی کے کاغذ مرتبہ بمد قتل گواہ کو دکھائے گئے

جواب۔ نمبر ۱ و ۶ کے احکام قیدی کے قلم کے ہیں اور کاغذات نمبر ۲ و ۳ و ۴ خیرات خان

بخت خاں گورنر جنرل کے دفتر کے اہلمد کے قلم کے ہیں۔ اس شخص کی عادت تھی کہ اِس قسم کے کاغذ پہلے سے تیار رکھتا تھا اور اُن پر مہر شاہی ثبت کرکے بعد منظوری شاہ مطابق پتہ کے روانہ کیا کرتا تھا۔

سوال۔ کیا اُنکی نقل دفتر میں بھی رکھی جایا کرتی تھی۔

جواب۔ ہاں اکثر ہر کاغذ کی وہ دو نقلیں لایا کرتا تھا۔ ایک پر مہر ثبت ہوتی تھی جو بالعموم بادشاہ کی قلم ہوتی تھی اور یہ نقل اُسکی روانگی کے لیئے دیدیجاتی تھی اور دوسری غیر مصدقہ قیمتی کے دفتر میں داخل ہوتی تھی۔

سوال۔ کاغذ نمبر ۵ کے متعلق بھی تم کچھ جانتے ہو

جواب۔ میں اسکی قلم نہیں پہچانتا۔

سوال۔ کیا ممکن یا قرین قیاس ہے کہ یہ نقل دفتر کے جدید مقرر شدہ اہلمد کی قلم کی ہو جس سے تم واقف نہیں۔

جواب۔ ہاں میرا گمان ہے کہ محمد خاں کے دفتر کے کسی اہلمد کی قلم ہے۔

ترجمان نے فارسی کے اصل کاغذات اس وقت سنائے۔

سوال۔ کیا تم مسمی محمد حسن عسکری واعظ ساکن دہلی سے واقف ہو؟

جواب۔ ہاں میں جانتا ہوں وہ دہلی دروازہ کے قریب رہتا تھا اور بادشاہ کے پاس اکثر آیا کرتا تھا

سوال۔ تمھیں اُسے دیکھے ہوئے کتنا عرصہ ہوا۔

جواب۔ انگریزی رسالہ کے دہلی پر مکرر قبضہ کرنے سے تین روز پیشتر میں نے اُسے دیکھا تھا۔

سوال۔ تمھیں معلوم ہے وہ کہاں گیا یا اُس کا کیا حشر ہوا۔

جواب۔ نہیں میں نہیں جانتا

سوال۔ وہ بادشاہ کے پاس اکثر کس وقت آتا تھا اور کب پہلے پہل وہ بادشاہ کے روبرو پیش ہوا تھا۔ (جواب) عرصہ قریباً چار سال کا ہوا کہ وہ پہلے پہل بادشاہ کے روبرو پیش کیا گیا تھا۔ بادشاہ کی ایک لڑکی اسکی مرید ہوگئی۔ اور اسکی پرہیزگاری کی اس قدر تعریف کی کہ بادشاہ نے اسے اپنی بیماری کے زمانے میں اپنی صحت کے لیئے دعا کرانے اور آرام کرنے کے لیئے نوکر رکھا تھا۔ گزشتہ دو یا تین سال کے اندر اسکی آمدورفت بہت بڑھ گئی۔ یہ لڑکی دہلی دروازے پر حسن عسکری کے مکان کے قریب ہی رہا کرتی تھی اور یہ مشہور تھا کہ وہ اسکی بیوی ہے۔

سوال۔ کیا اس شخص حسن عسکری نے یہ بھی دھوکا دیا تھا کہ اسے مکاشفہ ہوتا ہے آیندہ ہونے والے واقعات پہلے سے بتا سکتا ہے؟

جواب۔ وہ خوابوں کی تعبیر دیا کرتا تھا اور آیندہ کے واقعات پہلے سے بتایا بھی کرتا تھا۔ اور مکاشفہ کا اقرار بھی کیا تھا۔

سوال۔ کیا تمھیں معلوم ہے کہ اس نے کبھی اس لڑائی کے متعلق بھی پیشین گوئی کی تھی جو اس وقت انگلستان اور شاہ فارس کے درمیان ہو رہی تھی۔

جواب۔ جس زمانہ میں انگریزوں اور شاہ فارس میں لڑائی ہو رہی تھی اس نے کچھ نہیں کہا البتہ عرصہ دو سال کا ہوا اس نے قیدی (بادشاہ) سے چار سو روپیہ لیکر ایک شخص کو دیئے اور یہ ظاہر کیا کہ وہ مکہ معظمہ جاتا ہے مگر بعد میں یہ بات کھل گئی کہ وہ شخص حج کے لیئے نہیں گیا بلکہ شاہ ایران کے پاس گیا۔ اس شخص کا نام شیدی قمبر تھا جو ابیسینا کا رہنے والا تھا اور غالباً وہیں سے آیا تھا۔

سوال۔ کیا تمھیں معلوم ہے کہ اس شخص کا مکہ جانا کیوں ظاہر کیا گیا اور شاہِ فارس کے پاس

جانا کیوں نہ ظاہر کیا گیا۔

جواب۔ میں نے اسکی بابت استفسار نہیں کیا مجھسے عدالت کے جاسوس مسمی جٹو یا جتمل نے یہ کہا کہ حسن عسکری نے اُس شخص کو بجائے مکہ کے ایران بھیجا تھا اور عدالتی ملازمین سے دریافت کرنے پر اس خبر کی تصدیق ہوگئی۔

سوال۔ تم نے کبھی سُنا کہ اس سفارت کے بھیجنے کا کیا مطلب تھا۔

جواب۔ نہیں۔ مگر قلیجاں اور بسنت بادشاہ کے دو جانثاروں سے یہ معلوم ہوا تھا کہ حسن عسکری نے شیدی قنبر کو کچھ کاغذات رات کیوقت دیکر جن پر شاہی مہر ثبت کرائی گئی تھی ایران روانہ کیا۔

سوال۔ کیا قلعہ میں انگریزوں اور ایرانیوں کی لڑائی کے تذکرے اکثر ہوا کرتے تھے۔ اور بادشاہ اس گفتگو پر دلچسپی ظاہر کیا کرتے تھے۔؟

جواب۔ نہیں۔ اس مضمون پر دلچسپی اور گفتگو خاص کر نہونی تھی۔ ہندوستانی اخبار جو قلعہ میں آتا تھا اُس سے لڑائی کی ترقی کا حال معلوم ہوتا تھا اور بادشاہ کبھی کسیطرح اُن میں قابل لحاظ دلچسپی ظاہر نہیں کرتے تھے۔

سوال۔ کیا دہلی کے مسلمانوں میں اس لڑائی سے زیادہ دلچسپی تھی اور کیا یہ لڑائی اُن کے نزدیک مذہبی لڑائی سمجھی جاتی تھی۔

جواب۔ نہیں۔ دہلی کے مسلمان اہل سنت والجماعت ہیں اور ایرانی امامیہ مذہب کے ہیں لہذا اول الذکر نے اس لڑائی سے زیادہ دلچسپی ظاہر نہیں کی۔

سوال۔ کیا تمھیں معلوم ہے کہ گزشتہ ماہ مارچ میں یعنے قریبا دس ماہ پیشتر بادشاہ نے حسن عسکری کو کسی خاص غرض کے لیئے بیس اشرفیاں دی تھیں۔

جواب۔ بادشاہ اُسے روپیہ دیتے رہتے تھے مگر مجھے نہیں معلوم کس لیئے یا کسی خاص موقع پر

دبتے تھے۔ (سوال) تم نے یہ بھی سُنا کہ بادشاہ نے ایک مکہ جانے والے قافلہ کے ساتھ کچھ آدمی قسطنطنیہ بھیجے تھے۔ (جواب) نہیں مجھے نہیں معلوم کہ بادشاہ نے کسی موقع پر کچھ آدمی قسطنطنیہ بھیجے ہوں۔ (سوال) کیا تم محمد درویش نامی شخص کو دہلی میں جانتے ہو؟

جواب۔ نہیں میں نہیں جانتا۔

سوال۔ کیا کوئی تحریر جس پر شاہ ایران کی مہر لگی ہوئی تھی جامع مسجد یا شہر کے کسی اور مقام پر فساد ہونے سے پیشتر چسپاں ہوئی تھی۔

جواب۔ ہاں بلوہ سے چند ماہ پیشتر میں یہ سنتا تھا کہ شاہ ایران کی طرف سے کوئی اشتہار جامع مسجد میں چسپاں ہوا تھا۔ (سوال) کیا تم نے یہ بھی سُنا تھا کہ یہ کاغذ کیوں آیا تھا۔

جواب۔ نہیں۔ مگر یہ سُنا تھا کہ اُسکے مضمون سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اہل شیعہ نے اُسے لکھا ہے (سوال) کیا وہ صحیح خیال کیا گیا تھا۔؟

جواب۔ لوگوں کو اُسکی صحت کے متعلق یقین نہ تھا وہ بالعموم اُسکی بابت مشتبہ تھے۔

(سوال) اسکی عبارت کیا تھی؟ (جواب) میں نے یہ سُنا تھا کہ اُس میں مسلمانوں کے کل فرقوں کو نصیحت تھی کہ باہمی نفاق کو دور کر دیں اور موجودہ وقت میں سب مسلمان متفق ہو جائیں کہ اُسکی ضرورت ہے کہ ایک جھنڈے کے نیچے لڑنے کے لیئے آمادہ ہو جائیں۔

(سوال) کیا اس تحریر سے شہر میں زیادہ چرچہ یا شورش نہیں پیدا ہوئی۔

جواب) نہیں بہت زیادہ نہیں۔ (سوال) کیا اس تحریر کا قلعہ میں یا بادشاہ نے تذکرہ کیا؟

جواب قیدی نے کبھی میرے سامنے تذکرہ نہیں کیا۔ مگر میں نے یہ سنا تھا کہ قلعہ میں چند اور آدمیوں سے اِس کا تذکرہ کیا گیا تھا۔

سوال۔ جب کمپنی نے اودہ کو اپنے علاقہ میں شامل کیا تو کیا اُسوقت دہلی کے مسلمانوں

سے بیچینی ظاہر ہوئی تھی۔؟ (جواب) نہیں۔ کسی قسم کی بے اطمینانی ظاہر نہیں ہوئی۔ برخلاف اس کے مسلمانان دہلی اس سے بہت خوش ہوتے تھے کیونکہ باشندگانِ لکھنؤ نے جو شیعہ ہیں مولوی احمد علی کو جو سید اور سنی تھا قتل کیا تھا۔

(سوال) کیا کوئی اشتہار یا نصائح غدر سے کچھ ہی پیشتر جس سے مسلمانوں کی بے اطمینانی ظاہر ہوتی جامع مسجد پر چسپاں ہوئے تھے۔

(جواب) مجھے اِسکی بابت کچھ یاد نہیں۔

(سوال) کیا دہلی کے اُردو اخبارات نے غدر سے پیشتر کسی وقت انگریزوں کے خلاف مذہبی لڑائی کرنے کے لیئے زور دیا تھا۔

(جواب) نہیں اُنھوں نے کبھی زور نہیں دیا۔ اگر ایسا ہوتا تو سرکاری افسر اُسکا نوٹس لیتے

(ساتویں دن کی کارروائی)

حکیم احسن اللہ خاں پھر طلب ہوئے اور باقرار سابق اظہار ہوا۔ اظہار بذریعہ جج ایڈوکیٹ

(سوال) تم نے سنا کہ محمد درویش کی درخواست پڑھی گئی تھی۔ تمھیں کھانے و مالیدے و تیل و پیسے اور کپڑوں کے خوانوں کا حال بھی کچھ معلوم ہے جنکی نسبت یہ کہا جاتا ہے بادشاہ نے حسن عسکری کے پاس کسی رسم کے انجام دینے کے لیئے بھیجے تھے۔

(جواب) ہاں یہ چیزیں معمولاً بھیجی جایا کرتی تھیں مگر مجھے یہ نہیں معلوم کہ کسی خاص غرض کے لیئے جس کا تذکرہ درخواست میں ہو بھیجی گئی تھیں۔

سوال۔ تم بیان کر چکے ہو کہ جٹمل عدالتی مخبر تھا کیا بادشاہ ان خبروں کے معاوضہ میں اُسے کچھ دیا کرتے تھے۔ (جواب) نہیں وہ شاہی ملازم نہ تھا وہ گورنمنٹ انگریزی کی جانب سے اخبار نویس تھا۔

(سوال) پھر تمھیں پوشیدہ خبریں اُس سے کس طرح معلوم ہوئیں اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ باوجود سرکاری اخبار نویس سمجھے جانے کے اُس سے راز کی باتیں کہی گئیں۔

(جواب) ہر قسم کی خبریں جمع کرنے کے لیئے جٹمل قلعہ میں جایا کرتا تھا اس معاملہ کی خبر پاکر اُس نے مجھسے اُس کے متعلق واقفیت حاصل کرنی چاہی اُس وقت مجھے اس بات کا کچھ بھی علم نہ تھا اور اس کے بعد اسکی صداقت کا حال معلوم ہوا۔

جٹمل لفٹنٹ گورنر آگرہ کا اخبار نویس حاضر عدالت ہوا اور باقرار صالح بیان کیا۔

(جج ایڈوکیٹ کی جرح)

سوال۔ تم حسن عسکری نامی شخص سے واقف ہو؟

جواب۔ ہاں میں واقف ہوں۔

سوال۔ کیا وہ قیدی کے پاس اکثر آیا جایا کرتا تھا؟ (جواب) ہاں

سوال۔ اُن کے تعلقات کا حال جو کچھ تمھیں معلوم ہو بیان کرو؟

جواب۔ وہ حسب معمول قلعہ میں آیا کرتا تھا اور کچھ پڑھکر بادشاہ پر دم کرتا تھا اُس نے بارہا اپنی زبان سے کہا کہ مجھے خدا نے معجزہ و رسالت و قوت تعبیر خواب عطا کی ہے (اس وقت قیدی نے بیساختہ اپنے عقیدہ کا اظہار کیا کہ حسن عسکری ان تمام قوتوں پر حاوی تھا جو اُس سے منسوب کیجاتی ہیں) حسن عسکری کہا کرتا تھا کہ بارہا خدا نے مجھسے بآواز بلند باتیں کی ہیں وہ قیدی کے پاس روزمرہ مختلف اوقات پر جب کبھی اُسے بُلایا آیا کرتا تھا۔ اور اکثر بے بلائے بھی آتا تھا اور جب کبھی اُسکو بادشاہ سے تخلیہ میں ملنا ہوتا تھا تو خاص کر شام کو آیا کرتا تھا۔

سوال۔ کیا تم نے کبھی خاص خواب کا حال بھی سُنا جسکی تعبیر حسن عسکری نے بادشاہ کو

دی ہو (جواب) ہاں۔ جسوقت ایرانی فوجیں ہرات میں آئیں اُس وقت ایک خواب کا حال سنا تھا۔ اُس وقت حسن عسکری نے اپنا ہی ایک خواب بادشاہ کے سامنے اسطرح بیان کیا تھا کہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ مغرب کی طرف سے سخت آندھی اُٹھی اور اُس کے بعد اسقدر بارش ہوئی کہ تمام ملک برباد ہو گیا۔ یہ طوفان جب فرو ہو گیا تو بادشاہ کو اس سے کسی قسم کی اذیت نہیں پونہچی بلکہ اس طوفان سے سنبھل گیا اور اپنے پلنگ پر بیٹھا رہا۔ اس خواب کی تعبیر حسن عسکری نے یہ دی کہ شاہ ایران ایشیا میں انگریزی فوجوں کو برباد کر کے بادشاہ کو اُس کے تخت پر بٹھا دیگا اور اسکی سلطنت پھر اُسکے قبضہ میں آجائے گی اور کافر یعنے انگریز قتل ہو جائیں گے۔

سوال۔ کیا تمھیں معلوم ہے کہ اس شخص حسن عسکری کی معرفت شاہ ایران سے قیدی کی خط و کتابت ہوئی تھی۔

جواب۔ ہاں مجھے معلوم ہے خط جایا کرتے تھے۔ عرصہ ڈیڑھ یا دو سال کا ہوا۔ ایک قافلہ مکہ جا رہا تھا شیدی قمبر قلعہ کے حبشیوں کے سردار نے قافلہ کے ساتھ حج میں جانے کی درخواست کی اُسکی درخواست منظور ہوئی اور اُس وقت کے رواج کے مطابق اسے ایک سال کی تنخواہ پیشگی دیگئی۔ یہ مشہور ہے کہ قیدی نے اُسے ایک عرضی خدا کے نام کی دی۔ کہ خانہ کعبہ کی دیوار پر اُسکی طرف سے باندھ دینا۔ آٹھ یا نو روز کے بعد میں نے یہ سنا کہ شیدی قمبر کا مکہ جانا محض حیلہ تھا وہ شاہ دہلی کا خط شاہ ایران کے نام لیکر فارس گیا ہے۔ خواجہ بخش شاہی ہرکارہ اور قیدی کے ایک مصاحب سے مجھے یہ خبر معلوم ہوئی جس کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں ہے۔ اسکی اطلاع میں نے فوراً کپتان ڈگلس کو کر دی تھی اور انھوں نے مجھے تفتیش کے لئے حکم دیا اور کہا کہ یہ بہت بڑی بات ہے اسکے روکنے کی کوشش

کرنی چاہیئے۔ حکیم احسن اللہ خان پر قیدی کا ہر راز ظاہر تھا میں نے اُن سے اس کا استفسار کیا۔ احسن اللہ خان نے کانوں پر ہاتھ دھرے کہ مجھے اصلاً اسکی خبر نہیں اگر ہوا بھی ہو تو بھی مجھے اسکی خبر نہیں۔ اِسکی اطلاع بھی میں نے کپتان ڈگلس کو کردی مگر تحقیقات کرتا رہا قریباً بیس دن کے بعد معلوم ہوا یہ یاد نہیں کس نے کہا کہ قیدی کے توپخانہ کے کمانڈنٹ حیدر حسین اور حسن عسکری نے یہ خطوط لکھے تھے اور کسی طرح اُن پر مہر لگا کر شیدی قمبر کی معرفت شاہ ایران کے پاس بھیجے ہیں۔ یہ خبر بھی میں نے کپتان صاحب کو دیدی اور اُن سے کہا کہ میرے اس بھید سے واقف ہو جانے کی خبر قیدی کے گارد والوں نے اُسے کردی ہے اِس لیئے مزید پتہ چلانا میرے امکان سے باہر ہے۔ میں نے کپتان ڈگلس کو یہ رائے دی تھی کہ شیدی قمبر لاہور سے آگے نہ گیا ہوگا اُسے روک لیا جائے مگر اُنھوں نے جواب دیا نہ معلوم وہ کونسی راہ گیا اور اس وقت کوئی کارروائی کرنا نامناسب ہے۔

(سوال) کیا انگریزوں اور ایرانیوں کی لڑائی کا تذکرہ بادشاہ اور قلعہ کے آدمی اکثر کیا کرتے تھے۔

(جواب) ہاں قلعہ اور شہر میں اکثر اسکا چرچا رہتا تھا۔

(سوال) کیا اس لڑائی کا تذکرہ مذہبی پیرایہ میں ہوتا تھا اور مسلمانان شہر کو یہ امید تھی کہ اس لڑائی کی بدولت وہ پھر با اختیار ہو جائیں گے۔

(جواب) ہاں ہر شخص کا یہ ہی گمان تھا مگر واقف کار تو یہ کہا کرتے تھے کہ شاہ ایران ہرگز انگریزوں سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔

(سوال) کیا قیدی اور اُس کے رازداروں نے کمپنی کی فوج کے دیسی افسروں اور سپاہیوں سے خط و کتابت کرنے میں کوشش کی تھی یا خط و کتابت کی تھی۔

(جواب) نہیں۔ اس قسم کی خبر میں نے نہیں سُنی۔ سوائے اس کے کہ عرصہ ساڑھے تین سال کا ہوا ایک مرتبہ دس یا بارہ اور دوسری مرتبہ چار یا پانچ مسلمان قیدی کے پاس آئے اور اُنکی اطاعت قبول کرنی چاہی اور بادشاہ نے اُسے قبول کیا۔ اس کی خبر سر تھیوفیلس مٹکاف صاحب کو لگ گئی اُنھوں نے فوراً اس دستور کے رُکنے کا بندوبست کردیا

(سوال) کمپنی کے اودہ لے لینے پر بادشاہ اور قلعہ والوں نے بہت چرچا کیا تھا۔ اگر کیا تھا توکس خیال سے۔

(جواب) نہیں۔ میں نے دو ایک مرتبہ اس کا تذکرہ سُنا تھا ایک مرتبہ تو جب رسالے کانپور جارہے تھے اُس وقت قیدی نے مسٹر فریزر اور کپتان ڈگلس سے پوچھا تھا کہ کیا اودہ لینے کا ارادہ ہے ان دونوں نے یہ جواب دیدیا تھا کہ ہمیں کچھ خبر نہیں مگر قریباً ایکماہ بعد اودہ کی ضبطی کی خبر مشہور ہوگئی۔

(سوال) کیا حسن عسکری نے بادشاہ کی طول عمر یا انگریزوں کے مقابلہ میں اُسکی آئندہ کامیابی کی کبھی پیشین گوئی کی تھی۔

(جواب) ہاں اُس نے بادشاہ سے کہا تھا کہ میں نے اپنی عمر کے بیس سال اُنھیں دیئے مگر علاوہ تعبیر خواب کے میں نے انگریزوں کے مقابلہ میں آئندہ کامیابی کی بابت کچھ اور پیشین گوئی نہیں سُنی۔

(سوال) کیا تم نے قلعہ میں پلاسی کی لڑائی کی بابت تذکرہ ہوتے سُنا یا کوئی اس قسم کی پیشین گوئی ہوئی کہ شروع حکومت سے ایک صدی گزرنے کے بعد حکومتِ انگریزی کا خاتمہ ہوجائیگا۔ (جواب) نہیں میں نے ہرگز نہیں سُنا۔

(سوال) کیا ایسٹ انڈیا کمپنی کی جمعیتوں کے بغاوت کرنے کے پیشتر اُنکی بے اطمینانی کی

خبر پھیلیں تھی۔ (جواب) قلعہ میں آمد و رفت کے وقت کم و بیش جو کچھ میں نے دیکھا اُس سے اُنکی بد دلی صاف ظاہر ہوتی تھی۔ بلوہ سے بیس یا پچیس روز پیشتر سپاہی آپس میں انبالہ کے مکانات کی آتش زدگی کی بابت باتیں کیا کرتے تھے اور اس واقعہ کو چربی دار کارتوسوں کی وجہ بتاتے تھے اور باہم اقرار ہوتا تھا کہ ہم ہرگز انھیں استعمال نکرینگے۔

(سوال) کیا سپاہیوں کی بد دلی کا تذکرہ قلعہ میں بھی ہوتا تھا۔

(جواب) مکانوں کے جلنے اور چربی دار کارتوسوں کی وجہ سے سپاہیوں میں بد دلی پھیلنے کا تذکرہ بالعموم قلعہ میں ہوتا تھا۔ مگر میں نے کبھی یہ نہیں سُنا کہ بادشاہ سے بھی اس کا تذکرہ ہوا ہو۔ بلوہ کے چند ہی روز پیشتر قلعہ کے دروازہ کے سپاہیوں نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ اگر چربی دار کارتوسوں کے استعمال پر ہمیں مجبور کیا گیا تو میرٹھ کے رسالے دہلی آکر یہاں کے رسالوں سے ملجائیں گے اور یہ عہد و پیمان چند دیسی افسروں کے ذریعہ سے ہوا تھا۔ جو کورٹ مارشل میں میرٹھ گئے تھے۔

(سوال) کیا تم نے اس کا تذکرہ کسی سے کیا تھا۔

(جواب) نہیں۔ چونکہ فوجی معاملہ تھا میں نے اس کا تذکرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں تو صرف بادشاہ کے متعلق واقعات ظاہر کیا کرتا تھا۔

(سوال) جب باغی رسالے میرٹھ سے آئے تو کیا تم یہیں تھے۔

(جواب) میں اپنے مکان پر یہیں دہلی میں تھا کہ میں نے سُنا میرٹھ کے رسالہ کے کچھ سواروں نے سلیم پور پل کے کلکٹر چنگی کو قتل کر ڈالا اور چنگی گھر کو آگ لگا دی مگر میں نے اس رپورٹ پر کچھ اعتبار نہیں کیا اور اپنا اخبار لکھتا رہا اس کو ختم کر کے میں قلعہ پہنچا وہاں یہ معلوم ہوا کہ کپتان ڈگلس و مسٹر فریزر و مسٹر ہچنسن مجسٹریٹ اور مسٹر نکسن سر دفتر کمشنری باغیوں کے

ٹوکنے کے لیئے کلکتہ دروازے کی طرف گئے ہیں۔ میں یہ خبر سنکر اُن کے پیچھے پیچھے گیا اور جاکر دیکھا کہ اُنھوں نے کلکتہ دروازہ کو جو پل سے بہت قریب ہے بند کر دیا ہے۔ وہ لوگ اُسی جگہ مصروف تھے کہ کسی نے آکر یہ اطلاع دی کہ باغی زینت المساجد کی طرف سے شہر میں گھس آئے اور اس وقت دریا گنج میں ہیں اور اُنھوں نے ڈاک بنگلہ کو آگ لگادی ہے اور واقعی اُسی وقت اُس طرف دھواں بھی نمودار ہوا۔ اس وقت صبح کے آٹھ بجے ہونگے کہ میں نے کمپنی کے رسالہ کے تین سواروں کو دریا گنج کی جانب سے ایک انگریز کے پیچھے دوڑتے دیکھا اور اُن میں سے ایک نے اُسکے قریب پہنچکر اپنا پستول فیر کیا مگر نشانہ نے خطا کی یہ صاحب اپنا گھوڑا میگزین کی طرف دوڑا کر بچ گئے۔ اسی وقت فریزر صاحب نے دروازہ کے پولس گارد میں سے ایک کی بندوق لیکر ایک سوار کے گولی ماری۔ بقیہ سواروں نے مقتول کے گھوڑے کے بھی گولی ماری اور فریزر صاحب اپنی بگھی میں بیٹھکر کپتان ڈگلس اور ہچنس کے ہمراہ جو پیدل تھے قلعہ کی طرف چلے گئے اس وقت ہچنس صاحب کی داہنی کہنی ایک سوار کے تمنچہ کے فیر سے زخمی ہوگئی اور فریزر صاحب قلعہ پہنچنے نہ پائے تھے کہ کچھ اور سوار آ پہنچے اور ان میں سے ایک نے اُنکی پشت پر قریب پونہچکر فیر کیا مگر فریزر صاحب بال بال بچ گئے۔ فریزر صاحب کی بگھی کے پیچھے اس وقت بختاور کپتان ڈگلس کی اردلی کا چپراسی بیٹھا تھا۔

جب سواروں نے کپتان ڈگلس کو گھیر لیا تو وہ قلعہ کی خندق میں کودے مگر اتفاق سے اُن کا پاؤں ایک پتھر پر پڑا جسکی وجہ سے اُنکے سخت چوٹ آئی۔ اس کے بعد جب سوار انگریزوں کے تعاقب میں چاروں طرف تتر بتر ہوگئے تو بختاور اور دیسی سرکاری ملازم کپتان ڈگلس کو بیہوشی کیحالت میں خندق سے اُٹھاکر قلعہ کے دروازہ پر اُنکی قیام گاہ میں لائے

جب اُنھیں کچھ ہوش آیا تو فوراً حکم دیا کہ مسٹر ہچنس کے بھی چوٹ آئی ہے اُن کو بھی اُٹھا لاؤ اور اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ فریزر صاحب لاہوری دروازے کے پٹے ہوئے راستہ میں چند انگریزوں کے ساتھ جو اُسی صبح کو کلکتے سے آئے تھے ٹہل رہے تھے اُنھوں نے پران ہرکارہ کو حکم دیا کہ فوراً بادشاہ سے دو توپیں مانگ لا۔ پرآن یہ پیغام لیکر گیا ہی تھا اور مسٹر فریزر بمشکل راستہ کے وسط میں روشن دالان تک پونہچے ہوں گے کہ ہر عمر کے مرد و لڑکے اکٹھے ہوگئے اور "تُو تُو ہے بے تُو تُو ہے" کہکر تالی پیٹ دی۔ مسٹر فریزر نے ان مخالفانہ خیالات کا اندازہ کرکے کپتان ڈگلس کے قیام گاہ کو واپس جانا چاہا اور جب وہ زینے کے پاس پہنچے تو حاجی جوہری نے اپنی تلوار سونتھ کر اُن پر حملہ کرنا چاہا۔ مسٹر فریزر صاحب اُسکی طرف مڑ گئے اور اپنی تلوار مع میان کے اُسکی طرف ہول کی اور دروازہ کے گارڈ کے حوالدار سے کہا "یہ کیا برتاؤ ہے" اس حوالدار نے دکھاوے کے طور پر اُس ہجوم کو ہٹانا چاہا۔ مگر مسٹر فریزر کے پیٹھ موڑتے ہی جوہری کو آنکھ ماری کہ حملہ کر۔ جوہری جرأت پاکر مسٹر فریزر پر دوڑا اور اُن کی گردن کے دائیں طرف ایسا گہرا اور کاری زخم لگایا کہ وہ فوراً گر پڑے اور پھر پتن اور آدمی خالق داد ایک کابلی پٹھان و مغل بیگ یا مغلیان اور شیخ دین محمد جو منصل کے شاگرد پیشہ میں چھپے ہوئے تھے تلواریں لیکر آ پڑے اور فریزر صاحب کے سر چہرہ اور سینہ پر یہانتک وار کئے کہ اُن کا دم نکل گیا۔ شیخ دین محمد بادشاہ کی طرف سے اردلی تھا اور خالق داد اور مغل بیگ محبوب علیخاں وزیر اعظم کے مصاحب تھے۔ یہ تینوں آدمی فریزر صاحب کا کام تمام کرکے مع ہجوم کے کپتان ڈگلس کی قیام گاہ پر چڑھ گئے وہ پہلی ہی چھت پر پہنچے ہونگے کہ مکھن اردلی نے کپتان ڈگلس کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور اُنھوں نے زینہ

بند کرا دیا۔ اس مکان کے شمالی جانب جب یہ ہونے لگا تو بہت سے آدمی مقابل کے زینہ سے جو جنوبی جانب تھا اوپر چڑھ گئے اور اُس دروازے کو جو مکھن نے بند کیا تھا کھولدیا اور اُس مسلحہ گروہ کو اندر آنے دیا۔ ان آدمیوں نے کپتان ڈگلس اور اور مسٹر ہچنس کلکٹر پادری جننگ اور مس جننگ اور مس کلیفرڈ غرض یہ کہ جتنے آدمی وہاں تھے سبکو قتل کر ڈالا۔ سافر صاحب جو اُسی صبح کو کلکتہ سے آئے تھے وہ کسیطرح قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے اور چھپتے ہوئے مرزا کوچک کے مکان تک جو دہلی دروازہ کے متصل تھا پہونچ گئے مگر وہاں کسی نے اُنکے گولی ماری کہ اُن کا بازو زخمی ہوگیا اِسکے وہ وہاں سے واپس پھرے اور کپتان ڈگلس کی قیام گاہ کے جنوبی زینہ کے پاس قتل ہوئے۔ یہ کل خونریزی پندرہ منٹ میں ہوئی۔ یہ اوپر کی تفصیل مجھے مکھن اور بختاور و پران و کشن کپتان ڈگلس کے اردلیوں سے ملی۔ مسٹر فریزر کے قتل کا واقعہ میرا چشم دید تھا۔

(آٹھویں دن کی کارروائی۔ اظہار جٹمل)

(سوال) کیا کپتان ڈگلس کے قیام گاہ میں جو انگریز تھے اُنکو قتل کرنے کے بعد رعایا یا سپاہیوں نے کیا کیا؟

(جواب) انگریزوں کے قتل ہوتے ہی میں شہر میں اپنے مکان پر چلا گیا اور پھر کئی دن تک قلعہ میں نہیں آیا۔ (سوال) بادشاہ نے عنانِ حکومت کب اختیار کی اور کیا اُس موقع پر شاہی سلامی ہوئی تھی۔؟

(جواب) میرٹھ والے رسالوں کے دہلی میں پہنچنے کے دوسرے یا تیسرے دن اُنسے سرکاری ذخیروں یعنی شہر کے باہر کے میگزین پر قبضہ کرلیا جس میں بارود و ہتھیار وغیرہ

اور ایک ہفتہ بعد سرکاری فرمان مختلف محکموں کے نام نے لگے اور درخواستیں لی جانے لگیں۔ اور مئی کی رات کو ۲۱ توپوں کی سلامی بھی ہوئی مگر میں ٹھیک نہیں کہہ سکتا کہ اُس سے غرض کیا تھی۔ اس کے متعلق بعض تو یہ کہتے ہیں کہ یہ سلامی مختلف رجمنٹوں کے میرٹھ سے آنے پر ہوئی تھی۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ قیدی جب سلیم گڑھ گیا تو وہاں اُس کی سلامی اُتاری گئی۔

(سوال) مرزا مغل کب کمانڈر انچیف مقرر ہوا؟

(جواب) اصل میں تو بلوہ کے سات یا آٹھ روز بعد ہی وہ کمانڈر انچیف ہو گیا تھا حتیٰ کہ دیسی افسر اُس کے ساتھ مشورہ کرنے اور اہم معاملات میں رائے اور احکامات حاصل کرنے کے لیے جانے بھی لگے تھے مگر عام شہرت ایک ماہ بعد ہوئی اور اُسی وقت وردی بھی ملی جب ہی بادشاہ کے اور لڑکے اور پوتے جنرل اور کرنیل مقرر ہوئے اور ہر ایک کو اُس کے عہدے کی وردی عطا ہوئی۔

(سوال) ایام بلوہ میں حسن عسکری کیا مخصوص کام کرتا تھا۔ کیا وہ بادشاہ کا خاص مشیر تھا۔

(جواب) اُس کا بادشاہ کے ساتھ مثل سابق واسطہ رہا اور نہ بلوہ میں اس نے کوئی ایسا دخل دیا جو قابل لحاظ ہو۔ قیدی کی ایک لڑکی کو حسن عسکری سے حسن عقیدت تھی مگر لوگوں نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ ان دونوں میں ناجائز تعلق ہے۔

(سوال) تمھیں معلوم ہے کہ قلعہ میں سے کچھ زینے میگزین پر چڑھنے کے لیے گئے تھے

(جواب) میں نے یہ سنا تھا کہ میگزین پر سیڑھیاں لگا کر چڑھے تھے مگر مجھے یہ خبر نہیں کہ وہ کہاں سے آئے تھے۔

(سوال)۔ جو چپاتیاں غدر سے چند مہینے پیشتر دیہات میں گردش دی گئی تھیں اُن کے

متعلق بھی تم نے کچھ سُنا اور اُس سے کیا مراد تھی۔

(جواب) ہاں یہ واقعہ سنا تو تھا۔ بعض تو اسکی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس گردش سے مراد آنیوالی آفت کا روکنا تھا۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ سرکار نے یہ چپاتیاں اس غرض سے تقسیم کرائی تھیں کہ مثل عیسائیوں کے لوگ اُسکے کھانے پر مجبور کیئے جائیں اور یہ کہ اُن کا مذہب جاتا رہے اور بعضوں کی یہ رائے تھی کہ یہ چپاتیاں اس واسطے چلائی گئی ہیں کہ سرکار نے یہ بات ٹھان لی ہے کہ لوگوں کے کھانے پینے میں دخل دیکر ہمیں عیسائی بنائے اور دعوت اس طریقہ پر دیگئی کہ ہم میں سے کوئی ہاتھ پیر نہ مار سکے

(سوال) کیا اس قسم کے مضامین شائع کرنا ہندوں یا مسلمانوں کی عادت ہے اور کیا وہ اسکو بلا کسی تصریح کے سمجھ جاتے ہیں۔

(جواب) ہرگز ایسی عادت نہیں ہے۔ میری عمر پچاس سال کی ہوئی میں نے تو کبھی ایسی بات نہیں سُنی۔ (سوال) کیا تم نے یہ بھی سُنا کہ چپاتیوں کے ساتھ کوئی پیغام بھی بھیجا گیا تھا (جواب) نہیں میں نے ذرا بھی نہیں سُنا۔

(سوال) کیا یہ چپاتیاں مسلمانوں کیطرف سے تقسیم ہوئیں تھیں یا ہندوؤں کی طرف سے

(جواب) بلا لحاظ مذہب و ملت دیہات والوں میں تقسیم ہوئی تھیں۔

(سوال) ۱۱ مئی کے بعد پہلی مرتبہ تم قلعہ میں کب گئے۔؟

(جواب) شہر میں یہ غل ہوا تھا کہ قلعہ میں انگریز قتل ہونگے تاریخ تو ٹھیک یاد نہیں مگر اتنا خیال ہے کہ بلوہ کے ساتھ یا آٹھ روز بعد بھیڑ کے ہمراہ میں قلعہ کے اندر گیا تھا۔ اُس وقت قریباً آٹھ بجے ہونگے۔ جب میں قلعہ کے اول صحن میں پہنچا تو میں نے مربع حوض اور نالی کے برابر (جو حوض میں گرتی ہے) انگریزوں کو پشت پر ہاتھ بندھے

قطاروار دیکھا۔ ان میں مرد اور عورتیں اور بچے تھے۔ میرے وہاں پہنچنے کے کچھ ہی دیر بعد میرٹھ والے رسالے کے ایک باغی نے اُنپر پستول سے فیر کیا۔ نشانہ نے غلطی کی اور بجائے انگریزوں کے بادشاہ کے ایک سپاہی کے جالگا۔ یہ شخص انگریزوں کے پیچھے کچھ فاصلہ پر کھڑا تھا اُس کے اس طرح مرنے پر سب نے یہ ٹھان لی کہ انگریزوں کو تلوار سے قتل کرنا چاہیئے چنانچہ بادشاہی ملازم اور باغی اُن پر تلواریں کھینچکر جا پڑے یہ نظارہ ایسا تھا کہ میں اُسکے دیکھنے کی تاب نہ لاسکا اور اپنے گھر چلا آیا بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ شاہی ملازم اور باغیوں نے سب کا کام تمام کردیا۔

(سوال) کیا اظہار خوشی میں اُسوقت کوئی توپ بھی چھوڑی گئی تھی۔

(جواب) نہیں میں نے تو سنا نہیں۔

(سوال) کیا قیدی نے ان انگریزوں کے قتل پر اپنی رضامندی ظاہر کردی تھی؟

(جواب) پہلے دن جب سپاہیوں نے انگریزوں کے قتل کرنے کے لیئے کہا تو بادشاہ نے انکار کردیا تھا مگر سُنا ہے کہ دوسرے دن نسبت علیخان بادشاہ کا خاص ملازم جو اپنی وحشی طبیعت کی وجہ سے مشہور تھا سپاہیوں کے ہمراہ گیا اور اُنکو انگریزوں کے قتل پر اصرار کرنیکی تاکید کی۔ چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا اور بادشاہ نے انگریزوں کو اُنکے حوالہ کرنے کا حکم دیدیا۔ جسدن قتل عام ہوا اُسدن سنا جاتا ہے کہ نسبت علیخان نے دربار خاص والے میدان میں کھڑے ہوکر باواز بلند کہنا شروع کیا کہ بادشاہ نے انگریزوں کا قتل کیا جانا منظور کرلیا اور اپنے خاص ملازموں کو حکم دیدیا کہ اس کام میں باغیوں کی مدد کریں۔

(سوال) کیا تمھاری رائے میں اگر بادشاہ چاہتا تو خاصکر عورات و بچوں کی جانیں

نہ بچ سکتی تھیں؟ (جواب) مجھے شہر میں یہ خبر لگی کہ بادشاہ نے تو چاہا تھا کہ عورتیں اور بچے بچ جائیں مگر سپاہیوں کی سینہ زوری کے سامنے اُسکی کچھ پیش نہ چلی۔

(سوال) کیا بادشاہ کی حرم سرائے میں ان عورتوں اور بچوں کے لیئے کافی جگہ نہ تھی اور کیا وہاں وہ محفوظ نہ رہ سکتے تھے؟

(جواب) بیشک بہت جگہ تھی۔ اگر پانچ سو آدمی بھی وہاں چھپا دیئے جاتے تو محفوظ رہ سکتے تھے اُس میں کئی چور راستے اور تہ خانہ ہیں اگر باغی محلسرا کی تلاشی بھی لینا چاہتے تو اُن کا پتہ چلنا مشکل تھا۔ (سوال) جب انگریزوں نے دہلی کا محاصرہ کیا ہے تو کیا تم محاصرہ بھر دہلی میں رہے؟ (جواب) میں بلوہ کے بعد سوا تین مہینہ تک دہلی میں رہا مگر جب شاہی آدمی انگریزی ملازموں کو اس شبہ پر پکڑنے لگے کہ وہ انگریزوں کو خبریں بھیجتے ہیں تو وہاں سے چلا گیا اور جبتک دوبارہ انگریزوں نے دہلی پر قبضہ نہیں کر لیا واپس نہیں آیا

(سوال) کیا اُن انگریزوں کے علاوہ جو قلعہ میں قتل ہوئے کچھ اور انگریز بھی قتل ہوئے

(جواب) نہیں کوئی رہا ہی نہ تھا جو قتل ہوتا۔ مگر متذکرہ بالا قتل عام سے قبل میں نے یہ سنا تھا کہ اڑتیس یا چالیس انگریز کسی تہ خانہ میں چھپ گئے تھے۔ جب بھوک سے پریشان ہو کر باہر نکلے تو بلوہ کے تین یا چار روز بعد قتل ہوئے۔

(سوال) کیا تم نے سپاہیوں کو علاوہ چربی دار کارتوسوں کے اور شکایت کبھی کرتے سُنا؟

(جواب) نہیں میں نے کبھی نہیں سنی۔

(سوال) محاصرہ کے زمانہ میں سپاہی انگریزی حکومت کو کن الفاظ سے یاد کرتے تھے؟

(جواب) سپاہی انگریزی حکومت کی بالعموم بڑی شکایت یہ کرتے تھے کہ اُنھوں نے اُنکے مذہب پر حملہ کیا۔ اور اُنھوں نے اقرار کر لیا تھا کہ جب کبھی انگریزوں کو پائیں گے قتل کرینگے

مگر جو زخمی ہوئے وہ یہ کہتے تھے کہ اگر ہم انگریزوں کی طرف سے لڑتے تو ہم اس حالت میں یوں نہ پڑے ہوتے (سوال) کیا تمھارے نزدیک انگریزی حکومت کے موافق یا مخالف مسلمان اور ہندؤں کے خیالات میں فرق تھا؟ (جواب) ہاں بیشک مسلمان انگریزوں کی بربادی پر خوش تھے۔ اور ہندو سوداگر اور معزز تاجر افسوس کرتے تھے۔

(سوال) کیا اس بارہ میں ہندو اور مسلمان سپاہیوں کے خیالات میں بھی فرق تھا۔ یا دونوں انگریزی حکومت کے سخت مخالف تھے؟ (جواب) کیا مسلمان کیا ہندو سب فوج کا یکساں خیال تھا۔ (سوال) کیا تمھارے نزدیک قلعہ میں میرٹھ سے سپاہیوں کے آنیکا انتظار تھا؟ (جواب) ہاں اُسکا انتظار تھا۔ اتوار کے دن اس مضمون کی چھٹیاں آئی تھیں کہ ۸۲ سپاہیوں کو قید ہوئی ہے اور اس بنا پر سخت فساد ہوگا۔ باوجود اسکے قلعہ کے دروازے کے گارد نے اس خبر کو خفیہ نہ رکھا اور علانیہ اپنے ارادہ کا اظہار کرتے تھے اور کہتے تھے بعض رسالے میرٹھ میں غدر کرکے دہلی آوینگے۔

(سوال) کیا تمھیں کسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ یہ خبر اُس وقت قیدی تک پونہچی تھی۔

(جواب) نہیں میرے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے؟

(سوال) کیا تم اُسوقت یا اُسکے بعد کے حالات سے اندازہ کرسکتے ہو کہ قیدی کو میرٹھ سے رسالوں کے آنیکی خبر پہلے سے تھی؟ (جواب) پہلے یا بعد کے حالات سے میں ایسا نتیجہ نہیں نکال سکتا۔ (جرح بذریعۂ قیدی)

(سوال) تمھنے اپنی شہادت میں بیان کیا کہ پرسوں ایک انگریز جو مرزا کوچک کے مکان کی طرف بچنے کے لیئے جارہا تھا وہ گولی سے زخمی ہوا کیا تمھیں معلوم ہے کہ مرزا کوچک اسوقت اپنے مکان پر تھے؟ (جواب) نہیں۔ میں اس قسم کی تفصیل نہیں دیسکتا۔

(سوال) کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ اُن لوگوں نے مسٹر فریز کو میرے اشارہ سے قتل کیا تھا۔ یا فوج نے اُنھیں قتل پر اُکسایا تھا؟ (جواب) جہاں تک میں جانتا ہوں قتل سے پیشتر بادشاہ کو اُسکی خبر بھی نہ تھی۔ مفسد ہی قتل کے لیئے تلے ہوئے تھے فوج کی طرف سے اشارہ پاتے ہی اُنھوں نے قتل شروع کر دیا۔

(سوال) کیا تم نے یہ سُنا تھا کہ میں نے انگریزوں کی لاشیں اُٹھائے جانیکی خواہش کی تھی اور یہ کہ سپاہیوں نے مجھے مہلت نہیں دی۔؟

(جواب) نہیں اس بارہ میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔ (سوال) کیا تمھیں معلوم ہے کہ میں نے اپنے مسلح مصاحبوں کو انگریزوں کے قتل میں مدد کرنے کا حکم دیا تھا۔ یا بسنت علیخاں نے غلطی سے یہ خبر اُڑا دی۔ (جواب) میں نہیں کہہ سکتا۔

(اظہار عدالت)

(سوال) جب انگریز قتل کے پیشتر باندھے گئے تھے تو کیا اُسوقت تم نے بادشاہ کے معتمدوں یا افسروں میں سے کسیکو وہاں دیکھا تھا۔

(جواب) نہیں۔ میں نے کسیکو اُس میدان میں نہیں دیکھا۔ البتہ مرزا مغل بادشاہ کا بیٹا اپنے مکان کی چھت پر کھڑا اُس میدان کی طرف دیکھ رہا تھا اور اُس وقت بادشاہ کے اور لڑکے اور دو پوتے بھی اپنی اپنی چھتوں پر تھے اور غالبًا قتل کا تماشا دیکھنے کے لیئے کھڑے تھے۔ (سوال) تم نے اُن میں سے کسی کو عورتوں اور بچوں کو قتل سے بچانے کی کوشش کرتے دیکھا یا اُس کے برعکس دیکھا؟

(جواب) نہیں وہ تو تماشائی معلوم ہوتے تھے قتل طے پا چکا تھا اس لیئے اُنکی مزاحمت بیکار تھی۔

کپتان فورسٹ اسسٹنٹ کمشنری آرڈیننس کی عدالت میں طلبی ہوئی اور اسکو حلف دیا گیا

(اظہار جج ایڈوکیٹ)

(سوال) کیا تم ۱۱ مئی گزشتہ کو دہلی میں تھے؟ (جواب) میں دہلی میں تھا۔

(سوال) کیا تمنے میرٹھ کے باغی سپاہیوں کو اس موقع پر دہلی میں دیکھا؟

(جواب) ہاں دیکھا۔ میں نے پہلے پہل ایک سوار رسالہ کو (قریباً ایک رجمنٹ) جسکے پیچھے ہندوستانی پیدل کی گیارہویں اور بیسویں رجمنٹیں تھیں میرٹھ کی سڑک پر پل عبور کرتے دیکھا تھا۔ وہ فوجی ترتیب میں کمپنیوں کی سب ڈویژنیں بنائے نو بجے کے وقت آرہے تھے۔ اس سے پہلے میں نے انھیں نہیں دیکھا تھا مجھے خبر لگی تھی کہ سوار رسالہ کا تھوڑا حصہ بہت سویرے یعنی کوئی سات بجے پل پار کرکے دہلی میں آچکا تھا جسوقت میں نے رسالوں کو پل پار کرتے دیکھا تو اس وقت میں میگزین میں تھا۔ میرے وہاں جانیکی وجہ یہ تھی کہ تھیوفلس مٹکاف نے مجھسے تذکرہ کیا تھا کہ باغی میرٹھ سے آنے والے ہیں میگزین سے جاکر دو توپیں لے آؤ تاکہ انکو موقع سے لگاکر پل کو اڑا دیں اور باغی دریا پار نہ ہوسکیں۔ مگر اتفاق کی بات ہے کہ اس وقت وہاں نہ تو بیل ہی موجود تھے۔ جو توپیں آتیں اور نہ توپچی تھے اس وقت میری اور لفٹنٹ وبی کی یہی رائے ہوئی کہ میگزین کو بند کردیں اور جبتک ہوسکے اسکی محافظت میں غنیم کی مدافعت کرتے رہیں چونکہ ہمیں یقین تھا کہ شام تک انگریزی فوج میرٹھ سے آجائیگی اور ہمیں کچھ نجات ملجائیگی۔ نو اور دس بجے کے درمیان اڑتیسویں دیسی پیدل فوج کے صوبہ دار نے جو میگزین کے بیرونی گارد کا افسر تھا مجھسے ایک سوراخ میں سے کہا کہ بادشاہ دہلی نے ایک گارد میگزین پر قبضہ کرنے کے لیئے بھیجا اور اسکو حکم دیا تھا کہ جتنے انگریز وہاں ہوں انھیں پکڑکر

قلعہ میں سے آؤ اور اگر وہ نہ آئیں تو اُنھیں میگزین سے باہر نہ نکلنے دو۔ میں نے اُس وقت کوئی گارڈ تو نہیں دیکھا البتہ جو شخص یہ پیغام لایا اُسے دیکھا تھا۔ یہ شخص مسلمان تھا ہمنے صوبہ دار گارڈ کو یہ کہدیا تھا کہ تاوقتیکہ میں یا لفٹنٹ ولبی اُسکو حکم نہ دیں کسی کے حکم کی تعمیل نہ کرے اور ساتھ ہی ہمنے نہ تو پیغامبر کی طرف توجہ کی اور نہ اُسے کچھ جواب ہی دیا۔ اسکے کچھ ہی دیر بعد ایک ہندوستانی افسر شاہی سپاہیوں کے گارد کے ساتھ وہاں آیا اور صوبہ دار اور غیر کمیشن افسروں سے کہا کہ ہم تمکو بادشاہ کی طرف سے سبکدوش کرنے آئے ہیں۔ ہم صوبہ دار کو پہلے ہی حکم دے چکے کہ ایسے احکام کی کچھ پروا نکیجائے۔ اِس افسر نے آتے ہی بارہ بارہ آدمیوں کا پہرہ بماتحتی ایک غیر کمیشن افسر میگزین کے ہر دروازہ پر معین کر دیا۔ یہ لوگ فوجی قاعدے سے کھڑے ہو گئے اور اپنے ہتھیار نصب کر کے مثل باقاعدہ سپاہیوں کے احکام حاصل کرنیکے لیئے تیار ہو گئے۔ وہ سب شاہی وردیاں پہنے تھے۔ دس یا گیارہ بجے کے درمیان یعنی اس واقعہ کے کوئی ایک گھنٹہ بعد دروازہ کے بیرونی دربان نے پکارکر کہا کہ مجھے فورسٹ صاحب یا لفٹنٹ ولبی سے کچھ کہنا ہے۔ جب ہم دونوں دروازے پر گئے تو اُس نے اور سنتری نے کہا کہ شاہی سپاہی دروازے کے باہر جو کچھ ذخیرہ ہے لے لینے آئے ہیں اور ہم اُنھیں روک نہیں سکتے۔ لفٹنٹ ولبی اور میں نے کچھ جواب نہیں دیا مگر دروازہ میں سے دیکھا کہ واقعی ذخیرہ اُٹھ رہا ہے۔ جو لوگ اُسے اُٹھا رہے تھے وہ معمولی مزدور تھے مگر اُنکی محافظت اور نگرانی کے لیئے شاہی سپاہیوں کا گارد تھا تھوڑی دیر کے بعد ہمارے گارد کے صوبہ دار نے مجھے یا لفٹنٹ ولبی سے پھر ملنے کی خواہش کی اور ہم دونوں اُسکے پاس گئے۔ اُس نے کہا بادشاہ کا ہرکارہ یہ

کہنے آیا تھا کہ اگر میگزین کا دروازہ نہ کھلا تو ہمیں مجبوراً سیڑھیاں بھیجنی پڑینگی۔ اور چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد سیڑھیاں پہنچ گئیں اور میگزین کے جنوب مشرقی گوشہ پر لگادی گئیں۔ میگزین کے ہندوستانی عملہ نے جب یہ دیکھا تو فوراً سائبان پر چڑھکر براہ سیڑھی میگزین سے باہر نکل بھاگے۔ اِس کے بعد باغیوں نے بلا تامل سیڑھیوں پر میگزین کے اندر ہمپر حملہ شروع کردیا اور شام کے ساڑھے تین بجے تک یہ کارروائی جاری رہی۔ سیڑھیوں پر چڑھکر اُنھیں ایک چھوٹی برجی میں جگہ ملگئی اور جب وہاں اُنکی کافی تعداد ہوگئی اور میگزین کے اندر اُترنے کا قصد کیا تو ہم نے دو میدانی توپوں کا گراپ اُن پر مارا اور دو آیندہ کے لیئے بچا رکھیں۔ اِن دونوں توپوں پر صرف مسٹر بکلے اور میں تھا۔ دیگر دو توپیں سب کنڈکٹر کرو اور سارجنٹ ایڈورڈس کی نگرانی میں میگزین کے دوسرے دروازہ پر تھیں اور لفٹنٹ ولبی نے اُنکو حکم دے رکھا تھا کہ جبتک دروازہ پر حملہ نہ ہو اُنھیں نہ داغیں۔ ایک توپ دریا کے مقابل کنڈکٹر شا کی نگرانی میں تھی جو میگزین اُڑنے کے بعد کشمیری دروازے کے ٹرے گارد میں بھاگ کر چلا گیا تھا مگر بعد میں نمبر ۵۴ ہندوستانی پیدل کے ایک سپاہی کی گولی سے مرا۔ لفٹنٹ ولبی بہت پھُرتی سے کام کر رہے تھے کبھی ایک مقام پر جاتے تھے تو کبھی دوسرے پر اور حسب موقع احکام دیتے رہتے تھے اور ضرورت کے وقت خود بھی مدد کرتے تھے۔ اس کارزار کے وقت میں اور لفٹنٹ ولبی بارہا دروازہ پر گئے۔ اور دریافت کیا اس حملہ کی کمان کون کر رہا ہے ہمکو برابر یہی جواب ملتا رہا کہ بادشاہ کا ایک بیٹا اور ایک پوتا ہم پر حملہ کرنیکی تیاری کر رہا ہے مگر جو لوگ سیڑھیوں کی راہ میگزین میں داخل ہوئے وہ کل گیارھویں اور بیسویں ہندوستانی پیدل کے سپاہی تھے۔

قریب ایک بجے بادشاہ کا دوسرا پیغام بدین مضمون پہنچا کہ اگر تم دروازہ نہ کھولو گے تو ہم جو دیوار کمزور ہے اُسے سُرنگ سے اُڑا کر راستہ کر لیں گے

(نویں دن کی کارروائی)

(سوال) ساڑھے تین بجے تک جو کچھ میگزین میں گزرا اُس کا حال تو تم بیان کر چکے اب جو کچھ بعد میں ہوا ہو بیان کرو۔؟

(جواب) اُسوقت تک ہم میدانی توپوں کے گولے صرف میں لا چکے تھے اور جب باغی دو طرف سے میگزین میں گھس آئے تو آیندہ بچاؤ ناممکن تھا۔ کنڈکٹر بکلے کا بازو زخمی ہوا میرے دو مرتبہ ہاتھ میں چوٹ آئی۔ لفٹنٹ ولبی نے علی الصباح یہ حکم دیدیا تھا کہ جب نازک وقت آجائے تو میگزین کو آگ دیدینا۔ چنانچہ ساڑھے تین بجے جب وقت آیا۔ تو لفٹنٹ ولبی نے پہلے سے اشارہ کیا۔ کنڈکٹر بکلے نے فوراً تعمیل کی اور مڑکر کنڈکٹر سکلی کی طرف جو میگزین کے قریب کھڑا تھا ٹوپی ہلائی۔ کنڈکٹر سکلی نے اشارہ پاتے ہی سٹرین کو آگ لگا دی اور اُسی وقت بڑی خوفناک آواز کے ساتھ میگزین اُڑا اور جسقدر ہندوستانی قریب تھے تباہ ہوگئے۔ عمارت کے ٹکڑے سُنا ہے آدہ میل یا اس سے بھی دور جا کر گرے اور کچھ میمیں اور بچے جو میگزین میں بھاگ کر چلے آئے تھے یا تو فوراً مر گئے یا سخت زخمی ہوئے۔ کنڈکٹر سکلی کے بھی اسقدر چوٹ آئی تھی کہ اُس کا بچنا محال تھا۔ میگزین اُڑنے کے بعد جب مَیں نے اُسے دیکھا تو اُس کا چہرہ اور سر ایسے جُھلسے ہوئے تھے کہ مجھے حیرت تھی کہ کس طرح اُسکے قالب میں روح رہ گئی۔ مجھے صرف اسقدر اور کہدینا ہے کہ سوائے ایک بنگالی محرر کے میگزین کا تمام ہندوستانی عملہ اُسوقت ہم سے برگشتہ ہوگیا تھا وہ پہلے ہی اُن ہتھیاروں کو جو اُن کو میگزین کے بچاؤ کے لیئے دیئے

گئے تھے لیکر بھاگ گئے۔ لفٹنٹ ولبی اور میں بچکر کشمیری دروازہ کے بڑے گارد میں پہنچ گئے تھے۔ لفٹنٹ رینر اور مسٹر بکلے دوسری طرف بھاگ گئے اور آخر کار میرٹھ پہنچ گئے اور بقیہ کل خواہ میگزین کی وجہ سے ہلاک ہوئے یا میگزین چھوڑنے پر قتل ہوئے۔ دو تین دن کے بعد لفٹنٹ ولبی بھی میرٹھ کی سڑک پر مقتول ہوئے۔

(سوال) جو سیڑھیاں میگزین پر چڑھنے کے لیئے لائی گئی تھیں وہ نئی تھیں یا اُسی مطلب کے لیئے بنائی گئی تھیں۔

(جواب) میں نے اُس کا صرف ایک ڈنڈا دیکھا تھا جو دیوار سے نکلا ہوا تھا اس لیئے اُسکے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

(سوال) کیا میگزین کے عملہ کے لباس یا حرکات میں بلوہ سے پیشتر کوئی ایسی بات تھی جس سے یہ خیال کیا جائے کہ وہ اِس ہونے والی بات سے واقف تھے۔

(جواب) اُن کے لباس میں تو میں نے کوئی نئی بات نہیں دیکھی البتہ بلوہ سے پیشتر گستاخ ہو گئے تھے اور مسلمان تو بالخصوص۔ مسٹر بکلے اور مجکو یہ بات کھٹکی اور آپس میں اس کا تذکرہ کیا۔ ۱۱ مئی کو جب میں میگزین گیا تو میں نے سرداروں اور دربانوں کو پہلے سے بہت اچھے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا اور میگزین والے آدمی بھی اپنے معمولی لباس میں نہ تھے وہ بھی بہت صاف ستھرے تھے۔ اس کا تذکرہ میں نے اُسی وقت لفٹنٹ ولبی سے کیا اُس نے بھی یہی کہا کہ مجھے بھی یہ بات کھٹکی تھی۔

(سوال) کیا کسی وجہ سے تم خیال کر سکتے ہو کہ تمہارے میگزین کے عملہ نے فوجی کارتوسوں کے متعلق خط و کتابت کی ہو۔؟

(جواب) جبتک میں دہلی رہا اُس وقت تک تو مجھے اس کا شبہ بھی نہ تھا مگر جب میرٹھ

پہنچنے پر ۱۹ مئی کو اپنے زخموں کی مرہم پٹی کرانے ہسپتال گیا تو فوجی ہوسپٹل سارجنٹ نے (غالباً اُس کا نام گوڈرو تھا) مجھسے پوچھا کیا کوئی چالاک ہندوستانی میگزین کے عملہ کا سرگروہ تھا۔ میں نے جواب دیا تھا تو اور بالخصوص کریم بخش کا نام لیا یہ بڑا تیز اور لائق آدمی تھا اور فارسی خوب لکھتا تھا۔ اس پر سارجنٹ نے کہا کہ میگزین اُڑنے کے دن مجھسے ایک ہندوستانی نے کہا تھا کہ دہلی کے میگزین سے کسی شخص نے تمام دیسی رجمنٹوں کو چھٹیاں لکھی ہیں کہ جو کارتوس آب تیار کیئے گئے ہیں اُن میں چربی کی آمیزش ہے اگر انگریزی افسر اسکے بارہ میں تاکید بھی کریں تو اُنکی نہ ماننا۔ جب ہندوستانیوں نے میگزین پر حملہ کیا تو کریم بخش بڑی چالاکی سے کام کر رہا تھا اور اس طرح اُن سے بات چیت کرتا تھا کہ لفٹنٹ ولبی کو اُسکی طرف سے شبہ ہو گیا اور مجھسے کہا کہ اسکو دروازے پر سے ہٹا دو اور اگر پھر ایسی حرکت کرے تو گولی مار دو چنانچہ اسنے اپنی جعلسازی کی وجہ سے پھانسی پائی۔

(جرح قیدی)

(سوال) جن لوگوں کو تم نے میرا ملازم بتایا ہے اور جنھوں نے میگزین پر جا کر میری جانب سے اُس پر قبضہ کرنا چاہا تھا اُن کا لباس کیا تھا۔

(جواب) وہ نیلی وردی پہنے ہوئے تھے اور ٹوپی پر پیتل کی ننھی سی توپ لگی ہوئی تھی تیس سال سے تو میں جانتا ہوں کہ یہ وردی تمھارے توپخانہ کی ہے اور نیز جب اُن لوگوں سے دریافت کیا کہ تم کون ہو تو سب نے یک زبان ہو کے جواب دیا کہ ہم شاہی سپاہی ہیں۔

(سوال عدالت) (سوال) کیا تم نے اسبات کی بھی تحقیق کی یہ سیڑھیاں کہاں سے آئی تھیں؟ (جواب) نہیں۔ میں نے اس بارہ میں تفتیش نہیں کی۔

(اظہار مکھن)

مکھن کپتان ڈگلس کا عصا بردار عدالت میں طلب ہوا اور اُسکو حلف دیا گیا

(سوال جج ایڈوکیٹ)

(سوال) تم نے اس موقع پر کیا دیکھا ؟

(جواب) قریباً سات بجے سوار رسالہ کے ایک سپاہی نے قلعہ کے لاہوری دروازہ پر گارد سے اندر آنیکی اجازت طلب کی مگر اُسنے انکار کردیا۔ جب اُسنے اصرار کیا تو اس امر کی رپورٹ فوراً کپتان ڈگلس کو کردیگئی اور وہ اس معاملہ کے استفسار کے لیئے خود نیچے آئے۔ اور اُس سے اُس کا مطلب دریافت کیا جسکے جواب میں اُس نے یہ کہا کہ میں نے میرٹھ میں غدر کیا تھا اور دہلی میں آیا ہوں۔ اسوقت گارد سے میں نے پانی اور حقہ پینے کے لیئے کہا تھا۔ جب کپتان ڈگلس نے اُسکے گرفتار کرنیکا حکم دیا تو وہ بھاگ گیا۔ وہاں سے لوٹکر کپتان صاحب ابھی پٹے ہوئے راستے ہی میں تھے کہ بادشاہ کا ہرکارہ پہنچا اور اطلاع کی کہ بہت سے سوار محل کے جھروکے کے نیچے کھڑے ہیں۔ یہ خبر سنکر کپتان صاحب اُسی وقت دربار عام گئے اور جھروکہ میں کھڑے ہوکر سواروں سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔ ان میں سے ایک نے جواب دیا ہمنے میرٹھ میں غدر کیا ہے یہاں انصاف کے لیئے آئے ہیں۔ کپتان ڈگلس نے جواب دیا۔ فیروز شاہ کے پرانے کوٹلہ جاؤ تمہارا انصاف ہوگا۔ اس کے بعد کپتان صاحب لاہوری دروازے کو واپس آگئے۔ یہاں پہنچکر جب یہ معلوم ہوا کہ فریزر صاحب کوتوال شہر کے ہمراہ گارد محافظ ایجنسی کلکتی دروازہ انتظام کے لیئے گئے ہیں تو فوراً اُنکے پاس چلے گئے۔ میں اور چپراسی جو اسی وقت حاضر ہے دونوں اُنکے ساتھ گئے۔ جب ہم کلکتی دروازہ

پہنچے تو فریزر صاحب۔ مسٹر ہچنس اور اَور صاحب جنکے نام مجھے معلوم نہیں وہاں تھے اسوقت مسٹر فریزر کوتوال شہر کو یہ حکم دیرہے تھے کہ دو سوار اپنے ہمراہ لو اور خبردار دروازہ کے انتظام میں نقص نہ پڑے۔ وہ اس کام میں مشغول تھے کہ چار یا پانچ سوار برہنہ تلواریں ہاتھ میں لیئے قلعہ کی جانب سے اُن پر جھپٹے۔ اُن میں سے ایک نے پہنچتے ہی اُن پر پستول فیر کیا جس پر مسٹر فریزر فوراً بگی سے باہر نکل آئے اور بختاور سنگھ چپراسی نے پولیس گارد سے بندوق لیکر اُنھیں دی۔ بندوق بھری ہوئی تھی اور مسٹر فریزر نے سوار کے گولی ماردی۔ اس کارروائی سے اُسکے ہمراہی منتشر ہوگئے مگر بھاگنے سے پہلے مسٹر ہچنس کا بازو زخمی کردیا۔ اتنے ہی میں بہت سے اور آدمیوں کے آجانے سے کپتان ڈگلس قلعہ کی کھائی میں کود پڑے اور اُن کے پاؤں اور پیٹھ میں سخت چوٹ آئی۔ براہ کھائی دروازہ پر پہنچکر کپتان صاحب نے اُوپر چڑھنے کے لیئے مدد چاہی مگر چونکہ چوٹ سخت آئی تھی اُنھوں نے تھوڑی دیر کلیات خانہ میں آرام کرنے کے لیئے کہا۔ اسی اثنا میں پادری جننگ صاحب اُوپر سے آگئے اور وہ اور مسٹر ہچنس اُنھیں اُوپر کے کمروں میں لیگئے۔ اسوقت مسٹر فریزر فساد دور کرنیکی کوشش میں نیچے ہی کھڑے انتظام میں مصروف تھے کہ حاجی جوہری نے اُنھیں تلوار مار کر گرادیا اور شاہی ملازموں نے اُنکے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے۔ میں اُوپر کی سیڑھی پر تھا اور یہ واقعہ نیچے کی سیڑھی پر ہوا۔ قاتلوں میں ایک حبشی بھی تھا۔ اسکے بعد وہ اُوپر کے کمروں کیطرف چلے۔ میں نے یہ دیکھکر فوراً دوسرے دروازے میں پونہچکر زینہ کے اُوپر کا دروازہ بند کردیا میں کواڑ بند ہی کررہا تھا کہ ایک گروہ نے جنوبی زینہ سے چڑھکر زبردستی شمالی زینہ کا ایک دروازہ کھولدیا اور مسٹر فریزر کا قاتل گروہ اُوپر آپہنچا

اور پہنچتے ہی وہ اُس کمرے میں تلواریں سونتھ جا گھسے جس میں کپتان ڈگلس مسٹر ہچنس اور مسٹر جننگ ابھی گئے تھے اور اُنھیں اور دو میموں کو کاٹ ڈالا۔ یہ دیکھکر میں زینہ کے نیچے بھاگ آیا۔ میں نیچے پہنچنے نہ پایا تھا کہ ممدو بادشاہ کے ایک ملازم نے مجھے پکڑ لیا اور پوچھا کپتان ڈگلس کہاں ہیں تو نے اُنھیں چھپا دیا ہے وہ مجھے اپنے ساتھ زبردستی اُوپر لیگیا۔ میں نے جواب دیا تم لوگوں نے ابھی تو اُنھیں قتل کیا ہے مگر جب میں نے اُنکے کمرہ میں جا کر دیکھا تو ابھی تک کپتان صاحب میں کچھ دم باقی تھا۔ ممدو نے جب یہ دیکھا تو ایک ڈنڈا اُنکی پیشانی پر ایسا مارا کہ فوراً اُن کا دم نکل گیا۔ میں نے دیگر صاحبوں اور دو میموں کی لاشیں بھی دیکھی تھیں۔ ہچنس صاحب کی لاش تو ایک کمرہ میں تھی اور کپتان ڈگلس اور مسٹر جننگ اور دو میموں کی ایک کمرہ میں۔ کل لاشیں فرش پر پڑی تھیں البتہ کپتان صاحب کی لاش پلنگ پر تھی۔ ایک صاحب کلکتہ سے اُسی دن صبح کو آ کر پہنچے تھے وہ بچکر دہلی دروازے کی طرف بھاگے اور راستہ میں کہیں اُن کا بھی کام تمام ہو گیا۔ فریزر صاحب کے قتل کے بعد کوئی پندرہ منٹ میں نو دس بجے کے وقت یہ کل خونریزی ہوئی۔ ان لوگوں کو قتل کرکے قاتل ان کا مال و اسباب لوٹنے لگے۔ میں ڈر کے مارے بھاگ کر شہر میں اپنے گھر چلا گیا۔ اور جبتک دہلی دوبارہ انگریزی قبضہ میں نہ آئی پھر قلعہ میں کبھی نہیں آیا۔

(سوال) جب کپتان ڈگلس پٹے ہوئے راستے سے دیوان خاص گئے تو کیا تم اُنکے ہمراہ تھے اور اگر تم اُنکے ساتھ تھے تو کیا اُنھوں نے قیدی سے ملاقات و باتیں کی تھیں؟

(جواب) ہاں میں کپتان صاحب کے ساتھ پیچھے پیچھے گیا تھا اور میں کہہ سکتا ہوں نہ تو اُنھوں نے بادشاہ سے ملاقات کی اور نہ کچھ بات کی بغیر بات کیئے وہ واپس آگئے

تھے (سوال) کیا تم حلفیہ کہتے ہو کہ ۱۱ مئی کو کپتان ڈگلس نے سوتے اُٹھکر اپنے مرنے کے وقت قیدی سے نہ ملاقات کی اور نہ باتیں کیں۔

(جواب) مَیں حلفیہ کہتا ہوں کہ اُس دن صبح کو کپتان صاحب نے بادشاہ سے نہ ملاقات کی اور نہ باتیں کیں۔

(سوال) کیا کپتان ڈگلس کا کوئی اور آدمی بھی تمھارے ساتھ اُس وقت دربار خاص گیا تھا۔

(جواب) ہاں بختاور سنگھ اور کشن سنگھ ہرکارے بھی ہمارے ساتھ تھے۔

(جرح قیدی)

(سوال) تمھارے علم میں کپتان ڈگلس نے میرے (قیدی) نشست کے کمرہ کے نیچے والے دروازہ کھولنے کی خواہش کی تھی کہ وہ نیچے جاکر باغیوں سے گفتگو کر آئیں۔

(جواب) ہاں اُنھوں نے خواہش کی تھی۔ اُنھوں نے ہم سے کہا تھا "میں باغیوں کے پاس جاؤں گا" مگر ہم نے اُنھیں منع کیا تھا۔

(سوال) کیا جب کپتان ڈگلس جھروکے میں گئے تو میں (قیدی) اُس وقت دارالریاضت میں نہ تھا اور اُنھوں نے اُس وقت مجھے سلام نہیں کیا؟

(جواب) بادشاہ اُس وقت وہیں تھا اور کپتان ڈگلس اُنھیں سلام کرکے خاموش چلے گئے۔

(سوال) کپتان ڈگلس بادشاہ سے کسقدر فاصلہ سے گزرے تھے؟

(جواب) کوئی پندرہ قدم کے فاصلہ سے۔

(سوال) جب بادشاہ نے کپتان ڈگلس کو سواروں کے پاس جھروکے کے نیچے جانیسے منع کیا تو تم نے یہ گفتگو سُنی؟ (جواب) نہیں مَیں نے نہیں سُنی۔

(سوال) کیا اُس صبح کو احسن اللہ خان اور کپتان ڈگلس میں گفتگو ہوئی تھی؟

(جواب) ہاں جب کپتان صاحب کے گر کر چوٹ آئی ہے احسن اللہ اُنکے پاس گئے تھے۔ ملاقات کے وقت موجود نہ تھا مجھے نہیں معلوم آپس میں کیا گفتگو ہوئی۔

(سوال) تمھیں معلوم ہے احسن اللہ خان خود گئے تھے یا بھیجے ہوئے گئے تھے؟

(جواب) مجھے نہیں معلوم۔

(سوال) جب کپتان ڈگلس قلعہ میں آئے تو مجھسے یا احسن اللہ خاں سے یا میرے کسی اور ملازم سے اُنھوں نے گفتگو کی؟

(جواب) جہانتک میرا خیال ہے اُنھوں نے کسی سے گفتگو نہیں کی اگر کی ہو تو میں نے اُسکا خیال نہیں کیا۔

(دسویں دن کی کارروائی)

سر تھیوفلیس مٹکاف عدالت میں طلب ہوئے اور اُنکو حلف دیا گیا۔

(جرح جج ایڈوکیٹ)

(سوال) مئی گزشتہ میں بلوہ سے کچھ پیشتر کیا کوئی اشتہار شاہ فارس کی طرف سے جامع مسجد میں چسپاں ہوا تھا؟ (جواب) ہاں یہ چھوٹی تقطیع کے ملگجے کاغذ پر تھا جسکے ایک طرف برہنہ تلوار اور دوسری طرف ڈھال بنی ہوئی تھی اور جس کا مضمون یہ تھا کہ شاہ فارس عنقریب ہندوستان میں آنیوالا ہے جو مسلمان انگریزوں کی بیخ کنی میں اُسکی مدد کریگا اسکو زمینیں اور دیگر عطیے دیئے جائیں گے اور یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ اس اشتہار کے چسپاں ہونیکے وقت دہلی میں پانچسو آدمیوں نے اپنے کو اُسکے فائدے کے لیئے وقف کر رکھا تھا۔

(سوال) کیا اُس میں اس بات کا بھی اشارہ تھا کہ شیعہ اور سنیوں کو آپس کی نااتفاقی چھوڑ دینی چاہیئے اور دونوں ملکر انگریزوں کی مخالفت کریں۔

(جواب) نہیں میرے خیال میں یہ نہیں تھا۔

(سوال) کیا یہ بات غلط تھی کہ یہ اشتہار شاہ فارس کے پاس سے آیا تھا؟

(جواب) ہاں میرے خیال میں بھی یہی ہے۔ (سوال) یہ اشتہار جامع مسجد کی دیوار پر کبتک چسپاں رہا؟ (جواب) کوئی تین گھنٹے۔ تاریخ تو ٹھیک یاد نہیں غالباً بلوہ سے چھ ہفتہ پیشتر رات کیوقت چسپاں ہوا۔ اور کوئی تین گھنٹے لگا رہا۔ صبح کے وقت جب آدمیوں کا وہاں ہجوم ہوا تو میں نے اُسے اُکھڑوا دیا۔

(سوال) کیا تمھارے علم میں دہلی والوں میں اسکی زیادہ چرچا ہوا؟ (جواب) نہیں

(سوال) کیا اس بات کا پتہ لگایا گیا کہ یہ کہاں سے آیا تھا؟

(جواب) بالکل نہیں۔ یہ بہت خفیف بات سمجھی گئی۔ کسی بداندیش نے ایسا کیا ہوگا اور اس معاملہ میں دوڑ دھوپ کرنیسے اُسکو نہایت ضروری ثابت کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

(سوال) کیا کسی اور ذریعہ اور وجہ سے کہہ سکتے ہو کہ باشندگان دہلی میں گورنمنٹ کی طرف سے بددلی پھیلی ہوئی تھی؟ (جواب) نہیں۔ دہلی والوں میں یہ بات نہیں تھی مگر فوجیوں کی بددلی سے وہ بخوبی واقف تھے اور اس بات کا اکثر چرچا ہوتا رہتا تھا۔ مثلاً بلوہ سے پیشتر یہ بات مشہور ہوئی تھی کہ ایک گمنام درخواست بدیں مضمون مجسٹریٹ کے روبرو پیش ہوئی تھی کہ کشمیری دروازہ کا قبضہ انگریزوں سے لے لیا جائیگا۔ چونکہ شہر میں یہ دروازہ ہی ہماری خاص گڑھی تھی اور اس کا تعلق دہلی کی چھاونیوں سے تھا اس لیئے ضروری تھا کہ شہر میں فساد کے وقت پہلے اسی کو لیا جائے اور اسی دروازہ پر ہمارا کچھ گارد بھی تھا۔ اور بخیال حکمت اس کا لیا جانا سب پر افشا تھا۔ درخواست تو اس مضمون کی کوئی نہ تھی مگر اس شہرت سے ہندوستانیوں کے خیال ظاہر ہوگئے تھے۔ اس خیال کا ثبوت اس طرح اور بھی ہوتا ہے کہ شاہی شیدی نے جو برابر قلعہ میں رہا کرتا تھا چوتھی ۔ بقاعدہ

سوار رسالہ کے رسالدار کو ترغیب دی کہ انگریزوں کی ملازمت چھوڑ کر بادشاہ کی ملازمت اختیار کرے کیونکہ موسم گرما سے پیشتر روس ہندوستان میں آکر انگریزوں کا خاتمہ کردیگا رسالدار نے جس کا نام ابورٹ تھا یہ خبر مجھے سُنائی۔ اسکی زبان انگریزی ہے اور اس میں پوربی میل معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے مجھسے یہ بھی کہا کہ عرصہ چھ ماہ کا ہوا بادشاہ نے ایک ایلچی روس بھیجا تھا۔ یہ رسالدار اس وقت بلاسپور میں ہے۔

(سوال) بلوہ سے کچھ مہینے پیشتر جو چپاتیاں گاؤں گاؤں تقسیم ہوئی تھیں اُنکی بابت تمکو کیا معلوم ہے۔ اُنکی اصلیت کیا تھی اور اس تقسیم سے کیا مطلب تھا؟

(جواب) اس کے متعلق تو یہ گمان ہی گمان ہے۔ البتہ ہندوستانیوں نے اول اسبارہ میں یہ ظاہر کیا تھا کہ چپاتیاں بیماری کے سبب تقسیم ہوئی تھیں۔ بلکہ تفتیش سے معلوم ہوا کہ کسی ریاست میں نہیں بھیجی گئیں صرف ضلع دہلی کے پانچ سرکاری گاؤں میں تقسیم ہونے پائی تھیں کہ اُنکو حکّام روک دیا اور پھر آگے نہیں گئیں۔ جو لوگ ضلع بلند شہر سے چپاتیاں لائے تھے میں نے اُنھیں بلایا۔ اُنھوں نے یہ عذر کیا ہم تو یہ سمجھے تھے کہ سرکار انگریزی کی طرف سے یہ تقسیم ہوئی ہیں اور نیز جو چپاتیاں اُنھیں پہنچی تھیں وہ اُنھوں نے آگے روانہ کردی تھیں۔ مجھے یقین ہے کہ ضلع دہلی میں ان چپاتیوں کا مطلب کوئی نہیں سمجھا مگر در اصل اُن سے منشا یہ تھا کہ جو ہر قسم کی غذا کھاتے ہیں اُنھیں میں تقسیم ہوں تاکہ باہمی اختلاف رسم و رواج دور ہو جائے۔ میرے خیال میں یہ چپاتیاں لکھنؤ سے نکلی ہیں۔ اور جن سے بے شبہہ یہ مراد تھی کہ خوف اور تیاری کا اظہار ہو اور خطرہ کے وقت سب ایک ہو جائیں۔

(سوال) کیا ایرانیوں کے ہرات پر چڑھائی کرنیکا چرچہ ہندوستانیوں میں اکثر ہوتا تھا۔

(جواب) ہاں اکثر ایسا ہوتا تھا مگر روسیوں کے ہندوستان پر حملہ کرنے کا ذکر بیشتر ہوتا تھا اسوقت ہر ہندوستانی اخبار نے اپنا اپنا کارسپانڈنٹ کابل میں مقرر کیا تھا جسکے ذریعہ برابر وہاں کی خبر لگا کرتی تھی۔

(سوال) کیا حسن شیدی نے مسٹر ایورٹ کو سرکاری ملازمت چھوڑنیکی ترغیب دی وہ اِس وقت یہاں ہے؟ (جواب) نہیں عرب سرائے میں وہ قتل ہوا۔

(سوال) کیا تم اُس ہل چل کے متعلق جو سپاہیوں اور باشندگان دہلی میں اُسوقت پھیلی ہوئی تھی عدالت کو کچھ اور اطلاع دے سکتے ہو؟

(جواب) ہاں بلوہ سے کوئی پانچ یا چھ ہفتہ پیشتر سپاہیوں میں عام طور پر یہ شورش تھی کہ ایک لاکھ روسی شمال کی طرف سے آرہے ہیں جو کمپنی کی حکومت کو برباد کردینگے۔ واقعی روسی حملہ کا اس وقت عام چرچا تھا۔

(سوال) کیا بادشاہ یا اُسکے عزیزوں یا لواحقوں نے بلوہ سے پیشتر کبھی کمپنی کی ہندوستانی فوج سے خفیہ مفسدانہ خط وکتابت کی تھی؟ (جواب) نہیں میں اسکے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔

(سوال) کیا شاہ دہلی نے کبھی کوئی ایلچی یا خطوط شاہ فارس کے پاس بھیجے تھے؟

(جواب) میں نے کچھ سنا تو تھا مگر صداقت کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔

قیدی نے جرح کرنے سے انکار کیا اور گواہ واپس ہوا۔

(اظہار حسن عسکری)

پیرزادہ حسن عسکری عدالت میں طلب ہوئے اور اُنھیں حلف دیا گیا

(سوال) کیا بلوہ کے زمانہ میں تم دہلی میں تھے اگر تھے تو تمھارا کیا مشغلہ تھا۔

(جواب) ہاں میں دہلی ہی میں تھا اور پیری مریدی کیا کرتا تھا۔ ایکمرتبہ جب بادشاہ بیمار ہوئے

تو میں اُنکے علاج کے لیئے بلایا گیا تھا جب میرے دم کرنے سے بادشاہ کو فائدہ ہوا تو وہ مجکو اکثر بلانے لگے مگر مجھے اس سے بے آرامی ہوتی تھی۔ ایکدن بادشاہ سے التجا کی کہ حضور بار بار یاد نہ فرمایا کریں جسپر یہ ارشاد ہوا کہ آیندہ جب تک میں سخت بیمار نہوں گا تمھیں نہ بلاؤنگا۔

(سوال) کیا تم شیدی قنبر شاہی ملازم سے واقف ہو؟

(جواب) میں بادشاہی ملازموں میں چند حبشیوں سے واقف تھا جن میں سے صرف دو یا تین کے نام مجھے معلوم ہیں۔ شیدی قنبر اُن میں کوئی نہ تھا۔

(سوال) اس عدالت میں یہ اظہار ہوا ہے کہ تم نے شیدی قنبر بادشاہی ملازم کو شاہ کیطرف سے خطوط دیکر ایران بھیجا تھا اس کا تمھارے پاس کیا جواب ہے؟

(جواب) مجھے اِس معاملہ کی اصلا خبر نہیں۔

(سوال) عدالت میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ تمھیں قوت پیشین گوئی حاصل ہے تم خوابوں کی تعبیر دیتے تھے اور تم نے خدا سے ہمکلام ہونیکا حیلہ اور صاحب معجزہ ہونیکا دعویٰ کیا تھا۔ جسکی صداقت قیدی نے خود بھی کی ہے۔ اسکا جواب تمھارے پاس کیا ہے؟

(جواب) خدا کو گواہ کرکے کہتا ہوں میں نے کبھی اِس قسم کی باتوں کا حیلہ نہیں کیا۔

(سوال) کس وجہ سے تم بادشاہ پر دم کیا کرتے تھے کیا تمھارا خیال تھا کہ تمھارے سانس میں اثر صحت ہے؟

(جواب) ہماری کتابوں میں تحریر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے لیئے دعا کرکے اُس پر دم کرے تو اُس سے فائدہ ہوگا۔

(سوال) کیا تم نے اپنا یہ خواب بادشاہ سے بیان کیا تھا کہ ایک طوفان مغرب یا اور کسی سمت سے

ہندوستان پر آیا ہے اور طغیانی کے سبب روئے زمین برباد ہو گئی اور اس سے بادشاہ کو فروغ ہوا اور انگریز تباہ ہو گئے۔

(جواب) خدا جانتا ہے نہ تو میں نے کبھی ایسا خواب دیکھا اور نہ کبھی ایسا خواب بیان کیا البتہ قلعہ والوں نے اکثر ایسے خواب مجھسے بیان کیے جسکی تعبیر میں نے توہمات سے کی اور مجھکو خواب پر اعتقاد نہیں ہے۔

(سوال) دہلی سے تم کب گئے اور جبتک پولیس نے تمھارا کھوج نہ نکالا تم کیوں چھپے رہے؟

(جواب) جب یہ شہرت ہوئی کہ شہر پر حملہ ہونے والا ہے تو شہر والوں نے جوق جوق باہر جانا شروع کر دیا میں بھی اُنھیں کے ہمراہ شہر سے چلا گیا۔ اول میں نظام الدین میں رہا اس کے بعد قطب صاحب پھر وہاں سے گڑھی ہرسرو گیا جہاں بیمار ہو گیا۔ اسکے بعد اور مقامات میں ہوتا ہوا موضع لکھنوٹی میں پہنچا وہاں مجھے یہ خبر لگی کہ گنگوہ میں میری تلاش ہو رہی ہے میں نے خود وہاں جانیکا اپنے دل میں قطعی فیصلہ کر لیا چنانچہ میں وہاں پہنچا میرے وہاں پہنچنے کی خبر اڑی اور میں گنگوہ کے قریب ہی تھا کہ سپاہیوں نے مجھے امام صاحب کے مقبرہ میں بحالت نماز گرفتار کر لیا۔

قیدی نے جرح سے انکار کیا اور گواہ واپس ہوا۔

بختاور سنگھ چپراسی ملازم سرکار کی طلبی ہوئی اور اسکو حلف دیا گیا

(جرح جج ایڈوکیٹ)

(سوال) کیا ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو تم دہلی میں تھے؟ (جواب) ہاں میں دہلی ہی میں تھا۔

(سوال) جو کچھ تم نے اس موقع پر دیکھا ہو اسے بیان کرو۔

(جواب) قلعہ کی کھائی کی مرمت میرے سپرد تھی۔ میں حساب کی کتاب کپتان ڈگلس کے

معائنہ کے لیے لیکر جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک سوار کو کلکتی دروازہ سے سرپٹ آتے دیکھا سوار قلعہ کے دروازہ تک پہنچنے نہ پایا تھا کہ میں نے دروازہ پر کپتان صاحب کو کھڑا دیکھا۔ اُنھوں نے اُس سے باتیں کیں اور سوار میرے دروازہ پر پہنچنے سے پہلے گھوڑا پھیر کر چلدیا کپتان صاحب نے مجھے حکم دیا کہ اُدھر چلو میں قلعہ میں ہو کر ابھی آتا ہوں۔ میں دروازہ پر ٹھہرا رہا اور کپتان صاحب لکھن اور کشن سنگھ کو ساتھ لیکر قلعہ میں گئے۔ کپتان صاحب گئے ہی تھے کہ فریزر صاحب گاڑی میں بیٹھے ہوئے آئے اور کپتان صاحب کو دریافت کیا۔ فریزر صاحب بگھی سے اُتر کر ٹہلتے ہوئے پٹے ہوئے راستہ سے کھلے ہوئے مقام تک آئے۔ اور مجھسے کہا کہ کپتان ڈگلس جب واپس آئیں تو کہدینا کہ وہ (فریزر صاحب) کلکتہ دروازے گئے ہیں۔ اسکے بعد میں شاہی مکانات کی طرف بڑھا۔ کپتان صاحب بڑی پریشانی کی حالت میں وہاں سے واپس آ رہے تھے میں نے اُنکو فریزر صاحب کا پیغام پہنچایا۔ کپتان ڈگلس صاحب وہاں سے سیدھے قلعہ کے لاہوری دروازے پر گئے اور ہندوستانی گارد کو دروازہ بند کرنیکا حکم دیا جو فوراً بند کر دیا گیا اور یہ بھی حکم دیا کہ کھائی کے ملبہ پر ہجوم نہونے پائے۔ اُسی وقت ایک شاہی افسر جو بظاہر کپتان معلوم ہوتا تھا شہر کے بڑے بازار کی جانب سے آیا دروازہ بند ہو چکا تھا اور کپتان ڈگلس کی بگھی اندر ہی تھی اس لیئے اُنھوں نے مجھے حکم دیا کہ گارد کے ہندوستانی افسر سے کہوں کہ گاڑی نکل جانیکے لیئے دروازہ کھولدے۔ گاڑی باہر نکلنے کے بعد میں اسکے پیچھے بیٹھ گیا۔ جب کلکتہ دروازہ پہنچے تو فریزر صاحب، نکسن صاحب ہیڈ کلرک اور چار پانچ انگریز وہاں موجود تھے۔ ہمارے وہاں پہنچنے کے کچھ ہی دیر بعد دروازہ بند کر دیا گیا اور فریزر صاحب، کپتان ڈگلس بگھی میں اور دیگر انگریز گھوڑوں پر سوار ہو کر تھوڑی دور آئے تھے کہ چار پانچ سوار ایلن برو تالاب کی طرف سے

گھوڑے دوڑاے آئے۔ سواروں کے آنیکا غل مچگیا۔ انگریزوں کے پاس پہنچتے ہی اُن میں سے ایک نے ہچنس صاحب کے بازو پر گولی ماری دیگر سواروں نے بھی فیر کیے۔ مگر سب خالی گئے۔ اس پر فریزر صاحب اور کپتان ڈگلس گاڑی سے اُتر پڑے اور باغیوں کے راستے سے بچکر دروازہ پر گارد خانہ کے قریب کھڑے ہوگئے اور دو انگریز اور بھی اُنکے پاس آگئے فریزر صاحب نے کانسٹبل سے بندوق لیکر ایک سوار کے گولی ماری اس کاروائی سے دیگر سوار اپنی حرکت سے باز آئے اور گھوڑے پھیر کر بھاگ گئے۔ اتنے ہی میں آدمیوں کا ہجوم زیادہ ہوگیا اور کپتان ڈگلس اور ایک انگریز کھائی میں کود کر اندر ہی اندر اور فریزر صاحب اور اور انگریز سڑک سڑک دروازہ پر پہنچ گئے مگر وہاں اُسوقت ایسی ہلچل مچی تھی کہ مجھے اُنکے دروازہ پر پہنچ جانیکا تعجب تھا۔ کپتان ڈگلس کو خندق میں کودنے کے صدمہ سے غش آگیا تھا ہم لوگوں نے اُنھیں اُٹھاکر کلیات خانہ میں لٹایا۔ تھوڑی دیر کے بعد پادری جیننگ صاحب اُوپر سے اُترے اور اُنکے کہنے سے ہم نے کپتان صاحب کو دروازے کے اُوپر کے کمروں میں لیجاکر پلنگ پر لٹا دیا او جیننگ صاحب نے ملازموں کو ہٹاکر حکم دیا کہ شور و غل نہ کریں اسکے بعد ہمیں شاہی طبیب کے لانے کا حکم ہوا۔ اور عبداللہ چپراسی اُنھیں جاکر لے آیا۔ حکیم احسن اللہ خان گئے ہی تھے کہ کوئی پانچ شاہی ملازم دین دین پکارتے ہوئے سپٹے ہوئے راستے کی طرف سے آتے دکھائی دیئے۔ فریزر اُس وقت سے زینہ کی نیچے کی سیڑھی پر تھے کہ ان آدمیوں نے اُن پر حملہ کیا اور تلواروں سے اُنھیں کاٹ ڈالا۔ دروازہ کے شمالی جانب تو یہ ہو رہا تھا جنوبی زینہ سے ایک اور غول تلواریں اور سونٹے لیکر اُوپر کے کمروں پر چڑھ گیا اور شمالی زینہ والا غول بھی اُن سے جاکر ملگیا۔ اُس وقت ہر شخص کو اپنی جان بچانی مشکل ہوگئی اور میں بھی جان بچاکر نیچے بھاگا۔ اُس

تاریخ سے جبتک میں جبو کے کٹرہ سے دہلی واپس ہوا کبھی قلعہ میں نہیں گیا۔ مجھے یہ بیان کردینا چاہیئے حملہ کے وقت اس غول کا سرگروہ اڑتیسویں ہندوستانی پیدل کا مسلمان حوالدار تھا جسکی تعیناتی قلعہ کے لاہوری دروازہ پر تھی۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ اور نہیں معلوم۔ قیدی نے جرح کرنے سے انکار کیا اور گواہ کو واپسی کا حکم دیا گیا۔

کشن سنگھ سرکاری چپراسی عدالت میں طلب ہوا اور اُسکو باقاعدہ حلف دیا گیا

(جرح جج ایڈوکیٹ)

(سوال) تم گیارہ مئی گزشتہ کو کیا دہلی میں تھے؟

(جواب) ہاں میں کپتان ڈگلس کی اردلی میں تھا۔

(سوال) جب کپتان ڈگلس شاہی مکانات کی طرف باغیوں سے جھروکے کے نیچے باتیں کرنیکے مقصد سے گئے تو کیا تم وہاں موجود تھے اور کیا کپتان ڈگلس نے اُسوقت بادشاہ سے باتیں کی تھیں؟

(جواب) ہاں میں اُسوقت وہیں تھا اور کپتان ڈگلس اور بادشاہ سے کچھ باتیں بھی ہوئی تھیں اور بادشاہ نے کپتان صاحب کو باغیوں سے نیچے جاکر باتیں کرنے سے منع بھی کیا تھا اور کپتان صاحب سے جاتے وقت یہ بھی کہا تھا کہ اگر قلعہ کے دروازے بند بھی کر دیئے جائیں تو اُسکے ملازموں کی آمدورفت بند نہ کیجائے۔

(سوال) جسوقت یہ باتیں ہوئیں بادشاہ اور کپتان ڈگلس میں کتنا فاصلہ تھا؟

(جواب) یہ باتیں چلتے چلتے ہوئیں بادشاہ اُس وقت اپنے عبادتخانے کے دروازہ پر کھڑے تھے اور کپتان صاحب اور بادشاہ میں صرف چار قدم کا فاصلہ تھا۔

(جرح قیدی)

(سوال) کپتان ڈگلس واپس دربار خاص کے پاس سے گئے تھے یا کسی اور طرف سے؟

(جواب) وہ عبادتخانہ کے برابر والے راستے سے گئے تھے۔

(سوال) کیا قیدی نے گورنمنٹ انگریزی کی ماتحتی میں بعافیت ہونیکا اظہار نہیں کیا تھا؟

(جواب) نہیں اُسکا اشارہ گورنمنٹ کی طرف نہ تھا بلکہ اُن عنایتوں کا تھا جو کپتان ڈگلس نے اُس کے ساتھ کی تھیں اور جن کا تذکرہ اُس نے کیا تھا۔

(سوال) کیا کپتان ڈگلس نے جھروکوں کے نیچے جاکر باغیوں سے باتیں کرنیکی استدعا قیدی سے نہیں کی تھی اگر اُسنے ایسا نہیں کیا تو پھر قیدی کو اُسکے ارادہ سے کیسے خبر ہوئی

(جواب) اِس واقعہ کو نو مہینے گذر گئے مجھے اچھی طرح یہ بات یاد نہیں البتہ کپتان ڈگلس نے نیچے کے دروازہ کھولنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔

چار بج جانے کے سبب اس اظہار کو آئندہ دن کے گیارہ بجے تک ملتوی کیا۔

گیارھویں دن کی کارروائی۔ بقیہ اظہار کشن سنگھ چپراسی)

(سوال) کیا ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کی صبح کو تم دہلی میں تھے؟

(جواب) ہاں میں گھر ہی پر تھا۔ (سوال) کیا تم نے سپاہیوں کو اُس دن میرٹھ سے آتے دیکھا تھا اگر دیکھا ہو تو جو کچھ تم جانتے ہو بیان کرو!

(جواب) نہیں۔ میں نے اپنی آنکھ سے تو نہیں دیکھا۔ مگر جب میں نے یہ سُنا کہ شہر کے دروازے بند ہو رہے ہیں تو میں تماشا دیکھنے کے خیال سے باہر نکل آیا اور جب میں چاندنی چوک میں پہنچا تو پولیس کا بڑا افسر دکانیں بند کرا رہا تھا۔ اُسکی زبانی یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ سر تھیوفیلس مٹکاف صاحب بھی دکانیں بند کراتے پھر رہے ہیں۔ میں آدمیوں کے غول کیساتھ دروازہ پر گیا وہاں مسٹر فریزر اور چار پانچ اور صاحب لوگ کھڑے تھے۔ مسٹر فریزر کا جھجر والا سوار گارد اُنکے ہمراہ تھا فریزر صاحب اوّل ایک اور صاحب اور شریف الحق کوتوال شہر بمنڈی

کے تھانہ کے افسر دوم کو ساتھ لیکر دروازے پر چڑھے۔ تھوڑی دیر کے بعد فریزر صاحب نے نیچے اُتر کر جھجھر والے سواروں کو درست کیا اور اسی طرح پولیس کے گارد کو مرتب کرکے تلوار نکالنے اور اُس جگہ کی حفاظت کرنے کا حکم دیا۔ معاً اُسی وقت سات سوار اور دو اونٹ سوار دریا گنج سے قلعہ والی سڑک پر سرپٹ دوڑے ہوئے آئے اور سپنول کے نشانہ کی حد پر پہنچکر سب نے یک لخت انگریزوں پر فیر کر دیا۔ یہ حال دیکھکر تمام بھیڑ ادھر اُدھر منتشر ہوگئی اور میں بھی گھر چلا آیا۔ مگر چلنے سے پیشتر اتنا ضرور دیکھا کہ جھجھر والے سوار کچھ مزاحم نہیں ہوئے۔ بلکہ فریزر صاحب کو چھوڑ کر جس طرف سے یہ سوار آئے تھے اُسی طرف فوراً بھاگ گئے۔ اسکے بعد شام تک میں گھر سے باہر نہیں نکلا اور اُس دن کے اور حالات مجھے معلوم نہیں۔

(سوال) جب تم کلکتہ دروازہ پہنچے تو کیا وہاں پہلے سے بہت آدمیوں کی بھیڑ تھی؟

(جواب) انگوری باغ والی تھوڑی سی زمین پر اُس وقت وہاں کم از کم چار سو یا پانچسو آدمی ہونگے

(سوال) اُس وقت کیا بجا ہوگا؟

(جواب) شاید نو بجے ہونگے۔ مگر میں ٹھیک وقت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔

(سوال) جبکہ وہاں بکری کا سامان کچھ نہ تھا پھر کس لیئے اسقدر آدمی وہاں جمع تھے؟

(جواب) غیر معمولی طور پر دروازے کے بند ہونے سے لوگوں میں ہل چل مچگئی تھی اور اسی وجہ سے وہاں اسقدر آدمی جمع ہوگئے تھے بھیڑ اسوجہ سے اور بھی ہوئی دھوبی دروازہ کے بند ہوجانیکے خوف سے دریا پر سے چلے آئے تھے۔

(سوال) جب تم اخبار نویس تھے تو تمکو ہر بات کی خبر رکھنی چاہیئے تھی۔ کیا تمھیں یقین ہے کہ شہر والوں کو ایک یا دو دن پہلے بھی یہ خبر نہ تھی کہ گیارہ تاریخ کو کیا ہوگا؟

(جواب) گیارہ مئی والے بلوہ کی جو کچھ پہلے سے سازباز ہوئی ہو اُسکی مجھے اصلا خبر نہیں تھی

البتہ اول شاہ فارس کے اعلان اور دوسرے انبالہ میں بنگلوں کے جلنے اور چربی دار کارتوس کے استعمال کے سبب فوج میں بددلی کی خبروں کی وجہ سے شہر میں بڑی بے اطمینانی اور جوش پھیلا ہوا تھا۔

(سوال) کیا تم اپنا اخبار نکالا کرتے تھے اور کس نام سے نکلا کرتا تھا؟

(جواب) ہاں میں بھی ایک اخبار نکالتا تھا اور اس کا نام "اخبار دہلی" تھا مگر وہ اس نام سے یا کسی اور نام سے مشہور نہ تھا کیونکہ اس میں محض تفصیل مضامین ہوتی تھی۔ میں روزانہ خبریں قلمی لکھکر اپنے چندہ دہندگان کو سنایا کرتا تھا۔

(سوال) کیا تم اسے اکٹھا کرتے جاتے تھے اور کیا اسوقت تمھارے پاس کوئی اسکی کاپی ہے

(جواب) میں نے قبل و بعد از غدر اصل کاغذات کو باقاعدہ نتھی کر دیا تھا اور گیارہ مئی تک کے اخبارات کو ایک دیوار میں چن دیا تھا جب دہلی دوبارہ فتح ہوئی تو نند کشور کی مدد سے جو کچھ اس میں باقی تھی اسے پورا کر کے کل کاغذات میں نے کرنیل برن دہلی کے فوجی گورنر کے حوالہ کر دیے ہیں جنھوں نے اس کا ترجمہ کرا لیا تھا۔

(سوال) گیارہ مئی کو جھجر کے کسقدر سوار مسٹر فریزر کے ہمراہ تھے؟

(جواب) افسروں سمیت اس گارد میں بائیس یا تیئیس آدمی تھے حملہ کے وقت بظاہر کل مسٹر فریزر کے ہمراہ تھے۔

(سوال) تم بیان کر چکے ہو کہ باوجود باقاعدہ مرتب ہونیکے پانچ یا چھ سواروں کے پہنچنے پر وہ سب بھاگ گئے تھے اس سے تمھاری کیا مراد ہے کیا انھیں پہلے سے اس واقعہ کی اطلاع تھی؟

(جواب) میری رائے میں انھیں پہلے سے اس امر کا کچھ علم نہ تھا مگر باغیوں کی دین دین کی آواز سے جھجر والوں کو بحالت بیخودی فریزر صاحب کو چھوڑنا پڑا۔

کے تھانہ کے افسر دوم کو ساتھ لیکر دروازے پر چڑھے۔ تھوڑی دیر کے بعد فریزر صاحب نے نیچے اُتر کر جھجھر والے سواروں کو درست کیا اور اسی طرح پولیس کے گارد کو مرتب کرکے تلوار نکالنے اور اُس جگہ کی حفاظت کرنے کا حکم دیا۔ مگر اُسی وقت سات سوار اور دو اونٹ سوار دریا گنج سے قلعہ والی سڑک پر سرپٹ دوڑے ہوئے آئے اور سپنول کے نشانہ کی حد پر پہنچکر سب نے یک لخت انگریزوں پر فیر کر دیا۔ یہ حال دیکھکر تمام بھیڑ ادھر اُدھر منتشر ہو گئی اور میں بھی گھر چلا آیا۔ مگر چلنے سے پیشتر اتنا ضرور دیکھا کہ جھجھر والے سوار کچھ مزاحم نہیں ہوئے۔ بلکہ فریزر صاحب کو چھوڑ کر جس طرف سے یہ سوار آگئے تھے اُسی طرف فوراً بھاگ گئے۔ اسکے بعد شام تک میں گھر سے باہر نہیں نکلا اور اُس دن کے اور حالات مجھے معلوم نہیں۔

(سوال) جب تم کلکتہ دروازہ پہنچے تو کیا وہاں پہلے سے بہت آدمیوں کی بھیڑ تھی؟

(جواب) انگوری باغ والی تھوڑی سی زمین پر اُس وقت وہاں کم از کم چار سو یا پانچسو آدمی ہونگے

(سوال) اُس وقت کیا بجا ہوگا؟

(جواب) شاید نو بجے ہونگے۔ مگر میں ٹھیک وقت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔

(سوال) جبکہ وہاں بکری کا سامان کچھ نہ تھا پھر کس لیئے اسقدر آدمی وہاں جمع تھے؟

(جواب) غیر معمولی طور پر دروازے کے بند ہونیسے لوگوں میں ہل چل مچگئی تھی اور اسی وجہ سے وہاں اسقدر آدمی جمع ہو گئے تھے بھیڑ اسوجہ سے اور بھی ہوئی دھوبی دروازہ کے بند ہو جانیکے خوف سے دریا پر سے چلے آئے تھے۔

(سوال) جب تم اخبار نویس تھے تو تمکو ہر بات کی خبر رکھنی چاہیئے تھی۔ کیا تمھیں یقین ہے کہ شہر والوں کو ایک یا دو دن پہلے بھی یہ خبر نہ تھی کہ گیارہ تاریخ کو کیا ہوگا؟

(جواب) گیارہ مئی والے بلوہ کی جو کچھ پہلے سے سازباز ہوئی ہو اُسکی مجھے اصلا خبر نہیں تھی

البتہ اول شاہ فارس کے اعلان اور دوسرے انبالہ میں بنگلوں کے جلنے اور چربی دار کارتوس کے استعمال کے سبب فوج میں بددلی کی خبروں کی وجہ سے شہر میں بڑی بے اطمینانی اور جوش پھیلا ہوا تھا۔

(سوال) کیا تم اپنا اخبار نکالا کرتے تھے اور کس نام سے نکلا کرتا تھا؟

(جواب) ہاں میں بھی ایک اخبار نکالتا تھا اور اُس کا نام "اخبار دہلی" تھا مگر وہ اُس نام سے یا کسی اور نام سے مشہور نہ تھا کیونکہ اُس میں محض تفصیل مضامین ہوتی تھی۔ میں روزانہ خبریں قلمی لکھکر اپنے چندہ دہندگان کو سُنایا کرتا تھا۔

(سوال) کیا تم اُسے اکٹھا کرتے جاتے تھے اور کیا اسوقت تمھارے پاس کوئی اُسکی کاپی ہے

(جواب) میں نے قبل و بعد از غدر اصل کاغذات کو باقاعدہ نتھی کر دیا تھا اور گیارہ مئی تک کے اخبارات کو ایک دیوار میں چن دیا تھا جب دہلی دوبارہ فتح ہوئی تو نند کشور کی مدد سے جو کمی اُس میں باقی تھی اُسے پورا کے کل کاغذات میں سے کرنیل برن دہلی کے فوجی گورنر کے حوالہ کر دیئے ہیں جنھوں نے اُس کا ترجمہ کرا لیا تھا۔

(سوال) گیارہ مئی کو جھجھر کے کسقدر سوار مسٹر فریز کے ہمراہ تھے؟

(جواب) افسروں سمیت اُس گارد میں بائیس یا تیئیس آدمی تھے حملہ کے وقت بظاہر کل مسٹر فریز کے ہمراہ تھے۔

(سوال) تم بیان کر چکے ہو کہ باوجود باقاعدہ مرتب ہونیکے پانچ یا چھ سواروں کے پہنچنے پر وہ سب بھاگ گئے تھے اس سے تمھاری کیا مراد ہے کیا اُنھیں پہلے سے اس واقعہ کی اطلاع تھی؟

(جواب) میری رائے میں اُنھیں پہلے سے اس امر کا کچھ علم نہ تھا مگر باغیوں کی دین دین کی آواز سے جھجھر والوں کو بحالت بیخودی فریز صاحب کو چھوڑنا پڑا۔

(سوال) تم نے بیشتر اُنکے پکارنے کی بابت کچھ نہیں کہا کیوں! کیا تم بھول گئے تھے؟

(جواب) اس واقعہ کو آٹھ مہینے ہوئے جو کچھ مجھے یاد آتا جاتا ہے بیان کرتا جاتا ہوں جب میں وہاں سے چلا اُس وقت سوار دین دین پکار رہے تھے اور ہندوستانیوں کو یقین دلا رہے تھے کہ وہ کسی ہندوستانی کو تکلیف نہ دینگے۔

(سوال) تم گیارہ مئی سے بیشتر کس قسم کی خبریں شائع کیا کرتے تھے کیا کسی مضمون میں تمنے ہندوستانی فوج یا اُسکی فرضی بددلی کا تذکرہ کیا تھا؟

(جواب) میرے پرچہ میں عام مذاق کی اور وہ کل خبریں ہوتی تھیں جو میں چھپے ہوئے پرچوں سے لیا کرتا تھا مجھے یاد ہے کہ چند موقعوں پر میں نے کارتوسوں اور فوج کے باغیانہ خیالات کا تذکرہ کیا تھا۔ (سوال) کیا تمھیں یاد ہے کہ تم نے کبھی ایرانیوں کے ہرات پر چڑھنے کا بھی اُس میں ذکر کیا تھا؟ (جواب) مجھے یاد نہیں کہ میں نے خاصکر کوئی تذکرہ کیا ہو مگر جو کچھ خبریں وہاں کے (ایران) متعلق شہر کے رسالہ میں جو ایران میں طبع ہوتا تھا ملتی تھیں انھیں نقل کر دیتا تھا۔ (سوال) اپنے چندہ دہندگان کے سامنے خبریں تم خود پڑھا کرتے تھے اسلیئے تم کہہ سکتے ہو کہ کس قسم کی خبروں سے اُنھیں زیادہ دلچسپی تھی۔ کیا سپاہیوں کی بددلی کی خبریں زیادہ کان لگا کر سُنا کرتے تھے۔

(جواب) ان خبروں سے ہندوں پر تو کچھ اثر نہ ہوتا تھا البتہ ایرانیوں کے متعلق خبریں مسلمان بڑی دلچسپی سے سنتے تھے اور اس بات پر شیخی مارا کرتے تھے کہ ایرانی آکے چنیں کرینگے چناں کرینگے رہی فوج کی عام بددلی اس سے بھی مسلمان ہی مؤثر ہوتے تھے اور بیشک جوش میں محو ہو جاتے تھے

(سوال) جس زمانہ میں ایرانیوں کے آنیکی افواہ تھی کیا روسیوں کی بابت بھی تذکرہ ہوتا تھا؟

(جواب) ہاں دونوں کا تذکرہ ہوتا تھا۔ مگر بیشتر ذکر ایرانیوں کا ہوتا تھا۔

(سوال) کیا کوئی ایسا ہندوستانی اخبار دہلی سے شائع ہوتا تھا جس میں انگریزوں کے خلاف مضمون نکلتے ہوں؟ (جواب) ہاں جمال الدین ایک ہفتہ وار اخبار نکالتا تھا جسکے مضامین قطعی انگریزی حکومت کے خلاف ہوتے تھے اُس اخبار کا نام صادق الاخبار یا سچی خبریں تھا

(سوال) کیا یہ پرچہ بڑا ہوتا تھا اور اسکی اشاعت بہت تھی؟

(جواب) دہلی شہر میں اور باہر اُسکی دو سو کاپیاں نکلتی تھیں اور یہ پرچہ چھپا ہوا ہوتا تھا۔

(سوال) کیا یہ پرچہ ہفتہ وار ہی نکلتا تھا یا خاص خبروں کے لیئے خاص طور پر بھی نکلتا تھا؟

(جواب) جب کبھی ضروری خبریں ملجاتی تھیں تو خاص طور پر بھی نکلتا تھا۔

(سوال) کن لوگوں اور کن فرقوں میں اسکی زیادہ اشاعت تھی؟

(جواب) بلاتمیز ذات ہر خواندہ فرقہ میں اسکی اشاعت تھی۔

(سوال) دہلی جیسے بڑے شہر کے لیئے دو سو اخبار بہت تھوڑے ہیں کیا ہندوستانیوں میں یہ معمول ہے کہ اخبارات سننے کے لیئے احباب ایک جگہ اکٹھے ہو جاتے ہیں اور ایک اخبار کئی خاندانوں کے لیئے کافی ہوتا ہے؟

(جواب) ہاں خریداروں کی یہ عادت ہے کہ اپنے اخبارات اپنے دوستوں اور عزیزوں کو پڑھنے کے لیئے دیدیتے ہیں۔ (سوال) کیا صادق الاخبار دہلی کا بڑا اخبار تھا اور دیگر اخبارات سے اُس کا کیا تناسب تھا؟ (جواب) ہاں دہلی میں بڑا اخبار سمجھا جاتا تھا اور جو مضامین (جن میں سے اکثر انگریزی اخبارات کا ترجمہ ہوتے تھے) اُس میں شائع ہوتے تھے مسلمان اُنکو بڑی توجہ سے دیکھتے تھے۔ دیگر اخبارات کے ساتھ اُسکا تناسب تو میں نہیں بتا سکتا کہ کیا تھا مگر یہ ضرور کہوں گا کہ بمقابلہ دیگر اخبارات کے اُسکی اشاعت بہت تھی۔

(سوال) تم نے بیان کیا ہے کہ اُسکی تحریر انگریزی گورنمنٹ کے خلاف ہوتی تھی تھیں کوئی

ایسا مضمون یاد ہے جس سے اس بات کا یقین ہو؟

(جواب) مجھے کوئی خاص مضمون یاد نہیں جس میں مقابلۂ دیگر مضامین کے زیادہ مخالفت ہو مگر جو مضامین ایرانیوں اور روسیوں کے متعلق شائع ہوئے اُنکی تحریر ہمیشہ مخالفانہ رہی ہے

(سوال) کیا تم نے یہ بھی سنا تھا کہ ایک چٹھی اس مضمون کی مجسٹریٹ پاس پہنچی کہ کشمیری دروازہ پر حملہ ہونے والا ہے اور وہ انگریزوں سے چھین لیا جائیگا۔

(جواب) نہیں مجھے یاد نہیں کہ مَیں نے ایسی خبر سُنی ہو۔

(سوال) کیا تمھیں چپاتیوں کے موضع بموضع گردش دیئے جانیکا بھی کچھ حال معلوم ہے؟

(جواب) ہاں مجھے یاد ہے کہ بلوہ سے پیشتر چپاتیاں تقسیم ہوئی تھیں۔

(سوال) کیا ہندوستانی اخبارات نے بھی اس مضمون پر بحث کی تھی اور کی تھی تو اس سے کیا مطلب ظاہر ہوتا تھا؟

(جواب) ہاں اس کا کچھ حوالہ ضرور تھا اور اس سے یہ خیال کیا گیا تھا کہ کسی آنیوالے فساد کی پیش بندی ہے اور علاوہ ازیں یہ بھی سمجھا گیا تھا کہ دیہات والوں کو کسی خاص مطلب سے جس کا اظہار بعد میں ہوگا ایک جگہ اکٹھا ہونیکے لیئے یہ چپاتیاں بطور نیوتے کے تقسیم ہوئی ہیں

(سوال) تمھیں معلوم ہے اِنکی ابتدا کہاں سے ہوئی یا کہاں تک ہندوستانیوں میں سکا چرچا تھا

(جواب) مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ ابتدا انکی کہاں سے ہوئی مگر عام خیال پانی پت اور کرنال کی طرف تھا۔ (سوال) کیا صادق الاخبار کی کوئی کاپی قلعہ والوں کے پاس بھی جاتی تھی۔

(جواب) ہاں قلعہ میں تو کئی کاپیاں جایا کرتی تھیں مگر یہ نہیں معلوم کسکی معرفت جاتی تھی۔

(سوال) کیا بلوہ کے ایام میں قیدی نے کوئی عدالتی رسالہ نکال رکھا تھا؟

(جواب) ہاں ایک رسالہ نکلا کرتا تھا جو قلعہ کے اندر شاہی چھاپہ خانہ میں طبع ہوتا تھا۔ بلوہ سے

پیشتر اُس میں خاصکر قلعہ کے متعلق خبریں ہوتی تھیں اور کبھی کبھی دیگر امورات پر بھی بحث ہوتی تھی اس کا نام سراج الاخبار تھا۔

(سوال) کیا کسی انگریز کے قتل ہونے کے موقع پر تم کبھی قلعہ میں گئے تھے۔

(جواب) میں گیا تھا۔ گیارہ مئی کے بلوہ کے پانچ یا چھ روز بعد میں نے قلعہ میں ایک فساد عظیم برپا ہونیکی خبر سُنی۔ یہ سنکر میں وہاں گیا اور قلعہ کے اندر براہ دہلی دروازہ جدید محل کے پاس پہنچکر میں نے شاہی مسلح خدمتگاروں اور باغی سپاہیوں کو قریبًا ساڑھے نو یا دس بجے انگریزوں کو قتل کرتے دیکھا۔ ایک شاہی ملازم نے مجھے دیکھکر یہ کہا کہ تو انگریزوں کے لیئے خبریں جمع کرتا ہے یاد رہے اگر آیندہ ایسا کیا تو تیرا بھی یہی حشر ہوگا اس شخص کا نام بھیکا تھا اور قیدی کے بیٹے مرزا عبداللہ کی خدمت میں تھا۔

(سوال) یہ انگریز کہاں سے لائے گئے تھے؟

(جواب) مجھے نہیں معلوم مگر میں نے سنا ہے کہ شاہی مطبخ سے آئے تھے۔

(سوال) کیا شاہی مطبخ اور آرامگاہ ایک ہی صحن میں ہیں؟

(جواب) شاہی آرامگاہیں قلعہ کے ایک جانب ہیں اور مطبخ جس میں انگریز محبوس تھے اُس کے مقابل دوسری جانب اور ان دونوں کے درمیان میں دربار خاص و دربار عام کی عمارتیں ہیں اور ان کا فاصلہ ایک دوسرے سے دو سو یا ڈھائی سو گز ہے۔

(سوال) جس جگہ میمیں اور بچے رکھے گئے تھے وہاں کس رتبہ کے آدمی رہتے تھے؟

(جواب) اُس جگہ ایک بادشاہی مولوی رہا کرتے تھے۔

(سوال) کیا اس سے تمہارا یہ مطلب ہے کہ جس جگہ میمیں اور بچے قید تھے وہاں معزز اور بڑے آدمی رہا کرتے تھے؟ (جواب) ہرگز اس قسم کے آدمی وہاں نہ رہتے تھے۔

(سوال) پھر کون لوگ رہتے تھے؟ (جواب) کچھ حصۂ عمارت تو ردی خانہ تھا جس میں ملزم بادشاہ کی طرف سے قید کیئے جاتے تھے۔ (سوال) اگر حفاظت کیجاتی تو کیا میمیں اور بچے اس میں محفوظ رہ سکتے تھے۔ یا وہ جگہ کھلی ہوئی ہے کہ جس کا جی چاہے گھس سکے۔

(جواب) نہیں وہ کھلی جگہ ہے نہ تو کسی قسم کی حفاظت ہے اور نہ اسکی چار دیواری ہے۔

(سوال) کیا اگر کوئی معمولی عزت کا ہندوستانی اس جگہ رکھا جاتا تو وہ اس میں اپنی ہتک عزت خیال نہ کرتا؟ (جواب) ہاں قطعی وہ وہاں رہنے میں اپنی بے عزتی اور سبکی سمجھتا۔

(سوال) کیا قلعہ میں یہی ایک جگہ خالی تھی جس میں میمیں اور بچے رکھے گئے؟

(جواب) قلعہ میں عمارت کی کمی نہ تھی جس میں میمیں اور بچے بآسایش رہ سکتے۔

(سوال) کس کے حکم سے انگریز قتل ہوئے؟

(جواب) بادشاہ کے حکم سے اور اس کے سوا اور کون ایسا حکم دے سکتا تھا۔

(سوال) کیا تم نے بادشاہ کے کسی لڑکے کو اس قتل کا تماشا دیکھتے ہوئے دیکھا؟

(جواب) اس جگہ بڑا ہجوم تھا میں نے ان کا خیال نہیں کیا۔ البتہ مرزا مغل کی چھت پر کچھ آدمی کھڑے تھے اور میں نے یہ بھی سنا تھا کہ وہ چلمن میں سے یہ نظارہ دیکھ رہے ہیں۔

(سوال) کیا قتل سے پیشتر انگریزوں کو رسیوں سے جکڑ دیا تھا۔

(جواب) میں نے اس کا خیال نہیں کیا؟

(سوال) کیا قتل سے پیشتر انگریزوں کو رسیوں سے جکڑ دیا تھا؟

(جواب) میں نے اس کا خیال نہیں کیا۔ (سوال) کیا قتل سے پیشتر انہیں ایک قطار میں بٹھلایا تھا۔ (جواب) میں ہجوم کی وجہ سے اس خاص مقام پر نہ جا سکا۔ ترپولیہ میں رہا مگر قتل کے بعد جب بھیڑ منتشر ہوئی اور لاشوں کے اٹھائے جانے کا حکم بادشاہ کے پاس سے آیا اور وہ

اُٹھنے ہی کو تھیں تو میں وہاں جاکر اُن خاکروبوں سے جنکی وہاں نوکری تھی ملا تو معلوم ہوا کہ ۵۲ انگریز قتل ہوئے ہیں۔ اُس وقت لاشیں ایک دائرہ میں زمین پر پڑی تھیں۔

(سوال) اُن میں مردوں کی لاشیں کے تھیں؟

(جواب) صرف پانچ یا چھ عورتوں اور بچوں کی تھیں۔

(سوال) تمھیں معلوم ہے کہ بعد میں اُن لاشوں کا کیا ہوا؟

(جواب) ہاں بحکم شاہ اُنھیں دریا میں غرق کرنے کے لیئے گاڑیوں میں بھر کر سلیم گڑھ کیطرف گئے

(سوال) قتل کے بعد کیا خوشی میں توپیں فیر ہوئی تھیں؟

(جواب) نہ تو میں نے اپنے کان سے سنا اور نہ کسی سے سُنا کہ توپیں چھوٹی تھیں۔

(بارہویں دن کی کارروائی)

(سوال) کیا تم عدالت کو اور انگریزوں کی بابت جو شہر کے اور مقامات میں قتل ہوئے ہوں اطلاع دے سکتے ہو؟ (جواب) جو کچھ میں اُوپر بیان کر چکا ہوں اُسکے علاوہ میں نے کوئی قتل نہیں دیکھا البتہ اتنا ضرور سنا تھا کہ کشن گڑھ میں کوئی ۲۵ انگریز جبتک اُنکے پاس گولی بارود رہی اپنے کو بچاتے رہے۔ جب یہ سامان ختم ہوگیا تو اُنھیں تہ خانوں میں سے لاکر چند مسلمانوں نے باغی سواروں کے ساتھ ملکر قتل کر ڈالا۔

(سوال) کیا دہلی میں بادشاہ کے اختیارات مشتہر ہوئے تھے اور اگر ہوئے تو کب ہوئے تھے

(جواب) ۱۱ مئی کو بادشاہ نے دکانوں کے کھولنے کے لیئے ڈھنڈورا پٹوایا اور دو دن بعد ہاتھی پر سوار ہو کے پیدل رجمنٹ و چند توپیں اور اپنے مسلح ہمراہیوں کے ساتھ قلعہ سے باہر نکلے تھے یہ کارروائی دوکانیں کھولنے کے لیئے ہوئی تھی۔ وہ چوک سے بازار کے اُس حصہ تک گئے تھے جہاں مکانات ہر دو جانب ہلالی صورت میں بنے ہیں۔ اور جس شان و شوکت سے نکلے تھے

اُسی طرح قلعہ میں واپس آ گئے۔ قلعہ سے روانہ ہوتے وقت اور واپس آنے کے وقت اکیس اکیس توپوں کی سلامی ہوئی تھی۔

(جرح قیدی)

(سوال) کیا جو باغی رسالے میرٹھ سے آئے اُنھوں نے یہ کارروائی بادشاہ کے ایماء سے کی یا اپنے دل سے؟ (جواب) مجھے اسکے متعلق کچھ خبر نہیں۔

(سوال) تم نے اُس مکان کے متعلق جس میں میمیں اور بچے رکھے گئے کل یہ بیان کیا تھا کہ وہ بادشاہی مفتی کے استعمال میں تھا۔ اور بعد میں یہ کہا کہ معزز آدمی کے لیئے ایسی جگہ ٹھیرایا جانا باعث ہتک ہے۔ یہ بیان کیسے ایک دوسرے سے موافق ہو سکتے ہیں؟

(جواب) بوجہ دفتر ہونے کے ہر کس و ناکس ادنیٰ و اعلیٰ وہاں جایا کرتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ معزز شخص کے رہنے کے لیئے مناسب نہیں تھا۔ مفتی صاحب کے رہنے کی جگہ نہ تھی بلکہ یہ اُنکا دفتر تھا۔ گواہ کو واپس جانے کا حکم ہوا۔

چنی لال بساطی عدالت میں طلب ہوا اور اُس کو حلف دیا گیا۔

(جرح جج ایڈووکیٹ)

(سوال) کیا ۱۱ و ۱۲ مئی گزشتہ کو تم دہلی میں تھے؟

(جواب) ہاں ان دونوں تاریخوں پر میں دہلی ہی میں تھا۔

(سوال) کیا ان تاریخوں میں سے کسی تاریخ پر بادشاہ کے خود مختار ہونیکا ڈھنڈورا پٹا تھا۔

(جواب) ۱۱ مئی کو آدھی رات پر قلعہ میں بیس ضرب توپ فیر ہوئی تھیں یہ آواز میں نے اپنے گھر ہی پر سُنی تھی اور دوسرے دن دوپہر کو اس بات کا ڈھنڈورا پٹا تھا کہ ملک پھر بادشاہ کے قبضہ میں آ گیا۔ (سوال) کیا جب بادشاہ ہاتھی پر بیٹھکر نکلے تھے تو اُن کا شاہی جلوس تم نے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا؟ (جواب) نہیں بلوہ کے چند ہی روز بعد میں نے قلعہ کو چھوڑ دیا تھا

میں نے شاہی جلوس آنکھ سے نہیں دیکھا۔ البتہ ایک موقع پر مرزا مغل کمانڈر انچیف کا شاہی جلوس دیکھا تھا۔ قیدی نے جرح سے انکار کیا اور گواہ کو واپس جانیکا حکم دیا گیا۔

گلاب ہرکارہ عدالت میں طلب ہوا اور اُسکو حلف دیا گیا

(جرح جج ایڈوکیٹ)

(سوال) ماہ مئی گزشتہ میں جب میمیں اور بچے قلعہ میں قتل ہوئے تو کیا تم دہلی میں تھے اور تمنے اُنھیں قتل ہوتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔

(جواب) ہاں میں دہلی ہی میں تھا اور میں نے اپنے سامنے اُنھیں قتل ہوتے ہوئے دیکھا۔

(سوال) تم نے اُنکے قتل ہونے کی خبر پہلے پہل کب سُنی؟

(جواب) میں نے قتل سے دو روز پیشتر سنی تھی۔ لوگ کہتے تھے دو دن میں انگریز قتل کر دیئے جائیں گے مگر اب یہ یاد نہیں کسدن یہ خبر سُنی تھی۔ جس دن قتل ہوگا قلعہ میں دن کے دس بجے آدمیوں کا ٹھٹ لگا ہوا تھا۔ میں بھی ایک بھیڑ کے ساتھ قلعہ میں گھس گیا جب پہلے صحن میں پہنچا تو وہاں کل قیدیوں کو بادشاہ کے خاص مسلح آدمیوں اور باغی پیادگان سے گھرا ہوا دیکھا۔ قتل کا اشارہ ہوتے تو میں نے دیکھا نہیں۔ مگر ان آدمیوں نے یکدم تلواریں کھینچکر قیدیوں کو یہانتک مارا کہ اُن میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑا۔ قاتلوں کی تعداد سو یا ڈیڑھ سو ہوگی۔ (سوال) کیا تم نے کسیکو اُنکے بچانے کی کوشش کرتے دیکھا یا سنا کہ کسی نے بادشاہ سے اُنکے بارہ میں سفارش کی ہو۔؟

(جواب) نہ تو میں نے کسیکو اُنکے بچانے کی کوشش کرتے دیکھا اور نہ کسیکو بادشاہ سے اُنکے بارے میں سفارش کرتے سُنا۔ (سوال) تم بیان کر چکے ہو کہ ان لوگوں کے قتل ہونیکی خبر تمھیں دو روز پیشتر معلوم ہو گئی تھی کیا تمھیں یہ بھی معلوم ہوا کہ کسکے حکم سے یہ لوگ قتل ہوئے؟

(جواب) اس معاملہ میں حکم کی بابت تو میں نے کچھ سنا نہیں مگر بغیر حکم ایسا ہو نہیں سکتا۔

(سوال) کیا عام طور سے یہ گمان تھا کہ بادشاہ نے ان میموں اور بچوں کے قتل کا حکم دیا؟

(جواب) اس وقت تو یہ مشہور نہیں ہوا۔ البتہ آدمیوں کو یہ کہتے سنا تھا کہ قیدی پرسوں قتل ہونگے

(سوال) کیا بادشاہ کے علاوہ اس وقت کوئی اور ان لوگوں کے قتل کا حکم دینے کا مجاز تھا۔

(جواب) صرف بادشاہ یا مرزا مغل ہی کے حکم سے قتل عمل میں آسکتا تھا۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ ان دونوں میں سے کس نے حکم دیا تھا۔

(سوال) تمھارے خیال میں اس وقت کسقدر انگریز قتل ہوئے ہونگے۔ کیا وہ قتل سے پیشتر باندھ دیئے گئے تھے؟

(جواب) میں تعداد نہیں بتا سکتا وہ ایک قطار میں کھڑے تھے اور اُنکے قاتل اُنھیں گھیرے ہوئے تھے مگر مقتولین میں زیادہ تعداد بچوں کی تھی اور وہ بندھے ہوئے نہیں تھے۔

(سوال) تمھیں معلوم ہے ان لاشوں کا کیا حشر ہوا؟

(جواب) نہیں۔ قتل کے بعد فوراً سپاہیوں نے آدمیوں کو قلعہ کے باہر نکالدیا اور میں نے لاشوں کی بابتہ کبھی کچھ نہیں سنا۔

(سوال) تم نے کسیکو بنک کے قریب بھی قتل ہوتے دیکھا؟

(جواب) ہاں مسٹر بیرسفرڈ اور اُنکی بیوی کو اپنی آنکھ سے قتل ہوتے ہوئے دیکھا جب باغیوں اور شہر والوں نے بنک پر حملہ کیا اُسوقت بیرسفرڈ صاحب اور اُنکی میم بیرونی دفتر میں چھپ گئے مگر جب وہاں اُنکا پتہ چلگیا تو چھت پر بھاگ گئے۔ چونکہ مسٹر بیرسفرڈ کے ہاتھ میں تلوار تھی اور اُنکی میم کے پاس نیزہ تھا اس لیئے کسی کی ہمت نہیں پڑی کہ سامنے کے زینہ پر سے اوپر چڑھ جائے ایک شخص نے یہ رائے دی کہ چکر کھا کر مکان کی پشت کی دیوار پر زینہ لگا کر چڑھنا چاہیئے۔ ایک

حملہ آور کو تو مسس برسفرڈ نے قتل کر دیا مگر بعد میں مغلوب ہو کر جسقدر آدمی بنک میں تھے سب قتل ہو گئے۔ یہ واقعہ دن کے بارہ بجے ہوا۔

(سوال) کیا کل میمیں قتل ہو گئیں یا اُن میں سے کچھ آدمی بھی لیگئے؟

(جواب) وہ سب کی سب فوراً قتل کر دی گئیں۔ اُن میں سے کوئی قید میں نہیں رہا۔

(سوال) کیا بنک پر حملہ کے وقت بھی بادشاہی مسلح ہمراہی ساتھ تھے۔

(جواب) نہیں۔ (سوال) کیا بادشاہ نے بلوہ کے بعد ہی اپنے تئیں مطلق العنان مشہور کیا

(جواب) ہاں بلوہ ہی کے دن سہ پہر کو تین بجے یہ ڈھنڈورا پٹا کہ اب پھر بادشاہ کی حکومت ہو گئی۔ قیدی نے جرح سے انکار کیا۔

(جرح عدالت)

(سوال) کیا تمھیں اسقدر عرصہ تک قیدیوں کے محبوس رہنے کا اور قتل کے لیئے خاص دن مقرر کرنیکا سبب معلوم ہے؟

(جواب نہیں مجھے ان دونوں باتوں میں سے ایک کا بھی علم نہیں۔ قیدی کو واپسی کا حکم دیا گیا

حکیم احسن اللہ خان مکرر عدالت میں طلب ہوئے اور سابق حلف پر اُنکے اظہار ہوئے

(جرح جج ایڈوکیٹ)

(سوال) کیا بادشاہ کے حکم سے بلوہ کے زمانہ میں کوئی روزنامچہ واقعات رکھا گیا تھا؟

(جواب) روزنامچہ تو حسب دستور بلوہ سے بہت قبل رہتا تھا۔

(سوال) اس ورق کو دیکھو اور بتاؤ کہ تم اسکی تحریر کو پہچانتے ہو؟

(جواب) ہاں یہ روزنامچہ نویس کی تحریر ہے اور یہ ورق بھی روزنامچہ ہی کا ہے۔

(ترجمہ خلاصہ روزنامچہ مورخہ ۱۶ مئی ۱۸۵۷ء) بادشاہ نے دیوان خاص میں دربار کیا ۴۹ انگریز

قید تھے اُنکے قتل کے لیئے فوج نے استدعا کی بادشاہ نے اُن قیدیوں کو فوج کے حوالہ کر دیا کہ جس طرح تم چاہو کرو اور بعد میں قیدی قتل کر دیئے گئے۔ دربار میں رؤسا و اُمرا اور افسران و اخبار نویس حاضر تھے"

(سوال) تم ١١ مئی کو دہلی ہی میں تھے۔ (جواب) ہاں میں دہلی ہی میں تھا۔

(سوال) جو کچھ تم نے اس موقع پر دیکھا ہو بیان کرو۔

(جواب) ١٦ رمضان مطابق ١١ مئی کو صبح کے کوئی سات بجے اڑتیسویں ہندوستانی پیادہ رجمنٹ کے ایک ہندوستانی سپاہی نے دربار خاص پر پہنچکر کسی دربان سے یہ کہا کہ ہندوستانی فوج نے سلطنت کے خلاف غدر کر دیا ہے اور باغی عنقریب دہلی میں آیا چاہتے ہیں اور جو فوج میں رہے ہیں وہ کمپنی کی ملازمت ترک کر کے اپنے اپنے مذہب کے لیئے لڑنیکو تیار ہیں میرا مکان قلعہ میں دربار خاص کے پاس ہی تھا اس لیئے ایک مسلمان دربان نے مجھے اس واقعہ کی اطلاع کی۔ مجھے یہ اطلاع ہوئی ہی تھی کہ بادشاہ دہلی نے مجھے طلب فرمایا۔ میں فوراً وہاں گیا بادشاہ نے مجھسے فرمایا دیکھو زیر جھروکہ والی سڑک پر رسالہ آرہا ہے میں نے ١٥ یا ٢٠ کمپنی کے باقاعدہ سواروں کو کوئی ڈیڑھ سو گز کے فاصلہ پر آتے دیکھا۔ اُن میں بیشتر تو وردیاں پہنے ہوئے تھے باقی ہندوستانی کپڑے زیب تن کیئے تھے۔ میں نے فوراً بادشاہ کو رائے دی کہ جھروکے کے نیچے والا دروازہ بند کر دیا جائے۔ دروازہ بند ہوا ہی تھا کہ پانچ یا چھ سوار سمن برج کے نیچے والے دروازے سے پہنچ گئے بادشاہ محلات کے قریب ہی رہا کرتے تھے۔ سواروں نے غل مچایا "دہائی ہے بادشاہ کی ہمیں مذہب کے لیئے مدد دیجائے" بادشاہ نے نہ خود جواب دیا نہ آدمیوں کو جواب دینے دیا بلکہ غلام عباس شمشیر الدولہ کو یہ حکم دیا کہ کپتان ڈگلس افسر گارد قلعہ کو ان سواروں کے

آنیکی خبر کردو اور کہو کہ حسب ضرورت اس معاملہ میں کارروائی کریں۔ بادشاہ اُٹھکر مکان کے اندر چلے گئے اور میں دیوان خاص کے کمرہ میں آگیا۔ غلام عباس اُسی وقت کپتان ڈگلس کے ساتھ واپس آگئے۔ کپتان صاحب نے آتے ہی برآمدہ میں جاکر اُن سواروں سے کہا یہاں سے چلے جاؤ بادشاہ کا محل ہے تمھارے غل سے انھیں تکلیف ہوگی سوار یہ سنکر فوراً راج گھاٹ کی طرف چلے گئے۔ یہاں سے قلعہ کے جنوبی حصہ شہر میں آنیکا راستہ ہے بادشاہ کو جب کپتان ڈگلس کے آنیکی خبر ہوئی تو فوراً باہر آکر اُن سے اپنے خلوت خانہ اور دربار خاص کے درمیانی صحن میں ملاقات کی۔ کپتان صاحب نے اُن سے کہا گھبرانیکی کوئی بات نہیں ہے یہ فساد فوراً رفع ہوجاویگا اور ہم آدمیوں کو دھمکا دینگے۔ اس غرض سے اُنھوں نے جانا چاہا اور درخواست کی کہ ثمن برج کے نیچے کا دروازہ کھولدیا جائے تاکہ میں نیچے جاکر سواروں کو سمجھا دوں۔ بادشاہ نے کہا نہ تو تمھارے پاس تمنچہ ہے۔ اور نہ بندوق اور سپاہی ہتھیار بند ہیں۔ تمھارا اُن لوگوں کے پاس تن تنہا جانا خلاف عقل ہے اس لئے کپتان ڈگلس اپنے قیام گاہ کو واپس چلے گئے۔ کچھ دیر کے بعد کپتان ڈگلس صاحب کا ملازم پران جمعدار مجھے اور غلام عباس کو بلانے آیا۔ ہم اُسکے ساتھ کپتان صاحب کے پاس گئے اُنھوں نے مجھسے کہا کہ میرے پاؤں میں موچ آگئی ہے۔ اسوقت اِنکے پاس ایک اور بھی صاحب تھے جنکو میں نہیں پہچانتا وہ ایک پلنگ پر بیٹھے تھے اور اُنکے دائیں ہاتھ میں تلوار کا زخم تھا۔ کپتان ڈگلس نے کہا کہ دو پالکیاں مع کہاروں کے بھیجدو کہ میمیں اُس میں بیٹھکر بادشاہ بیگم کے پاس چلی جائیں اور اُنکی نگرانی میں رہیں" اسی وقت مسٹر سائمن فریزر نے کمرہ کے اندر آکر کہا کہ بادشاہ کے ہاں سے دو توپیں اور توپچی منگا کر دروازہ پر لگادو۔ پھر میں اور غلام عباس اور فریزر صاحب کپتان صاحب کے ہاں سے

نیچے اُترے۔ میں اور غلام عباس تو مذکورہ بالا پیغام پہنچانے کے لیئے سیدھے بادشاہ کیطرف گئے اور فریزر صاحب پٹے ہوئے راستہ میں کھلی ہوئی جگہ پر ٹھہر گئے۔ ہمنے اُسی وقت بادشاہ کی اجازت حاصل کر کے میموں کے لانے کے لیئے فوراً پالکیاں روانہ کر دیں اور توپوں کے لیئے بھی حکم دیدیا۔ اتنے میں یہ خبر لگی کہ رسالے والے لاہوری دروازہ سے قلعہ کے اندر گھس آئے اور مسٹر فریزر کو قتل کر دیا اور اب کپتان ڈگلس کو قتل کرنے کے لیئے اُوپر چڑھے ہیں۔ بادشاہ نے یہ سنکر حکم دیا کہ قلعہ کے کل دروازے فوراً بند کر دیئے جائیں جس کا جواب اُنھیں یہ دیا گیا کہ اڑتیسویں ہندوستانی پیدل کے گارد نے جس کی تعیناتی قلعہ کے دروازہ پر تھی دروازے بند نہیں ہونے دیئے۔ تھوڑی دیر کے بعد رسالہ کے کوئی پچاس سواروں نے دیوان خاص کے قریب گھوڑوں سے اُتر کر جانوروں کو قریب کے باغ میں باندھ دیا۔ پیادگان بھی قلعہ میں گھس آئے اور اُنھوں نے بھی جہاں جگہ پائی بستر لگا دیئے۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ یہ پیادے کس رجمنٹ کے تھے مگر میرے خیال میں جو تین رجمنٹیں دہلی میں رہتی تھیں اُن ہی میں سے ہونگے۔ اُسدن کوئی اجلاس نہ تھا مگر بادشاہ تین چار مرتبہ دیوان خاص میں جسکے سامنے باغی خیمہ زن تھے آئے۔ باغی تمام دن اور رات میں بھی جوق جوق قلعہ کے اندر آتے رہے۔ نمبر ۵۴ شام کو قلعہ میں داخل ہوئی مگر فوراً سلیم گڈھ پر قبضہ کرنے کے لیئے چلی گئی اور وہاں دوسرے دن جو توپیں میگزین سے لائے تھے میرٹھ سے آنے والی انگریزی فوج کو دہلی میں آنے سے روکنے کے لیئے لگا دیں۔ تین شبانہ روز انگریزوں کے آنیکی خبریں ملتی رہیں اور باغی فوراً بجل بجا کر تیار ہو جاتے تھے۔ ۱۲ مئی کو قیدی کے تین لڑکوں مرزا مغل، مرزا خضر سلطان اور پوتے مرزا ابوبکر نے درخواست کی کہ ہمیں فوج میں اعلا عہدے دیئے جائیں۔ میں نے بادشاہ سے کہا کہ ان عہدوں کے

لائق نہ تو انکی عمریں ہیں اور نہ انھیں تجربہ ہے اور نہ وہ ان عہدوں کے فرائض سے واقف ہیں جس پر وہ تینوں بہت ناراض ہوئے۔ اُس دن تو وہ ملتوی رہا مگر دوسرے دن وہ مرزا مینڈھو و مرزا بختاور شاہ اور مرزا عبداللہ اور چند فوجی افسروں کو اپنی سفارش کے لئے لائے اور بالآخر اُن کو کمان ملگئی اور وردیاں دیدی گئیں۔

(سوال) تم نے بیان کیا ہے کہ درخواست کرنے پر پادشاہ نے دو پالکیاں میموں کے بلانے کے لیئے بھیجی تھیں کیا جب بادشاہ کو مسٹر فریزر اور کپتان ڈگلس کے مرنے کی خبر لگی تو اُنھوں نے قاتلوں کی گرفتاری یا سزا کے لیئے کوئی حکم دیا یا نہیں؟

(جواب) نہیں اُس وقت ایسی بے ترتیبی تھی کہ کچھ نہ ہو سکتا تھا۔

(سوال) یہ شہادت گزر چکی ہے کہ بادشاہ کے خاص ملازموں ہی نے مسٹر فریزر وغیرہ کو قتل کیا تھا۔ کیا پھر بھی اُنھیں برابر تنخواہ ملتی رہی اور وہ ملازم رہے؟

(جواب) میں نے کبھی یہ نہیں سنا کہ بادشاہ کے ملازم بھی قتل میں شریک تھے مگر بلاشبہہ کوئی اس جرم میں برطرف نہیں ہوا۔

(سوال) کیا اس سے تمھاری یہ مراد ہے کہ قاتلوں کے نام عام طور پر مشہور نہیں ہوئے تھے

(جواب) نہیں نہ عام طور سے اُنکی شہرت ہوئی تھی اور نہ مجھے معلوم ہے کہ قتل کرنیوالے کون تھے۔

(سوال) کیا اسکی حقیقت میں کبھی تحقیقات نہیں ہوئی؟ (جواب) نہیں۔ ہرگز نہیں۔

(سوال) بلوہ سے پیشتر بادشاہ کے پاس مسلح ملازم کسقدر تھے؟

(جواب) کل تقریبًا بارہ سو (۱۲۰۰)

(سوال) کیا یہ مختلف قسم کی فوج میں بٹے ہوئے تھے مثلًا توپخانہ و رسالہ و پیدل وغیرہ میں؟

(جواب) ہاں وہ توپخانہ و رسالہ و پیدل میں منقسم تھے۔

(سوال) بادشاہ کے پاس کسقدر توپیں تھیں؟

(جواب) استعمال میں تو صرف چھ تھیں اگر کچھ غیر مستعمل ہوں تو مجھے اُنکی تعداد معلوم نہیں۔

(سوال) ۱۱ مئی کے بلوہ کے دن یہ فوج کس طرح تعینات کی گئی تھی؟

(جواب) اُنکی تقسیم قلعہ کے دروازوں اور بڑے بڑے حکام کے مکانات کے گاردوں میں تھی۔ ان سپاہیوں میں بیشتر تو وہ تھے جن کو پیشگی روپیہ مل چکا تھا۔ اور بعض ملازم نہ تھے مگر ماہانہ تنخواہیں گھر بیٹھے پایا کرتے تھے۔

(سوال) اسقدر میمیں اور بچے قلعہ میں کیوں آئے اور کسواسطے محبوس کیئے گئے؟

(جواب) باغی اُنھیں اپنے ہمراہ لائے تھے جب اُنھیں قلعہ میں جگہ ملگئی تو ان قیدیوں کو بھی اپنے ساتھ وہیں لے آئے۔

(سوال) تمھاری اس سے کیا مراد ہے کہ اگر کسی نے انگریز یا میم یا بچے کو پکڑا تو اُسکی خود نگرانی کی

(جواب) نہیں جب انگریز کو وہ پکڑ کر لائے اُسکی اطلاع بادشاہ کو ہوئی اور اُسے مطبخ میں رکھنے کا حکم ہوا

(سوال) انگریزوں کے مطبخ میں رکھنے کی تجویز کس نے کی تھی؟

(جواب) بادشاہ نے خود باغیوں سے کہا کہ وہ عمارت بہت وسیع ہے اُسی میں اُنھیں رکھو

(سوال) بلوہ سے بیشتر بادشاہی مسلح آدمیوں کا افسر کون تھا؟ (جواب) محبوب علیخان۔

(سوال) کیا ۱۱ مئی کو ان میں سے کوئی میگزین پر حملہ کرنے گیا تھا اور گیا تھا تو کس کے حکم سے

(جواب) نہیں جو احکام میں نے سُنے اُن میں تو کسیکو وہاں جانیکا حکم نہیں ہوا اور نہ میرے علم میں کوئی گیا مگر ممکن ہے جو لوگ شہر میں رہتے تھے اُن میں سے کچھ یا کل گئے ہوں۔

(سوال) کیا بادشاہ کا کوئی ایلچی اس وقت شاہ فارس کے پاس بھیجا یا بیشتر گیا تھا؟

(جواب) نہیں۔ موجودہ زمانے کی بابت تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کوئی دو یا تین سال گزرے

ہونگے مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے محمد باقر والے اخبار میں پڑھا تھا کہ مرزا نجف قیدی کا بھتیجا ایرانی دربار میں گیا تھا اور شاہ فارس بڑی خاطر تواضع سے پیش آئے تھے -

(سوال) کیا یہ شخص بادشاہ دہلی کی طرف سے گیا تھا؟

(جواب) مجھے خبر نہیں - البتہ اس شخص کا بھائی دو سال ہوئے بہت سے کاغذ لیکر کلکتہ گورنمنٹ میں بھیجا گیا تھا -

(سوال) حسن عسکری نے جو شیدی قنبر کو فارس . بھیجا تھا اُسکے متعلق تم کچھ اطلاع عدالت کو دیسکتے ہو - یہ شہادت ہوچکی ہے کہ تم سے ہر اہم کام میں مشورہ لیا جاتا تھا اور خاصکر تحریریں تو اور بھی اور ہمیں یقین ہے کہ تمھیں اس معاملہ کی ضرور خبر ہے؟

(جواب) میں حلفیہ کہتا ہوں میں نے کوئی بات نہیں چھپائی اور نہ اُس میں غلط بیانی کی اگر میں ملازم نہوتا تو شاید مجھپر ایسی باتوں کا بھروسہ کیا جاتا - بہت سی ضروری باتیں مجھسے ظاہر بھی نکیجاتی تھیں مثلاً بادشاہ کا اپنی بیوی تاج محل کو طلاق دینا جو ذات کی ڈومنی اور ادنی درجہ کی تھی اور جس سے بادشاہ نے بعد میں شادی کرلی تھی - اس معاملہ میں اور نیز جواں بخت کی تخت نشینی کے معاملہ میں جو ضروری معاملات ہیں مجھسے کبھی رائے نہیں لیگئی - جو کچھ قیدی و حسن عسکری اور شیدی میں طے پایا اُسکی مجھے اصلا خبر نہیں -

(سوال) کیا بادشاہ نے بلوہ سے پیشتر اپنے ملازموں یا خط و کتابت یا کسی اور ذریعے سے کمپنی کی فوج کے ہندوستانی افسروں یا سپاہیوں سے ساز باز کی تھی؟

(جواب) نہیں میرے خیال میں تو ہوئی نہیں اور ممکن ہے کہ ہوئی ہو اور مجھے اسکی اطلاع نہیں ملی

(تیرہویں دن کی کارروائی) حکیم احسن اللہ خان عدالت میں طلب ہوئے اور اُنکو سابق حلف یاد دلایا گیا

(ججج ایڈوکیٹ) (سوال) کیا قیدی بلوہ سے پیشتر صادق الاخبار بالعموم دیکھا کرتا تھا؟

(جواب) قیدی تو باقاعدہ نہیں پڑھا کرتا تھا البتہ کبھی کبھی شاہزادے اُس کا کچھ حصّہ پڑھکر سنا دیا کرتے تھے۔

(سوال) کیا کوئی شاہزادہ ایرانیوں کے متعلق مضامین بہت دلچسپی سے پڑھتا یا اُن مضامین کو ضروری سمجھتا تھا اور ایرانیوں کے انگریزوں کو پسپا کرنی کی بابت رائے زنی کیا کرتا تھا؟

(جواب) میں نے خود تو وہ اخبار پڑھا نہیں مگر سنتا ہوں اُس میں ایرانیوں کے انگریزوں کو مغلوب کرنے کے مضامین اکثر ہوا کرتے تھے اور شاہزادے اُن خبروں کو ضروری سمجھکر وقعت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔

(سوال) کیا بلوہ سے پیشتر بالعموم مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ انگریزی حکومت قریب الاختتام ہے اور کیا شاہزادے اُنکے اس خیال کی تائید کرتے تھے۔

(جواب) میں نے کبھی یہ بات نہیں سنی۔

(جرح قیدی)

(سوال) تم نے یہ بیان کیا ہے کہ بادشاہ کی ملازمت میں بارہ سو سپاہی تھے اچھا بتاؤ بادشاہی فوج کے حصوں کی وردی کیا تھی اور مختلف رجمنٹوں کے کیا کیا نام تھے۔

(جواب) پیادگان کی دو رجمنٹیں تھیں اور ہر ایک میں پانسو سپاہی تھے۔ بعض کی وردی سیاہ تھی اور بعض کی خاکی مگر پگڑیاں اور پیٹیاں سب کی سُرخ تھیں وردیوں پر کوئی نشان آرائش نہ تھا جس سے مختلف درجوں کی تمیز ہوتی۔ توپخانہ میں تقریباً چالیس آدمی تھے اُنکی وردی گہری نیلی تھی اور پگڑیاں اور پیٹی سرخ اُنکی وردیوں پر بھی کسی قسم کا نشان زیبائش نہ تھا قیدی کے خاص گارد کا کوٹ سرخ اور پگڑیاں اور پیٹیاں سیاہ تھیں۔

مسز آلڈویل زوجہ الگزینڈر آلڈویل پنشن خوار گورنمنٹ عدالت میں طلب ہوئیں

اور اُن کو حلف دیا گیا۔

(جرح جج ایڈوکیٹ)

(سوال) کیا ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو تم دہلی ہی میں تھیں؟ (جواب) ہاں

(سوال) تم کہاں رہتی تھیں اور ہندوستانی رسالوں کے میرٹھ سے دہلی آنیکی خبر پہلے پہل تم نے کب سُنی؟

(جواب) میں دریا گنج میں رہا کرتی تھی میں نے ۱۱ مئی کو آٹھ نو بجے کے قریب سپاہیوں کے میرٹھ سے دہلی میں آنیکی خبر سنی تھی۔

(سوال) تم نے جو کچھ اُس دن دیکھا بیان کرو؟

(جواب) میرے ایک سائیس نے مجھسے آکر کہا کہ میرٹھ میں غدر کرکے سوار یہاں آگئے ہیں اور جو جو انگریز اُنھیں راستے میں ملے اُنکو قتل کرڈالا اُس نے مجھسے یہ بھی کہا کہ گاڑی میں بیٹھکر یہاں سے نکل چلنا چاہیئے کیونکہ اُنھوں نے یہاں بھی انگریزوں کے قتل کرنے کی قسم کھائی ہے۔ میں سائیس سے باتیں کررہی تھی کہ میرے پڑوسی مسٹر نولن نے اِسکی تصدیق کی اور مجھسے کہا کہ مَیں مسٹر الڈویل سے ملنا چاہتا ہوں۔ ان دونوں کی یہ رائے ہوئی کہ ہمارا مکان بہت وسیع ہے گرد و نواح میں جسقدر انگریز ہیں وہ سب یہاں جمع ہوکر حتی الامکان دفعیہ کی کوشش کریں یا کمک آنے تک روک تھام کرتے رہیں۔ اسکے بعد مسٹر الڈویل اور مسٹر نولن دونوں قریب کے ہسپتال والے گارد کے پاس گئے۔ اِس گارد میں کل ہندوستانی سپاہی تھے اِن دونوں نے ان سے اپنی محافظت کیواسطے کہا اور یہ بھی کہا کہ اس خدمت کے معاوضہ میں کمک آجانے پر انگریز تمھاری ہر طرح مدد کرینگے سپاہیوں نے جواب دیا جاؤ اپنا بندوبست خود کرلو اور ہم اپنا بندوبست کرلیں گے۔

اس وقت آٹھ بج گئے تھے اور میرٹھ کے باغی دریا عبور کر کے اس گارد سے ابھی تک نہیں ملے تھے۔ اس کے بعد ان انگریزوں نے جو ہمارے مکان میں جمع ہو گئے تھے اور جنکی تعداد مع عورت و مرد و بچہ بتیس سے زائد تھی دروازوں کی ناکہ بندی شروع کر دی اور عورتوں اور بچوں کو کوٹھے کے مکان پر بھیجد یا۔ نو بجے کے قریب باغی پل عبور کرتے دکھائی دیئے ان میں بیشتر سوار تھے اور کچھ پیدل اور یہ لوگ ہمارے مکان کی دیوار کے نیچے سے گزرے جو لب دریا واقع تھا اور ان میں سے کسی نے ایک انگریز پر جو چھت پر کھڑا تھا گولیاں ماریں یہ جماعت پھر جیلخانہ کی طرف غالبًا قیدیوں کے رہا کرنے کے لیئے چلی گئی۔ اسکے بعد ہی ہمیں یہ معلوم ہوا کہ انھوں نے شہر میں گھس کر جہاں کہیں انگریزوں کو پایا نہ تیغ کرنا شروع کر دیا اتنے ہی میں ایک مسلمان جو ذات کا رنگریز تھا تلوار کھینچے ہمارے مکان میں گھس آیا۔ اسکی تلوار سے خون ٹپک رہا تھا اور زبان پر کلمۂ توحید جاری تھا اور پکار رہا تھا کہ انگریز کہاں ہیں؟ مسٹر فولن نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اور کیا چاہتا ہے اور جب اس نے کچھ جواب نہ دیا تو اسے گولی ماردی۔ یہی ایک شخص ہمارے مکان میں گھسنے پایا تھا بعد اسکے پچاس یا ساٹھ ہمراہی دروازے کے باہر جمع ہو گئے۔ کوئی گیارہ بجے ایک مسلمان نے مسس فولن کو ہمارے مکان پر پہنچایا۔ چند شہر والوں نے اسکے مکان کے اندر گھسکر مکان کو لوٹ لیا اور اسکے سر کو سخت زخمی کر دیا تھا۔

تین بجے میگزین اڑنے تک کوئی سخت واردات نہیں ہوئی کیونکہ مجھسے میرے ملازموں نے کہا تھا کہ باغی توپیں لینے گئے ہیں۔ میں نے مسٹر الڈویل سے کہا مجھے اس مکان سے مع تینوں بچوں کے نکل جانے دیں اور جگہ چھپونگی۔ ہندوستانی کپڑے پہن تینوں بچوں کو ساتھ لے ڈولی میں بیٹھکر میں بادشاہ کے پوتے مرزا عبداللہ کے مکان پر گئی۔

مسٹر الڈویل اور میرے اُنکے گھر والوں سے پہلے سے شناسائی تھی اُن کی بیوی اور لڑکیوں نے مجھے بڑی خاطر سے اُتروایا۔ ہم رات کے آٹھ نو بجے تک تو وہاں رہے اس کے بعد مرزا عبداللہ نے کہا کہ میں تمکو زیادہ محفوظ جگہ یعنی اپنی ساس کے گھر پونہچا دیتا ہوں اُنھوں نے ہمیں وہاں پہنچا دیا اور میرا روپیہ پیسہ اپنے پاس رہنے دیا اور مجھے کہا اس وقت اُس کا بازار میں سے لیکر جانا مناسب نہیں صبح کو اپنے منشی کو بھیجکر منگا لینا۔ چنانچہ میں نے صبح کو منشی کو اپنے دو سو روپیہ اور کچھ چاندی کی طشتریاں لانیکے لیئے بھیجا مگر مرزا عبداللہ نے انکار کیا کہ میرے پاس نہیں ہے اور پھر دھمکی دی کہ اگر تم میرے ساس کے مکان سے نہ چلے گئے تو میں آدمیوں کو بھیجکر قتل کرا دونگا اور ایسا ہی ہوا کہ اُنھوں نے شام کو اپنے چچا اور چند آدمیوں کو بھیجا کہ اگر میں نہ چلی گئی ہوں تو مجھے قتل کر دیں۔ میں نے اُن کے چچا کو تو نہیں دیکھا البتہ اُنکے آدمیوں نے ہمارے قتل کے لیئے تلواریں سونتھ لی تھیں مگر میرے منشی کی بیوی نے اُنھیں سخت لعنت ملامت کی اور کہا اگر مرزا کی یہی مہمان نوازی ہے اور اُن کا یہی ارادہ تھا تو اُنھوں نے اپنے ہاں کیوں آنے دیا۔ کیا یہ پناہ اور امن دینے کا وعدہ محض قتل کرنے کے لیئے تھا" اور اُس نے یہ بھی کہا کہ اگر تمھیں اُنھیں قتل ہی کرنا ہے تو پہلے مجھے قتل کردو۔ میں نے ان عیسائیوں کا نمک کھایا ہے اُنھیں اپنے سامنے قتل ہوتے نہ دیکھونگی اُس نے اُن سے طنزاً یہ بھی کہا "میں سیدانی اور شیعہ ہوں مجھے مار کر بڑا نام پاؤ گے" یہ اشارہ اُس نے اس لیئے کیا تھا کہ وہ شیعہ تھی اور بادشاہ کا خاندان سنی تھا اور سنیوں نے آلِ نبی یا سیدوں کو ابتداءً قتل کیا تھا۔ اُنھوں نے اُس سے جواب دیا کہ اگر ہم ایسا کریں تو ہم کافروں سے بھی بدتر ہیں مگر چونکہ ہمنے عیسائیوں کے قتل کا مصمم ارادہ کرلیا ہے اور جو لوگ عیسائی نہیں ہیں ہم اُنھیں نصیحت کرتے ہیں کہ یا تو وہ خود گھروں کو چھوڑ دیں ورنہ ہم اُنھیں

دعیسائیوں کو قتل کر ڈالیں یا اُنھیں گھروں سے نکالدیں کہ راستہ میں اُن کا فیصلہ کردیں بالآخر یہ بات طے پائی کہ ہم اس شرط پر آیندہ شام تک وہاں رہیں اُسکے بعد ہم وہاں سے چلے جائیں گے۔ مگر اُسی رات میرا میر منشی میرے پاس میرے درزی کو لایا میں نے اُس سے دریافت کیا کہ تیری دانست میں کوئی اور ایسی محفوظ جگہ ہے جہاں ہم چھپ رہیں۔ اُسنے جوابدیا یہ سُنا جاتا ہے کہ نواب احمد علیخاں انگریزوں کو اپنے ہاں پناہ دے رہے ہیں میں آپ کو وہاں لیچلونگا۔ وہ نواب کی گاڑی لینے چلا گیا مگر واپسی پر اُس نے آکر یہ کہا کہ باغیوں کو انگریزوں کے نواب کے گھر میں چھپنے کا حال کھل گیا اور اُنھوں نے مکان پر توپیں لگا دی ہیں مگر اب میں آپ کو اپنے گھر ہی لے چلوں گا۔ اُس نے ایسا ہی کیا اور ہم اُسی کے ہاں تھے کہ اُسنے یہ سُنا کہ کچھ انگریز قلعہ میں گئے ہیں اور باوجود محبوس ہونیکے بادشاہ نے اُنکی جانوں کی ضمانت کرلی ہے اور مجھے یہ رائے دی کہ تم بھی وہیں چلی جاؤ بُدھ کی رات کو آٹھ بجے کے درمیان وہ ایک اور باغی سوار مسمی قادر داد خاں کو اپنے ہمراہ لایا اور یہ دونوں بحفاظت ہمیں قلعہ میں لیگئے۔ درزی نے کسی وقت اُن کے ساتھ کوئی مہربانی کی تھی اس لیئے باغی نے ہماری حفاظت کرنے کی حامی بھرلی اور کہا کہ باوجود انگریزوں کے قتل کرنیکے متعلق باہمی قسما قسمی کے میں تمھارا ساتھ دیتا ہوں جب قلعہ کے لاہوری دروازہ پر پہنچے تو شاہی گارد نے ہمیں قید کرلیا اور مرزا مغل کے پاس لیگئے اُنھوں نے حکم دیا کہ انکو بھی اور انگریزوں کے ساتھ قید خانہ میں بند کردو۔ اس طرح ہم ۱۳ مئی منگل کی رات کو وہاں گئے۔ جہاں تک میں خیال کرسکتی ہوں مرد و عورت اور بچے ملا کر کل انگریز ۴۶ سے ۵۰ تک قید خانہ میں ہونگے۔ میری اور میرے بچوں کی یاد کے موافق اُنکے نام یہ تھے۔ مسس سکلی اور اُنکے تین بچے۔ مسس گلن و مسس ایڈورڈس و دو بچے مسس ملانی اور دو بچے و مسس

شیہان و ایک بچہ و مس کوربٹ اور ایک لڑکی و مس سٹینبر و مس کوچرین و مس ایم ہنٹ و مس اے بیرسفرڈ و مس ایل رائیلی و ماسٹر رچرڈ شار و مس ایلیس شار و مس این شار و مسٹر رابرٹس و لڑکا و مسٹر کرو و مسٹر سمتھ اُنکے علاوہ ایک مرد اور اور عورتیں اور بچے بھی تھے اُن کا نام مجھے یاد نہیں۔ ہم سب ایک تنگ و تار کمرے میں جس کا صرف ایک ہی دروازہ تھا بند کر دیئے گئے تھے ؏ جائے تنگ بود و مرداں بسیار کا معاملہ تھا اور جب کوئی سپاہی مذاقاً یا عمداً بچوں کو ڈرانے آتا تھا تو مجبوراً ہم اُس ایک دروازے کو بھی بند کر لیتے تھے۔ سپاہیوں کی بندوقیں بھری ہوئی تھیں اور اُن پر سنگیں چڑھی ہوئی تھیں اور ہم سے بار بار پوچھتے تھے کہ اگر بادشاہ تمہاری جان بخشی کردے تو تم مسلمان ہو جاؤ گے؟ مگر بادشاہ کے خاص مسلح سپاہی جو اُن سپاہیوں میں ملے ہوئے تھے اُن کو منع کرتے تھے کہ اِنھیں جانوں کی اُمید نہ دلاؤ ہم انکے ٹکڑے ٹکڑے کرینگے اور ان کا گوشت چیلوں اور کوؤں کو دینگے۔

جمعرات کے دن کچھ سپاہیوں نے آکر میموں سے کہا کہ ہم قلعہ میں سرنگ لگا کر تم سب کو اُڑا دینگے۔ ہمیں کھانے میں بہت موٹی جھوٹی غذا ملتی تھی صرف دو مرتبہ بادشاہ نے عمدہ کھانا بھجوایا تھا۔ اُسدن اور کچھ نہیں ہوا جمعہ کے دن ایک سپاہی نے ایک میم (غالباً مس سٹینبر سے آکر یہ پوچھا کہ اگر انگریزوں کو اختیار ہو جائے تو ہمارے ساتھ کیا کرینگے۔ جس کا جواب اُنھوں نے یہ دیا کہ جیسا تم نے ہمارے خاوندوں اور بچوں کے ساتھ کیا۔

دوسرے دن یعنی ۱۶ مئی بروز شنبہ باستثنائے میرے اور ایک مسلمان بڑھیا کے جو کچھ کھانا دیتی تھی کل انگریزوں کو قید خانہ میں سے لیجا کر قتل کر دیا۔

(سوال) تم کس طرح جانتی ہو کہ کل آدمی قتل ہوئے اور تمھارے اور تمھارے بچوں کے ساتھ نرمی کرنے کا کیا سبب تھا؟

(جواب) ہم ابھی درزی ہی کے مکان میں تھے کہ میں نے ایک عرضی بادشاہ کے نام لکھی تھی اور اسکو اپنے پاس اس غرض سے رکھا تھا کہ بذات خود بادشاہ کو دونگی مگر جب لاہوری دروازہ پر گارد والوں نے مجھے قید کیا تو وہ درخواست بھی اُنھوں نے مجھسے لیلی اُس میں میں نے یہ لکھا تھا کہ میں اور میرے بچے کشمیری مسلمان ہیں اس لیئے مجھے اوروں سے علیحدہ کھانا دیا جاتا تھا اور بادشاہی ملازم بھی مجھے مسلمان سمجھکر میرے ساتھ کھایا کرتے تھے پیرس کے بلوہ کے بعد میں نے ارکانِ اسلام سیکھ لیئے تھے اور اپنے بچوں کو بھی یاد کرا دیئے تھے اور ہم اُنھیں بخوبی ادا کرسکتے تھے۔ ہم مسلمان سمجھے جانے ہی کی وجہ سے بچے ١٦ مئی کی صبح کو شاہ کے خاص ملازم اور کچھ پیدل سپاہیوں نے آکر کہا کہ سوائے پانچ مسلمانوں کے کل عیسائی باہر آجائیں۔ عورتوں اور بچوں نے یہ سمجھکر کہ اب قتل ہونگے رونا پیٹنا شروع کردیا۔ اُنھیں تسکین دینے کے لیئے مسلمانوں نے تو قرآن کی اور ہندوں نے جمنا کی قسم کھائی کہ تم قتل نہیں کیئے جاؤ گے بلکہ ہم تمھیں اچھی جگہ لیجاتے ہیں اور جو آدمی اس جگہ رہیں گے وہ بعد میں میگزین جائینگے۔ یہ سنکر وہ سب باہر نکل گئے جہاں اُنھیں شمار کرنے کے جنکی تعداد مجھے معلوم نہیں مثل قیدیوں کے اُن کے گرد رسی کا حلقہ ڈالکر لیگئے میں خود تو نہ دیکھ سکی مگر مجھے معلوم ہوا کہ اُنھیں پیپل کے درخت کے نیچے حوض کے پاس بادشاہ کے ملازموں نے تلواروں سے کاٹ دیا۔ اُس قتل میں کوئی سپاہی شریک نہ تھا۔ اُنکے قتل کرنیکا کام بادشاہی ملازموں نے خود اس واسطے اپنے ذمہ لیا تھا کہ اگر ہم ان کافروں کو مارینگے تو ہمیں جنت میں درجے ملیں گے۔ اس بات کی خبر مجھے ایک مہترانی نے دی تھی اور بغاوت کے دنوں میں جب میں دہلی میں آکر رہی تو اسکی اور تصدیق ہوگئی قتل کے بعد ہی دو توپیں چلی تھیں جنکی بابت یہ مشہور ہوا کہ اس خوشی کے اظہار میں چھوٹی

ہیں۔ قتل کے ایک گھنٹہ بعد مفتی صاحب نے آکر شاہی گارد سے کہا کہ میں باقیماندہ پانچ قیدیوں کو دیکھنا چاہتا ہوں؟ انھوں نے ہمیں ہماری جانوں کی خوش خبری سنائی اور گارد والوں سے کہا کہ انھیں کسی محفوظ جگہ لیجاؤ مگر اس بات کا خیال رکھنا کہ دن کے وقت نہ لیجانا مبادا کوئی سپاہی یا شہری انھیں قتل کر دے (مجھے یہ کہدینا ضرور ہے کہ ان میں بعض کو ہمارے عیسائی ہونیکا شبہہ تھا) شام کو ہم پھر اپنے درزی کے مکان پر گئے اور آیندہ منگل کو اس علاقہ کے تھانیدار نے پھر ہمیں قید کر لیا۔ مرزا مغل کے سامنے لے گیا تھانہ دار نے مرزا سے کہا کہ یہ عیسائی ہیں انھوں نے بھیس بدل رکھا ہے اور مرزا نے ہمارے پھانسی پر چڑھانیکا حکم دیا مگر اٹھتیسویں رجمنٹ کے سپاہیوں نے انھیں ہمارے قتل سے باز رکھا اور ہم ہیڈن کی لڑائی تک وہیں قید رہے اسکے بعد اٹھتیسویں رجمنٹ کے سپاہیوں نے ہمیں رہا کر دیا۔ سپاہی جب شکست کھا کر وہاں سے شہر میں واپس آئے تو آدمی مایوسانہ یہ کہنے لگے کہ انگریزوں کے مقابلہ میں اب کامیابی کی کچھ امید نہیں۔ اس پر ہندو سپاہیوں نے انھیں شرم دلائی کہ ابھی تو انگریزوں سے پہلی ہی لڑائی ہوئی ہے اسی برتے پر اپنے مذہب کے لیے لڑنے اٹھے تھے۔ انھوں نے بڑے افسوس سے کہا کہ صورت واقعہ بدل گئی اور تف ہے ان مسلمانوں پر جنھوں نے ہمیں مذہب کے بہانہ سے دھوکے میں رکھا اور اس بات پر شبہ کرنے لگے کہ کیا واقعی انگریزی حکومت کا یہ منشا تھا کہ ہمارے مذہب میں خلل اندازی کرے۔ بہت سے ہندو سپاہیوں نے تو اس وقت یہ ظاہر کیا کہ اگر ہمیں اپنی جان بخشی کی امید ہو تو ہم پھر سرکاری ملازمت بخوشی اختیار کر لیں مگر مسلمانوں نے اسکے برخلاف یہ کہا کہ بادشاہی ملازمت انگریزی ملازمت سے بدرجہا بہتر ہے اور ہمیں یقین ہے کہ نواب اور راجہ بادشاہ کو مدد بھیجیں گے اور ہم انگریزوں پر فتح حاصل کر لینگے۔

(سوال) کیا تم نے اپنے قیام دہلی میں بلوہ کے متعلق ہندو اور مسلمانوں کے خیالات میں فرق پایا؟ (جواب) ہاں مسلمان غدر ہونے سے خوش تھے اور محرم میں میں نے مسلمان عورتوں کو اپنے مذہب کی کامیابی کے لئے خود دعا کرتے اور اپنے بچوں کو دعا کی تلقین کرتے سُنا تھا اور اُن دعاؤں میں انگریزوں کو بددعا کیجاتی تھی۔

(سوال) جب مسلمان اور ہندو دہلی میں یکجا تھے تو کیا اُن میں مذہب کی بابت آپس میں کچھ جھگڑا ہوا تھا؟ (جواب) میرے نزدیک جب رسالے پہلے پہل شہر میں آئے تو ہندوؤں نے بادشاہ سے یہ عہد لے لیا تھا کہ شہر میں گاؤکشی نہ ہوگی اور اس عہد کی پابندی بھی ہوئی۔ جہانتک مجھے یقین ہے بلوہ کے زمانے میں ایک گائے بھی ذبح نہیں ہوئی۔ بقر عید پر گاؤکشی کے سبب جھگڑا ہونیکی اُمید تھی مگر اُسوقت مسلمانوں نے گائے ذبح نہیں کی۔ ۹ ستمبر کی صبح کو بھیس بدلکر اور اپنے بچوں اور ملازموں کو ساتھ لیکر میں دہلی سے میرٹھ بھاگ گئی۔

قیدی نے جرح کرنے سے انکار کیا۔

جرح عدالت

(سوال) تمھیں کہاں سے معلوم ہوا۔ کیا تمھیں یقین ہے کہ ہندوستانی سپاہیوں یا دہلی والوں نے انگریزی عورتوں کی بہت بیحرمتی اور بےعزتی کی۔ (جواب) ہاں

گواہ کو واپسی کا حکم دیا گیا۔

چودہویں دن کی کارروائی۔ ۱۲ فروری ۵۸ء یوم جمعہ

مسٹر سی بی سانڈرس کمشنر اور ایجنٹ لفٹنٹ گورنر عدالت میں حاضر ہوئے اور اُنھیں حلف دیا گیا

جرح جج ایڈوکیٹ

(سوال) جن وجوہ سے بادشاہ دہلی گورنمنٹ انگریزی کی رعیت اور پنشن خوار بنا اُس کے

متعلق تم عدالت کو کچھ اطلاع دے سکتے ہو ؟

(جواب) غلام قادر نے جب شاہ عالم بادشاہ دہلی کی آنکھیں نکالیں اور اسکی سخت بیعزتی کی تو ۱۷۸۸ء میں مرہٹوں نے اپنا قابو پا لیا ۱۸۰۳ء میں جب لارڈ لیک نے علیگڑھ فتح کر کے دہلی پر حملہ کیا اسوقت بادشاہ کے اختیارات شہر دہلی کے اندر ہی اندر تھے۔ وہ مثل قیدی کے تھا۔ مرہٹوں نے دہلی سے چھ میل فاصلہ پر بمقام پٹپڑ گنج فوج آراستہ کی مگر لارڈ لیک نے حملہ کر کے اُنھیں شکست فاش دی اور شہر اور قلعہ کو مرہٹوں سے خالی کرا لیا اُس وقت شاہ عالم نے انگریزوں کی پناہ میں آنیکی درخواست کی اور ۱۴ ستمبر کو جو ۱۸۵۷ء کے واقعہ میں اور زیادہ قابلِ یادگار تاریخ ہو گئی ہے انگریزی فوج شہر میں داخل ہوئی اسوقت سے بادشاہان دہلی انگریزوں کے پنشن خوار بنے اور مرہٹوں کی قید سے نکل کر انگریزوں کی زیر حکومت میں گئے۔ ۱۸۳۷ء میں قیدی تخت دہلی پر بیٹھا اُسکے اختیارات صرف قلعہ کی چار دیواری کے اندر تھے اور وہ محض اپنے ہی ملازموں کو خطابات اور خلعت عطا کر سکتا تھا دوسروں کے لیئے اُسے ممانعت کر دی گئی تھی۔ اور سوائے سلطنت عالیہ کے کوئی لوکل عدالت اُسکو کسی قسم کا اختیار نہیں دیسکتی تھی۔

(سوال) کیا قیدی کے لیئے مسلح آدمیوں کی تعداد محدود کر دی گئی تھی ؟

(جواب) قیدی نے لارڈ آکلینڈ سے درخواست کی تھی کہ جسقدر وہ مناسب سمجھے اسقدر مسلح آدمیوں کی تعداد رکھنے کی اجازت دیجائے۔ نواب گورنر جنرل نے جواب میں یہ حکم دیا تھا کہ جسقدر آدمیوں کی تنخواہ تم اپنی پنشن سے دے سکتے ہو رکھ لو۔

(سوال) بلوہ کے وقت قیدی کو گورنمنٹ سے کسقدر پنشن ملتی تھی ؟

(جواب) اُس کے لیئے ایک لاکھ روپیہ ماہانہ کی پنشن منظور ہوئی تھی جس میں سے ننانوے ہزار

تو گُسے دہلی میں دیدیئے جاتے تھے اور ایکہزار اُسکے خاندان والوں کو لکھنؤ میں ملتے تھے ۔ اس کے علاوہ ڈیڑہ لاکھ سالانہ اُسے زمینوں اور مکانوں کی آمدنی سے بھی وصول ہوتا تھا ۔

قیدی نے جرح سے انکار کیا اور گواہ کو واپسی کا حکم دیا گیا ۔

میجر پیٹرسن نمبر ۵۴ ہندوستانی پیادگان کی عدالت میں طلبی ہوئی اور باقاعدہ حلف دیا گیا ۔

جرح جج ایڈوکیٹ

(سوال) کیا ۱۱ مئی گزشتہ کو تم دہلی ہی میں تھے ؟

(جواب) ہاں ۔ (سوال) جو کچھ تم نے اس موقع پر مشاہدہ کیا بیان کرو ؟

(جواب) ۱۱ مئی کی صبح کو احکامات سنانیکے لیئے پریڈ ہوئی اور حسب معمول بلا اظہار کسی علامت بلوہ کے ڈسمس ہوگئی مگر نو ہی بجے رجمنٹ کی مکرر پریڈ ہوئی اور اسکو یہ حکم دیا گیا کہ دریائے جمنا کے کشتی کے پل پر جاکر ناکہ بندی کریں اور جو تیسرا رسالہ میرٹھ سے آرہا ہے اُسے دریا عبور کرنے سے روکیں ۔ جب میں پریڈ میں پہنچا تو کرنیل رپلی نے مجھے حکم دیا کہ دو کمپنیاں اپنی ڈگرانڈیل سپاہیوں کی (اور نمبر ۱ کو لیجاؤ اور وہاں دو توپوں کی نگرانی کرو مگر پہلے راستہ میں کپتان ڈی ٹیشبر سے ملکر اور حکم بھی لے لینا ۔ کپتان ڈی ٹیشبر نے مجھسے کہا تم چلکر صدر بازار میں ٹھیرو میں ابھی دو توپیں بھیجتا ہوں ۔ پون گھنٹہ تک میں وہاں انتظار کرتا رہا مگر جب توپیں نہیں پہنچیں تو میں نے لفٹنٹ وائبرٹ کو توقف کی وجہ دریافت کرنیکے لیئے بھیجا اور خود جلدی کے سبب دونوں کمپنیوں کو ساتھ لیکر پل کی طرف روانہ ہوگیا ۔ لفٹنٹ وائبرٹ نے آدھے راستے میں آکر کہا کہ ہندوستانی گولہ انداز ابھی نکالے گئے ہیں اور یہ کہ توپیں ابھی آتی ہیں ۔ پل کوئی ڈیڑہ میل رہا ہوگا کہ توپیں بھی پونہچ گئیں ۔ کشمیری دروازہ کوئی سو ہی گز رہ گیا ہوگا کہ کپتان ولیس نمبر ۷۴ ہندوستانی پیدل نے جو اُس ہفتہ میں افسر ہپلن تھا مجھسے کہا جلدی جاؤ باغی شہر میں

گھس آئے اور نمبر ۵۴ کے ہندوستانی پیدل کے افسروں کو گولیاں مار کر گرا دیا۔ میں نے دونوں کمپنیوں کو بندوقیں بھرنیکا حکم دیا اور بندوقیں بھری ہی جا رہی تھیں کہ میں نے کرنیل رپلی کو کشمیری دروازہ سے باہر کی جگہ سے زخمی بالنسری میجر کے سہارے آتے دیکھا۔ میں باغیوں سے مقابلہ کی اُمید پر آگے بڑھا مگر اُن میں سے ایک بھی نظر نہ پڑا اور نہ نمبر ۵۴ ہندوستانی پیدل میں سے جو کرنیل رپلی کے ہمراہ گئی تھی کوئی دکھائی دیا۔ نمبر ۳۸ ہندوستانی پیدل کے صرف پچاس آدمی جو لفٹنٹ پروکٹر کے ماتحت تھے آتے دکھائی دیئے۔ کپتان ولیس نے کہا کہ اس اڑتیسویں پیدل نے اپنے سامنے کرنیل رپلے کو زخمی ہوتے دیکھا اور باوجود کرنیل کی درخواست کرنے کے بھی اُنھوں نے اُس کے بچانے کی کوشش نہیں کی۔ نمبر ۵۴ کے سپاہیوں نے بھی غالبًا ایسا ہی برتاؤ کیا ہوگا۔ میں نے نمبر ۵۴ پیدل کے چند فسروں کپتان سمتھ و کپتان بروس و لفٹنٹ ایڈورڈس و لفٹنٹ واٹرفیلڈ و سارجنٹ میجر کو گرجا کے مغربی جانب مرا ہوا پایا۔ توپوں کو قائم کر کے اور سنتریوں کو مختلف ناکوں پر مقرر کر کے میں نے لفٹنٹ والبرٹ سے کہا کہ چلو اُن افسروں کی لاشیں اُٹھا لائیں مگر سپاہیوں نے منع کیا کہ ابھی کیا جلدی ہے ابھی تم وہاں نہ جاؤ سوار ضرور افسروں کی تاک میں ہونگے ہم جا کر اُٹھا لائیں گے ہمیں کوئی کچھ نہ کہے گا۔ مگر وہ خود بھی اُس وقت نہیں گئے تھوڑی دیر کے بعد ایڈجٹنٹ و لفٹنٹ اوسبرن اور لفٹنٹ ٹیلر جسکو شہر والوں نے زخمی کر دیا تھا ہمسے آکر ملے۔ اینسائن اینجلو بھی ہمارے پاس آگیا اور سب دم بخود کھڑے تھے کہ بارہ بجے لائٹ کمپنی کے ایک سوار نے آکر مجھسے کہا کہ حوالدار میجر نے دریافت کیا ہے کہ آپکی رجمنٹ کس طرف جائیگی۔ میں نے اُس سے کہا کہ وہ کہاں ہے؟ جواب میں اُس نے کہا کہ سبزی منڈی میں ہیں۔ جب سواروں نے افسروں پر گولیاں برسانی شروع کیں تو سب بھاگ کر

بھاگ کر وہیں جمع ہو گئے ہیں۔ میں نے اُس سے کہا کہ اُن سے جا کر کہدو کہ کشمیری دروازہ پر آ جائیں اُنکے ساتھ کوئی انگریزی افسر نہیں تھا۔ حوالدار میجر نے مجھسے کہا کہ چند سوار ہمارے ساتھ یہانتک آئے اور سارے راستے ہمیں غدر کرنے کے لیئے ورغلاتے رہے۔ اسکے بعد کچھ افسر اور سپاہی جا کر اُن لاشوں کو اُٹھا لائے۔ میجر ریبٹ کی ماتحتی میں نمبر ۷۴ اور کپتان ڈی ٹیشر کے توپخانہ کی دو توپیں بھی آکر لگگئیں۔ دو بجے کا وقت ہو گا کہ میگزین کی طرف سے توپوں کے چھٹنے کی آواز آئی جو ساڑھے تین بجے میگزین اُڑنے تک چھٹتی رہیں۔ میں یہ بیان کرنا بھول گیا کہ جسوقت ہم کشمیری دروازہ پہنچے تھے اُس وقت مسٹر گیلوے نے خزانہ کی حفاظت کے لیئے کچھ مدد مانگی جو میں نے اُنکے ساتھ کر دی۔ میگزین سے بچکر لفٹنٹ ولبی بھی ہمارے پاس بھاگ آیا اُس نے کہا بادشاہ نے صبح کو میگزین پر قبضہ کرنے کے لیئے فوج کو بھیجا تھا مگر ہم نے انکار کر دیا اور جو چند انگریز وہاں تھے اُنکی مدد سے میگزین کی روک تھام کرتے رہے بالآخر دو بجے باغی زینے لگا کر اندر گھس آئے۔ ہم سب پانچ بجے تک کشمیری دروازے رہے کہ یکایک ہمارے قریب ہی سامنے سے بندوقوں کی باڑھ چلی جس سے کپتان گورڈن اور نمبر ۷۴ کا لفٹنٹ ریولی تو فوت ہو گئے اور نمبر ۵۴ کے لفٹنٹ اوسبرن زخمی ہوئے۔ لائٹ کمپنی کے ایک سپاہی نے اپنے ہتھیار میرے شانے سے مار کر کہا بہتر ہے آپ چلے جائیں۔ ورنہ کوئی گولی مار دیگا۔ میں نے جب دیکھا وہاں ٹھیرنا بیکار ہے اور نمبر ۵۴ کے سپاہی بے قابو ہو گئے ہیں تو میں وہاں سے چلدیا اور بعد میں نمبر ۷۴ کا ایک افسر بھی میرے ساتھ ہو لیا۔ ہم بڑی سڑک کی راہ باؤسٹے کو جا رہے تھے کہ لائٹ کمپنی کے اس سپاہی نے کہا کہ سڑک محفوظ نہیں ہے تم بنگلوں باؤٹے جاؤ۔ ہم نے اسیطرح کیا

اور جو کچھ بیتی تھی وہ برگڈیر گریو کو جا سنائی۔ گریو صاحب کے پاس اُس وقت دو توپیں اور نمبر ۳۸ کے تین سو سپاہی تھے جو میرے خیال میں اُس وقت تک فرماں بردار تھے مگر میرے وہاں پندرہ منٹ پہنچنے کے بعد بازگشت ہوئی۔ سپاہیوں نے کہا ہم تمھاری جان کے ساتھ ہیں اور پہاڑی سے اُتر کر چھاؤنی والی سڑک پر پڑ لیئے اور لین کے قریب پہنچنے پر ایک ایک دو دو کر کے اپنی کوٹھڑیوں میں گھس گئے اور جب میں نے اُن سے پوچھا کہاں جاتے ہو تو یہ جواب دیا پانی پینے جا رہے ہیں وہ اپنے ساتھ ہتھیار وغیرہ بھی لیگئے ادھر چمپت بنے۔

یہ دیکھکر میں اپنے خیمہ کے گارد کے پاس گیا اس وقت سات بجے ہونگے میں نے ہر چند اپنے ساتھ آنیکی ترغیب دی اور اُن سے کوئی آدھ گھنٹے باتیں کرتا رہا مگر صرف ایک حوالدار میجر اور دو سپاہی میرا ساتھ دینے کے لیئے تیار ہوئے۔ ہم اُسی وقت چل پڑے مگر رات میں راستہ بھول گئے اور جب صبح کو دیکھا تو دہلی سے صرف چار ہی میل کے فاصلہ پر تھے۔ شہر سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر برف کے کھتوں میں تین دن تک چھپے رہے حوالدار اور ایک سپاہی تو پہلی صبح کو اس بہانہ سے کہ ہم تمھارے لیئے کھانا لے آئیں چلدیئے اور دوسرا سپاہی دوسرے دن چمپت ہو گیا۔ میں بالآخر تن تنہا ایک فقیر کے ساتھ کرنال بھاگ گیا۔

(سوال) تم نے ۱۱ مئی کو یا اس سے قبل اپنی فوج کو کس رنگ میں پایا کیا تمھارے نزدیک نمبر ۵۴ ہندوستانی پیادگان کے سپاہیوں کو میرٹھ سے باغیوں کے آنے کی خبر پہلے تھی۔؟ (جواب) ۱۱ مئی یا اس سے قبل مجھے اس قسم کے آثار ظاہر نہیں ہوئے مگر اُس دن کے واقعات دیکھکر اور جو خبریں بعد میں لگیں اُن سے یقین ہو گیا کہ ہندوستانی سپاہیوں کو

اس سرگزشت کی پہلے سے خبر تھی۔ ستمبر گزشتہ میں لفٹنٹ والبرٹ نے مجھسے کہا تھا کہ امام بخش صوبہ دار میجر نے کپتان رسل سے تذکرہ کیا تھا کہ ۱۱ مئی سے دو ماہ پیشتر سے ہماری لینوں میں آدمی آیا جایا کرتے تھے اور سپاہیوں کو بغاوت پر آمادہ کرتے تھے کپتان رسل نوم جون کو بادلی سرائے میں مارے گئے مگر امام بخش صوبہ دار میجر ابتک میرٹھ میں ہے۔ میرے خیال میں کپتان رسل کو یہ خبر بعد بلوہ کے ملی۔

قیدی نے جرح سے انکار کیا اور گواہ کو واپس ہونیکا حکم دیا گیا۔

مکندلال بادشاہ دہلی کا سکتر عدالت میں طلب ہوا اور اسکو حلف دیا گیا

جرح جج ایڈوکیٹ

(سوال) کیا تمھیں ہندوستانی فوج کی بغاوت کی کچھ اصلیت معلوم ہے؟

(جواب) کوئی دو سال پیشتر سے بادشاہ دہلی گورنمنٹ کی جانب سے بددل ہوگیا تھا اور گورنمنٹ کی وقعت اُسکے دل سے جاتی رہی تھی جسکی تفصیل یوں ہے۔ جب مرزا حیدر شکوہ اور مرزا فرید پسران مرزا خان بخش مع پسر مرزا سلیمان شکوہ لکھنؤ سے آگئے تو اُنھوں نے حسن عسکری سے ملکر بادشاہ کو آمادہ کیا اور سمجھایا کہ ایک نامہ شاہ فارس کو بھیجا جائے اور اُس میں یہ لکھا جائے کہ انگریزوں نے بادشاہ کو قید کر لیا ہے اور جس عزت کا وہ مستحق تھا اُسکی وہ عزت نہیں رہی اور ولیعہد کی تخت نشینی کی بابت کوئی آیندہ اُمید نہیں ہے اور نہ یہ اُمید ہے کہ علاوہ ولیعہد کے اور کوئی شاہزادہ ولیعہد کیا جائے۔ اِس خط سے منشاء یہ تھا کہ باہمی ملاقات و خط و کتابت قائم ہو جائے۔ سیدی قنبر بادشاہ کا خاص مسلحہ ملازم اس خدمت پر مامور ہوا اور اُسکو محبوب علیخان کی معرفت سو روپیہ زادراہ کے لیئے دیکر مع خط ایران روانہ کیا اور یہ خط بادشاہ کے خاص سکتر کے دفتر میں لکھا گیا تھا۔

اسکے بعد مرزا حیدر اور اُنکے بھائی لکھنو واپس چلے گئے اور بادشاہ کے دور دراز کے ایک عزیز مرزا نجف اور مرزا بلاقی پسر مرزا اشرف الدین پسر مرزا آغا جان کے ہاتھ اسی قسم کی تحریریہ بادشاہ کے پاس بھیجی۔ تین سال کا عرصہ ہوا کہ دہلی کے انگریزی سپاہی مرزا علی او حمید خاں کے ذریعہ سے بادشاہ سے ملگئے تھے مرزا علی کا یہ کام تھا کہ جسقدر درخواستیں آئیں وہ بادشاہ کے روبرو پیش ہوں اور بادشاہ ہر ایک کو اُس وقت ایک تحریر دیتے تھے جس میں پہلے آنیوالوں کے بالترتیب نام ہوتے تھے اور ایک رومال بطور نشانی دیا جاتا تھا ایجنٹ لفٹنٹ گورنر کو اس معاملہ کی اطلاع ہوگئی اُنھوں نے بعد تحقیقات بادشاہ کو منع کردیا کہ آیندہ انگریزی سپاہیوں کو اپنا مرید نہ بنائیں۔ بادشاہ اور فوج میں تعلقات پیدا ہونیکی یہی تاریخ ہے۔ بغاوت سے بیس روز پیشتر خبر آگئی تھی کہ میرٹھ میں فوج غدر کرنیوالی ہے مگر یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ غدر کرکے وہ دہلی ہی میں آئینگے۔ رسالے والے سب سے پہلے قلعہ کے جھروکوں کے نیچے آکر کھڑے ہوئے اور اُنھوں نے بادشاہ سے کہا کہ ہم نے جسقدر انگریز میرٹھ میں تھے اُنھیں قتل کردیا اور جسقدر یہاں ہیں اُنھیں بھی قتل کرینگے اور آپ ہمارے بادشاہ ہیں اور جسقدر انگریز ہندوستان میں تھے سب تہ تیغ کردیئے گئے۔ اُنھوں نے یہ بھی کہا تمام فوج آیندہ سے تابع فرمان ہے۔ بادشاہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ تمھارا یہی ارادہ تھا تو تمکو ہر ایک بات کے لیئے تیار رہنا چاہیئے اور اگر تم تیار ہو تو اس معاملہ کے کل انتظام اپنے ہاتھ میں لوں۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ مفسد شہر میں گھس کے بادشاہ کے خاص ملازم اُن سے جا ملے اور نقادر داد خان ایک کابلی نے مسٹر فریزر کو قتل کردیا اور پیدل سپاہیوں نے شاہی ملازموں کے اشارہ سے افسر گارد قلعہ کے مکان پر چڑھکر اُس کا بھی خاتمہ کردیا۔ اس کے بعد جو انگریز شہر میں اُنکے ہاتھ لگا قتل ہوا۔ اُس دن یہ ڈھنڈورا پٹا کہ خدا شہنشاہ عالم ہے اور

بہادر شاہ اس ملک کے بادشاہ اور اُن کا حکم بالاتر ہے۔ دوسرے دن ۱۲ مئی کو جب میرٹھ کے سوار اور دہلی کے رسالے ملے بادشاہ نے تخت پر بیٹھکر وزیر محبوب علیخاں کو کل فوج کی دعوت کرنیکا حکم دیا چنانچہ فوج میں شیرینی تقسیم ہوئی اور افسروں کو روپیہ بھی دیئے گئے سنہ ۱۸۴۲ء سے پیشتر بادشاہ خاص خاص موقعوں پر چاندی کے تخت پر بیٹھکر جو دربار خاص میں رہتا تھا انعامات دیتے تھے مگر اس کے بعد ایجنٹ گورنر جنرل نے اس رسم کو بند کردیا اور تخت کو اٹھواکر بادشاہ کے خلوت خانہ کے نیچے والے راستہ میں رکھوادیا ۱۲ مئی کو بادشاہ نے اُسے منگاکر اُس پر بیٹھکر دربار کیا۔

(سوال) کیا ۱۱ مئی سے پیشتر فوج نے کچھ تجاویز بادشاہ کے سامنے پیش کی تھیں۔

(جواب) مجھے ان تجاویز کے کھلم کھلا پیش ہونیکی تو خبر نہیں البتہ شاہی دربانوں میں تذکرہ ہوتا تھا کہ فوج عنقریب بغاوت کرکے قلعہ میں داخل ہوگی اور بادشاہ کی حکومت پھر قائم ہوجائے گی اور قدیم ملازموں کے رتبے اور تنخواہوں میں اضافے ہونگے۔

پندرہویں دن کی کارروائی

اظہار مکندلال ناتمام۔ جرح جج ایڈوکیٹ (ناتمام)

(سوال) بادشاہ کے کون کون ملازم یہ باتیں کرتے تھے؟

(جواب) نسبت علیخاں اور تمام آدمی یہی تذکرہ کرتے تھے۔

(سوال) بلوہ ہونے سے کسقدر پیشتر یہ باتیں ہوا کرتی تھیں۔؟

(جواب) چار روز پیشتر۔ (سوال) تمھارے بیان سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ ایران سے جو خط وکتابت ہوئی اُس میں مرزا حیدر شکوہ بھی شریک تھے مگر معلوم یہ ہوا ہے کہ لکھنو میں قیام کرنے کے سبب بادشاہ اُن سے ناراض ہیں اس کا کیا سبب ہے۔

(جواب) یہ صرف ایک بات تھی جس سے یہ منشا تھا کہ اگر راز کھلجائے تو ثبوت دینے کا موقع رہے کہ آپس میں نااتفاقی تھی۔

(سوال) میمیں اور بچے جو قلعہ میں قید تھے وہ کس کے حکم سے قتل ہوئے۔

(جواب) یہ قیدی تین روز تک تو قیدخانہ میں رہے چوتھے روز پیدل اور رسالہ کے لوگ مرزا مغل کے ساتھ بادشاہ کے پاس اُنکے قتل کے لیئے حکم حاصل کرنیکی غرض سے گئے بادشاہ اُس وقت خلوتخانہ میں تھے مرزا مغل اور بسنت علیخان اندر گئے اور سپاہی باہر کھڑے رہے کوئی بیس منٹ کے بعد وہاں سے نکلے اور بسنت علیخاں نے بآواز بلند کہا کہ بادشاہ نے اُنکے قتل کرنیکا حکم دیدیا چنانچہ بادشاہی ملازموں نے جنکی نگرانی میں قیدی تھے قیدخانہ سے لاکر تھوڑے سے باغی سپاہی اپنے ساتھ لیکر سب کو قتل کردیا۔

(سوال) اس کے علاوہ تمہیں اور کیا خبر ہے؟

(جواب) لڑائی شروع ہوجانے کے بعد جو شخص انگریزی سپاہی یا افسر کو پکڑلاتا اُسے دو روپیہ فی کس انعام ملتا۔

(سوال) کیا کبھی کوئی سپاہی یا افسر قید ہوکر زندہ قلعہ میں آیا۔؟

(جواب) نہیں۔ (سوال) بلوہ سے پہلے کیا مسلمانوں نے کوئی سازش یا اتفاق کرلیا تھا؟ (جواب) باغیوں کے شہر میں گھستے ہی صرف چھوٹے درجے کے مسلمان اُن سے ملگئے تھے اور غالباً پہلے سے کوئی سازش نہیں ہوئی تھی۔

(سوال) اعلیٰ درجہ کے مسلمان جو بلوہ میں شریک نہ تھے اُن میں سے کسی کا نام بتاؤ۔

بادشاہ اور کل شاہزادہ تو ضرور شریک تھے۔

(جواب) جو کچھ میں نے کہا وہ بلوہ کے دن کی بابت تھا بعد میں جو کچھ ہوا اسکا مجھے علم نہیں۔

(سوال) بادشاہ کے خفیہ جلسوں میں کون کون شریک ہوتا تھا؟

(جواب) محبوب علیخاں خواجہ سرا۔ وزیر اعظم۔ پیرجی حسن عسکری۔ وزینت محل۔ بادشاہ بیگم و منی بیگم و آغا بیگم دختران فیدی واشرف النساء زوجہ ثانی موجود ہوتے تھے اور جب کسی تحریر کی ضرورت ہوا کرتی تھی تو احسن اللہ خان اور کا بینتھ مسمی مکندلال کی نگرانی میں سکتر کے دفتر میں لکھی جایا کرتی تھی۔

(سوال) نمبران ۲ و ۳ و ۴ بمد قتل گواہ کو دکھائے گئے اس کے بعد اس سے پوچھا کہ تم خط پہچانتے ہو؟

(جواب) میں نہیں پہچانتا۔ یہ کاغذ صوبہ دار بخت خان کے دفتر میں لکھے گئے ہونگے اُن کے ہاں ایک مولوی اُن کاغذوں کو مرتب کر کے بادشاہ کی مہر لگانیکے لیے لایا کرتا تھا۔

(سوال) کیا تم کبھی بادشاہ کے خفیہ جلسوں میں شریک ہوئے؟ (جواب) نہیں

(سوال) جب تم شریک نہیں ہوتے تھے تو تمھیں بادشاہ ایران کے پاس ایلچی جانیکی کیسے خبر ہوئی۔ (جواب) میں ملازم تو بادشاہ ہی کا تھا مگر محبوب علیخاں کی خدمت میں رہا کرتا تھا اس لیے کبھی کبھی خفیہ حالات بھی معلوم ہوتے تھے۔

(سوال) کیا قلعہ میں عام شہرت تھی کہ حسن عسکری بادشاہ کے مزاج میں بہت دخیل ہے۔

(جواب) ہاں قلعہ ہی میں نہیں بلکہ تمام شہر میں شہرت تھی کہ حسن عسکری اور محبوب علیخان بادشاہ کے مزاج پر بہت حاوی ہیں۔

(سوال) کیا بادشاہ کی کوئی لڑکی حسن عسکری کی مرید تھی اور کیا ان ہی دونوں لڑکیوں میں سے تھی جنکی بابت تم نے خفیہ جلسوں میں شریک ہونیکا ذکر کیا ہے۔

(جواب) بادشاہ کی بیٹی نواب بیگم زوجہ مرزا زماں شاہ حسن عسکری کی مرید تھی مگر مے

مرے

ڈیڑھ سال ہوا۔ یہ دونوں لڑکیاں حسن عسکری کی مرید تو نہ تھیں مگر انھیں حسن عقیدت بہت تھی

(سوال) کیا کبھی قیدی فوج کی ہمت بندہانے کے لئے قلعہ کے باہر نکلا تھا؟

(جواب) ہاں حملہ کے دو دن بعد یعنی ۱۶ ستمبر کو بادشاہ کھُلی پالکی میں بیٹھکر فوج کے ہمراہ میگزین جانیکے لئے قلعہ سے نکلے تھے مگر قلعہ سے دو سو گز کے فاصلہ پر کوئی گھنٹہ بھر ٹھہر کر واپس آئے اور فوج برخاست ہوئی۔

(سوال) بادشاہ کسوجہ سے ٹھہر گئے اور اُس کے متعلق کیا خیالات تھے؟

(جواب) وہ فوج بلکہ انگریزوں کے شہر سے نکالنے کے لئے گئے تھے مگر جب رسالہ لڑائی میں مصروف تھے تو اُنکی ہمت بندھانے کے لئے ٹھہر گئے۔

(سوال) کیا بادشاہ بالعموم صادق الاخبار ملاحظہ کیا کرتے تھے؟

(جواب) پڑھنے کی بابت تو میں کچھ نہیں کہسکتا البتہ یہ اور دیگر اخبار اُنکے پاس آیا کرتے تھے۔

(سوال) کیا بلوہ سے چندماہ بیشتر دہلی کے مسلمانوں میں انگریزوں کے خلاف معمول سے زیادہ جوش تھا؟ (جواب) مجھے معلوم نہیں۔

(سوال) کیا تم صادق الاخبار پڑھتے تھے۔؟ (جواب) میں نے کبھی نہیں پڑھا۔

قیدی نے جرح سے انکار کیا۔

جرح عدالت

(سوال) کیا سوائے مکندلال کے کوئی اور ہندو بھی خفیہ جلسوں میں شریک ہوتا تھا؟

(جواب) نہیں کسی اور ہندو پر اسقدر اعتماد نہ تھا۔

(سوال) کیا بلوہ کے بعد دہلی سے کوئی ایلچی اُس فوج کو بلوہ کی ترغیب دینے کے لئے گیا تھا جو اس وقت بغاوت میں شریک نہ تھی؟

(جواب) مجھے معلوم نہیں۔ گواہ کو واپسی کا حکم دیا گیا۔

کپتان ٹائیلر نمبر ۳۸ ہندوستانی پیدل عدالت میں طلب ہوا اور اُس کو حلف دیا گیا

جرح جج ایڈوکیٹ

(سوال) کیا ۱۰ مئی گزشتہ کو تم دہلی میں تھے؟ (جواب) ہاں

(سوال) کیا تم نے اُس دن کسی گاڑی کو جس میں ڈاک جاتی ہے اپنی رجمنٹ کی لینوں میں جاتے سُنا یا اپنی آنکھ سے دیکھا اگر تمھیں کچھ معلوم ہو تو بیان کرو؟

(جواب) ہاں ۱۰ مئی یوم یکشنبہ کو سہ پہر کے ۳ بجے میں نے بگل کی آواز سُنی اور گاڑی میرے دروازے کے پاس سے گزری جہاں میں رہتا تھا وہاں عام طور سے گاڑیاں نہیں گزرتی تھیں یہ آواز سنکر میں نے اپنے ملازم کو حکم دیا کہ باہر جاکر دیکھ کون آیا ہے۔ اُس نے آکر جواب دیا کہ ایک گاڑی میں چند ہندوستانی لین میں آئے ہیں۔ چونکہ میرا مکان ایک گوشہ پر تھا اور گاڑی مکان کے تین طرف ہوکر جاتی تھی یہ گاڑی ابھی دوسری ہی طرف مڑی تھی کہ میں نے اُس ملازم کو حکم دیا کہ صوبہ دار میجر کو میری طرف سے سلام کہو اور یہ کہو کہ صاحب بُلاتے ہیں اس گاڑی کے آنے سے میرا یہ خیال ہوا تھا کہ صوبہ دار میجر اور رجمنٹ کے اور ہندوستانی افسر تو کورٹ مارشل میں میرٹھ گئے تھے شاید آگئے ہیں ملازم نے تھوڑی سی دیر میں آکر کہا کہ اُس گاڑی میں تو اور بہت سے ہندوستانی میرٹھ سے آئے ہیں اُن میں سے کوئی بھی ہماری رجمنٹ کا نہیں ہے اس گفتگو سے میں فوراً یہ سمجھ گیا کہ یہ باغی سپاہی ہیں۔ (سوال) اچھا گیارہ مئی کو کیا واقعہ پیش آیا؟

(جواب) گیارہ مئی کی صبح کو کوئی ۹ بجے نمبر ۱ کا ملازم دوڑا ہوا آیا اور کہا کہ لفٹنٹ ہالنڈ نے اطلاع بھیجی ہے کہ سوار دہلی آرہے ہیں۔ میں کپڑے پہن کر اُنکے پاس گیا۔ پھر میں اور وہ

لفٹنٹ گمبیر ایڈجوٹنٹ فوج کے ہاں گئے وہاں کرنیل نیوبیٹ رجمنٹ کے کمانڈنٹ و کپتان گارڈنر اور برگیڈیر میجر کپتان نیکل موجود تھے اُنھوں نے مجھے حکم دیا کہ تم فوراً جاکر اپنی اور کپتان گارڈنر کی کمپنی کو لے آؤ مجھے یہ بھی حکم ملا تھا کہ دو سو آدمی پورے کرکے اُنھیں کارتوس وغیرہ دیکر شہر کے باہر بارود والے میگزین کے اوپر کے ٹیلہ پر جاکر کھڑا ہوں اور کسی کو اُس طرف سے دریا عبور نہ کرنے دوں۔ میں اور کپتان گارڈنر فوراً لین گئے وہاں جاکر دیکھا تو ہماری کمپنیوں کے آدمی جوش میں بھرے بیٹھے ہیں اُنکو بدقت دھیما کرکے سو سو آدمیوں کی دو کمپنیاں پوری کیں۔ کارتوس وغیرہ لینے میں جب دیر ہوئی تو میں نے دیر کی وجہ دریافت کی پھر خود جاکر سبب پوچھا تو خلاصیوں نے کہا وہ ہم کیا کریں سپاہی ہمسے کارتوس و ٹوپیاں لینے میں جھگڑتے ہیں اور بجبر کسی کو کارتوس و ٹوپیاں دے نہیں سکتے ہیں جلدی کرکے کمپنی میں واپس آیا جب کارتوس وغیرہ دیئے جارہے تھے تو بہت سے آدمیوں نے تعداد سے زائد لیلئے مگر عجلت کی وجہ سے اُس وقت تو میں نے کچھ نہ کہا مگر سب کا دھیان کرلیا کہ بعد میں ان سب کو سزا دونگا۔ کپتان گارڈنر نے بھی مجھسے یہی شکایت کی کہ میری کمپنی والوں نے بھی مقدار سے زیادہ کارتوس وغیرہ لیئے ہیں۔ اسکے بعد کمپنیوں کو روانگی کا حکم دیا گیا۔ جس وقت لین چھوڑنے لگے تو اُن میں عجیب جوش تھا اور وقتاً فوقتاً نعرہ زنی کرتے تھے کہ ہم اُسکو نہ روک سکے۔ میں یہ بیان کرنا بھول گیا کہ اس سے پہلے ایک عام ہڑبڑ بارکپور میں الیشور پانڈے کے کورٹ مارشل کا نتیجہ سنانے کے لیئے ہوئی تھی جس پر تمام رجمنٹ نے ناخوشی ظاہر کی۔ مجھے سخت تعجب ہوا کہ آج کیا بات ہے پیشتر کبھی ایسا نہیں ہوا۔ میگزین کے اوپر کے مکان پر بیٹھکر میں نے دریا کے مختلف موڑوں پر سنتری مقرر کردیئے۔

باقیماندہ کو جب اُنھوں نے اپنے ہتھیار ملاکر کھڑے کر دیئے تو ہم اُنکو مکان کے اندر لے آئے اُس دن سخت گرمی تھی اُن میں سے کچھ آدمی تربوز اور مٹھائی اپنے ہمراہ لائے تھے مجھسے اور کپتان کارڈنر سے اُسکے چکھنے کے لیے بہت اصرار کیا یہ بات بھی ہمیں نئی معلوم ہوئی۔ اس اثنا میں وقتاً فوقتاً شہر میں جو روشنی دکھائی دیتی تھی دیکھنے کے لیئے بلائے گئے۔ اِس کے بعد ہی ایک توپ کی آواز سنی اس کا سبب ہم نہیں سمجھے کہ کیا تھا جب ہمیں انبالہ اور دیگر مقامات کی آتش زدگی یاد آئی تو ہمیں گمان ہوا کہ شہر میں کچھ نہ کچھ اندیشہ ناک حالت ہے مگر کپتان کارڈنر نے مجھسے کہا کہ خدا کا شکر ہے ہمارے سپاہی اس وقت بہت نیک معلوم ہوتے ہیں۔ ہم نے اُنھیں دھوپ میں چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بناتے دیکھکر منع کیا اور اندر آنیکے لیئے حکم دیا اُنھوں نے جواب دیا "ہمیں دھوپ اچھی معلوم ہوتی ہے" مگر میں نے اُنھیں مکرر اندر آنیکی تاکید کی۔ جب میں ایک کمرہ کے اندر گیا تو وہاں ایک آدمی کو جو صورت سے سپاہی معلوم ہوتا تھا کمپنی والوں سے اس طرح پکار پکار کر باتیں کرتے دیکھا کہ مذہبی کتابوں میں لکھا ہے کہ ہر قوت یا سلطنت کے لیئے ایک وقت مقرر ہے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ انگریزوں کے زمانہ کا خاتمہ آلگا ہو۔ میرا ارادہ ہوا کہ اُسے قید کرلوں کہ اتنے میں شہر والا میگزین اڑا اور دونوں کمپنی کے آدمی پرتھی راج کی جے پکارتے ہوئے ہتھیار اُٹھا شہر کی طرف دوڑ پڑے۔

(سوال) کیا کسی سبب سے تمکو ۱۰ مئی سے پیشتر اپنی رجمنٹ کے سپاہیوں کی بزدلی کا گمان تھا - ؟ (جواب) نہیں

(سوال) کیا مئی سے پیشتر کوئی ایسا واقعہ تمھارے پیش نظر ہوا جس سے دہلی میں فساد ہونیکا گمان ہوتا ؟

(جواب) ہاں میرے ایک قدیم ملازم نے جو عرصہ ۲۶ سال سے میرے خاندان کا نمکخوار تھا اُس زمانہ میں چھٹی کی درخواست کی میں نے اُس سے واپس آنے پر اصرار کیا تو اُس نے بار بار افسوس سے یہ جواب دیا کہ بشرطیکہ حضور کا چولھا گرم رہا تو انشاء اللہ ضرور حاضر ہونگا جس سے اُسکی یہ مراد تھی کہ اگر میں اور میرے خاندان کی حالت اُسکے نوکر رکھنے کی رہی تو وہ آئیگا۔ یہ الفاظ اُسنے بلوہ سے ہفتہ یا عشرہ پیشتر کہے تھے۔ وہ اسی زمانہ میں میرے پاس سے چلا گیا جب سے ابتک میں نے اُسکی کچھ خبر نہیں سُنی۔

قیدی نے جرح سے انکار کیا اور گواہ کو عدالت سے جانیکی اجازت دیگئی۔

سارجنٹ فلیمنگ (بازار سارجنٹ دہلی) عدالت میں طلب ہوا اور اُسکو باضابطہ حلف دیا گیا

جرح جج ایڈوکیٹ

(سوال) کیا گزشتہ مئی میں بلوہ سے پیشتر تمھارا لڑکا قیدی کے صاحبزادے جواں بخت کے گھوڑوں کو پھرایا کرتا تھا۔؟

(جواب) ہاں اُس نے کوئی پانچ یا چھ سال تک گھوڑے پھرائے۔

(سوال) تمھارے لڑکے کی کیا عمر ہوگی؟ (جواب) کوئی انیس سال کی۔

(سوال) کیا بلوہ سے کچھ پیشتر اُس نے تم سے کبھی جواں بخت کی بدزبانی کی شکایت کی؟

(جواب) اپریل ۱۸۵۷ء کے آخری دنوں میں اُس نے ایکدن فریزر صاحب کے دفتر سے جہاں وہ کچھ لکھنے کا کام کرتا تھا آکر کہا کہ آج میں حسب معمول وزیر اعظم کے مکان پر گیا تھا وہاں قیدی کے لڑکے جواں بخت بھی تھے اُنھوں نے مجھسے کہا دوبارہ یہاں ہرگز نہ آنا میں کافر انگریزوں کی صورت دیکھنا پسند نہیں کرتا اور کچھ زمانہ جاتا ہے کہ تم سب کو قتل کراکر اپنے پاؤں سے روندونگا۔ جواں بخت نے اُس کے منہ پر تھوک بھی دیا۔ اُس نے

اس حرکت کی شکایت فریزر صاحب سے کی مگر انھوں نے یہ کہکر کہ وہ بیوقوف ہے بات کو ٹالدیا۔ اسکے بعد ۲۰ مئی کو وزیر اعظم نے میرے لڑکے کو۔ اپنے پاس بیباقی حساب کے لیئے بلایا اس موقع پر بھی جواں بخت نے اُسے بہت کچھ بُرا بھلا کہا اور کہا کہ چند ہی دن میں تیری گردن اتروائے دیتا ہوں۔ چنانچہ میرا لڑکا بھی بلوہ میں قتل ہوا۔

قیدی نے جرح سے انکار کیا اور گواہ کو واپسی کا حکم دیا گیا۔

سولھویں دن کی کارروائی

دسویں ہندوستانی پیدل کا کپتان مارٹینو عدالت میں طلب ہوا اور اُسکو باضابطہ حلف دیا گیا۔ (جرح جج ایڈوکیٹ)

(سوال) کیا جنوری لغایت مئی ۱۸۵۷ء تم انبالہ میں ڈپو کے بندوقچیوں کے معلم رہے۔

(جواب) ہاں۔ اُس زمانہ میں مَیں وہاں معلم بندوقچیاں تھا۔

(سوال) کیا ہندوستان کی ہر دیسی رجمنٹ کے سپاہیوں کا دستہ وہاں بندوق چلانے کی تعلیم کے لیئے آیا کرتا تھا؟

(جواب) نہیں ہر رجمنٹ میں سے نہیں بلکہ ہندوستانی رجمنٹ میں سے ہر چوالیس آدمیوں میں سے پانچ سپاہی آیا کرتے تھے۔

(سوال) کیا تم نے ان آدمیوں سے اُن چپاتیوں کے متعلق جو اُن اضلاع کے مختلف دیہاتوں میں بلوہ سے پیشتر تقسیم ہوئی تھیں کچھ استفسار کیا تھا؟

(جواب) مَیں مختلف سپاہیوں سے اکثر اس معاملہ پر گفتگو کیا کرتا تھا۔ مَیں نے اُن سے پوچھا کہ تم ان چپاتیوں سے کیا مطلب نکالتے ہو اور یہ کس نے تقسیم کرائی تھیں اُنھوں نے جوابدیا چونکہ وہ جہازی بسکٹوں کی مانند ہیں ہمارا تو یہ یقین ہے کہ سرکار کی طرف سے تقسیم ہوئی

ہیں جس کا منشاء یہ ہے کہ ہمیں (ہندوستانیوں کو) زبردستی کھانی پڑینگی اور نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم سے ایک دن جبراً دین بدلنے کے لئے کہا جاویگا۔ اور وہ یہ کہا کرتے تھے جیسا کھانا ویسا دین۔

(سوال) کیا تمھارے خیال میں ڈپو میں جسقدر سپاہیوں کے دستے تھے اُن سب کا یہی خیال تھا

(جواب) ہاں میرے نزدیک تو سب کا یہی خیال تھا۔

(سوال) کیا اُن میں یہ بھی چرچا تھا کہ گورنمنٹ اُنکو بے دین کرنے کے لئے آٹے میں پسی ہوئی ہڈیاں ملوا رہی ہے۔

(جواب) پہلے یہ خبر میں نے ماہ مارچ میں سُنی تھی۔ مجھسے یہ شکایت ہوئی تھی کہ جسقدر آٹا ڈپو سے سپاہیوں کو دیا جاتا ہے اُس سب میں پسی ہوئی ہڈیاں ملی ہوئی ہیں۔

(سوال) کیا تمھارے نزدیک کل سپاہی اسی خیال پر جمے ہوئے تھے؟

(جواب) میں نے مختلف اور سپاہیوں کے خط دیکھے جو مجھے سپاہیوں نے ثبوت میں دکھائے کہ اس آٹے میں صریح ہڈی ملی ہوئی ہے۔

(سوال) کیا تم سے سپاہیوں نے اور بات کی بھی شکایت کی جسکی وہ تلافی چاہتے ہوں

(جواب) اُنھیں صرف اس بات کی شکایت تھی اور یہی اندیشہ تھا کہ گورنمنٹ زبردستی ہمیں دین سے بےدین کرنا چاہتی ہے۔

(سوال) کیا اُنھوں نے تم سے گورنمنٹ کے ہندو بیواؤں کے ازدواج ثانی کے بارہ میں دست اندازی کرنے کا بھی تذکرہ کیا؟

(جواب) ہاں۔ اشارہ میں اُنھوں نے یہ اشارہ کیا تھا کہ گورنمنٹ ہمارے اخلاق پر بھی حملہ کرتی ہے

(سوال) کیا اُنھوں نے اودھ کے لے لینے پر کبھی یہ خیال ظاہر کیا کہ وہ کل ہندوستانی ریاستوں کو برباد کردیگی؟

(جواب) انبالے والے تو اس بات کو کبھی کبھی اس طرح ظاہر کیا کرتے تھے گویا اُنھیں یہ بات ناپسند معلوم ہوتی تھی مگر جب غدر کے ایک ہفتہ بعد میں کرنال میں نمبر ۳ کولری کے سپاہیوں سے اس کا تذکرہ کیا تو اُنھوں نے یہ کہا کہ تم نے کل ہندوستان فتح کر کے اپنے قبضہ میں کر لیا اب کوئی ایسا ملک نہیں رہا جو تم نے نہ لیا ہوا اور تمھارا یہ ارادہ ہے کہ ہمارے دین و ملت پر بھی حملہ کرو۔ میں اُسوقت کرنال میں کمسریٹ افسر تھا اور وہ سپاہی ہمارے وفادار تھے۔

(سوال) کیا سپاہیوں نے انگریزی واعظوں کو دیسیوں کے عیسائی بنانیکی بھی تم سے شکایت کی تھی؟

(جواب) نہیں میں نے اپنی زندگی میں نہیں سُنا۔ اِسکی تو انھیں ذرا بھی پروا نہ تھی۔

(سوال) کیا جو کارتوس ڈپو میں سپاہیوں کو استعمال کے لیئے دیئے جاتے تھے اُن میں چربی ملی ہوئی تھی ،

(جواب) نہیں۔ میگزین سے نکلنے کے وقت اُن میں چربی ملی ہوئی نہیں ہوتی تھی۔ اور جن کارتوسوں پر تقسیم سے پہلے چربی ملی ہوتی تھی وہ اُنھیں نہیں دیئے جاتے تھے بلکہ اُنھیں سادے کارتوس دیدیئے جاتے تھے اور وہ خود موم روغن ملا کر کاٹتے تھے جو بازار سے خود لایا کرتے تھے۔ (سوال) زبردستی بیدین کرنیکی بابت کیا ہندو مسلمانوں کی شکایت میں کچھ امتیاز تھا

(جواب) ہاں کارتوسوں کے مسئلہ پر تو مسلمان ہنسا کرتے تھے اور ہندو بے دین ہو جانے کے خیال سے سخت شاکی تھے مگر الحاق اودھ کی بابت میں نہیں کہہ سکتا کہ مسلمان رنجیدہ ہوئے یا نہیں؟ قیدی نے جرح سے انکار کیا۔

(جرح عدالت)

(سوال) کیا بلوہ سے پیشتر تم نے اپنے سپاہیوں کے طرز عمل میں کوئی نئی بات محسوس کی

یا تم کو اطلاع ملی کہ کیا ہونے والا ہے۔

(جواب) ہاں اُنھوں نے صاف الفاظ میں کہدیا تھا کہ بلوہ ہوگا اور انبالہ کی رات کی آتشزدگی اس کا ثبوت ہے۔ پہلی آگ توجسدن این فیلڈ والے کارتوس چھوڑے اُسوقت لگی اور اُس دن سے ۱ مئی تک برابر رات کو آگ لگتی رہی۔ ہم نے این فیلڈ والے کارتوس پہلے پہل ۱۷-اپریل کو چھوڑے تھے باوجودیکہ گورنمنٹ سے اُس شخص کو جو ملزم کی اطلاع دے بڑا انعام دینے کا لالچ بھی دیا تھا مگر کسی نے آتشزدگی کی بابت کبھی کوئی اطلاع نہیں دی۔ یہی ایک خاص بات عام بددلی اور بلوہ ہونیکی خبر دیتی تھی۔ میں نے کل فوجی ہیڈ کوارٹروں میں جو اُس وقت انبالہ میں تھے اس بات کی رپورٹ کی اور اسی مضمون کی ایک خفیہ تحریر کپتان سیٹیمس کو جو فوج کا اسسٹنٹ اڈجوٹینٹ جنرل تھا بھیجی۔ گواہ کو واپسی کا حکم دیا گیا۔

اظہار مسس فلیمنگ یعنی سارجنٹ فلیمنگ کی میم عدالت میں طلب ہوئی اور اُسکو حلف دیا گیا

جرح جج ایڈوکیٹ

(سوال) گزشتہ اپریل کی آخری تاریخوں میں کیا تم زینت محل قیدی کے مکان میں رہتی تھیں اور کیا تم نے جواں بخت کو وہاں دیکھا تھا۔ (جواب) ہاں

(سوال) اچھا جو کچھ اُس موقع پر گزرا بیان کرو!

(جواب) میں جواں بخت کی سالی کے پاس بیٹھی تھی اور وہ اپنی بیوی کے پاس کھڑا تھا۔ میری اکلوتی لڑکی مسمی سگلی بھی میرے ساتھ تھی۔ میں جواں بخت کی سالی سے باتیں کررہی تھی کہ میری بیٹی نے مجھسے کہا۔ اماں تم سنتی ہو یہ شریر آدمی کیا کہہ رہا ہے؟ یہ کہتا ہے میں چند ہی روز میں انگریزوں کو برباد کردونگا اور پھر ہندوؤں کو قتل کرونگا۔ یہ سن کر میں جواں بخت سے مخاطب ہوئی اور اُس سے پوچھا "تم کیا کہہ رہے ہو؟" اُس نے جواب دیا کہ میں تو

مذاق کرتا ہوں - میں نے کہا "اگر جیسا کہ تم کہتے ہو ایسی صورت ہو تو سب سے پہلے تمھارا ہی سر کچلا جائیگا" اُس نے کہا کہ ایرانی دہلی کی طرف آرہے ہیں اور جب وہ دہلی پہنچ جائینگے تو اول تم دونوں ہی گرفتار ہوگی اور میں تمھیں بچا کر لاؤنگا - اس کے بعد وہ ہمارے پاس سے چلا گیا میرے خیال میں یہ گفتگو اپریل ۱۸۵۷ء میں ہوئی -

قیدی نے جرح سے انکار کیا اور شاہد کو عدالت سے جانیکا حکم ملا -

(سترہویں دن کی کارروائی)

صادق الاخبار کی اصل و ترجمہ قیدی کے روبرو پڑھا گیا جس میں بلوہ کے متعلق خبریں تھیں

(اٹھارہویں دن کی کارروائی)

جان اریوریٹ بیقاعدہ کولری کی چودہویں رجمنٹ کا سابق سارجنٹ اور پولیس کا موجودہ رسالدار عدالت میں طلب ہوا اور اُسے حلف دیا گیا - (جرح جج ایڈوکیٹ)

(سوال) کیا ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو تم دہلی میں تھے؟

(جواب) میں دہلی ہی میں تھا -

(سوال) بلوہ کے متعلق جو تم نے دیکھا ہو بیان کرو؟

(جواب) ۹ بجے کے قریب میرٹھ سے آئے ہوئے باغی شہر میں داخل ہوئے اور آتے ہی انگریزوں اور عیسائیوں کو قتل کرنا شروع کردیا آٹھ گھنٹے کے بعد میگزین کے قریب بندوقیں چھٹنے کی آوازیں آئیں - میں دہلی میں بیماری کی چھٹی پر تھا بیماری کیوجہ سے چپ چاپ گھر میں بیٹھا رہا - چونکہ کرایہ کے مکان میں رہ کر مجھے اپنی جان کا خوف تھا اس لیئے اندھیرا ہونے پر میں وہاں سے نکل کر کرنیل سکنر کے مکان پر پہنچا اور وہ رات وہاں بسر کی - صبح ہونے پر مرزا عظیم بیگ (نمبر ۱ بیقاعدہ کولری کا پنشن یافتہ سردار بہادر) کے مکان پر گیا - اور

اس سے کہا کہ دن بھر مجھے چھپا لو اور کسی نہ کسی طرح مجھے شہر سے نکالدو۔ میں ایک شبانہ روز اُنکے مکان پر رہا دوسرے دن اُنھوں نے مجھسے کہا کہ میرے پڑوسیوں کو تمھارے یہاں چھپنے کی خبر نہیں ہے اِس لیئے میں قلعہ جاتا ہوں کہ بادشاہ سے تمھاری محافظت کے لیئے کچھ گارد لے آؤں۔ مسٹر جارج سکنر بھی اُسی کے مکان میں چھپے ہوئے تھے۔

ایک گھنٹے کے بعد اُس نے مجھے کہلا بھیجا کہ بادشاہی طبیب حکیم احسن اللہ خاں مجھپر سخت ناراض ہوا کہ تمنے عیسائیوں کو اپنے مکان میں کیوں چھپا رکھا ہے (حکیم احسن اللہ خاں اور مرزا عظیم بیگ میں رشتہ داری تھی) اور کہلا بھیجا کہ فوراً مکان خالی کردو۔ چنانچہ میں تو خبر پاتے ہی وہاں سے چلا گیا مگر مسٹر جارج سکنر اُسکے ملازموں کے زنان خانے میں بدستور چھپے رہے۔ میں سردار بہادر کے مکان سے کوئی دو سو گز گیا ہونگا کہ میں نے باغی سپاہیوں کو آتے دیکھا ایک مسجد قریب ہی تھی میں اُس میں چلا گیا اور خیال کیا کہ اگر چپکا یہاں بیٹھ گیا تو شاید باغی یہاں سے مجھے دیکھے بغیر چلے جائیں مگر جب وہ مسجد کے پاس آئے تو اُن میں سے ایک نے مجھے پہچان لیا اور پکارا کہ ایک انگریز مسجد میں چھپا ہوا ہے اُنھوں نے مجھے پکڑ لیا اور مرزا عظیم بیگ کے مکان پر پہنچکر مسٹر جارج سکنر کو بھی گرفتار کر لیا۔ وہ ہم دونوں کو لیکر کوتوال کی طرف چلے کہ راستہ میں نمبر ۳ لائٹ کولری کے گیارہ سوار اور بھی ملے اور للکار کر پوچھا تم کون ہو اور ان قیدیوں کو کہاں لیئے جا رہے ہو کیا یہ عیسائی ہیں اُنھوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ ہم انھیں کوتوالی لیئے جاتے ہیں اس پر اُنھوں نے کہا کہ کوتوالی لے جانے سے کیا فائدہ لاؤ انھیں یہیں بندوق سے ماردیں۔ سپاہیوں نے کہا کوتوالی یہاں سے قریب ہی ہے انھیں وہاں جانے دو بعد میں تمھارا جو جی چاہے گا کرنا کوتوالی پہنچکر انھوں نے کوتوال سے رپورٹ کی کہ ہم دو شکار لائے ہیں کوتوال نے کچھ جواب نہ دیا اور ایک سوار

نے مسٹر جارج سکنر کے بال پکڑ کر کوتوالی سے پچاس قدم کے فاصلہ پر لیجا کے اپنے پستول سے اُنکے گولی ماری پھر اَور گولیاں بھی چھوٹیں اور اُنکا وہیں کام تمام ہو گیا۔ میں کھڑا سوچ رہا تھا کہ سوار آکر اب میرا بھی یہی حشر کرینگے مگر مسٹر سکنر کو مار کر وہ فوراً قلعہ کی طرف دوڑ کر گئے پر مجھے کوتوالی کے ایک حوالدار نے حکم دیا کہ اور قیدیوں کے پاس جا کر بیٹھو اور میں وہاں چالیس اور قیدیوں کے ساتھ جن میں مرد عورتیں اور بچے تھے کوئی پچیس روز رہا اسکے بعد مولوی اسمٰعیل نے یہ شہادت دیکر کہ ہم مسلمان ہیں اور اگر مسلمان نہیں ہیں تو اب مسلمان ہو جائیں گے اور جو شخص مسلمان ہو جائے اُسے قتل نکرنا چاہیئے چھوڑوا دیا۔ مگر ہم کو شہر سے نکلنے کی اجازت نہ دی اور میں پھر ایک حبشی کے ہاں جس کا نام مسعود تھا رہا

(سوال) کیا تمھاری اس شخص سے پہلے سے ملاقات تھی؟

(جواب) میں اس شخص سے خوب واقف تھا یہ پہلے کرنیل سکنر کے ہاں ملازم تھا جہاں سے وہ سنہ ۱۸۴۲ء میں خود علیحدہ ہو گیا تھا۔

(سوال) بلوہ کے زمانہ میں یہ حبشی کس کے ہاں ملازم تھا؟

(جواب) بادشاہ کے ہاں اور کئی سال سے وہاں تھا۔

(سوال) کیا اُس نے تمھیں کبھی کمپنی کی ملازمت ترک کرنے اور بادشاہی ملازمت اختیار کرنیکی ترغیب دی؟

(جواب) ہاں اُس نے مجھسے اس کا تذکرہ کیا تھا۔ بلوہ ہونے سے تین روز قبل میرے مکان پر گیا تھا میں اُس وقت اپنے رسالہ کے گھوڑے دیکھ رہا تھا اُس نے مجھسے کہا کہ مجھے تمسے کچھ کہنا ہے جب میں اُسکے ساتھ تخلیہ میں گیا تو اُسنے مجھسے کہا کہ کیا اچھا ہو اگر تم مع اپنے رسالہ کے کمپنی کی ملازمت چھوڑ کر شاہی ملازمت کر لو۔ اُس نے مجھسے کہا کہ میں تمکو دوستانہ

مشورہ دیتا ہوں۔ میں نے اُسکی وجہ پوچھی تو اُس نے جواب دیا کہ موسم گرما میں روسی تمام مقامات پر اپنا قبضہ کر لینگے میں نے اُس کے اِن خیالات پر قہقہہ مارا اور اس سے کہا کہ اس وقت تو جاؤ مجھے فرصت نہیں ہے میں تم سے کسی اور وقت ملونگا۔ یہ گفتگو ۹ مئی ۱۸۵۷ء کو بوقت ۱۱ بجے دن کے ہوئی اِسکے بعد وہ پھر نہ آیا اور جب میں کوتوالی سے رہا ہو کر اُسکے ہاں گیا تو اُس نے کہا کیوں میں نہ کہتا تھا کہ تم وہاں سے چلے آؤ۔ اُس نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ ایک حبشی قنبر نامی بلوہ سے دو سال پیشتر یہاں سے قسطنطنیہ روانہ ہوا تھا اور اُسکی روانگی کے وقت اُسکے مکہ جانیکا بہانہ کیا گیا تھا مگر وہ دراصل بادشاہ کی طرف سے بطور ایلچی روسیہ سے مدد لینے گیا ہے اور قنبر نے روانگی کے وقت یہ کہا تھا کہ میں دو سال میں واپس آؤنگا۔

(سوال) کیا تمھارے وہاں قیام کے زمانہ میں مسعود نے بلوہ کے متعلق تم سے کچھ اور بھی کہا؟ (جواب) نہیں بلوہ کے متعلق تو کچھ اور نہیں کہا البتہ وہ رات کو مکان پر واپس آیا کرتا تھا اور جو کچھ دن میں گزرتا تھا وہ کل خبریں مجھے سنایا کرتا تھا۔ اُس نے ایک موقعہ پر مجھے یہ بھی خبر دی تھی کہ بادشاہ نے اپنے تمام بیٹوں اور عمائدین کو ایک دن دربار عام میں جمع کر کے کہا کہ جب سے غازی الدین نگر کی لڑائی ہوئی ہے تم لوگ میری طرف سے توجہ اُٹھاتے جاتے ہو جس کا سبب غالباً لڑائی ہے۔ بادشاہ نے یہ بھی کہا کہ اس وقت تم سبکو اتفاق کر کے انگریزوں کو پہاڑی پر سے نکال دینا چاہیئے اگر تم ایسا نہ کرو گے تو یاد رہے انگریز تیمور شاہ کا بیج دنیا سے نیست و نابود کر دینگے۔ مسعود دس یا بارہ شاہی حبشی غلاموں کا افسر تھا وہ بادشاہ کے خاص ملازموں میں تھا اور ہر وقت اُسکے ساتھ رہتا تھا اور جو کچھ اُس نے کہا وہ سب صحیح ہوگا۔

(سوال) کیا مسعود نے روپیہ یا کسی اور چیز سے کمپنی کی ملازمت ترک کرنیکی ترغیب دی؟

(جواب) نہیں۔ (سوال) کیا تمھارا یہ خیال ہے کہ جو کچھ مسعود نے تم سے ملازمت ترک کرنے کے لئے کہا وہ بادشاہ یا کسی اور اہلکار کی طرف سے کہا۔ یا خود

(جواب) میں ایسا خیال نہیں کرتا مجھے تو یہ اُسی کی بیوقوفی معلوم ہوتی ہے

(سوال) کیا تمھیں معلوم ہے کہ کسی اور سے بھی کمپنی کی ملازمت ترک کرنیکی اور شاہی ملازمت اختیار کرنے کے لئے کہا تھا؟ (جواب) مجھے نہیں معلوم

(سوال) جو چپاتیاں غدر سے پیشتر گاؤں گاؤں تقسیم ہوئیں اُنکی نسبت بھی تمکو کچھ معلوم ہے

(جواب) نہیں۔ میں اُس وقت اپنے گاؤں میں چھٹی پر تھا میں نے صرف اُنکے تقسیم ہونیکی خبر سُنی تھی کسی نے اُسکی وجہ مجھسے نہیں بیان کی۔

(سوال) ۱۱ مئی سے کتنے پیشتر سے تم دہلی میں تھے؟

(جواب) تیرہ یا چودہ روز پہلے سے۔

(سوال) کیا اُن دنوں میں لوگوں کو کہتے سُنا کہ عنقریب فساد ہونیوالا ہے؟

(جواب) میں بیمار تھا شہر والوں سے بات کرنیکا مجھے موقع نہیں ملا۔

(سوال) تم بیان کر چکے ہو کہ مسعود نے تم سے بعد بلوہ کے روسیوں کے تمام ملک لے لینے کا تذکرہ کیا تھا۔ کیا تمھارے نزدیک شہر والوں کا بھی یہی یقین تھا؟

(جواب) ہاں میں تو ایسا ہی خیال کرتا ہوں مسلمانوں میں جن سے مجھے ملنے کا موقع ملا تھا اس کا عام تذکرہ ہوتا تھا۔ اُن کا گمان تھا کہ آیندہ موسم گرما میں روس یہاں آئیگا۔

(سوال) بلوہ سے پیشتر تمھیں اپنی رجمنٹ کے ہندوستانی افسروں سے کمپنی کی ملازمت پر گفتگو کرنیکا موقع ملا تھا؟

(جواب) نمبر ۴۴ بےقاعدہ کولری کے ایک مسلمان افسر مسمی مرزا تقی جان نے مجھ سے تذکرہ کیا تھا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ انقلاب ضرور ہوگا اور انگریزی حکومت جاتی رہیگی یہ گفتگو پشاور میں ہوئی تھی اور اب مجھے یاد نہیں کہ ۱۸۵۵ء میں ہوئی تھی یا ۱۸۵۶ء میں

(سوال) کیا تم نے کبھی کسی ہندوستانی کو یہ کہتے بھی سنا کہ انگریزوں کو یہاں حکومت کرتے کسقدر زمانہ گزر گیا اور اُنکی حکومت اب زیادہ نہ رہیگی؟ (جواب) نہیں

(سوال) کیا کمپنی کی حکومت کے خلاف ہندو زیادہ تھے یا مسلمان؟ (جواب) مسلمان

(سوال) کیا تمنے شاہ فارس کی مع فوج ہندوستان آنیکی خبریں سنی تھیں یا ہندوستانیوں کو انگریزوں اور ایرانیوں کی لڑائی کا تذکرہ کرتے سنا تھا؟

(جواب) نہیں مجھے کبھی ہندوستانیوں سے اس بارہ میں گفتگو کرنے کا اتفاق نہیں ہوا جو کچھ مجھے خبریں معلوم ہوتی تھیں انگریزی اخباروں سے ملتی تھیں۔

(سوال) کیا ہندوستانیوں کو روس کے ہندوستان میں آنیکا یقین تھا یا بلوہ سے پیشتر وہ اس کا تذکرہ کیا کرتے تھے؟

(جواب) نہیں میں اس بارہ میں کچھ نہیں کہسکتا۔ مجھے ہندوستانیوں سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

قیدی نے جرح سے انکار کیا (جرح عدالت)

(سوال) جو کچھ تم نے دہلی رہکر سنا اُسکی رو سے تم یہ گمان کر سکتے ہو کہ قیدی باغیوں سے بخوشی نہیں ملا؟

(جواب) جو کچھ میں نے سنا اس قدر میں کہہ سکتا ہوں ابتداءً بادشاہ نے ناراضگی ظاہر کی تھی مگر جب اُس نے اپنے تئیں اُس سے بچتے نہ دیکھا تو بعد میں ملگیا اور یہ بات پندرہ

روز میں ہوئی ہیں یہ خبر سُنی سُنائی کہتا ہوں کوئی ثبوت نہیں دے سکتا۔

غلام عباس وکیل قیدی کو اُس کا سابق حلف یاد دلایا گیا (جرح جج ایڈوکیٹ)

(سوال) ان ۱۲ کاغذات کو دیکھو آیا یہ قابلِ اعتبار ہیں یا نہیں ؟

(جواب) جن پر پنسل سے حکم لکھا ہے وہ قابل اعتبار ہیں کیونکہ پنسلی حکم قیدی ہی کے قلم کے ہیں۔ دیگر کاغذات کی نسبت بھی میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ قابلِ اعتبار نہیں ہیں کیونکہ دستخط خود بادشاہ کے ہاتھ کے ہیں۔

شہادت حکیم احسن اللہ خان

لارڈ ایلن برو کے عہد انتظام میں جسوقت سے گورنر جنرل کا بادشاہ کو نذر دینا بند ہوا ہے بادشاہ ہر وقت اُداس رہا کرتے تھے اولاً تو اُنھوں نے اس معاملہ کے لیئے ولایت میں تحریک کی اور بعد میں ہمیشہ اس حکم کے شاکی رہے اُسکے سبب اپنی بددلی ظاہر کرتے رہے۔

بعد میں جب گورنمنٹ نے اُنکی یہ خواہش کہ اُن کا چھوٹا بیٹا جواں بخت باوجودیکہ یہ طے پاچکا تھا کہ سب سے بڑا لڑکا مرزا فتح الملک اُنکے بعد گدی نشین ہوگا ولیعہد بنا دیا جائے پوری نکی تو اُن کو اور بھی زیادہ رنج ہوا۔ اُس کے کچھ عرصہ کے بعد مرزا حیدر پسر مرزا خان بخش پسر مرزا سلیمان شکوہ مع اپنے بھائی مرزا مراد کے لکھنو سے دہلی آئے۔ وہ بیشتر بادشاہ سے ملاقات کیا کرتے تھے سب سے پہلے انھوں نے بادشاہ کو یہ سمجھایا کہ ایجنٹ کو لکھنا چاہیئے کہ میں (بادشاہ) نے ان شاہزادوں کو گورنمنٹ کے دفتر میں اپنا ایجنٹ مقرر کیا ہے۔ ایجنٹ لفٹنٹ گورنر نے اس انتظام کو اس وجہ سے منظور نہ کیا کہ ایسے فرائض پر کبھی شاہزادے مقرر نہیں ہوئے۔ پر یہ شاہزادے بادشاہ کی مہر ثبت کرکے چند کاغذات اپنے ہمراہ لیگئے وہ بلا روک ٹوک محلات شاہی میں بھی آیا جایا کرتے تھے۔

لکھنو جاکر مرزا حیدر نے ایک علم تو بادشاہ کی طرف سے شاہ عباس کے مقبرہ پر چڑھایا اور ایک پنسلی نوٹ جس پر بادشاہ کی مہر ثبت تھی اور جس کا مضمون یہ تھا کہ میں سُنی فرقہ کو ہند میں شیعہ کرنا اور خود شیعہ ہونا چاہتا ہوں مجتہد کو دیا۔ یہ خبر چند اور شاہزادوں کے خطوط سے جو سُنی تھے اور چند سنیوں کی درخواست سے معلوم ہوئی۔ اُن میں سے ایک شخص مسمّی علاء الرحمن خان کی درخواست تھی جو دہلی کا رہنے والا تھا مگر اُس وقت لکھنو میں رہتا تھا اور ایک درخواست شیدی بلال کی جو بیشتر بادشاہ کا ملازم تھا مگر بعد میں لکھنو میں نوکر ہو گیا تھا۔ جب یہ خبر شہر میں مشہور ہوئی تو خاص خاص علماء بادشاہ کے پاس گئے اور اِسکی اصلیت دریافت کرنی چاہی بادشاہ نے جواب دیا کہ مرزا حیدر نے بہت سے لکھے ہوئے کاغذوں پر میری مہر ثبت کی تھی اور اُنکو اپنے ہمراہ لکھنو لے گیا تھا اور ایک شقہ میں نے مجتہد کو بھی لکھا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ مجھے اہلبیت سے محبت ہے اور جس شخص کو اُن سے اُنس نہ ہو وہ مسلمان نہیں ہے۔ بعد میں بادشاہ کی درخواست پر ایجنٹ لفٹنٹ گورنر نے اُس شقہ کی ایک نقل مجتہد سے منگا دی اُس کا مضمون بالکل وہی تھا جو درخواستوں سے معلوم ہوا تھا۔ اس سے یہ یقین ہو گیا کہ علاوہ شقہ کے بادشاہ نے شاہ اودہ کو بھی جو شیعہ تھا کوئی تحریر بھیجی تھی اور مرزا حیدر کو اُس سے یہ اُمید ہو گی کہ اگر بادشاہ دہلی اور شاہ اودھ کی ملاقات ہو جائے تو مجھے کچھ فائدہ پہنچ جائیگا

ایک ہی سال بعد مرزا نجف کے ایران جانیکی خبر اُڑی۔ مرزا نجف مرزا حیدر کے بھائی ہیں اور بادشاہ دہلی کے بھتیجے۔ یہ خبر مولوی باقر کے اخبار میں چھپی تھی اُس میں یہ بھی لکھا تھا کہ شاہ ایران نے اُنکے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا۔ میں نے مرزا نجف کے بڑے دوست مرزا علی بخت سے دریافت کیا تھا کہ وہ بادشاہ کی طرف سے کوئی خط شاہ ایران کے نام لیگئے ہیں۔ اُنھوں نے خط کا اقرار کیا اور کہا اُس میں بادشاہ نے یہ لکھوایا کہ میں شیعہ ہو گیا ہوں

میری مدد کرو امیری حالت اس وقت بہت زبون ہے مگر اس کا کوئی جواب نہیں آیا۔ چند مہینے کے بعد شیدی قنبر نے حج کرنے اور مکہ جانے کے لیئے چھٹی کی درخواست کی۔ یہ درخواست حسن عسکری دہلی کے ایک پیرزادہ کی معرفت منظور ہو گئی اور اُس کو کچھ روپیہ بطور زادراہ بھی دیا گیا۔ چند روز کے بعد جمیل سنگھ جو سرکار کی طرف سے قلعہ میں مقرر تھا مجھ سے شیدی قنبر کے جانے کی صداقت چاہی۔ اُس نے مجھسے کہا کہ میرے خیال میں شیدی قنبر مکہ تو گیا نہیں وہ ایران گیا ہے۔ میں نے اُس سے کہا کہ مجھے اس معاملہ کی خبر نہیں۔ مگر بعد میں خواجہ سراؤں سے پتہ لینے کے بعد معلوم ہوا کہ واقعی وہ ایران گیا ہے اور پیرزادہ حسن عسکری نے روانگی کے وقت کچھ کاغذات بھی دیئے ہیں جن پر بادشاہ کی مہر ثبت ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیدی قنبر مرزا نجف کے پاس بھیجا گیا تھا کہ بادشاہ کی تحریرات کا کچھ جواب ملنا چاہیئے۔ چونکہ مرزا حیدر نے بادشاہ کے مذہب کی تبدیلی کرائی تھی اس لیئے یہ کل معاملات سنیوں سے (جن میں سے ایک میں بھی ہوں) چھپائے گئے تھے مگر یہ خبریں مجھے اور لوگوں سے معلوم ہوئیں۔ یہ بیان کرنا بھی ضرور ہے کہ جس زمانہ میں بوشہر پر لڑائیاں ہو رہی تھیں اُس وقت بادشاہ کو وہاں کے حالات معلوم ہونیکا بڑا اشتیاق رہتا تھا۔

مرزا حیدر معمولی شخص نہ تھا وہ بادشاہ کا عزیز یعنی بھتیجا تھا اور لکھنؤ میں اُسے ایک ہزار روپیہ تنخواہ بھی ملتی تھی وہ پشتینی شیعہ تھا اُس کے مذہب کی رو سے جو شخص کسی کو لا مذہب کرے وہ عابد اور قابلِ قدر خیال کیا جاتا ہے اُس نے بادشاہ کے مذہب بدلنے پر اپنا ذاتی فائدہ ضرور مدنظر رکھا ہوگا اور نیز یہ کہ بادشاہ کے شیعہ ہو جانے سے تین بادشاہ ایک مذہب کے ہو جائیں گے۔ یعنی شاہ دہلی و لکھنؤ و ایران۔

کیونکہ شبہ [illegible] مرزا حیدر کو [illegible] ہے کہ [illegible] کی اُمید یہ بادشاہ کو شاہ ایران سے

خلاہر کے بارے میں بادشاہ کے انتقال ہی پر منحصر نہ تھا۔

جس زمانہ میں ایران سے انگریزوں کی لڑائی ہو رہی تھی بعض بعض شاہزادوں کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں کہ اگر روس نے ایران کو مدد دیدی تو انگریز شکست پائیں گے اور ایرانی تمام ہندوستان پر قابض ہو جائیں گے۔ اور بادشاہ بھی اُنکی ہاں میں ہاں ملادیا کرتے تھے۔

جہانتک میں نے سُنا مرزا نجف نے ایران سے کوئی خبر دہلی میں نہیں بھیجی اگر اُس نے بھیجی ہو تو شاید اپنے بھائی مرزا حیدر کے پاس لکھنو بھیجی ہو۔

جس زمانہ میں بادشاہ کو ایران سے مدد کی آس لگی ہوئی تھی اُس وقت بھی ہندوستانی شاہزادوں پر قابو پانے کی کوئی تدبیر نہیں ہوئی جسکی وجہ یہ ہے کہ مرزا حیدر لکھنو جانیکے بعد پھر کبھی دہلی میں نہیں آیا۔ یہ شخص بڑا مفسد تھا اُس نے پہلے تو بادشاہ کو شاہ ایران سے خط وکتابت کرنے پر آمادہ کیا اور اگر یہ یہاں ہوتا تو ضرور شاہزادوں کو اپنے بس میں رکھنے کی تدبیر بھی سمجھاتا۔

لارڈ ایلن برو نے عیدین و نوروز اور بادشاہ کی سالگرہ کے دن جو ویسرائے بادشاہ کو نذریں دیا کرتے تھے اُس کو بند کردیا اور اُس سے بادشاہ کی ہتک ہوئی۔ جواں بخت کے ولیعہدی والے معاملہ میں بھی اُسکو بڑی ہتک ہوئی۔ اُسے انگریزی گورنمنٹ سے بالعموم اور کسی انگریزی افسر سے بالخصوص عناد نہ تھا مگر۔ وہ مذہب عیسوی کا دشمن نہ تھا۔

مرید بنانے میں بادشاہ مذہبی اصول کی پابندی کیا کرتا تھا نہ کہ دنیوی اور صرف ہندوستانی فوج کے سپاہی ہی اُس کے مُرید نہ تھے بلکہ بہت سے آدمی اُسے اپنا پیشوا سمجھتے تھے بلوہ سے پیشتر ہی سے یہ رواج جاری تھا۔ بہادر شاہ کے والد بھی پیری مریدی کیا کرتے تھے۔ بہادر شاہ نے البتہ یہ جدت کی تھی کہ جو شخص اُن کا مرید ہوتا تھا اُسے گلابی رنگ کا ایک رومال

دیا جاتا تھا یہ رواج اس طرح جاری ہوا۔ دہلی کے پیرزادے جو بادشاہ کو روحانی تربیت دیتے تھے اُنھوں نے عوام الناس کے دلوں پر یہ نقش کر دیا تھا کہ بادشاہ دنیا کے روحانی معاملات میں نائب خدا ہے اور جو شخص اُسکو اپنا پیشوا بنائیگا اُس کے لیئے یہ بات باعث فخر ہے۔

اس طریقہ سے یہ ضرور فائدہ ہے کہ مرید اپنے پیر کے کل دینی یا دنیاوی معاملات میں اپنے ہادی کے حکم کی متابعت کرتے ہیں۔ مرید بنانے کی رسم بہادر شاہ کے والد کے زمانہ میں پڑی مگر بہادر شاہ کے زمانہ میں مریدوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ مرید بنانے میں صرف ایک طریقہ پر عملدرآمد ہوتا تھا۔

میں نے یہ کبھی نہیں سُنا کہ بادشاہ کا ہندوستانی فوج کے مرید کرنے سے یہ منشا ہو کہ اُنھیں انگریزی گورنمنٹ سے برگشتہ کر دیا جائے مگر یہ بات صریح ہے کہ اُس سے پیر کا یہ منشا ضرور ہوتا ہے کہ مرید اُسکی ہر حالت کا شریک بن جائے۔

میں نے یہ بھی نہیں سُنا کہ کسی سپاہی نے جو بادشاہ کا مرید ہو کبھی اس بات کا اظہار کیا ہو کہ میں تمھارا (بادشاہ کا) مرید ہونیکی وجہ سے ساتھ دیتا ہوں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اُن میں سے کوئی بھی اس غرض سے نہیں آیا اور نہ اُس نے رومالی نشانی دکھائی۔ علاوہ ازیں اُنھوں نے اس پانچ ماہ کے عرصہ میں جس میں وہ دہلی پر قابض رہے بادشاہ کو اپنا پیشوا تک نہ سمجھا اور اسکی وجہ مجھے معلوم نہیں۔ غالباً بادشاہ کے مرید سپاہیوں میں سے اُسوقت سب چھٹی پر ہوں کیونکہ جہانتک مجھے مرزا مغل کے کاغذات سے جو اس وقت گورنمنٹ کے قبضہ میں ہیں معلوم ہوا میں کہہ سکتا ہوں کہ بادشاہ کے مرید اس بلوہ میں شریک نہیں تھے اور اُن میں سے کسی کی درخواست ان کاغذات میں نہ تھی۔ کارتوسوں کے معاملہ کے بعد پانچ مہینے تک کوئی سپاہی بادشاہ کا مرید نہیں ہوا۔ میں ہر وقت رہا کرتا تھا اگر کوئی مرید ہوتا تو مجھے

اُسکی خبر ضرور ہوتی۔ بادشاہ کے مرید صرف مسلمان تھے اور اُنکے سوا اور کوئی نہ تھا۔ بادشاہ نے کبھی ہندوستانی رسالوں سے خط و کتابت نہیں کی البتہ جب کبھی کوئی لڑائی ہوتی تھی تو ہندوستانی فوج کی خیریت کے خواہاں رہا کرتے تھے اور چونکہ انگریزی گورنمنٹ سے بددل تھے اس لیئے جب کبھی اُن کے پس پا ہونیکی خبر سنتے بددل ہوتے۔ اُن کا گمان تھا جو سلطنت انگریزوں کو پس پا کریگی وہ بوجہ شاہی خاندان سے ہونے کے میری بہت قدر و منزلت کریگی۔ الغرض اُنھیں یقین تھا کہ انگریزوں کی بربادی پر میری اقبالمندی کا دارومدار ہے۔

مجھے اچھی طرح تو یاد نہیں ہاں میرا خیال ہے کہ پنجاب لے لینے کے بعد بھتہ رُکنے کے سبب بعض ہندوستانی رجمنٹوں میں جو غدر ہوا اُسکی اطلاع بادشاہ کو ہوئی تھی اور بادشاہ نے اُسے بہت اطمینان سے سُنا تھا۔

مجھے ٹھیک ٹھیک مہینہ تو یاد نہیں جس میں کلکتہ کی رجمنٹوں نے جدید کارتوسوں کے لینے سے انکار کیا تھا یہ خبر بذریعۂ اخبار کے آئی تھی اور جوں جوں یہ بحث بڑھتی جاتی تھی لوگ اُسے مذہبی پہلو پر لیتے جاتے تھے یہانتک کہ تمام ملک میں عام جوش پھیل گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیسی فوج نے انگریزی گورنمنٹ کو چھوڑ کر اُس کے خاتمہ کی فکر کی۔ بادشاہ نے اس صورت میں یہ خیال کیا کہ میری حالت اس طرح سنبھل جائیگی اور اگر نئی سلطنت سے واسطہ بھی ہوا تو اُس کے نزدیک میری وقعت زیادہ ہوگی۔

شاہزادوں کا یہ خیال تھا کہ دیسی فوج یا تو ایران جائیگی یا نیپال۔ چونکہ بادشاہ کے پاس نہ تو روپیہ تھا نہ فوج اِس لیئے اُن کا کبھی یہ خیال نہیں ہوا کہ وہ بادشاہ سے آکر ملجائیگی۔

اگرچہ غدر کی صریح وجہ تو نئے کارتوس ہی ہیں مگر دراصل صرف یہی وجہ نہیں تھی ہندوستانی فوج کے بہت سے آدمی عرصہ سے انگریزوں سے خلاف اور بددل ہوگئے تھے اُنکا خیال تھا

کہ ہم پر بہت سختی ہوتی ہے کارتوسوں کا بہانہ انھیں اچھا ملگیا۔ مفسد اور شریر آدمیوں کو تمام فوج کے بھڑکانے کا اچھا موقع ہاتھ آیا اور مذہبی نمک مرچ چھڑک کر انھیں گورنمنٹ سے برگشتہ کردیا انھیں یہ وہم سمایا تھا کہ گورنمنٹ انگریزی ہماری ہی وجہ سے قائم ہے۔ انگریز ہمارے مقابلہ کی تاب نہ لاسکیں گے۔ لوگ تو جاہل تھے ان کا یہ خیال ہوا کہ واقعی گورنمنٹ ہمارے مذہب کو خراب کیا چاہتی ہے اور بیشک یہ بات بھی شہرت پکڑ گئی تھی کہ کمانڈر انچیف نے تمام ہندوستان کو دو سال میں عیسائی بنانے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ ہوشیار اور مکار آدمیوں کے منصوبے پورے اترے اور جاہل ان کے ساتھ ہو گئے۔

ہندوستانی فوج کے خیالات گورنمنٹ انگریزی کی طرف سے بہت خراب تھے۔ اگرچہ جدید کارتوس جاری بھی نہ ہوتے تو وہ غدر کرنے کے لئے اور بہانہ نکالتے کیونکہ اگر یہ باتیں صرف مذہبی امور کیوجہ سے ہوتیں تو وہ نوکری سے مستعفی ہوجاتے اور اگر انھیں ملازمت کرنی ہی ہوتی تو کبھی غدر نہ کرتے۔

بادشاہ کی بھی یہی رائے تھی کہ گورنمنٹ دراصل رعایا کے مذہب میں دست اندازی کرنا چاہتی ہے مگر میں نے اکثر انھیں سمجھایا کہ یہ صرف بدمعاشوں کی باتیں ہیں اور کچھ بھی نہیں ہے میں نے یہ بھی کہا کہ انگریز دانشمند ہیں وہ کبھی ایسی بات نہ کرینگے جس سے تمام رعایا کو نقصان پہنچے اور میرا یہ خیال تھا کہ فوج کے ساتھ کچھ زیادتی ہوئی ہوگی۔ میری اس قسم کی گفتگو سے بادشاہ کو اطمینان ہوجاتا تھا مگر خواجہ سراؤں اور بیگمات کی گفتگو سے پھر اسکے ویسے ہی خیالات ہوجاتے تھے۔

میری موجودگی میں کوئی خبر میرٹھ سے نہیں آئی۔ پیر کی صبح کو بعد طلوع آفتاب ایک انفنٹری سپاہی نے جو قلعہ کے لاہوری دروازہ پر تعینات تھا دربار خاص کے دربان سے آکر یہ کہا

خط و کتابت کرنیکا خیال سمجھایا ہوا اور غالباً اُس نے یہ سمجھایا ہوگا کہ میرے بھائی کے مرزا نجف کے ایران بھیجنے سے پیشتر شاہ ایران کو بادشاہ کے شیعہ ہوجانے کا حال معلوم ہوجائیگا اور اس صورت میں میرے بھائی کی بڑی قدر و منزلت ہوگی۔

بہادر شاہ اپنی تدابیر ملکی کے متعلق بہت کم احتیاط کیا کرتے تھے معمولی سے معمولی ملازم بھی اُن پر حاوی تھا۔ خواجہ سرا ہر وقت اور ہر جگہ موجود رہتے تھے اِس لیئے اُن سے کوئی بات پوشیدہ نہ تھی۔ بادشاہ اپنی بیگمات سے بھی مصلحت ملکی میں رائے لیا کرتے تھے چنانچہ زینت محل بیگم کو خوش کرنے کے لیئے اُس کے بیٹے جواں بخت کے لیئے جو کم سنی کے سبب ولیعہدی کے قابل بھی نہ تھا اُس کے ولیعہد ہونے کی درخواست کی ہر بھید کی بات خواجہ سراؤں کو معلوم تھی اور وہ خلوت خانوں تک میں آیا جایا کرتے تھے اور خوجہ محبوب علی کے ہاتھ میں کل شاہی کاروبار تھے۔

جو خط بادشاہ نے شاہِ ایران کو لکھا میں نے نہیں دیکھا۔ جو کچھ مجھے شاہزادہ علی بخت کی زبانی معلوم ہوا وہ میں پہلے ہی بیان کرچکا ہوں۔ میرے خیال میں بادشاہ دہلی نے روپے اور فوج سے مدد مانگی ہوگی۔ بادشاہ روپیہ پر جان دیتا تھا جس کا ثبوت یہ ہے کہ اُس نے بڑھاپے میں جاکر لالچ کیوجہ سے ایمان بدلا۔

میں نے کبھی یہ نہیں سُنا کہ اُس تحریر سے بادشاہ کا یہ ایماء تھا کہ ہندوستانی فوج کو سرکار کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ کیا جائے اور نہ میرا یہ خیال ہے کہ اس کا کچھ بھی اشارہ ہو کیونکہ اس بات کا قلعہ میں کچھ بھی چرچا نہیں ہوا۔

میرے خیال میں جب بادشاہ نے شاہِ ایران سے رسم اتحاد پیدا کرنیکا خیال کیا ہی کسی کو بھی یہ نسوجھا ہوگا کہ ہندوستانی فوج کے دلوں پر قابو پائیں۔

مجھے خواجہ سراؤں سے دستنبت اور کالیخاں سے جن سے مجھے شیدی قنبر کی معرفت کاغذات جانیکا حال معلوم ہوا تھا) یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ جب شیدی قنبر کو دستخطی کاغذات دیئے گئے تو بادشاہ نے اُسے ہدایت کی کہ یہ کاغذات مرزا نجف کو دیکر اُنکے جواب اور نیز پیشتر کی تحریرات کا جواب مانگنا۔

میرے خیال میں اس کے سوا کوئی اور خبر اس ضمن میں اخبارات میں شائع نہیں ہوئی اگر میں اُنھیں پڑھتا بھی تو مجھے خواجہ سراؤں سے اُس کا حال معلوم ہوجاتا۔

جب اخباروں میں مرزا نجف کے ایران پہنچنے کی خبر شائع ہوچکی تو شیدی قنبر یہاں سے روانہ ہوا۔ شیدی قنبر کے جانیکے ایک سال بعد صوبہ اودھ انگریزی حدود میں شامل ہوا۔ ہنومان گڑھی کا واقعہ بھی شیدی قنبر کے بعد ہوا۔

جس وقت بوشہر پر لڑائی ہورہی تھی بادشاہ کی گفتگو سے ظاہر ہوتا تھا کہ اُسے ایران سے روپیہ اور فوج کی بہت کچھ اُمید تھی اور اُس زمانہ میں اکثر وہاں کے حالات دریافت کرتا رہتا تھا۔ چونکہ ہر ایک بات پوشیدہ رکھی گئی تھی اس لیئے پہلی تحریر کے وقت تو بادشاہ کی امیدوں کا حال نہ کھلا مگر جب مرزا نجف کے ایران پونہچ جانیکی خبر لگی اور ساتھ ہی بوشہر میں لڑائی کی اطلاع ہوئی تو یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ کو وہاں سے مدد کی اُمید ہے۔

بادشاہ کا یہ خیال تھا کہ میرے بعد سرکار میرے خاندان کو قلعہ سے نکالدیگی کیونکہ سرکار کا یہ خیال مرزا فتح الملک کے حقوق تخت نشینی کے تصفیہ کے بعد ظاہر ہوا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ بادشاہ یہ بات تو بارہا کہا کرتے تھے کہ مرزا (فتح الملک) کو تخت نشینی کا لطف تو آئیگا نہیں کیونکہ بعد میرے میرے جانشینوں کے اختیارات یا تو ضبط ہوجائینگے یا وہ قلعہ کے باہر نکالدیئے جائیں گے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرکار کا ارادہ قلعہ کے

اور اسکی صاف وجہ یہ ہے کہ کارتوسوں کے جھگڑے میں مذہبی پہلو شامل تھا اور جاہل آدمی دہوکے میں یہ سمجھتے رہے کہ وہ (سپاہی) دراصل مذہب کی خاطر لڑ رہے ہیں اور اس لیئے اُنکے منصوبے پورے اُترے۔ جو بدمعاش تھے اُنھیں فائدے کے خیال نے اندھا کردیا تھا۔ باغی انگریزوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اُنھیں نصاری اور کافر کہتے تھے۔ مگر کسی نے اُنکی شان میں بدکلمات اپنی زبان سے نہیں نکالے۔ یہ اُن کا تکیہ کلام تھا کہ گورنمنٹ انگریزی کے عہد میں کوئی رئیس بااختیار نہ رہے گا اور نہ کسی ہندوستانی کی عزت ہوگی۔ ہندوستانی فوج کے سپاہی خواہ ہندو خواہ مسلمان دونوں گورنمنٹ سے بددل ہو رہے تھے اور ہندؤں کی تعداد بمقابلہ مسلمانوں کے زیادہ تھی۔ مگر شہر دہلی میں مسلمان ہندوں سے زیادہ بددل تھے۔

مسلمانوں کے زیادہ تر مخالف ہونیکی وجہ یہ ہے کہ بقر عید کے موقع پر گاؤکشی کے معاملہ میں اُنکے خلاف فیصلہ ہوا تھا۔ علاوہ ازیں یہ بھی شہرت تھی کہ گورنمنٹ ہندوستانیوں کو سور کا گوشت کھلا کر عیسائی بنانا چاہتی ہے۔

بعد میں یہ معلوم ہوا کہ سپاہی اپنی حرکات پر نادم ہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ بہتوں نے تو پوشیدہ طور سے اپنی اپنی رجمنٹیں چھوڑ دی تھیں۔ بعض نے اپنے افسروں کو ترقی رتبہ اور اضافہ تنخواہ کے لیئے درخواستیں دیں جب وہ نامنظور ہوئیں تو کھلم کھلا کنارہ کشی کی۔

قلعہ والوں اور شاہزادوں کو گورنمنٹ کے خلاف دہلی کی ولینٹر رجمنٹ اور میرٹھ کے رسالوں کی سازش کا حال پیشتر سے معلوم نہ تھا جب دہلی کے باغی افسروں نے اُن سے تذکرہ کیا تو اُنھیں معلوم ہوا۔

میرے خیال میں بغاوت کے ظاہر ہونے سے پیشتر سپاہیوں اور ہندوستانی رئیسوں

میں خط وکتابت نہیں ہوئی اگر ایسا ہوا ہوتا تو جو چٹھیاں بعد سپاہیوں کی طرف سے رئیسوں کو گئی تھیں اُن میں اُن کا کچھ نہ کچھ ضرور حوالہ ہوتا۔ اور کچھ باغی سپاہی اُن کے (رئیسوں کے) پاس ضرور جاتے۔ اور ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں ہوئی۔

فوج نے غدر اپنی مرضی سے کیا کسی رئیس کے بہکانے سے نہیں کیا اگر ایسا ہوتا تو فوج اُنکے پاس چلی جاتی یا وہ فوج سے آکر ملجاتے۔

دیہاتی بھی فوج والوں سے ملے ہوئے نہیں تھے اگر ملے ہوئے ہوتے تو فوج اُنکے ساتھ سلوک کرتی اور ظلم و تعدی اُن پر روا نہ رکھتی۔

غدر ہونیسے پیشتر فوج میں دہلی کے مسلمانوں سے بھی اتحاد نہیں ہوا تھا ورنہ اس صورت میں اُن پر ایسی بیرحمی نہ کرتی۔

شہر کے اور فرقوں کو بھڑکانیکی ضرورت نہ تھی وقت ہی ایسا تھا کہ وہ خود سپاہیوں سے جا ملے تھے۔ میرے نزدیک گوجروں اور باغیوں میں کوئی اقرارنامہ نہیں ہوا تھا بعد میں کچھ باغی افسروں نے بادشاہ سے کہکر دہلی کے قرب وجوار کے دو گوجروں کو ایک ڈھول اور ایک لکڑی دلوادی تھی اور وہ انگریزی کیمپ کی رسد لوٹنے میں شریک ہوگئے تھے۔

اسی طرح سکندرہ ضلع بلند شہر کے قرب وجوار میں ایک راؤ کو بھی ایک ڈھول اور ایک لکڑی اسی غرض کے لیئے دی گئی تھی۔

بلوہ کے ایام میں انگریزوں کے دیوانی انتظام کے متعلق کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ سپاہیوں نے تو اپنے ہی ظلم کیوجہ شکایت کی اور رعایا اسوجہ سے انتظام کی شاکی تھی کہ حکام بالا کی غفلت سے سپاہیوں کا ظلم بڑھ گیا تھا۔

سوار افسروں میں گلاب شاہ اور پیدل رجمنٹوں میں رنسیت اور الگزنیڈر رجمنٹوں کے

کہ فوج نے میرٹھ میں بغاوت کردی اور عنقریب سوار و پیادے دہلی میں پہونچا چاہتے ہیں اس خبر کے ایک ہی گھنٹے کے بعد دہلی کی مقیم رجمنٹ قلعہ میں داخل ہوئی اور پھر میرٹھ کے باغی رسالے بھی قلعہ میں گھس گئے اس سے پہلے اس معاملہ کی کوئی خبر نہ تھی۔

میری موجودگی میں میرٹھ سے اُن سپاہیوں کے کورٹ مارشل کی خبر نہیں آئی جنھوں نے جدید کارتوس لینے سے انکار کیا تھا۔ ممکن ہے یہ خبر پانچ یا چھ روز بعد بذریعہ اخبار آئی ہو۔

میرے خیال میں بادشاہ نے کسی کو اس غرض سے میرٹھ نہیں بھیجا کہ وہاں سپاہیوں کے کارتوس نہ لینے پر جو کچھ کارروائی ہوئی ہو اُسکی خبر لائے۔

میں نے یہ بھی نہیں سُنا کہ زینت محل نے میرٹھ کسیکو اس غرض کے لیئے بھیجا تھا۔

ہاں بادشاہ کو رسالوں کے اس طرح آنے پر حیرت ہوئی تھی۔ کیونکہ اس سے پہلے کسی قسم کی خبر نہ لگی تھی اس لیئے مجھے بھی تعجب تھا۔ اگرچہ کارتوسوں کے معاملہ کی خبر سے یہ یقین تھا کہ ضرور کچھ نہ کچھ خرابی پھیلے گی۔ جسدن رسالے پہنچے اس شام کو میں نے بادشاہ سے کہدیا تھا کہ جن آدمیوں نے اپنے آقاؤں سے بیوفائی کی اُن سے بھلائی کی اُمید کرنا بیکار ہے۔ میں نے بادشاہ کی جانب سے ایک چٹھی فوراً نواب لفٹنٹ گورنر آگرہ کو لکھی اُس میں باغی رسالوں کے شہر میں پہنچنے اور انگریزی افسروں کے قتل کا حال تحریر کردیا تھا اور اس بات کی استدعا کی تھی کہ بادشاہ تو اس قابل نہیں ہیں کہ اُسکی مدافعت کرسکیں آپ انگریزی فوج مدد کے لیئے روانہ کریں۔ صبح کو مجھے بادشاہ سے تخلیہ میں گفتگو کرنا تو درکنار رہا باغی رسالوں اور بادشاہی ملازموں کا قلعہ میں اسقدر ہجوم تھا کہ مجھے سرسری طور پر بھی بادشاہ سے گفتگو کرنے کا موقع نہیں ملا۔

بادشاہ نے باغیوں کی آمد کے لیئے پہلے سے کچھ تیاری نہیں کی تھی اور جس کا ثبوت

اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جب میں نے اور غلام عباس وکیل نے بادشاہ سے کہا کہ قلعہ کا کمانڈنٹ گارد اور ایجنٹ لفٹنٹ گورنے دو توپیں مع دو توپچیوں کے اور دو پالکیاں میموں کے واسطے منگائی ہیں تو بادشاہ نے بلا عذر تعمیل کرنیکا حکم دیدیا تھا۔

کوئی شخص یہ نہیں بتا سکتا کہ چپاتیاں کیوں تقسیم ہوئیں تھیں اور نہ یہ معلوم کہ کس کی تجویز تھی تمام قلعہ والے اس بات پر متحیر تھے کہ ان سے کیا غرض ہے۔ مجکو اس بارے میں خود تو بادشاہ سے گفتگو کرنیکا موقع ملا نہیں البتہ اور آدمیوں نے اس کا تذکرہ اس سے کیا تھا اور مطلب دریافت کیا تھا۔

میرے خیال میں چپاتیوں کی ابتدا بھی غالباً ہندوستانی ہی فوج سے ہوئی۔ اولاً وہ اودہ میں تقسیم ہوئیں تھیں مجھے اِس پر تعجب تو ہوا تھا مگر یہ سمجھ گیا تھا کہ کچھ بھید ضرور ہے بعض کی تو یہ رائے تھی کہ ہندوستانی فوج نے یہ چپاتیاں کسی خاص بات کی علامت مقرر کی ہیں اور بعض کا یہ عقیدہ تھا کہ ان میں ضرور کچھ اسرار ہے کہ تمام ملک میں تقسیم ہوئیں اور یہ معلوم نہ ہوا کہ کون موجد ہے اور کہاں سے اسکی ابتدا ہوئی۔ لوگ یہ بھی گمان کرتے تھے کہ یہ چپاتیاں بعض ضعیف الاعتقاد لوگوں نے اس وجہ سے ایجاد کی ہیں کہ ملک کے مذہب کو خراب ہونیسے بچائیں جسکی بابت یہ خبر اڑ چکی تھی کہ گورنمنٹ نے دو سال کے اندر تمام ہندوستان والوں کو عیسائی بنا لینے کا ارادہ کر لیا ہے ۔

مجھسے فوج کے افسروں نے یہ کہا تھا کہ ہم نے اس وجہ سے غدر کیا کہ گورنمنٹ کارتوسوں پر چربی ملتی ہے اور آٹے میں پسی ہوئی ہڈیاں اس وجہ سے ملاتی ہے کہ ہم سب بیدین ہو جائیں۔ یہی وجہ گورنمنٹ کے خلاف اُن کے ہتھیار اُٹھانیکی کہی جاتی ہے مگر مجھے حیدر حسن سے جس کا فوجی افسروں سے خلا ملا تھا یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ لوگ آپس میں تذکرہ

کیا کرتے تھے کہ اگر ہم میں اتفاق رہا تو ہمیں سرکاری رسالے شکست نہیں دے سکتے اور بالآخر ہم اس ملک کے مالک ہو جائیں گے۔

ہندوستانی رسالوں نے جو کچھ کیا محض دنیاوی فائدے کی اُمید پر کیا مذہبی ملاؤں سے تو اصل منشا کا چھپانا مطلوب تھا۔ اگر وہ مذہب کی خاطر لڑتے تو لوگوں کے نہ تو مکانات لوٹتے اور نہ اُنھیں اذیتیں دیتے بلکہ صرف انگریزی گورنمنٹ کے خلاف ہی لڑتے۔ غدر کے ایام میں باغی رسالے کہتے تھے کہ ہم اس ملک کے مالک ہیں اور مختلف شاہزادوں کو مختلف صوبوں کا حاکم بنائیں گے۔

دہلی کی والنٹیر رجمنٹ نے یہ کہتے ہیں کہ غدر سے پیشتر میرٹھ والے رسالوں سے ملکر اور تمام مقامات کے رسالوں کو خط بھیجکر دہلی میں اکٹھا ہونے پر آمادہ کر لیا تھا۔

جب فوج نے بیوفائی کی تو میں سمجھ گیا کہ دہلی میں ضرور خطوط پہلے سے آ گئے ہیں اور انکے ذریعہ سے آپس میں کچھ عہد و پیمان ہو لیے ہیں۔ باغیوں نے دہلی سے اور رجمنٹوں کے نام بھی دہلی آنیکے لئے خط بھیجے تھے۔ بیشک باغی افسروں کی درخواست پر بادشاہ نے نیمچ اور فیروزپور وغیرہ کے رسالوں کو بُلاوے کے خط لکھے ہونگے خط اس مضمون سے جایا کرتے تھے "ہم میں سے اسقدر یہاں آ گئے ہیں تم بھی حسب وعدہ جلد آؤ"

باغی افسروں کی درخواست پر بادشاہ منشیوں کو یہ حکم دیا کرتے تھے کہ جو یہ کہتے ہیں لکھدو جو کچھ میں جانتا تھا میں نے بیان کر دیا اس کے علاوہ ہندوستانی رسالوں کی سازش کے متعلق مجھے معلوم نہیں۔

بلوہ کرنے سے پیشتر ہی ہندوستانی رسالوں نے کل انگریزوں کے (خواہ مرد ہو یا عورت یا بچہ) قتل کرنیکا ارادہ کر لیا تھا۔ جو جو انتظامات باغیوں نے کئے اُنھیں میں تفصیل وار

بیان نہیں کرسکتا مگر میرے خیال میں جو کچھ تدابیر اُنھوں نے سوچی تھیں اُنکی تکمیل سے پیشتر ہی یہ واقعہ پیش آگیا۔ میں نے یہ نہیں سُنا کہ ان تدابیر کے اجرار کے لیئے کوئی خاص دن مقرر ہوا تھا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اُن خطوں میں جو دہلی کے باغیوں نے دوسرے رسالوں کو بھیجے کچھ نہ کچھ تذکرہ ہوتا مگر اُن میں مطلقًا اس کا ذکر بھی نہ تھا۔ اگر انھیں اس کا اظہار کرنا ہوتا تو ان الفاظ میں خط لکھے جاتے "تم نے فلاں تاریخ روانہ ہونے کا وعدہ کیا تھا مگر اب تک یہاں نہیں پہنچے اور اس لیئے تم نے وعدہ خلافی کی"۔

جس واقعہ کا اُوپر تذکرہ کیا ہے کہ تدابیر کے پختہ ہونے سے پیشتر ظہور میں آیا اُس سے میرٹھ کا واقعہ مراد ہے۔

اگر میرٹھ والا واقعہ اس قدر جلد ظاہر نہ ہوتا تو کوئی شبہ نہیں کہ باغیوں کے منصوبے پورے اُترتے اور جسقدر زیادہ زمانہ گزرتا اسیقدر اُن کا اتفاق مستحکم ہو جاتا۔ اس واقعہ کے جلد ہونے کی دو ہی وجہ ہیں یا تو میرٹھ کے رسالوں نے خود جلدی کی یا گورنمنٹ کیطرف سے اُن کے ساتھ زیادہ سختی برتی گئی۔

گلاب شاہ نمبر ۳ کولری کے افسر نے جو میرٹھ سے آیا تھا بیان کیا تھا کہ گورنمنٹ نے رسالوں کے ساتھ اسقدر سختی کی کہ اُن سے ہتھیار رکھو لیئے اور سواروں کے ہاتھ میں ہتھکڑیاں ڈالدیں تھیں۔

علاوہ کارتوسوں کے سپاہی گورنمنٹ سے بددل ہوجانے کے یہ بھی سبب بیان کرتے ہیں کہ ہمیں تھوڑی رخصتیں دیجاتی تھیں۔ ہمارا بھتہ بند کردیا تھا۔ ہمیں سمندر میں سفر کرنے کے لیئے حکم دیئے جاتے تھے اور بالآخر ہماری پہلی سی قدر و منزلت ہی نہ رہی تھی۔ مگر غدر کے لیئے اُنھوں نے کارتوسوں ہی کا بہانہ قوی سمجھا اُنکے دیگر عذرات اسقدر قوی نہ تھے

افسروں اور بادشاہی ملازموں میں نصیر خان اور بسنت حبشی وغیرہ خواجہ سراؤں نے پچاس عیسائیوں اور انگریزوں کے قتل کی ترغیب دی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ گلاب شاہ اور اُسکے ساتھی حیات بخش والے باغ میں مقیم تھے اور خواجہ سراؤں کے ساتھ شاہی محلات کے دروازوں پر بیٹھا کرتے تھے۔ شاہزادوں میں مرزا ابوالباقر اور مرزا خیر سلطان قتل میں سرگروہ تھے اور باقی شہزادے اُنکی ہاں میں ہاں ملانے والے تھے۔

جب خواجہ سراؤں نے انگریزوں کے قتل کے لیئے بادشاہ سے حکم طلب کیا تو میں نے اُنکی موجودگی ہی میں بادشاہ سے کہدیا تھا ہمارے مذہب میں عورتوں اور بچوں کا خون بہانا روا نہیں ہے علاوہ ازیں عقل کا بھی یہی تقاضا ہے اُنکو قتل سے بچایا جائے میں نے بادشاہ کو یہ رائے دی تھی علماء سے ایک فتویٰ لیکر فوجی افسروں کو دکھا دیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو محلسرے میں حفاظت کے ساتھ رکھا جائے۔ اس ترکیب سے جو بہتر نتائج پیدا ہوتے وہ میں نے سب سمجھا دیئے تھے اور جتا دیا تھا کہ جنگ افغانستان میں جسقدر انگریزی قیدی تھے سردار محمد اکبر خان نے اُنکے ساتھ کس طرح سلوک کیا اور اُس برتاؤ کی وجہ سے اُنکے باپ امیر دوست محمد خاں کو جو انگریزوں کے قیدی تھے آزادی ملگئی اور امیر کو پھر تاج و تخت دیدیا گیا۔

یہ باتیں سنکر بادشاہ تو عیسائیوں کے قتل کی منظوری دینے سے باز رہا اور دو دن تک بچ گئے۔ مگر بعد میں سائلوں نے بادشاہ پر رضامندی ظاہر کرنے کے لیئے سخت زور دیا اور بسنت اور شیدی سفیر خواجہ سراؤں نے انگریزوں کو گلاب شاہ کے حوالہ کر دیا اُس نے اُن سب کو حوض کے قریب قتل کر ڈالا۔

اگر بادشاہ عورتوں اور بچوں کو اپنی محلسرے میں رکھتا اور سپاہیوں کے استدعا کرنے پر

اُنھیں جواب دیتا کہ جب تک میری مستورات اور بچے قتل نہ ہونگے میں میموں اور بچوں کو تمھارے حوالہ نکروں گا تو غالباً سپاہی محلسرا میں عیسائیوں کو قتل کرنے نہ گھستے۔ بادشاہ کو ایسا ہی کہنا اور کرنا تھا اور بارہا اُس نے اسی طرح سپاہیوں سے گفتگو کی۔

اگر بادشاہ ہی کی مرضی نہ ہوتی تو سرکاری تحریرات میں یہ نہ لکھا جاتا کہ بادشاہ سے منظوری حاصل کر لی گئی ہے۔

رسبت اور الگزنڈر رجمٹوں کے افسر انگریزوں اور عیسائیوں کے جانی دشمن تھے اور اگر گلاب شاہ اور رسبت اور نصیر خواجہ سرا ہوتے تو شاید وہ عیسائیوں ہی کو مارتے میرے خیال میں اُنکے سوا اور کوئی عیسائیوں کا اسقدر دشمن نہ تھا

سب سے پہلے باقاعدہ سوار اور اُس کے بعد دہلی کی ولینٹر رجمنٹ قلعہ میں داخل ہوئی سواروں کے ساتھ ولینٹروں کی دو کمپنیاں تھیں جنھیں اُنھوں نے دسوارن قلعہ کے دروازوں پر تعینات کر دیا تھا۔ ولینٹر رجمنٹ کے افسر باواز بلند کہہ رہے تھے۔ میرٹھ سے سوار تو آگئے ہیں پیدل رجمٹیں پیچھے آرہی ہیں”

دہلی کی رجمنٹ کے افسروں کی گفتگو سے میں سمجھ گیا کہ دہلی اور میرٹھ کے رسالوں میں کامل اتفاق ہے۔ چٹھیاں اور حکم جو دیگر چھاؤنیوں کی رجمٹوں کو بھیجے گئے اُن میں کبھی اُنکے وعدہ کا حوالہ نہیں دیا گیا صرف یہ مضمون ہوتا تھا کہ فلاں رجمٹیں آگئی ہیں اور کیا تم بھی آؤگے ،، میری رائے میں باغی دہلی میرٹھ سے محض ان وجوہ سے آئے۔

(۱) دہلی میرٹھ سے قریب تھا اور دہلی اور میرٹھ کے رسالہ ہم خیال تھے۔

(۲) دہلی میں میگزین وغیرہ بہت تھا۔

(۳) دہلی میں شہر پناہ تھی اور محافظت خوب ہو سکتی تھی۔

(۴) بادشاہ دہلی فوج نہونیکی وجہ سے نہتا تھا

(۵) بادشاہ کے پاس خواہ ہندو خواہ مسلمان رئیس جمع ہونے میں اپنا فخر سمجھیں گے

رسالوں نے نہ تو بادشاہ کو پہلے سے اپنے ارادہ سے آگاہ کیا تھا اور نہ بادشاہ کو یہ علم تھا کہ والیٹر رجمنٹ اور میرٹھ کے رسالوں میں ایکا ہو گیا۔

جہانتک مجھے علم ہے کوئی جاگیر ضبط نہیں ہوئی اس لئے شہر والوں کو انعام یا جاگیر کی ضبطی کے متعلق شکایت نہ تھی مگر سپاہی یہ کہا کرتے تھے کہ گورنمنٹ بتدریج کل انعامات و پنشنیں ضبط کرلیگی اور کسی کے پاس جاگیر وغیرہ نہ رہیگی۔

الحاق اودہ کی بابت دہلی میں بہت کچھ چرچا ہوا تھا۔ دہلی والے بیشتر مسلمان اور سنی ہیں اور چونکہ بادشاہِ اودہ کے حکم سے بہت سے سنی اور ایک مولوی بمقام ہنومان گڑھی توپ کے منہ اڑا دیئے گئے تھے اِس لئے دہلی کے مسلمانوں میں الحاق اودہ پر شورش پیدا نہیں ہوئی تھی بلکہ برخلاف اسکے وہ سمجھے تھے کہ بادشاہ اودہ کو بگیناہ سنیوں کے خون بہانے کی یہ سزا ملی ہے۔ دہلی کے ہندو تو کسی طرح اس واقعہ سے بد دل نہیں ہوئے تھے۔ سپاہی یہ تو ضرور کہتے تھے کہ جس طرح انگریزوں نے اودہ لیا ہے اسیطرح ہندوستان کے تمام مقامات پر قبضہ کرلیں گے۔ الحاق اودہ پر زیادہ کبیدہ خاطر نہیں ہوئے تھے۔

اودھ میں انگریزوں کے انتظام مالگزاری کی شکایت بھی سپاہیوں نے کبھی نہیں کی۔ میرے خیال میں اودہ کا الحاق غدر کا باعث نہیں ہوا۔ میرے نزدیک اس بارہ میں انکے رنجیدہ ہونے کا کوئی سبب نہ تھا اودہ جانے پر انکی گرہ سے کچھ نہیں گیا بلکہ وہ سلطنت اودہ کے مظالم سے بچ گئے۔ دہلی والی رجمنٹ نے بھی اودہ کے متعلق کوئی خاص شکایت نہیں کی البتہ اتنا کہا کہ جس طرح اودہ لیا گیا ہے اُسی طرح اور ملک بھی ہندوستانیوں کے

قبضہ سے نکل جائیگا خواہ وہ لڑے یا نہ لڑے اور ایک دن دہلی بھی بادشاہ کے ہاتھ سے جاتی رہیگی۔ سپاہی بغاوت کے لیئے آمادہ ہو چکے تھے اودہ اگر نہ بھی لیا جاتا تو بھی غدر ضرور ہوتا۔

تین یا چار باغی رجمنٹوں نے لکھنؤ سے بادشاہ کو درخواست بھیجی تھی اور یہ تحریر کیا تھا کہ ہم اودہ لینے کے بعد دہلی روانہ ہونگے ہم نے اس وقت انگریزوں کو بیلی گھاٹ پر گھیر رکھا ہے۔ قدرت اللہ خاں رسالہ دار جو سپاہیوں کے ساتھ اودہ کے رسالوں کی جانب سے یہ درخواست لایا تھا اُسے بخت خاں نے بادشاہ کے روبرو پیش کیا اُس نے بادشاہ کے نام کا نیا سکہ نذر کیا جس پر یہ عبارت کندہ تھی۔

"سراج الدین بہادر شاہ غازی نے سونے کا سکہ بیادگار فتح تیار کرایا"

سائلوں نے یہ بھی عرض کیا کہ ہم نے واجد علی شاہ کے ایک لڑکے کو اِس شرط پر گدی نشین کر دیا ہے کہ اُسے بہادر شاہ کا وزیر بننا ہوگا اور بادشاہ کی اطاعت قبول کرنی ہوگی۔ اور شاہزادے سے اس مضمون کا ایک اقرار نامہ تحریر کرا لیا ہے اور اس سے یہ کہدیا گیا ہے کہ اگر بادشاہ دہلی تمھاری گدی نشینی منظور کریں گے تو تم تخت نشین کر دیئے جاؤ گے۔

بادشاہ نے بخت خاں کو حکم دیا اس درخواست پر ہماری طرف سے منظوری لکھدو۔

جو اشرفیاں قدرت اللہ رسالدار نے بادشاہ کو نظر دی تھیں وہ صاحب کمشنر دہلی کے پاس ہیں۔ میرے نزدیک واجد علی شاہ اودہ نے اس کارروائی میں شرکت نہیں کی۔ اگر واجد علیشاہ یا علی نقی خان سے سپاہیوں کی سازباز ہو جاتی تو یہ معاملہ خفیہ نہ رہتا اور سپاہی لکھنؤ ہی جاتے اور واجد علیشاہ اور اُنکے بڑے لڑکے کو محروم کر کے اُنکے چھوٹے بیٹے کو تخت نشین کرتے۔ میری رائے میں اودہ کے رسالہ بیلی گھاٹ پر قبضہ کرنے کے بعد دہلی روانہ نہیں

ہوئے کیونکہ وہ اودھ جیسے وسیع ملک کے انتظام میں پھنس گئے ہونگے۔ جہانتک میں خیال کرتا ہوں واجدعلیشاہ کے لڑکے کے اختیارات جسے سپاہیوں نے تخت نشین کیا تھا محض نام کے ہونگے۔

واجدعلیشاہ کے قیام کلکتہ میں کوئی خط وکتابت اُن سے نہیں ہوئی۔ نہ علی نقی خاں سے سابق میں مرزا حیدر کی معرفت کچھ خط وکتابت ہوئی تھی مگر بعد میں اُس نے لکھنو میں بادشاہ کا شیعہ ہونا ظاہر کیا اور بادشاہ نے اُس سے انکار کیا اور اُسکو آیندہ خط بھیجنے کی ممانعت کردی تو اُس کے بعد نہ تو وہ دہلی آیا اور نہ پھر اُسکی معرفت ہردو بادشاہوں میں خط وکتابت ہوئی چونکہ بادشاہ اودہ کے ساتھ وہ کلکتہ نہیں گیا تھا اس لیئے واجدعلیشاہ اور بادشاہ دہلی میں کبھی خط وکتابت نہیں ہوئی۔

میں نے کسی سپاہی سے بادشاہ اودہ کی نسبت یہ نہیں سنا کہ اُنھوں نے سپاہیوں کو بغاوت کے لیئے مشتعل کیا ہو۔ چونکہ اودہ رسالہ دہلی میں نہیں آئے اس لیئے اُنکی بابت میں کچھ بیان نہیں کرسکتا۔ بلوہ کے زمانہ میں میں نے سُنا تھا کہ مرزا حیدر لکھنو ہی میں تھا۔ مگر انگریزوں نے بیلی گھاٹ پر دیگر بااثر رئیسوں کے ساتھ اُس کا ذکر کیا ہے۔

زمانہ بلوہ میں بادشاہ و مرزا حیدر میں خط وکتابت نہیں ہوئی خط وکتابت تو واقعی اسی وقت ترک ہوگئی تھی جب اُس نے بادشاہ کے شیعہ مذہب اختیار کرنیکی شہرت لکھنو میں کی تھی۔

میں اب اُن رجمنٹوں اور مقامات کا نام بتاؤنگا جہاں جہاں سے درخواستیں آئی تھیں۔

نیمچ

نیمچ کے رسالوں نے بادشاہ کے پاس ایک درخواست اس مضمون کی بھیجی کہ ہمنے آگرہ آکے فتح حاصل کی اور انگریزوں کو قلعہ میں ہٹا کر اُن کا محاصرہ کرلیا ہے مگر ہمارے پاس ٹیبی توپیں

نہیں ہیں اس لیئے ہمارا ارادہ دہلی آنیکا ہے کہ وہاں سے بھاری توپیں لاکر قلعۂ آگرہ کو فتح کریں۔ یہ درخواست غوث خان اور ہیرا سنگھ صوبہ دار کی جانب سے تھی اُس میں اُنھوں نے اپنے انگریزی افسروں کے قتل کر ڈالنے کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ شتر سوار کے ذریعہ سے جب یہ درخواست دہلی پہنچی تو بخت خاں اُسے بادشاہ کے روبرو لایا نیمچ کے رسالوں کی بڑی تعریف کی۔ بادشاہ نے کہا اُنھیں جواب لکھدو کہ وہ سب دہلی چلے آئیں چنانچہ جواب بھیجا گیا۔

جھانسی

جھانسی کے رسالوں نے ایک درخواست ہرکارہ کے ہاتھ بھیجی جسے خواجہ سراؤں نے بادشاہ کے سامنے پیش کیا اُس میں اُنھوں نے لکھا تھا کہ ہم نے اپنے انگریزی افسروں کو قتل کر دیا اور ہم دہلی آنا چاہتے ہیں۔ بادشاہ نے اُنھیں بھی دہلی آنے کی ہدایت فرمائی تھی۔

دانا پُور

دہلی کے رسالوں کے ایک افسر نے غدر کے شروع ہونے کے دو یا ڈیڑھ مہینے بعد دانا پور والوں کی ایک درخواست پیش کی تھی جس میں سائلوں نے دہلی روانہ ہو جانے کا تذکرہ لکھا تھا۔ بادشاہ نے اُنھیں بھی دہلی آجانے کے لیئے جواب لکھوا دیا تھا مگر میں تحقیق کیساتھ یہ نہیں کہہ سکتا وہاں سے کوئی رسالہ آیا بھی یا نہیں؟

الہ آباد

مسافروں کے بھیس میں دو سپاہی الہ آباد کے رسالوں کی درخواست لائے تھے۔ ولینٹر رجمنٹ کے افسر نے اُسے غدر کے ڈیڑھ مہینہ بعد پیش کیا تھا اُس میں اُنھوں نے بادشاہ کی اطاعت اور اپنے دہلی روانہ ہونے کے ارادہ سے اطلاع دی تھی اُنھیں بھی یہاں آجانے کے لیئے

جواب لکھا گیا۔

علی گڈھ

بلوہ کے کوئی ڈہائی ماہ بعد ایک باغی افسر نے علی گڈھ کے رسالوں کی طرف سے ایک درخواست پیش کی مجھے یہ نہیں معلوم کہ بذریعۂ ہرکارہ آئی تھی یا بذریعۂ ڈاک مگر مضمون ایسا ہی کچھ تھا کہ ہم دہلی روانہ ہوگئے یا روانہ ہونے والے ہیں۔ اُنھیں جواب میں یہ لکھا گیا کہ تمھیں یہاں آجانا چاہیئے۔

متھرا

غدر کے کوئی بیس دن کے بعد دو ہرکارے متھرا کے رسالوں کی درخواست لائے و انفنٹری رجمنٹ کے افسروں نے اُسے بادشاہ کے روبرو پیش کیا اُس کا مضمون یہ تھا کہ ہم خزانہ لیکر دہلی آتے ہیں جواب حسب معمول دیا گیا اور وہ ایک لاکھ روپیہ لیکر دہلی میں آگئے۔

بلند شہر

مرزا مغل نے بلند شہر کے رسالوں کے ایک سپاہی کو جو ایک درخواست لایا تھا بادشاہ کے سامنے پیش کیا اُس میں لکھا تھا جو کچھ خزانہ یہاں موجود ہے ہم اُسے لیکر دہلی آرہے ہیں چنانچہ تیس ہزار روپیہ اپنے ہمراہ لائے مگر مجھے بعد میں یہ معلوم ہوا کہ اُس کا کچھ حصہ اُنھوں نے راستہ ہی میں صرف کردیا تھا۔

رڑکی

مسافر کے بھیس میں ایک سپاہی رڑکی کے رسالوں کی درخواست لایا تھا جو بلوہ کے قریباً ڈیرہ ماہ بعد نمبر ۴۵ ہندوستانی پیدل رجمنٹ کے افسروں نے بادشاہ کے روبرو پیش کی تھی اُس میں دہلی آنے کی خواہش اور وفاداری سے کارگزاری کرنیکا اظہار تھا حسب معمول

جوابدیا گیا اور قریب قریب تین سو سفر مینا کے آدمی قادر خان کی ماتحتی میں دہلی آگئے۔ اِس افسر کا مرزا خیر سلطان سے بڑا اخلا ملا ہوگیا اور بادشاہ کے مزاج میں بہت دخل حاصل کرلیا فوجی امور میں بغیر اُسکی صلاح کے کوئی کام نہوتا تھا اور اُس نے بخت خاں کے ساتھ ملکر بادشاہ سے بنکوں اور دولتمندوں سے روپیہ مانگنے کی اجازت حاصل کرلی۔

فرخ آباد

دہلی آنے سے پیشتر بخت خاں تھوڑیسی فوج فرخ آباد میں چھوڑ آیا تھا۔ بلوہ سے کچھ کم دو ماہ بعد اُس نے بادشاہ سے اس کا تذکرہ کیا۔

ہانسی

ہانسی سے ایک سوار درخواست لایا جس میں یہ تحریر تھا کہ ہم بادشاہ کی طرف سے انگریزوں سے لڑ رہے ہیں اور مذہب کے لیئے لڑنے کی خاطر دہلی آرہے ہیں۔ یہ درخواست شاید گلاب شاہ میرٹھ کے رسالوں کے کمانڈر نے مفسدہ کے کوئی چھ ہفتہ کے بعد بادشاہ کے روبرو پیش کی تھی۔ ہانسی سے تین سوار بھی آئے تھے۔

سرسہ

غدر کے قریبًا چھ ہفتہ کے بعد دو ہرکارے تین درخواستیں سرسہ سے لائے جن میں سے ایک گوری شنکر لکلیہ رجمنٹ کے افسر کی دوسری کولری کے ایک رسالدار کی طرف سے جس کا نام اس وقت مجھے یاد نہیں اور تیسری شاہزادہ محمد عظیم کی طرف سے تھی جو محکمہ کمسریٹ میں ملازم تھا۔ اِن درخواستوں میں یہ درج تھا ہم بادشاہ کی خدمت پہلے بھی کرچکے ہیں اور اب محکمہ محصولات کا کل روپیہ لیکر دہلی آتے ہیں۔ معمولی جواب بھیجدیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد رسالے مع تیس ہزار روپیہ اور کوئی دو سو بیل اور پچاس یا ساٹھ بھیڑیں لیکر دہلی آگئے۔

کرنال

کرنال سے کوئی رسالہ نہیں آیا۔

نصیر آباد

دو سپاہی حسب معمول درخواست لائے جس میں سائلوں نے اپنے دہلی روانہ ہونیکا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ مرزا مغل نے یہ درخواست بادشاہ کے سامنے پیش کی اور اس کا معمولی جواب بھیجدیا گیا۔ دو یا ڈھائی ہزار سوار و پیادے مع توپوں کے دہلی آگئے۔

ساگر و جبلپور

ان دونوں مقامات میں سے بھی درخواستیں آئیں تھیں اور اُن کا جواب گیا تھا۔

پنجاب (فیروزپور)

ایک سپاہی ایک فقیر کے بھیس میں ایک درخواست فیروزپور کے رسالوں کی طرف سے لایا مرزا مغل نے اُس درخواست کو مفسدہ کے شروع ہونے کے قریبًا چھ ہفتہ بعد بخت خان کے آنے سے پہلے پیش کی۔ ہرکارہ کو حکم ملا کہ کل جواب دیا جائیگا۔ اُس نے مجھسے تذکرہ کیا کہ میں فیروزپور کے رسالوں کی طرف سے ایک درخواست لایا ہوں مگر میں نے اُس درخواست کو نہیں دیکھا اور نہ مرزا مغل نے مجھسے اس کا تذکرہ کیا۔ صرف نیمچ اور جھانسی کے رسالے بخت خان کے سامنے آئے باقی کل اُس سے پہلے ہی آچکے تھے۔

انبالہ

ایک سپاہی فقیر کے بھیس میں انبالہ کے رسالوں کی درخواست لایا تھا مگر مجھے اس معاملہ میں تحقیق نہیں ہے اور نہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اُس کا جواب گیا تھا۔

پھلور۔ جہانتک مجھے یاد ہے بیلی رجمنٹ (نمبر ۲۰ ہندوستانی پیدل) کا ایک افسر پھلور کے

رسالوں کی درخواست لایا تھا سپاہیوں میں سے کوئی اُس کے ساتھ نہ تھا اُس کا مضمون یہ تھا کہ ہم پھلور میں بادشاہ کی طرف سے لڑنے کے بعد دہلی روانہ ہونگے حسب معمول جواب بھیجدیا گیا مگر عرصہ کے بعد اُن میں سے دوسو آدمی دہلی آئے تھے۔

جالندہر

چند سپاہی مسافرانہ حیثیت میں جالندہر کے رسالوں کی درخواست لائے اور رجمنٹ نمبر لا ہندوستانی پیدل کے کسی افسر نے اُسے پیش کیا تھا۔ مضمون معمولی تھا اور جواب بھی ویسا ہی دیا گیا تھا۔

سیالکوٹ

سیالکوٹ سے ایک درخواست بلوہ کے دو مہینے کے بعد بذریعۂ ڈاک آئی تھی اور اس کو دہلی کی باغی رجمنٹوں کے کسی افسر نے پیش کیا تھا جواب اُس کا چلا گیا تھا مجھے یہ یاد نہیں کہ وہاں سے کوئی آیا بھی تھا یا نہیں۔

جہلم

جہلم سے درخواست بہت بدیر یعنی بلوہ کے تین ماہ بعد آئی تھی اور رڑکی کے سفرمینا کے افسر قادر بخش نے اُسے پیش کیا تھا اُس کا مضمون بھی مثل اور درخواستوں کے تھا اور معمولی جواب بھیجا گیا تھا۔

راولپنڈی

دو سپاہی برہمن مسافروں کے بھیس میں راولپنڈی کے رسالوں کی درخواست لائے تھے یہ درخواست غدر کے کوئی دو مہینے کے بعد میرٹھ رجمنٹ کے کسی افسر نے بادشاہ کے سامنے پیش کی تھی۔ سائلوں نے لکھا تھا کہ ہم دہلی روانہ ہوئے اور بادشاہ کی خدمت کرنے کے لئے

تیار بیٹھے ہیں۔ حسب معمول جواب گیا تھا۔

لُدھیانہ

لُدھیانہ سے ایک درخواست آئی تو ضرور تھی مگر یہ معلوم نہیں کہ کسکی معرفت آئی تھی اور اس کا کیا مضمون تھا البتہ اتنا سُنا تھا کہ وہاں سے بھی رسالے آنے والے ہیں۔ یہ درخواست اگر آئی ہوگی تو بلوہ سے کوئی دو مہینہ بعد آئی ہوگی۔ جواب بھی غالباً دیا گیا تھا۔

نہ تو کوئی درخواست بنارس۔ اعظم گڑہ۔ گورکھپور۔ کانپور۔ میرٹھ۔ سہارنپور۔ بجنور۔ مراد آباد۔ فتحگڑہ۔ فتحپور۔ بریلی۔ بدایوں۔ آگرہ۔ شاہجہانپور۔ غازیپور کے رسالوں کی آئی اور نہ امرتسر۔ ہوشیارپور۔ کانگڑہ۔ لاہور۔ اٹک۔ پشاور۔ ملتان۔ گوگیرا۔ گجرات۔ ڈیرہ اسمعیلخان۔ ڈیرہ غازیخان۔ شاہجہاں پور۔ خانگڈہ یا لیہ کے رسالوں کی۔

اسی طرح کلکتہ یا بارکپور یا مشرقی صوبوں کی دیگر چھاؤنیوں سے کوئی درخواست نہیں آئی۔ بمبئی یا سندہ کے رسالوں نے بھی کوئی درخواست نہیں بھیجی مگر باغیوں نے بادشاہ سے اُنکی درخواست آنے اور اُن کے دہلی روانہ ہونے کا تذکرہ کیا تھا۔ میں نے ایک یا دو مرتبہ اس کا تذکرہ سُنا تھا۔ میں تحقیق کے ساتھ درخواست کے آنے یا نہ آنے کی نسبت نہیں کہہ سکتا۔

گوالیار کے رسالوں کی درخواست چنبل پرے کسی مقام سے مفسدہ کے دو ماہ بعد آئی تھی اُنھوں نے لکھا تھا کہ ہمارے پاس پچاس توپیں ہیں اور سامان گولہ اندازی اسقدر ہے کہ اُسکی باربرداری کے لیئے پانچہزار گاڑیاں درکار ہونگی مگر دریا اسوقت طغیانی پر ہے اور ہم اُسے عبور نہیں کر سکتے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا تھا کہ جب دریا اُتر جاسے اُس وقت تم لوگ آجانا

نہ تو دہلی کے باغی رسالوں نے بیکانیر و جیسلمیر و جودھپور والور کوٹا یا بوندی خط بھیجے اور نہ

وہیں سے کوئی خط آیا۔

جھجھر و بلب گڈھ و فرخنگر کے رئیسوں اور دلیر خان رئیس مالاگڈھ ضلع بلند شہر کی درخواستیں بادشاہ کے پاس بدیں مضمون آئی تھیں کہ ہم حضور کے تابعدار ہیں مگر بدانتظامی کے خیال سے اپنی ریاستیں چھوڑ نہیں سکتے۔ نواب جھجھر نے اپنے خسر عبدالصمد خاں کے زیر کمان تین سوار اور رئیس بلب گڈھ نے پندرہ بھیجے تھے۔ فرخ نگر سے کوئی رسالہ نہیں آیا۔ اور ولید خان نے سواروں اور توپوں کی نسبت استفسار کیا تھا مگر غدر کے بہت عرصہ بعد تک بھی اُس نے کچھ نہیں بھیجا۔ اُسنے حکومتِ دواب کا فرمان پاتے ہی دہلی کو فوراً چھوڑ دیا۔

خان بہادر خان نے بخت خان کے توسل سے ایک درخواست اور وکیل بھیجا۔ اور ایک ہاتھی اور ایک گھوڑا مع چاندی کے ساز کے اور ایک سو ایک اشرفیاں نذرانہ میں بھیجیں رائو تلارام نے کئی درخواستیں سواروں کے روانہ کرنے کی بابت بھیجیں اور چالیس ہزار روپیہ نقد بھیجے جو بخت خان کی معرفت خزانۂ شاہی میں داخل ہو گئے۔ باغی رسالوں کے کہنے سے بادشاہ نے مندرجۂ ذیل رئیسوں کو سوار ۔ اور سامان جنگ لیکر آنے کے لیئے شقے بھیجے جھجھر۔ بلب گڈھ۔ فرخنگر۔ خان بہادر خان والیئے بریلی۔ و جیپور و الور و جودھپور و بیکانیر و گوالیار۔ بیجا بائی اور جیلمیر۔ بیجا بائی کے پاس دو شقے بھیجے گئے مگر اُس نے اُن میں سے ایک کا بھی جواب نہیں دیا۔

بخت خان کی معرفت راجہ پٹیالہ کو بھی ایک شقہ بھیجا گیا تھا اُس میں بادشاہ نے اُس کا قصور معاف کر کے روپیہ طلب کیا تھا اور انگریزوں کے برخلاف لڑنیکی خواہش کی تھی۔

ایک شقہ راجہ جموں کے نام بھی لکھا گیا تھا اور بخت خان کو روانگی کے لیئے دیا گیا تھا اس شخص نے ایک جعلی درخواست مہاراجہ جمو کی طرف سے لکھکر بادشاہ کو دی اور اُس میں

راجہ گلاب سنگھ کی جانب سے یہ لکھا تھا کہ میں عنقریب اپنے رسالوں سمیت دہلی روانہ ہونے والا ہوں اور راستہ میں مہاراجہ پٹیالہ کو تنبیہ کرتا ہوا دہلی پہنچوں گا۔ چونکہ امیر دوست محمد خاں کا اور میرا بہت اخلاص ہے اس لیئے وہ بھی بادشاہ کی خدمت کرنے سے دریغ نہ کرینگے۔ اِس شقہ میں راجہ کو مع سامانِ جنگ کے دہلی آنے کے واسطے لکھا گیا تھا۔

رؤسائے جھجر۔ بلب گڈھ و فرخنگر و خان بہادر خان، والیئے بریلی نے تو شقوں کا جواب دیدیا مگر باقیماندہ کا میلان بادشاہ کی طرف نہ تھا اِس لیئے اُنھوں نے کوئی جواب نہیں دیا

جودھپور اور گوالیار انگریزی حکومت کی دوستی میں مستحکم رہے اور اُنکے رسالوں کی بغاوت سے بھی اُن میں تغیر پیدا نہ ہوا۔

بھرتپور اس وجہ سے شقہ نہیں گیا تھا کہ باغی رسالوں نے بادشاہ سے کہدیا تھا کہ وہاں کا راجہ بچہ ہے اور ریاست کا انتظام انگریزی افسروں کے ہاتھ میں ہے۔

نہ تو اندور سے ہی خط و کتابت ہوئی اور نہ کنور سنگھ شاہ آباد کے باغی سے۔ راجہ بنارس راجہ ریوان۔ نواب باندہ و روسائے ناگپور و نواب بہاولپور و کپورتھلہ و روسائے شملہ ایجنسی و رئیس نیپال سے بھی خط و کتابت نہیں ہوئی۔

باغی فوج کے دہلی میں جمع ہونے کے بعد جن جن رئیسوں کے نام اُنھوں نے بتائے اُن کے نام شقے بھیجے گئے اور چونکہ اُنھوں نے راجہ نیپال کے نام خط لکھنے کی کوئی ضرورت ظاہر نہیں کی اس لیئے اُس کے نام کوئی خط نہیں لکھا گیا۔

رئیسان گجرات و دکن و بلوچستان و افغانستان و درۂ خیبر کے رئیسوں سے بھی خط و کتابت نہیں ہوئی۔

ابتداءً باغی یہ کہتے تھے کہ شاہی ملازموں نے رئیسوں کو خط ہی نہیں بھیجے جو جواب

نہیں بھیجے مگر جب جواب اُنکی ہی تحریروں کے نہ آئے تو کہنے لگے تمام رئیس نمکحرام ہوگئے انگریزوں کو مغلوب کرکے اُنکی بھی خبر لیجائیگی۔

باغیوں میں یہ بھی افواہ تھی کہ رئیس یہ دیکھ رہے ہیں کہ اونٹ کس کل بیٹھتا ہے اور موجودہ حالات سے خائف ہوکر وہ قطعی رائے قائم نہیں کرتے۔ گوری شنکر ایک نہایت ہوشیار افسر یہ کہا کرتا تھا کہ دہلی کے سامنے پہاڑیوں پر انگریزی فوج ہم لوگوں کے لیئے سخت کانٹا ہے جس وقت یہ یہاں سے ہٹادیئے جائیں گے تو تمام معاملہ درست ہوجائیگا

سپاہی یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ابتدا میں انگریزوں کی صرف دو رجمنٹیں پہاڑی پر تھیں جن میں سے اب صرف دو یا تین سو سپاہی رہ گئے ہیں جس وقت یہ لوگ بھی مرجائیں گے تو انگریز اُسی وقت پہاڑی خالی کردینگے۔

فوج کے کسی افسر نے بادشاہ کو نواب بہاولپور سے خط وکتابت کرنیکی رائے نہیں دی اور نواب نے خود بھی کوئی تحریر بادشاہ کے پاس نہیں بھیجی۔ اسکی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ نواب کو بادشاہ سے دلی رنج تھا جس کا سبب یہ ہے کہ ایک مرتبہ نواب بہاول خان سابق رئیس بہاولپور دہلی ہوکر گزرا اُس وقت بادشاہ نے ممانعت کردی کہ اُس کا بیٹا تاوقتیکہ اپنے ہتھیار نہ کھولدے اور سامان زیبائش اپنے بدن سے دور نہ کردے دیوان خاص میں نہ گھسنے پائے۔

چکلہ دار یا حاکمان اودھ کی بھی کوئی درخواست نہیں آئی۔

الہ آباد کے سرگروہ مولوی لیاقت علی کی بھی درخواست آئی تھی اُس میں لکھا تھا کہ میں دہلی آنے کے لیئے تیار بیٹھا ہوں مہربانی کرکے اس علاقہ کے دبانیکے لیئے تھوڑی سی فوج بھیجدیجئے۔ اُسکے آنیکی اُمید پر اُس وقت کوئی جواب نہیں دیا مگر جب وہ دہلی آیا۔ تو بخت خان نے اُسے بادشاہ سے ملایا اور اپنے حاکم لکھنو ہونیکی سند لیکر واپس چلا گیا۔

مفسدے کے تین ماہ بعد ہوا۔

نانا صاحب کے پاس سے کوئی درخواست تو نہیں آئی مگر غدر ہونیکے ۲ ماہ بعد اُس کے ایجنٹ (مرہٹہ) دہلی کو مرزا مغل نے بادشاہ کے روبرو پیش کیا۔ مرزا کے کہنے سے بادشاہ نے اُسے ایک شقہ نانا صاحب کو دہلی آنے کے لیئے لکھا اور ایجنٹ وہ رقعہ لے کر واپس چلا گیا۔

بنک والوں کی بھی درخواستیں نہیں آئیں البتہ سیٹھ لکھمی چند سے فوجوں کے آنے پر ایک لاکھ روپیہ قرض منگایا گیا تھا اُسے یہ بھی لکھا گیا تھا کہ اپنا ایک ایجنٹ خزانہ کی سپردگی کے لیئے بھیجدو۔ قرضہ کے عوض میں وصولی مالگزاری اُس کے سپرد کر دینے اور اُس کے علاوہ سود دینے کا بھی وعدہ کیا تھا مگر سیٹھ نے کچھ جواب نہیں دیا۔

میرے علم میں کسی سرکاری ملازم کی درخواست نہیں آئی البتہ یہ سنا تھا کہ بلند شہر کا ایک مسلمان جو سرکار انگریزی کے ہاں ایک ممتاز افسر تھا ولیداد خان سے ملگیا تھا مجھے اُس کا نام یاد نہیں۔ مفتی صدر الدین صدر امین اعظم و کرم علیخان مصنف و مولوی عباس علی صدر امین دہلی اور مرزا محمد علی بیگ تحصلیدار مہرولی کے پاس شقے بھیجے گئے تھے کہ وہ انہی عہدوں پر جن پر وہ سرکار انگریزی کے ہاں ممتاز ہیں بادشاہی ملازمت اختیار کر لیں۔ مگر اُن سب نے انکار کر دیا۔ میں نے سنا ہے کہ جب بخت خان نے کل دہلی کے مولویوں اور علمار کو جامع مسجد میں جمع کر کے انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ دینے کے لیئے مجبور کیا تو بخت خاں نے مفتی صدر الدین کو بھی فتوے پر دستخط کرنے کے لیئے مجبور کیا۔ مولوی عباس علی بخت خان کے آنے سے پیشتر ہی دہلی چھوڑ کر جمنا پار اپنے گھر چلے گئے تھے۔

آگرہ سے کسی گروہ کی طرف سے درخواست نہیں آئی البتہ مولوی فیض احمد ملازم

صدر بورڈ نے دہلی آکر شاہی ملازمت اختیار کی۔

نواب رامپور کو بھی شقہ بھیجا گیا تھا مگر وہاں سے بھی کوئی جواب نہیں آیا۔ بخت خان نے وہاں بھی خط لکھنے پر بادشاہ کو مجبور کیا تھا اور کہا کہ جب میں رامپور گیا تو نواب صاحب نے کسی کی طرفداری نہ کرنیکا وعدہ کیا تھا۔

نواب امین الدین خان و ضیاء الدین خان جاگیرداران لوہارو و حسن علیخان برادر نواب جھجھر و نواب حامد علیخان اُس وقت دہلی ہی میں تھے اُنھیں اور راجیت سنگھ مہاراجہ پٹیالہ کے چچا کو بادشاہ سے ملاقات کرنے کے شقے بھیجے گئے تھے اِن میں سے کسی نے شقوں کا تحریری جواب نہیں دیا مگر تعمیلاً بادشاہ سے ملاقات کرنے گئے اور جب فوجوں کے آنے پر اُن سے روپیہ وغیرہ کی امداد مانگی گئی تو سب نے کچھ نہ کچھ بہانہ کر دیا اور کوئی رقم نہ بھیجی۔ اسی وجہ سے سواروں نے اُنھیں لوٹ لینے کا ارادہ کر لیا تھا اور چنانچہ ایک مرتبہ اپنے اس ارادہ کو پورا بھی کیا۔ مرزا ابوبکر بادشاہ کے پوتے نے جو باقاعدہ فوج کے افسر تھے نواب حامد علیخان کے گھر کو لوٹ لیا اور اُنھیں قید کر کے قلعہ میں لے گئے۔ نواب ضیاء الدین خان اور امین الدین خان نے فوج کا مقابلہ کیا اور اس لیئے وہ اُنکے چنگل سے بچ گئے۔

رئیس پٹودی کو بھی شقہ گیا تھا مگر اُس نے بھی جواب نہیں دیا۔ مجھے یاد نہیں کہ رئیس دوجانہ کو بھی کوئی شقہ لکھا گیا تھا مگر وہاں سے کوئی درخواست نہیں آئی تھی۔

اب میں اُن ضلعوں کا تذکرہ کروں گا جہاں کی رعایا کی طرف سے درخواستیں آئیں تھیں **گوڑگانوہ**۔ یہاں کے خاص زمینداروں نے ایک درخواست میں بادشاہ کو اطلاع دی کہ ضلع کی حالت خراب ہے آپ کسی افسر کو انتظام کے لیئے تعینات کریں۔ اپر مولوی فیض الحق نے جو الور سے آئے تھے یہ تجویز پیش کی کہ اُنکا بھانجا جبن کا۔

نام مجھے یاد نہیں جو پیشتر انگریزوں کی ملازمت میں گوڑگانوہ میں تعینات تھا بھیجدیا جائے چنانچہ یہ شخص ضلعدار یعنی انچارج ضلع مقرر کیا گیا۔ مگر مجھے یہ خبر نہیں کہ وہ گوڑگانوہ گیا بھی یا نہیں۔ دہلی فتح ہونیسے صرف پندرہ یا بیس روز پیشتر ہی اس شخص کا تقرر ہوا تھا۔

فیض الحق نے چند تحصیلدار بھی ضلعدار کے نیچے مقرر کیے تھے۔

ریواڑی راؤ تلارام ریواڑی کے استمراری بندوبست دار نے بخت خان کی معرفت اپنے ایجنٹ کے ہاتھ ایک درخواست بھیجی اور لکھا کہ میں علاقہ کا انتظام کر رہا ہوں اور جو واصلات فصل حال سے ہوئے تھے وہ فوج میں صرف ہو گئے۔ جاگیر مستقل طور سے ملجانیکی امید پر اُس نے پنیتالیس ہزار روپیہ بطور نذرانہ بھیجے چنانچہ بخت خان نے ایک پروانہ ریواڑی کی مستقل جاگیرداری کا تلارام کے نام حاصل کر لیا۔ یہ کارروائی غدر ہونے سے تین ماہ بعد ہوئی اور دہلی فتح ہونیسے دس روز پیشتر چالیس ہزار روپیہ خزانہ شاہی میں داخل کر دیا۔

بادشاہ پور۔ بادشاہ پور کے زمینداروں نے ایک تحصیلدار کے لیئے درخواست کی جس پر ضلعدار کو انتظام کرنے کا حکم دیا گیا۔

دہلی شہر کے باہر سے کسی گروہ نے کسی قسم کی درخواست نہیں کی۔

رہتک۔ یہاں والوں نے کوئی درخواست بادشاہ کو نہیں دی مگر بعضوں نے رسد کا انتظام کیا تھا۔ **حصار** جیلخانہ حصار اور محکمہ پرمٹ کے حکام نے بادشاہ کو درخواستیں بھیجیں اور لکھا کہ ہمیں دہلی آنے کا شوق لگا ہوا ہے۔ درخواست کنندوں کے نام تو مجھے معلوم نہیں مگر یہ درخواستیں غدر سے دو مہینے بعد آئی تھیں۔

کرنال یہاں سے کوئی درخواست نہیں آئی۔

سرسہ شاہزادہ محمد عظیم کے چال چلن کا حال میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں اُس ضلع کے

زمینداروں کی بھی کوئی درخواست نہیں آئی۔

میرٹھ۔ یہاں سے بھی کوئی درخواست نہیں آئی۔

بلند شہر۔ ولیداد خان کا حال مَیں بیان کرچکا ہوں اور یہاں سے بھی کوئی درخواست یا تحریر کسی فریق کے نام نہیں آئی۔

سہارنپور و مظفرنگر۔ اس ضلع سے کسی سے خط وکتابت نہیں ہوئی۔

بجنور۔ اس ضلع کے زمینداروں کی درخواست تھی کہ اس ضلع کا انتظام بادشاہ اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ اُنکو جواب دیا گیا تھا کہ فوج جسوقت تمہاری ضلع میں پہنچے گی اُس وقت انتظام اختیار کیا جائیگا۔ غدر سے تین مہینے بعد یہ درخواست آئی تھی۔

مراد آباد۔ نہ تو وہاں سے کوئی درخواست آئی اور نہ دہلی سے کوئی تحریر وہاں گئی۔

بریلی۔ خان بہادر خاں (جسے بخت خان نے وہاں کا حاکم مقرر کیا تھا) نے ایک ایجنٹ کے ہاتھ ایک درخواست بھیجی اور ایک ہاتھی اور ایک گھوڑا اور سو اشرفیاں بادشاہ کے لیئے نذرانہ بھیجیں۔ مجھے ایجنٹ کا نام تو یاد نہیں مگر بخت خان نے اُسے بادشاہ کے سامنے پیش کیا تھا اس کے جواب میں ایک شقہ گیا کہ ہم تمہارے انتظام سے بہت خوش ہیں اور واصلات سے بعد خرچ کے جو کچھ بچا ہو اُسے فوراً دہلی روانہ کردو۔

بدایوں و پیلی بھیت۔ ان ضلعوں سے بھی کوئی درخواست نہیں آئی۔

متھرا۔ ڈونڈے خان کے بھائی جاگیر دار گڑھی نے درخواست کی کہ جو جاگیر گورنمنٹ انگریزی نے میرے ضبط کرلی ہے وہ چھوڑ دیجائے۔ بخت خان نے اس پر سفارش کی۔ یہ درخواست غدر سے کوئی تین مہینے بعد آئی تھی۔ بخت خان نے حامل درخواست کو فوج کے ساتھ انگریزوں پر ایک ہی حملہ میں شریک ہونے کی درخواست کی مگر وہ شخص (امراؤ بہادر) اُس موقع پر زخمی

ہو کر ایک ہفتہ میں مر گیا۔ بخت خان کے سائل کے حقوق استمراری کی نسبت ایک پروانہ حاصل کر لیا تھا مگر چونکہ امراؤ بہادر مر چکا تھا اس لیئے وہ پروانہ عطیہ دار کے پاس نہ پونہچ سکا۔

آگرہ۔ اس ضلع سے کوئی درخواست نہیں آئی مگر میں اوپر کہہ چکا ہوں کہ وہاں سے مولوی فیض احمد ڈاکٹر وزیر خان (سب اسسٹنٹ سرجن) آئے تھے آخر الذکر شخص انگریزی خوب جانتا تھا بخت خان نے اسکی سفارش کر کے گورنر آگرہ مقرر کرا دیا تھا۔ جب بخت خان دہلی سے بھاگا تو وزیر خان بھی اس کے ساتھ ہی بھاگ گیا۔

علیگڈھہ۔ کانپور۔ فتحگڈھہ۔ ان ضلعوں سے بھی خط و کتابت نہیں ہوئی۔

مینپوری۔ راجہ مینپوری نے ایک درخواست میں فوج مانگی تھی۔ بادشاہ نے مرزا مغل کو حکم دیا کہ فوجی افسروں سے مشورہ کرنے کے بعد وہاں فوج بھیجنے کا بندوبست کرو مگر دوسرے دن افسروں نے کہا فوج وہاں جانے پر ابھی راضی نہیں ہے جب تک وہ انگریزوں کو یہاں سے نہ نکال دینگے وہاں نہ جائیں گے۔ چنانچہ اس مضمون کا جواب بھیجدیا گیا۔ وہاں سے اور آدمیوں کی درخواست آئی۔

گورکھپور۔ فتحپور ہسوا۔ جہانتک مجھے یاد ہے نہ تو ان ضلعوں سے اور نہ ضلع کماؤں سے کوئی درخواست نہیں آئی۔

آلہ آباد۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ آلہ آباد سے مولوی لیاقت علی آگئے تھے اور انہیں وہاں کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ اور کسیکی درخواست نہیں آئی۔

راجہ ریوا۔ نہ تو کوئی شقہ راجہ کو بھیجا گیا اور نہ اُس پاس سے کوئی تحریر آئی۔

اعظم گڈھ۔ شاہ جہانپور۔ اٹاوہ۔ غازیپور۔ بنارس۔ گیا۔ ان ضلعوں سے بھی کوئی خط و کتابت نہیں ہوئی۔

بندیلکھنڈ- جبلپور- مالوہ- ملک دکن- مجھے یاد نہیں کہ ان مقامات سے بھی آئیں تھیں یا نہیں-

نظام حیدرآباد دکن- کچھ- گجرات- صوبجات مشرقی- کلکتہ- بارکپور- مونگیر- دیناپور- نہ تو نظام سے خط وکتابت ہوئی اور نہ کسی اور جگہ سے درخواستیں آئیں-

پٹنہ- نہ نواب پٹنہ ہی کی کوئی درخواست آئی اور نہ کسی اور شخص سے دہلی والوں کی خط وکتابت ہوئی

پنجاب- نہ تو پنجاب اور نہ دوآب کے زمینداروں کے خط آئے اور نہ یہاں سے وہاں خط گئے- میں نے نہیں سُنا کہ فوج نے پنجاب سے کرانے کے آدمی بُلائے تھے-

اقوام بندیلا کے پاس سے نہ تو خط گئے نہ جواب گئے- اور نہ اُن میں سے کوئی آیا-

بادشاہ اور سوات کے اخوند سے خط وکتابت نہیں ہوئی مگر بخت خاں نے دو آمیوں کو یہ کہکر کہ اخوند کے پاس سے آئے ہیں بادشاہ سے ملایا تھا اور حسن عسکری اُنھیں بادشاہ کے روبرو لے گیا تھا- یہ دونوں ولایتی (افغانی) تھے- اُن میں سے ایک نے جو کسیقدر معزز معلوم ہوتا تھا ایک تلوار اخوند کی طرف سے بادشاہ کو نذر کی اور ایک خط اخوند کا مُہری بھی دیا تھا اُس میں تحریر تھا کہ حامل اخوند کا خلیفہ ہے- اُس نے التجا کی کہ شہر میں یہ بات مشہور کردیجائے کہ اخوند کے پیرو مذہبی لڑائی میں شریک ہونیکی غرض سے دہلی آرہے ہیں- اس بات کو بادشاہ نے مشتہر کردیا- مگر دوسرے دن ایک سید نے (جس کا نام مجھے یاد نہیں) بادشاہ سے کہا کہ یہ شخص اخوند کا بھیجا ہوا نہیں اور نہ اُس کا پیرو ہے اور یہ تحریر بھی جعلی ہے- بادشاہ نے اس بات کی تحقیق کے لئے بخت خان کو حکم دیا مگر مجھے یہ نہیں معلوم کہ اِس معاملہ میں بخت خان نے کیا کارروائی کی- ہاں اتنا معلوم ہے کہ وہ آدمی تین دن کے بعد دہلی سے چلا گیا-

بادشاہ کی انتظامی حکمت عملی- ایک دفعہ یہ حکم جاری ہوا تھا کہ عام انتظام ریاست

اور فوج میں شاہزادوں کو مداخلت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ انصاف کرنا مفتیوں اور صدر صدور کا کام ہے اور فوج اور افسرانِ مال اُس میں مداخلت نہ کریں۔ مگر اس حکم پر کبھی عملدرآمد نہیں ہوا۔ شاہزادے فوج کے معاملات میں برابر دست اندازی کرتے تھے۔

بادشاہ نے وصول مالگزاری کے لیئے خود تو کسی تحصیلدار کو تعینات نہیں کیا مگر بخت خاں نے بلول ہوڈل و شاہدرہ میں تحصیلدار مقرر کئے۔ اور گوڑگانوہ میں ایک ضلعدار تعینات کیا مگر مالگزاری ذرا نہ وصول ہوئی۔ شاہزادوں نے بھی وصول مالگزاری کی غرض سے اپنی فوج بھیجنے کا ارادہ کیا مگر یہ ارادہ عمل میں نہیں آیا۔ مولوی خیر احمد آگرہ والے و شاہزادہ مرزا خیر سلطان و مرزا مغل میر عدالت مقرر ہوئے تھے۔ کوتوال و تھانہ دار شہر میں تعینات ہوئے تھے اُن میں سے مجھے ایک کا بھی نام یاد نہیں۔ ابتدا میں معین الدین حسن خان پسر نواب قدرت اللہ خان باشندۂ دہلی کوتوال شہر مقرر ہوئے تھے مگر جب اُنھوں نے رعایا کو دبانا شروع کیا تو اُنھیں علیحدہ کر دیا۔ اُن کے بعد یہ جگہ خواجہ واجب الدین خان کی سفارش پر قاضی فیض اللہ کو دی گئی اور اُنکے بعد میر مبارک شاہ باشندۂ علاقۂ رامپور کو دیگئی۔ نجف گڈھ و مہرولی۔ و شاہدرہ و پہاڑ گنج و بدرپور پر تھانہ دار مقرر ہوئے تھے۔ مگر مجھے اُن میں سے کسی کا نام یاد نہیں۔ بادشاہ زادوں کے علاوہ بخت خان بھی ان معاملات میں دخل دیا کرتا تھا۔ اُس نے تھانہ داروں کو یہ حکم تحریر کرا دیا تھا کہ بخت خاں کے حکموں کی تعمیل کیجائے۔

سپاہی کہا کرتے تھے کہ جب تمام ملک کو فتح کر لینگے تو مختلف صوبے چند شہزادوں کے سپرد کر دیئے جائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ انتظام کے لیئے بہت آدمی مقرر نہیں ہوئے تھے اور جسقدر تعینات ہوئے تھے وہ سب یا تو بخت خان کے مقرر کردہ تھے یا شہزادے تھے۔

میرٹھ میں کوئی عامل مقرر نہیں ہوا۔ بلند شہر کی گورنری ولیداد خان کو دی گئی۔ ڈاکٹر وزیر خان کے نام بھی اودھ کی گورنری کا پروانہ جاری ہو گیا تھا مگر وہ وہاں نہیں گیا۔ علیگڑھ کے لیئے کوئی نامزد نہیں ہوا۔ روہیلکھنڈ میں خان بہادر خان گورنر تھا۔ علاوہ اِس کے اور تقرر نہیں ہوئے کوئی شخص راجپوتانہ نہیں گیا۔ اور اگرچہ ایک شخص ضلع گوڑگانوہ کے لیئے نامزد ہو گیا تھا مگر وہ ضلع کا چارج لینے کبھی نہیں گیا۔

اصولِ فوج کی بابت میں کوئی تفصیلی خبر نہیں دے سکتا۔ بادشاہ سے کبھی ان معاملات میں مشورہ نہیں ہوتا تھا۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ جو فوج انگریزوں پر حملہ کرنے کی غرض سے لگائی گئی تھی اور لڑنے والی رجمنٹوں کے موافق تین یا چار سیکشن میں تقسیم ہوا کرتی تھی مثلاً نصیر آباد و نیمچ سیکشن وغیرہ۔ اور اسی طرح حملہ ہونے کے ایک دن پیشتر افسروں نے مرزا مغل کے مکان پر مشورہ کر کے اس کا انتظام کر لیا تھا۔ باقی رجمنٹوں میں بلا تمیز سپاہی جہاں جی چاہا رہے۔ گوری شنکر نے افسروں کو جمع کرنے اور اُنکو اُس درجہ پر لگانے کی اجازت حاصل کر لی تھی جس درجہ پر وہ انگریزی ملازمت میں تھے۔ مگر یہ بات بھی نہیں چلی۔ ہر شخص اپنے رتبہ پر برقرار رہا۔

فوج میں مناسب قاعدہ جاری رہنا میری رائے میں ناممکن تھا۔ بخت خان کے گورنر جنرل کیئے جانے پر فوج بہت ناخوش ہوئی تھی۔ دراصل اُنھوں نے ایک درخواست بادشاہ کو دی تھی اور اس میں بخت خان کی ماتحتی میں رہنے سے ناراضگی ظاہر کی تھی اور یہ لکھا تھا کہ بخت خان محض توپخانہ کا افسر ہے اُسے گورنری سے کیا کام؟ نہ وہ خزانہ اپنے ہمراہ لایا ور نہ بادشاہ کی تعظیم کرتا ہے۔ مرزا مغل بادشاہ کے صاحبزادے جنھیں فوج کے معاملے میں پورے اختیارات حاصل ہیں گورنر جنرل کے عہدے کے شایاں ہیں اور فوج بھی اُن کی

ماتحتی اختیار کرنے پر راضی ہے۔ بادشاہ نے یہ درخواست بخت خان کے پاس بھیجدی تھی کہ اس کا کیا جواب دیا جائے۔ اُس نے یہ رائے دی تھی کہ فوج تین ڈویزن میں تقسیم کی جائے پہلے ڈویزن میں دہلی و میرٹھ کی پیادہ رجمنٹیں۔ دوسرے میں بخت خان کی ہمراہی فوج و نیمچ والی برگیڈیر اور سرسہ کے آدمی۔ اور تیسرے میں باقی کل فوج۔ بادشاہ نے مرزا مغل کو بلایا اور یہ رائے اُنکے سامنے بیان کی۔

بخت خان کے اِس عہدہ پر ممتاز ہونے کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ دہلی میں آیا تو اُس نے بادشاہ کو یہ مشورہ دیا کہ اپنے بیٹوں کے ہاتھ میں اسقدر اختیار نہ دو اور سمجھایا کہ اگر کل احکام میرے نام لکھے جائیں تو بادشاہ کے مقصد کے موافق کارروائی ہوگی۔

بادشاہ پہلے ہی سے اپنے لڑکوں کی عدول حکمی کیوجہ سے غیر مطمئن تھے اس لیئے بخت خان کی نصیحت بادشاہ کی خواہش کے موافق اُتری اور روز بروز بادشاہ کی نظروں میں اُسکی قدر بڑھتی گئی۔

وہابی

مفسدہ کے زمانے میں ٹونک سے کچھ وہابی آئے اور یہ شکایت کی نواب صاحب نے نہ تو ہمیں کچھ روپیہ دیا نہ کسی قسم کی مدد کی۔ یہ لوگ اور مقامات سے بھی آئے تھے۔

بخت خان و مولوی محمد تقی رسالدار و مولوی امام خان رسالدار و مولوی عبدالغفور و مولوی سرفراز علی بھی وہابی تھے۔ بخت خان سرفراز علی کو مجاہدین کا پیشوا مقرر کر دیا اور اُن کی مدد کرتا رہا۔ ان وہابیوں نے ایک اعلان چھپوا کے شائع کیا اور تمام مسلمانوں کو مذہبی لڑائی لڑنے کے لیئے نوید دی۔ ایک فتویٰ بھی اس بارہ میں شائع ہوا تھا کہ تمام مسلمان جہاد کریں اور جو جہاد نہ کریگا اُس کا گھر بار لوٹ لیا جائیگا۔

اس اعلان میں اور بخت خان کے اعلان میں فرق تھا۔

وہابی کئی مقامات سے آئے تھے مثلاً۔ جیپور۔ بھوپال۔ ہانسی حصار اور کچھ ولایتی بھی تھے مگر مجھے کسی خاص مقام کا نام یاد نہیں جہاں سے وہ آئے۔ یہ تمام تفصیل مرزا مغل کے محافظ خانہ میں تھی۔

شہر کے باہر و اندر ہندو بھی انگریزوں کے ایسے ہی دشمن تھے جیسے ابتدا میں مسلمان تھے مگر جب بخت خان نے آکر مسلمانوں کو جمع کیا اور مولویوں کو فتوی دینے پر مجبور کیا جسکی رو سے انگریزوں پر مسلمانوں کو جہاد کرنا واجب ہو جائے تو مسلمانوں میں جوش بڑھ گیا اور انگریزوں کے خلاف غول کے غول کھڑے ہو گئے۔

بلند شہر و علیگڈھ و میرٹھ وغیرہ میں ہندو انگریزوں کے ایسے دشمن تھے جیسے کہ مسلمان

ایک مرتبہ بخت خان نے بادشاہ سے یہ بھی کہا تھا کہ اخوند سوات کے پاس سے ایک آدمی آیا ہے۔ دوسرے دن پیرزادہ حسن عسکری نے دو آدمیوں کو پیش کیا اُن میں سے ایک نے اخوند کی جانب سے ایک تلوار پیش کی۔

اُنیسویں دن مختلف تحریرات اور اُنکے خلاصے جو متعلق بلوہ تھے ترجمان نے قیدی کے روبرو پڑھے اور ترجمہ کر کے عدالت میں پیش کیے

بیسویں دن قیدی نے بزبان اُردو جواب دعوی پیش کیا جو ترجمان نے بجلسہ عدالت کو قیدی کے روبرو پڑھکر سنایا اور بعد میں ترجمہ کے لیے اُسے دیا گیا۔

(اکیسویں دن کی کارروائی)

جج ایڈووکیٹ نے قیدی کا حسب ذیل جواب دعوی پڑھا

میں حسب ذیل واقعات پیش کرتا ہوں۔

بلوہ سے پیشتر بلوہ کے متعلق مجھے اصلا خبر نہ تھی صبح کو کوئی آٹھ بجے بیخبری کی حالت میں باغی سواروں نے میرے محل کے دریچوں کے نیچے کھڑے ہو کر غل مچانا شروع کیا کہ انگریزوں نے کارتوسوں پر لگائے اور سور کی چربی ملکر ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہب میں خلل اندازی کرنی چاہی تھی اس لیئے ہم تمام انگریزوں کو قتل کر کے میرٹھ سے چلے آئے ہیں۔ جب میرے کانوں میں اُنکی یہ صدا پہنچی تو میں نے حکم دیا کہ دریچوں کے زیرین دروازے فوراً بند کر دیئے جائیں اور اس بات کی خبر قلعہ کے افسر گارڈ کو کر دیجائے۔ یہ پیغام پاکر وہ فوراً میرے پاس آیا اور یہ خواہش کی کہ میں خود نیچے جاکر سواروں سے گفتگو کروں اور اُسنے دروازوں کے کھولنے کے لیئے کہا۔ میں نے جب اُسے اس حرکت سے باز رکھا تو اُس نے کٹھرے کے پاس جاکر سواروں سے گفتگو کی اور مجھسے یہ کہکر چلا گیا کہ میں ابھی جاکر اس کا بندوبست کرتا ہوں۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد فریزر صاحب نے دو توپیں اور افسر گارڈ نے دو پالکیاں منگا بھیجیں کہ جو میمیں اُسکے پاس تھیں وہ محلسرا میں چھپا دیجائیں۔ پالکیاں تو میں نے فوراً بھجوادیں اور توپوں کے لیئے حکم دیدیا۔ پالکیاں روانہ ہی ہوئی تھیں کہ مجھے فریزر صاحب و کمانڈنٹ گارڈ اور اُن میموں کے قتل کی جو کمانڈنٹ کے ساتھ ٹھہری ہوئیں تھیں خبر لگی۔

اِس خبر کو کچھ زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ باغی دربار خاص میں گھس آئے اور صحن و دربار خاص اور دار الریاضت پر قبضہ کر کے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا اور جا بجا سنتری تعینات کر دیئے۔ میں نے اُن کا مطلب دریافت کیا اور التجا کی تم یہاں سے چلے جاؤ!

اس کا جواب اُنھوں نے یہ دیا کہ تم خاموش تماشا دیکھے جاؤ ہم اپنی جانوں پر کھیل رہے ہیں جو ہمارے اختیار میں ہے اُس کے کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھیں گے۔ جان کے خوف سے میں خاموش ہو کر اپنے زنانخانہ میں چلا گیا۔ قریب شام مفسد کچھ انگریزوں اور میموں کو

پکڑ لائے (جنکو اُنھوں نے میگزین میں سے گرفتار کیا تھا) اور اُنھیں قتل کرنا چاہا میں نے اُنکو قتل کرنے سے روکا اور بارے وہ اُس وقت مان گئے۔ مگر اُنھیں اپنی ہی نگرانی میں قید رکھا اس کے بعد بھی دو مرتبہ اُنھوں نے انگریزوں کو قتل کرنا چاہا مگر میں نے اُنھیں منت سماجت کر کے قتل سے باز رکھا مگر آخر مرتبہ باوجود میری منت سماجت کے اُنھوں نے کچھ پروا نکی اور ان بیچاروں کو قید خانہ سے لا کر قتل کر ڈالا۔ میں نے اِس قتل کے لیئے خود کوئی حکم نہیں دیا مرزا مغل اور میرزا خضر سلطان و مرزا ابوالباقر اور بسنت میرے مصاحب نے جو سپاہیوں سے ملے ہوئے تھے ممکن ہے میرا نام لے دیا ہو مگر جہانتک مجھے علم ہے اُنھوں نے ایسا نہیں کیا اور نہ مجھے یہ علم ہے کہ میرے مسلحہ ملازم بغیر میرے حکم کے اس قتل میں شریک ہوئے ہوں اگر اُنھوں نے ایسا کیا بھی ہوگا تو مرزا مغل کے کہنے سے شاید کیا ہو؟ بعد قتل کے مجھے نہیں معلوم کیا ہوا۔ باوجود اس امر کی شہادت کرنے کے کہ مسٹر فریزر اور کمانڈنٹ گارڈ کے قتل میں میرے ملازم شریک تھے میں یہی جواب دونگا کہ میں نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا۔ اگر اُنھوں نے ایسا کیا تو اپنی ہی مرضی سے کیا ہوگا مجھے نہ اس کا علم ہوا نہ اطلاع ملی۔ میں خدا کو گواہ کر کے حلفیہ کہتا ہوں میں نے فریزر صاحب اور انگریزوں کے قتل کے لیئے کبھی کوئی حکم نہیں دیا۔ مکند لال وغیرہ گواہوں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ محض غلط ہے۔ مرزا مغل اور مرزا خضر سلطان و ابوالباقر باغیوں سے ملے ہوئے تھے۔ اگر اُنھوں نے کوئی حکم دیا ہو تو تعجب نہیں۔ ان واقعات کے بعد باغی مرزا مغل، مرزا خضر سلطان و ابوالباقر کو میرے پاس لائے اور کہا کہ ہم اُنھیں اپنا افسر بنانا چاہتے ہیں۔ اول تو میں نے اُنکی یہ درخواست نامنظور کی مگر جب اُنھوں نے اصرار کیا اور مرزا مغل بھی بگڑ کر اپنی ماں کے پاس چلے گئے تو میں خاموش ہو رہا اور پھر طرفین کی رضامندی سے مرزا مغل فوج کے سپہ سالا

مفرور ہو گئے۔

میری مُہر اور میرے دستخطی احکام کے متعلق صاف صاف بات تو یہ ہے کہ جسدن سپاہیوں نے انگریزوں کو قتل کیا اُسی دن اُنھوں نے مجھے بھی اپنا قیدی بنا لیا اور جیسا کہ اب تمھارے قابو میں ہوں اسیطرح اُس وقت اُنکے بس میں تھا جس طرح کے احکام اُنھوں نے چاہے لکھوا لئے اور اُن پر مجھسے بجبر مہر کرائی۔ کبھی تو وہ احکام کے مسودے میرے پاس لاتے تھے اُنھیں میرے سکتر سے صاف کراتے تھے اور کبھی صاف شدہ حکم لاتے تھے اور مسودے دفتر میں چھوڑ آتے تھے اسی سبب سے مختلف خطوں کے مسودے اس کارروائی میں شامل ہیں۔ اکثر سادے لفافوں پر اُنھوں نے مہر کرائی جس میں مجھے نہیں معلوم کیا کیا کاغذات کس کس کے نام اُنھوں نے بھیجے۔ اسی کارروائی میں ایک یہ درخواست بھی ہے جو کسی نامعلوم گروہ کے نام مکندلال نے لکھی تھی اور جس میں فہرست احکام ہے جو اُس دن جاری ہوئے تھے۔ چنانچہ اُس میں تشریح موجود ہے کہ اس قدر احکام فلاں فلاں شخص کی ہدایت سے جاری ہوئے اور اسقدر فلاں شخص کی ہدایت سے اور ایک بھی میرے حکم سے نہیں جاری ہوا چنانچہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس نے جو احکام چاہے بلا اجازت میرے جاری کیئے اور اُنکے مضمون سے بھی مجھے آگاہ نہ کیا اور میں اور میرا سکتر اپنی جانوں کے خوف کے مارے کچھ کہہ بھی نہ سکتے تھے۔ جن درخواستوں پر میرے حکم تحریر ہیں اُنکی بھی یہی حالت ہے جب کبھی سپاہی یا مرزا مغل یا مرزا خیر سلطان یا ابوالباقر کوئی حکم میرے پاس لائے تو اپنی مرضی کے احکام بھی علٰحدہ کاغذ پر لکھتے لائے اور اُنکو بجنسہ درخواستوں پر لکھدینے کے لیئے مجھے مجبور کیا نوبت بایں جا رسید کہ وہ لوگ اس قسم کی دھمکیاں بھی دیا کرتے تھے کہ جو شخص ہماری مرضی پر نہ چلے گا پچتائیگا اور جان کے خوف سے میں کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ ساتھ ہی اسکے وہ میرے

ملازموں خصوصًا حکیم احسن اللہ خان۔ محبوب علیخاں اور ملکۂ زینت محل کو انگریزوں سے سازش رکھنے کا الزام بھی لگاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم انھیں اس حرکت پر مار ڈالیں گے چنانچہ اُنھوں نے ایک دن حکیم احسن اللہ خان کا مکان لوٹ لیا اور مار ڈالنے کے ارادہ سے قید بھی کر لیا مگر جب اُنھوں نے بہت منت و سماجت کی تو اس ارادے سے باز رہے مگر ابتک قید کر رکھا تھا۔ اسکے بعد انھوں نے میرے اور ملازموں مثلًا شمشیر الدولہ ملکۂ زینت محل کے والد کو قید کیا۔ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ مجھے تخت سے اُتار کر مرزا مغل کو تخت نشین کر دیں گے ایسی حالت میں یہ امر غور طلب ہے کہ میرے کسقدر اختیارات تھے اور میں کیونکر ان سے مطمئن ہو سکتا تھا۔

افسرانِ فوج اسقدر گستاخ ہو گئے تھے کہ اُنھوں نے مجھسے درخواست کی کہ ملکۂ زینت محل کے تعلقات انگریزوں سے دوستانہ ہیں وہ ہمیں دیدیجائیں کہ ہم اُنھیں قید کر لیں۔ اگر اُس وقت میرا اختیار ہوتا تو یہ ممکن تھا کہ حکیم احسن اللہ خاں اور محبوب علیخان قید ہو جاتے اور احسن اللہ خان کی جائداد لٹ جاتی۔

باغی سپاہیوں نے ایک اجلاس قائم کر رکھا تھا جس میں تمام اُمور پر بحث ہوا کرتی تھی اور جو باتیں بعد بحث قرار پاتی تھیں اُس پر عملدر آمد ہوتا تھا مگر میں کبھی انکے ان جلسوں میں شریک نہیں ہوا۔ اسی طرح اُنھوں نے نہ صرف بہت سے آدمیوں ہی کو لوٹا بلکہ چند بازار کے بازار لوٹکر جسکو چاہا مار ڈالا اور جسکو چاہا قید کر لیا اور سوداگروں اور شہر کے معزز اشخاص میں سے جس کا مال اچھا پایا ضبط کر لیا۔

جو کچھ ہوا وہ باغی فوج کی وجہ سے ہوا ہیں اُنکے ہاتھ میں تھا کیا کر سکتا تھا۔ اُنھوں نے تو مجھے پنجرے میں لا کر قید کر لیا تھا۔ میں بالکل بے بس تھا اور مجھپر کچھ ایسا خوف طاری ہو گیا تھا

کہ جو کچھ وہ کہتے تھے کرتا تھا اگر ایسا نہ کرتا تو کبھی کا وہ مجھے مار چکے ہوتے اور یہ حال سبکو معلوم ہے میرے اہلکاروں کو بھی جاں بری کی اُمید نہ تھی اور میں تو اپنی جان سے یہاں تک عاری ہو گیا تھا کہ بادشاہت پر گدائی کو ترجیح دیتا تھا اور ارادہ کر لیا تھا کہ گیروا کپڑے پہن کر پہلے قطب صاحب کے مزار پر جاؤں اور وہاں سے اجمیر شریف اور پھر کعبۃ اللہ چلا جاؤں مگر فوج والوں نے مجھے نہ جانے دیا۔

باغی سپاہیوں نے میگزین اور خزانہ سرکاری لوٹا اور جو چاہا سو کیا نہ تو لوٹ مار میں سے میں نے اُن سے کچھ لیا اور نہ خود اُنھوں نے ہی مجھے کچھ دیا۔ ایکدن وہ زینت محل کے مکان کے لوٹنے کے ارادے سے بھی گئے تھے مگر کامیاب نہوئے یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگر وہ میرے اختیار میں ہوتے یا میں اُن سے ملا ہوا ہوتا تو ایسی حرکتیں کیوں ہوتیں اور وہ مجھ سے میری بیوی کو قید کرنے کے لیے مانگنے کی جرأت کیسے کرتے۔ چہ جائیکہ ایک غریب آدمی کی بیوی کو بھی کوئی نہیں مانگ سکتا۔

قنبر حبشی نے مجھسے مکہ جانیکی رخصت حاصل کی تھی میں نے اُسے ایران نہیں بھیجا اور نہ کوئی خط شاہ ایران کو اسکی معرفت روانہ کیا۔ جس کسی نے یہ خبر دی ہے غلط ہے۔ محمد درویش والی درخواست میری تحریر نہیں ہے کہ اُس پر اعتبار کیا جائے۔ اگر میرے یا میاں حسن عسکری کے کسی دشمن نے اُس درخواست کو بھیجا ہو تو وہ قابلِ اعتبار نہیں۔

باغی فوج کی یہ حالت تھی کہ اُس نے کبھی مجھے سلام تک نہیں کیا اور نہ میرا کبھی ادب کیا وہ جوتیاں پہنے دربار خاص اور دار الریاضت میں پھرا کرتے تھے۔ جس حالت میں کہ اُنھوں نے اپنے آقاؤں کو قتل کیا میں کیونکر اُن پر بھروسہ کر سکتا تھا۔ جس طرح اُنھوں نے اُنھیں قتل کیا اُسی طرح مجھے قید کیا۔ مجھپر ظلم کیے۔ اپنی حراست میں رکھا اور میرا نام کرنے کے لیے جو کچھ چاہا

میرے نام سے کیا۔ جبکہ اُنھوں نے اپنے افسروں اور با اختیار حاکموں کو قتل کر ڈالا میں بلا فوج و خزانہ اور بغیر گولہ و بارود کیونکر اُن کا انسداد کر سکتا یا مخالفت کر سکتا تھا۔ جب پہلے باغی رسالہ آئے جھروکوں کے دروازے میرے بس میں تھے اُنھیں فوراً میں نے بند کروا دیا تھا۔ قلعہ کے کمانڈنٹ گارڈ کو بُلا کر اس معاملہ کی اطلاع کر دی تھی اور اُسے باغیوں میں جانے سے روک دیا تھا۔ میں نے قلعہ کے کمانڈنٹ گارڈ اور ایجنٹ لفٹنٹ گورنر کی تعمیل حکم میں دو پالکیاں میموں کے لیئے اور دو توپیں قلعہ کے دروازوں کی محافظت کے لیئے بھیجدی تھیں۔ ماسوا میں نے اُسی دن اونٹنی سوار کے ذریعہ سے نواب لفٹنٹ گورنر آگرہ کو اس واقعہ کی اطلاع کرادی تھی۔ جو کچھ میرے اختیار میں تھا وہ میں نے کیا۔ جلوس میں بھی میں اپنی خوشی سے نہیں نکلا۔ میں سپاہیوں کے بس میں تھا جو کچھ چاہا اُنھوں نے مجھ سے کرایا۔ چونکہ باغی رسالوں کی طرف سے مجھے بہت خوف تھا اس لیئے جو چند آدمی میں نے ملازم رکھے وہ اپنی جان کی حفاظت کے لیئے رکھے تھے۔ جب یہ رسالے بھاگنے شروع ہوئے تو میں بھی موقع پا کر کھڑکی کی راہ سے نکلکر ہمایوں کے مقبرہ میں جا کر ٹھیرا وہاں مجھے جب یہ حکم ملا کہ تمھاری جان بخشی کیجاتی ہے تو میں اُسی وقت سرکاری حفاظت میں آگیا۔ باغیوں نے تو مجھے اپنے ہمراہ لیجانا چاہا تھا مگر میں نہیں گیا۔

مندرجۂ بالا جو کچھ میں نے لکھوایا ہے اُس میں ذرا بھی جھوٹ نہیں ہے اور نہ کوئی بات سچائی کے خلاف ہے۔ اِس بات کو خدا جانتا ہے اور وہی میرا گواہ ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بالکل صحیح ہے اور اس سے زیادہ مجھے معلوم نہیں ہے۔ میں ابتدا میں حلف اُٹھا چکا ہوں کہ جو کچھ کہوں گا بلا کم و کاست سچ سچ کہوں گا اور ایسا ہی میں نے کیا ہے۔

دستخط بہادر شاہ

مگر یہ کہ بحوالہ اُس نقل حکم کے جس میں میں نے مرزا مغل سے سپاہیوں کی حرکات کی شکایت کی ہے اور خود قطب صاحب اور وہاں سے مکہ شریف جانیکا ارادہ ظاہر کیا ہے اور جو شامل مثل ہے مجھے یاد نہیں کہ ایسا حکم میں نے جاری کیا ہو۔ یہ حکم بزبان اُردو ہے اور میرے سکتر کے دفتر میں کل کام فارسی میں ہوا کرتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ کہاں اور کس طرح تیار ہوا۔ چونکہ فوج سے تنگ آکر میں نے دنیا سے ہاتھ اُٹھانے اور فقیری اختیار کرنے اور مکہ چلے جانیکا ارادہ ظاہر کر دیا تھا ممکن ہے کہ مرزا مغل نے یہ حالت دیکھکر اپنے دفتر میں ایسا حکم لکھوا لیا ہو اور میری مہر اُس پر کرالی ہو۔ بہرحال میری ناراضگی اور مایوسی اس حکم سے بھی ثابت ہے اور اس سے میرے قول کی تائید ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں دیگر کاغذات یعنے نقول و مراسلات جو راجہ گلاب سنگھ کے نام ہیں و بخت خان کی درخواست جس پر میری دستخطی مہر ہے اور اَور کاغذات جو شامل مثل ہیں اُنکی بابت میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ افسرانِ فوج نے جن کاغذات پر چاہا لاعلمی میں مجھسے دستخط کرالئے اور اُن پر مہر ثبت کرائی اور مجھے یقین ہے کہ یہ کاغذات بھی اُسی ذیل سے ہیں اور جو حکم اُنھوں نے مجھسے بخت خان کی درخواست پر لکھوایا وہ مثل دیگر درخواستوں کے لکھا گیا

دستخط
بہادر شاہ

بحث جج ایڈوکیٹ

صاحبان! اس بحث سے میرا یہ منشاء ہے کہ دورانِ کارروائی میں مختلف واقعات متفرق طور پر ظہور میں آئے ہیں وہ یکجا ہو جائیں۔ اور جہانتک ممکن ہو اصل صورت میں آپکے سامنے پیش ہوں۔ جس وقت کہ اس شہر میں بلوہ کی عملداری تھی ہماری تحقیقات کئی مہینہ تک جاری رہی اور مجھے بھروسہ ہے کہ ہمیں مذکورۂ بالا زمانہ میں مختلف واقعات کے دریافت کرنے میں

اگر مشکل کے ساتھ کامیابی بھی ہوئی مگر جو واقعات ہو گئے اُنکے مقابلہ میں ہماری محنت کچھ بھی نہیں ہے۔ اِن کے تعلق میں وہ الزامات ہیں جن پر قیدی ماخوذ ہوا ہے اور اگرچہ اُس کے سابق مرتبہ اور بادشاہت کی وجہ سے فیصلہ آخری جو آج آپ کو لکھنا پڑے گا بے شبہہ معمول سے زیادہ ضروری ہوگا تاہم خواہ وہ بریت پر مبنی ہو یا گرفتاری پر میرے خیال میں اُن بڑے بڑے اُمور کے مقابلہ میں جنکی طرف اسقدر توجہ مبذول ہے اور ابھی عرصہ تک رہے گی اصلیت ثابت ہو جائے گی۔ میں بلاشک اُن اسباب خواہ بعید خواہ قریب کی طرف اشارہ کرتا ہوں جنکی وجہ سے بغاوت پھیلی۔ جنکی نہ تو سنگدلی میں اور نہ اُس بیخبری کی جو کسی مذہب نے روا نہیں رکھی صفحۂ تاریخ پر مثال نہیں ہے یہ دونوں باتیں اُس مذہب کے مقابل مشترکہ جہاد میں جو بلحاظ اِس ملک کے باشندگان کے خواہ مسلمان خواہ ہندو ہرگز مفسدہ پرداز نہ تھا ایک جگہ اکٹھی ہو گئی تھیں۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ یہ مضمون ابھی تک پورا پورا واضح نہیں ہوا اور اگر میں سپیوں کی اُس تحریک کو جو اُنھوں نے اُن لوگوں کو جو مذہب میں۔ خون میں۔ رنگ میں۔ عادات میں۔ خیالات میں۔ غرض ہر ایک بات میں اُن سے غیر ہیں اپنے ملک سے نکالکر قوت و ملک حاصل کرنے میں کی مذہبی غلبہ سے منسوب کروں جو بعد میں ملکی ثابت ہو تو شاید اُس میں میں غلطی پر ہوں۔ اس بارہ میں آخری رائے کچھ ہی ہو مگر وہ سوالات جہاں تک میں واقف ہوں ابھی تک اطمینان کے قابل صاف نہیں ہوئے ہیں کہ کن واقعات کے باعث یہ خونخوار بغاوت جس میں مسلسل کشت و خون ہوئے پیدا ہوئی اور کون اس کے اصلی محرک تھے

مجھے یقین ہے کہ ممبران عدالت کی بھی یہی رائے ہوگی کہ ہمارے سوالات کے کامل جوابات دستیاب نہیں ہوئے اور کیوں نہ ہوئے اسکی بابت میرا خیال یہ ہے کہ محض مقامی تحقیقات سے مختلف مقامات اور ذریعوں سے جو بے شبہہ ہیں پورے پورے طور پر معلوم ہو سکتے ہیں

شہادت دستیاب نہیں ہو سکتی۔ تاہم ہمیں امید ہے کہ ہماری کوششیں بالکل رائگاں نہیں گئیں اگر ہمیں کامل کامیابی نہیں ہوئی تو اس کے لگ بھگ ضرور پونہچ گئے۔ میرا گمان ہے کہ چند ہی آدمی اس ضخیم کارروائی کو ملاحظہ کرتے وقت یہ نتیجہ نکالیں گے کہ دربار دہلی میں عرصہ سے دغا و فریب پھیلا ہوا تھا۔ ظاہری قوت کیسی ہی خفیف اور قابلِ حقارت کیوں نہ ہو۔ مسلمان پھر بھی اس فرضی بادشاہ کو اپنے دین کا پیشوا اور سمت الراس خیال کرتے تھے۔ اور لاکھوں آدمیوں کی امیدوں اور آرزوں کا مرکز تھا۔ وہ اسے ذریعۂ عزت بلکہ اس سے بھی زیادہ خیال کرتے تھے اور یہ قابل مزاح بات نہ صرف مسلمانوں ہی کے دل پر جمی ہوئی تھی بلکہ ہزاروں اور آدمی بھی اس کے معتقد تھے جن سے کسی موقع پر ساتھ دینے کی امید ممکن تھی۔ اس بات کی تشریح ایک دن کیا ایک مہینہ میں بھی نہیں ہو سکتی۔ زمانہ جو بھید کا بڑا افشا کرنے والا ہے لاریب دیر یا بجلدی برائی اور بدنصیبی کے چشموں کو ظاہر کردیگا۔ اور اس وقت تک ہمیں اپنی تحقیقات کے نتائج پر قناعت کرنی چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ جسقدر سازشیں ہم نے توڑی ہیں وہ سب تسلیم کیجائیں گی اور مجھے انکے بارے میں پیشدستی کرنیکی ضرورت نہیں۔ اسی بنا پر میں چند شہادتیں پیش کرونگا مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں ان واقعات کا ٹھیک حال بھی بیان کردوں۔ مجھے یہ کہدینا ضروری ہے کہ کارتوس نہ لینے کے سبب مئی گزشتہ میں بمقام میرٹھ ۸۵ آدمیوں کا جو نمبر ۳ لائٹ کیولری کے غیر کمیشن افسر اور سپاہی تھے کورٹ مارشل ہوا۔ ۹ مئی کی صبح کو پریڈ میں انھیں حکم سنا کر حوالات میں بند کردیا اور ۱۰ مئی کی شام کو ساڑھے چھ بجے میرٹھ کی تین رجمنٹوں نے کھلم کھلا بغاوت کردی۔ چھتیس گھنٹہ کا وقفہ اسقدر کافی تھا کہ میرٹھ والے رسالے ان رسالوں سے جو بعد میں ان سے میرٹھ میں آکر ملے بخوبی خط و کتابت ہو سکتی تھی۔ گھوڑا گاڑی میں

ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں معمولاً پانچ گھنٹے صرف ہوتے ہیں اور باغیوں کو ایک دوسرے کی ملاقات کے لیئے جو سہولت حاصل تھی وہ کپتان ٹائلر کے اظہار سے ظاہر ہے اُس اظہار میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ اتوار کی شام کو میرٹھ کے باغی ایک گاڑی میں بیٹھکر اٹھتیسویں ہندوستانی پیدل کی لین میں بظاہر اس غرض سے گئے تھے کہ اُن لوگوں سے کہہ آئیں کہ اپنے باغی ساتھیوں کے لیئے پیر کی صبح کو مناسب انتظام کرلیں۔ اگرچہ کوئی پختہ شہادت اسکی نہیں ہے کہ اُسی اتوار کو یہ کارروائی ہوئی بلکہ یہ مان لینا چاہیئے کہ ہر اتوار کو مفسدوں کے خفیہ جلسے ہوا کرتے تھے۔ یہ بات تحریر میں آچکی ہے کہ جس عدالت نے میرٹھ کے باغی سواروں کا مقدمہ کیا تھا اُس نے اس کا اندازہ کرلیا تھا کہ اگر کارتوسوں کے استعمال پر زور دیا گیا تو دہلی اور میرٹھ کے رسالوں میں اتفاق کر لینے اور ایکدم بغاوت کردینے کا معاہدہ ہولیا ہے۔ اس انتظام کی یہانتک تکمیل اور موافقت ہوئی تھی کہ قلعہ کے دروازہ کے گارد نے اتوار کی شام ہی کو اپنے ارادوں کو خفیہ نہ رکھا بلکہ جو کچھ کل ہونیوالا تھا اُس کا آپس میں تذکرہ کردیا۔ اس معاملہ کے واقعات و خلاف واقعات کے سمجھتے وقت یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جس وقت اِن منصوبوں کی تکمیل ظہور پذیر ہوئی اُسوقت نہ تو میرٹھ کی رجمنٹوں کے کسی میگزین میں اور نہ دہلی کے میگزین میں چربی دار کارتوس تھے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہندوستانی آدمیوں کے سوا اور دوسرا آدمی ان امور سے بخوبی واقف نہ تھا کہ جو کارتوس اُنکے استعمال کے لیئے کسی وقت بنے وہ اُنھیں کے ہمرنگ و ہمذہب آدمیوں نے بنائے۔ یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ ناپاک چیز دھوکے سے اُنکو دیجاتی رجمنٹوں کے خلاصی جو کارتوس بنانے پر تعینات تھے اگر اُن میں کچھ بھی خرابی ہوتی تو کبھی کا اُس کا تذکرہ کرچکے ہوتے اور قابلِ عذر کارتوس (جن سے میری یہ مراد ہے کہ

مسلمانوں اور ہندوؤں کے مذہب پر اثر پڑتا) ہرگز رجمٹوں کے میگزین میں تیار نہ ہوتے کیونکہ اول تو مزدور ہی انکے بنانے سے انکار کرتے علاوہ ازیں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مسلمانوں کا مذہب کچا نہیں ہے کیونکہ وسط ہندوستان کے آدمی جو آدھے مسلمان اور آدھے ہندو ہیں سور کا گوشت تک چھو لیتے ہیں اور مذہب میں نقص واقع ہونیکا بہانہ نہیں کرتے۔

ہم میں سے کون ایسا ہے جو اس کا روز مشاہدہ نہیں کرتا کہ یہی مسلمان بحیثیت خانسامان اُس چیز کی قابیں اور رکابیاں بھری ہوئی اُٹھاتے ہیں جس کا بہانہ اُنھوں نے کارتوسوں کے معاملہ میں کیا تھا۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ کارتوسوں میں اول سے آخر تک سور اور گائے کی چربی لگی ہوئی تھی تو بھی مسلمانوں کو اُسکے استعمال کرنے میں مذہبی لحاظ سے بھی عذر نہ ہو سکتا تھا۔ اُنکے بھائی بندوں کو افسروں کی نج کی ملازمت میں ہر قسم کے کھانے پکانے اور اُنھیں میزوں پر چننے میں کبھی دریغ نہیں ہوتا۔ اس بارہ میں مسلمان سپاہیوں کے عذرات صریحاً ایسے لغو ہیں کہ اگر اُن میں سے کوئی معزز اور سمجھدار آدمی اُن کارتوسوں کی اصلیت خواہ سچ یا جھوٹ دریافت کرنیکی کوشش کرے جنکو وہ اپنے مذہب کی خرابی کا ذریعہ سمجھتے تھے تو ہنسی معلوم ہوتی ہے۔

کم بلکہ بہت کم معزز آدمیوں نے اپنے بھائیوں کے چال وچلن سے پہلوتہی اور روکشی اختیار کی مگر ایسے آدمیوں کو اس معاملہ میں جو سب پر ظاہر تھا نہ تو ضمانت اور بیان کی ضرورت ہوئی بلکہ اُنھوں نے اس مضمون پر جس میں جھوٹ کی گنجایش اور غلطی کا موقع نہ تھا خود نتیجے نکال لیئے۔ میرٹھ یا دہلی کے مسلمان اور ہندو جبکہ انگریزوں کے قتل کے لیئے کارتوس ذوق وشوق سے لینا اور استعمال کرنا چاہتے تھے یا قیدی کے جھنڈے کے نیچے

جو اس وقت عدالت میں حاضر ہے اُس سلطنت کے خلاف جسکی وفاداری اور اطاعت کا اقرار وہ خود کر چکے تھے لڑنے گئے تھے اُس وقت اُنکے عذرات کہاں گئے تھے۔

اُن بیشمار درخواستوں میں سے جو دوران کارروائی میں عدالت کے روبرو پیش ہوئی ہیں عدالت کو تعجب ہوگا کہ اُن میں سے شاید کسی میں بھی سپاہیوں نے کسی خاص اور شدید ظلم کا اشارہ تک نہیں کیا جس سے یہ الزام عائد ہوتا ہو۔

ہم نے عدالت کے روبرو ایک سو اسّی سے بھی زیادہ درخواستیں پیش کی ہیں جو ادنی سے ادنی اور اعلی سے اعلی مضمون کی ہیں جو سائلوں کی نمک حلالی کا نمونہ ہیں مگر باوجود آزادانہ تحریرات کے جن میں اُنھوں نے اپنے خیالات کو اپنے فرضی بادشاہ کے روبرو پیش کیا۔ اور اپنے قدیم آقاؤں کے خلاف اپنی مخالفت ظاہر کرنے میں اپنی طلاقت نطق و خیالات پر قابو نہیں رکھا ہمیں نہ تو اصل قصور کا پتہ چلتا ہے اور نہ چادر نمکحرامی پر چھینٹے دھبے نظر آتے ہیں۔ مگر عبرت انگیز تو یہ واقعہ ہے کہ باوجود ہماری نسبت الفاظ "ملعون۔ ناری۔ کافر" استعمال کرنیکے وہ اس مصرحہ ابتدائی جرم سے دست بردار ہوتے ہیں جسکے سبب اُنھوں نے غدر و بغاوت کے ایسے جرائم کا ارتکاب کیا جس کا خیال کرنیسے بدن کانپتا ہے۔

باوجود اس خیال کے کہ انگریزی افسر اُنکی وفاداری اور اطاعت کی بابت کسی قسم کی مداخلت و تفتیش نکرینگے اُنھوں نے چربی دار کارتوسوں کے معاملہ میں اسکی بھی پروا نکی۔ ہم نے کوئی شکایت ایسی نہیں سُنی جو واقعی ہوتی اور ہر وقت اُنکے ذہن نشین ہوکر اُنکے خیالات خراب کرنیوالی اور اُنکے دماغوں میں بسی ہوتی اور ہمارے خون کا پیاسا بنانی اور اُن کے بے تخفیف سزا کا باعث ہوتی جو اس وقت انھیں رحم سے دور کرتی ہے۔

جو تقریریں اُنھوں نے انگریزوں کو سُنانے کی غرض سے کیں اُسکا کیا علاج۔ چربی دار

کارتوس اُس وقت ہمیشہ ہر بات پر پیش کیے جاتے تھے۔ اُنکے استعمال نے سپاہیوں کی برہمی کا مسلسل خوف پیدا کر دیا تھا۔ اگر ہم فکر و غور کریں اگر ہم یاد کریں کہ اُن تینوں رجمنٹوں میں جنھوں نے پہلے پہل غدر کیا اور نہ صرف مردوں ہی کو قتل کیا بلکہ عورتوں اور بچوں پر بھی دست ظلم دراز کیا ایک بھی چربی دار کارتوس نہ تھا اور اس سے وہ خود بھی بخوبی واقف تھے تو جب ہم خیال کرتے ہیں کہ اگر چربی دار کارتوس ہوتے بھی اور انھیں مردودوں کے ہاتھ سے چھوا بھی جاتے تو کسی مسلمان کو بھی قومی تعصب کے سبب تکلیف پہنچنی ممکن نہ تھی۔ یا مذہبی عقیدے کے مطابق انھیں دقّت ہوتی۔ اور جب ہم وہ بات بھی کہیں جو ہندوستان میں خواہ ہندو خواہ مسلمان خواہ انگریز سب کو معلوم ہے یعنی ہندوستانی سپاہی نے زمانۂ امن میں ان ہی کارتوسوں کے چھوڑنے کی بلا کسی تحقیق و بے چینی کے خواہش کی جو پوری کی گئی تو کسی واقعی یا فرضی رنج کے سبب اُنکے ایسے سخت بغاوت کرنیکی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی۔ یہ مان لیا جائے کہ توہمات و مذہبی جوش و شرارت یا حماقت کے بیچین کرنے والے خواب ایسے ہی تھے جیسا کہ خیال کیا گیا۔ یہ مان لیا جائے کہ بُرائی کی تحریکیں ایسی ہی سخت تھیں جو ممکن ہو سکتی ہوں اور سپاہی جن پر اُن کا اثر تھا جہالت کی وجہ سے سریع الاعتقاد ہو رہے تھے تو بھی اگر چربی دار کارتوس اُنکے ترکش کا ایک زہریلا تیر ان کارروائیوں میں ان مجرموں کا ہتھیار ہوتا تو علاج کسقدر آسان تھا۔ اُنھیں یہ جاننے کے لیئے نہ زیادہ علم کی ضرورت تھی اور نہ کسی فلسفی کی کہ صرف برطرفی کی درخواست کر دینے سے بھی وہ ان سب پریشانیوں سے نجات پالیں گے۔

ای صاحبان! مجھے نہیں معلوم کہ آپ اس تکلیف دہ سوال کا کیا نتیجہ نکالیں مگر ہر پہلو پر غور کرنیکے بعد میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ چربی دار کارتوسوں کے استعمال سے زیادہ عمیق اور

قوی کچھ اور ہی چیز تھی جس پر یہ کارروائی ہوئی۔

وہ منتری جس نے اتنی بڑی بغاوت اور قتل کو حرکت دی اور جسکی حرکت ایک ہی وقت میں ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک محسوس ہوئی اگرچہ دوراندیشانہ دانائی کے ساتھ نہیں تاہم ہولناک حرمزدگی اور نہایت کامیاب ہونیوالی مکاری پر مبنی تھی۔ اس مضمون پر غور کرتے وقت ہمیں یہ بات بھی یاد کر لینی چاہیئے کہ بہت سے مقامات پر جہاں ہندوستانی فوج نے اپنے انگریزی افسروں کے ساتھ زیادتی کی کارتوسوں کا بہانہ بالکل نہ تھا۔ اکثروں نے تو بغاوت کرنیکے لیئے اس موقع کو اچھا سمجھا کیونکہ اُنکی تعداد ایک کے مقابلہ میں سو تھی۔ اُنھوں نے خیال کیا انھیں تاخت و تاراج کرنے و لوٹنے اور قتل کرنے سے نہ صرف نجات ہی پائیں گے بلکہ کچھ فائدہ بھی ہوگا۔

کارتوسوں کے سوال پیدا ہونے سے پیشتر اگر ہندوستانی فوج میں ربط و اتحاد نہ ہوتا تو کیا یہ خوفناک نتیجے یکدم تکمیل پا جاتے؟ کیا کوئی شخص یہ خیال کر سکتا ہے کہ یہ کینہ و رعالمگیر دشمنی جسکے مہیب ثبوت حال میں ہمارے ہاتھ لگے ہیں اُن خیالات کا نتیجہ ہے جو یکایک وناگہانی طور پر افروختہ کیے گئے ہوں۔ کیا حوادث زمانہ کا یہی اثر ہے کہ صرف ذرا سے اشتعال طبع پر اسقدر سخت عداوت پیدا ہو جائے؟ یا ہندوستانیوں کی عقل حیوانی یا روایات یا طبیعتوں کا یہی خاصہ ہے کہ بے احتیاطی و بلا تحقیقات اور بلا خیال کسی امر کے انسان کے خون میں اپنے ہاتھ آلودہ کر لیں اور اُس آمدنی و فائدے کو جسکے سبب وہ ترتیب رکھنے اور گورمنٹ کی خیر خواہی کرنے کے پابند ہوں نظر انداز کر دیں۔ یا سب سے بڑھ کر یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ میرٹھ کی تین رجمنٹوں نے دہلی کی رجمنٹ سے ملکر اپنی ہی قوت پر سلطنت برطانیہ ہند کو نکال دینے کا یقین کر لیا ہو۔

صاحبان! میرے خیال میں ہر شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر ہمیں اس منصوبے کی کوئی شہادت نہ ملتی اور اس سازش کی پہلے سے خبر نہ لگتی تو اس بلوہ سے یہ نتیجہ ہوتا کہ ہم میں سے ایک متنفس بھی نہ بچتا۔

اخلاقی اور مادّی دنیا میں ہر ایک بات کا سبب اور نتیجہ ضرور ہوتا ہے اور اگر ہم گزشتہ سال کے ہولناک قتل کی سراغ رسانی صرف کارتوسوں ہی پر محدود کر دیں اور مضر اور پوشیدہ اسباب کو نہ تلاش کریں تو یہ واقعہ ہمیشہ کے لیئے بیفائدہ اور مخفی رہ جائیگا۔ یہ بات قابلِ مشاہدہ ہے کہ کارتوسوں والا معاملہ جس پر ۱۰ مئی سے قبل میرٹھ اور اور مقامات پر کھلّم کھلّا اور بار بار اصرار تھا سازش کے مضبوط اور پختہ ہونے کے ساتھ غیر ممیز ہوتا گیا اور جسوقت باغیوں نے دہلی میں اول لڑائی کا شور و غل کیا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے جو منشا رکھا گیا تھا وہ پورا ہو گیا اور اس کے بعد ہی دلوں سے یہ خیال بھلا دیا گیا۔ کیونکہ یہ خیال بہت ہی کمزور یا یوں ہی سا تھا اس لیئے جلدی سے جاتا رہا اور اس سے منشا اور پختہ ارادہ ظاہر ہو گیا۔

اگر ہم ان باغیوں کے افعال و حرکات کو ذرا غور سے دیکھیں تو ہمکو فوراً معلوم ہو جائیگا کہ اس معاملہ میں ابتدا ہی سے مکاری اور سازش سے کام لیا گیا تھا۔ مثلاً اُن کے ۸۵ ساتھیوں کو اُنکے سامنے ہتکڑیاں ڈالکر ۹ مئی کی صبح کو جیلخانہ بھیجا۔ مگر اس سے کوئی جوش پیدا نہوتا۔ ان آدمیوں نے نہ تو کوئی بے اطمینانی ظاہر کی جو اُس وقت یا عرصہ سے اُنکے دلوں میں بغاوت کی آگ بھڑکا رہی ہو اور نہ کوئی ایسی حرکت نمایاں ہوئی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ اُنھیں ملزموں سے ہمدردی ہے۔ اور واقعی اُنکے چہروں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ میرٹھ کی پیدل رجمنٹ اور نمبر ۳ کولری کا باقی ماندہ حصہ ایسا ہی وفادار اور تابعدار ہے

جیسا کہ ہونا چاہئے تھا۔ اور یہ حالت جبتک کہ سازش پک نہ گئی اور کھلم کھلا بغاوت کا وقت نہ پہنچ گیا اسیطرح قائم رہی۔

۹ مئی کی رات کو نمبر ۳ کولری کے باغیوں کے قید ہونیکے ۱۲ گھنٹہ بعد بھی ایسی ہی قابل اطمینان رہی جیسی کہ قریب ہی کے میگزین پر کوچ کرنے کے وقت پیشتر کی رات رہی تھی مگر ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا کہ دہلی کے سپاہی اس حرکت کی تیاریاں کرتے جس کا اظہار میرٹھ کے واقعات نے اُنکی امیدوں سے پیشتر کر دیا۔ اس لیئے دہلی سے از سر نو خط و کتابت کرنی اور سپاہیوں کو اس سوانگ کی خبر دینی جو ۱۱ مئی کو پیر کے دن ہونیوالا تھا ضروری معلوم ہوئی اس کا ثبوت کپتان ٹائلر کے اظہار سے بخوبی ہوتا ہے کیونکہ اتوار کی سہ پہر کو سپاہیوں کا گاڑی میں بیٹھکر میرٹھ سے دہلی آنا اور سیدھے اڑتیسویں ہندوستانی پیدل کی لیں میں جانا کسی اور بات کا یقین نہیں دلاتا۔

مکرر یہ کہ جو وقت میرٹھ میں بلوہ کرنے کے لیئے مقرر کیا گیا تھا اُس سے بھی اس مکاری اور حرمزدگی کا ثبوت ہوتا ہے۔ میرٹھ کی چھاونیوں کی تجویز سے بھی اس سازش میں بہت سہولت ملی۔ ہندوستانی فوج کی لینیں انگریزی رسالوں سے اسقدر فاصلہ پر ہیں کہ کھلم کھلا بے چینی اور بغاوت کے غل غپاڑے کی آواز بھی سنائی نہیں دیسکتی یا اُسوقت تک اُسکی خبر نہیں ہوسکتی جبتک کہ اسکی اطلاع نہ دیجائے۔

افسر غالباً اپنے ماتحتوں کے دلوں سے بغاوت کے دور کرنے میں ایسے سرگرم رہے ہوں کہ اُنھیں یقین ہو کہ ہمیں فوراً اسکی اطلاع ملی گی۔ کچھ ہی ہو کارتوسوں کے نکالنے اور انگریزوں کو ڈینے اور افسروں کو جمع کرنے اور کم از کم دو میل کوچ کر لینے میں توقف ہوا۔ اور توقف اور توقف در توقف کا اندازہ باغی ہی خوب کر سکتے ہیں کیونکہ ڈیڑھ گھنٹہ تک بلا مزاحمت

اور امن سے تیاریاں کر لینے پر اُن سب کو حیرت تھی کیونکہ شورش ساڑھے چھ بجے شروع ہوئی تھی اس لیئے اُنھوں نے اندھیرے ہی اندھیرے میں سب کارروائی کر لی۔ اور یہی دراصل ہوا بھی۔ جب انگریزی افسر ہندوستانی فوج کی لین میں پہنچے۔ ابھی اندھیرا ہی تھا پھر بھی کوئی سپاہی دکھائی نہیں دیا اور نہ کوئی یہ کہنے والا تھا کہ وہ کہاں گئے۔

بعد کی تحقیقات سے ظاہر ہوا کہ باغیوں نے بڑی ہوشیاری یہ کی تھی کہ جب میرٹھ سے دہلی روانہ ہوئے تو نہ سیدھی اور خاص سڑک اختیار کی اور نہ فوجی ترتیب قائم رکھی بلکہ اندھیرا ہوتے ہی دس دس پانچ پانچ منزل مقصود کیطرف چل پڑے۔

میرٹھ سے اُنکی روانگی تو مدبرانہ تھی مگر دہلی میں داخل ہونا جہاں محافظت کے لیئے انگریزی رسالہ کوئی نہ تھا خلاف مصلحت تھی اس موقع پر اُنھیں ذرا ضبط اور سمجھ سے کام لینا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُنھوں نے جوق کے جوق اور مکمل فوجی ترتیب میں پل عبور کیا اور ایک حصہ کولری کو باقاعدہ آگے بھیجا۔

اب ہم پہلے پہل یہ ثابت کرتے ہیں کہ باغی اس قیدی سے جو اس وقت عدالت میں موجود ہے ملے ہوئے تھے۔ پہلا نقطہ جسکی طرف وہ رجوع کرتے ہیں اور پہلا شخص جسکو وہ اپنا مخاطب بناتے ہیں دہلی کا خطابی بادشاہ ہے۔ یہ واقعہ مطلب خیز ہے اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہی کہ ان میں پہلے سے ساز باز تھی۔ قیدی کا طرز و روش فوراً ہی ظاہر ہونے لگا۔ بغاوت اپنی مہیب صورت اختیار بھی نکرنے پائی تھی کہ اُسکے خاص ملازموں نے قلعہ کے حدود کے اندر ہی اُسکے آنکھوں کے سامنے جو انگریز اُنکے سامنے پڑے اُنکے خون میں اپنے ہاتھ رنگنے کے لیئے دوڑے۔ جب ہم مقتولین میں دو جوان اور نازک اندام میموں کا خیال کرتے ہیں جن کا کوئی قصور نہ تھا اور جن پر سوائے اُن انسانی بھوتوں کے جنھوں نے اُنھیں برباد کیا ہر شخص رحم کھاتا۔

ہم اُن مصنوعی اثرات کے کچھ حصہ کو جو مسلمانوں میں جبلّا ہوتے ہیں ظاہر کرنے پر مجبور ہیں۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ باوصف تعلیم و شاہی خاندان اور متین و مہذب ہونیکے اس بڈھے اور سفید سر آدمی نے انسانیت سے گزرے ہوئے اور غیر مانوس جنگلیوں کے وحشیانہ فعلوں میں کس طرح ساتھ دیا۔

ہم اسباب کے دریافت کرنے کے لیئے جو برسوں بعد دوہرائی جائینگی ذرا تامل کرتے ہیں کہ کیا عدالت کو یہ ثابت ہوگیا کہ خاندان تیموریہ کا آخری بادشاہ اس بدمعاشی میں شریک تھا یہ حالات مفصل بیان کیئے جائیں گے۔ قتل کھلم کھلا دن کے وقت درجنوں شاہدوں کے روبرو ہوئے جیساکہ خاص قیدی کے ملازموں نے بیان کیا یہ قتل قلعہ کے حدود کے اندر ہوئے جہاں باوجود کمپنی کی حکومت کے قیدی کے اختیارات سب سے بڑھے ہوئے تھے میں اس سے ہرگز یہ تاویل نکرونگا کہ اُنکے (قتل کے) لیئے پہلے سے قیدی کی منظوری حاصل کرلی گئی تھی کیونکہ ایسی تاویلات کو منصف عدالت کبھی تسلیم نہ کریگی۔ بلکہ شہادتیں پیش کیجائینگی حکیم احسن اللہ خاں کا بیان ہے کہ جسوقت یہ خبر لگی کہ رسالہ والوں نے مسٹر فریزر کو قتل کردیا اور کپتان ڈگلس کے قتل کرنے کے لیئے اُوپر گئے ہیں اور جسکی صداقت پالکی والوں نے واپس آکر کی کہ فریزر صاحب ہمارے سامنے ہی قتل ہوئے اُنکی نعش دروازے میں پڑی ہے اور سوار بالاخانہ والوں کے قتل کرنے کے لیئے اُوپر چڑھے ہیں۔ میں اور غلام عباس وکیل قیدی اُس وقت بادشاہ ہی کے پاس تھے۔ یہ بات بسہولت خیال میں آسکتی ہے کہ جن بادشاہی ملازموں نے اس قتل میں شرکت کی اُنکے نام گواہ نے کیوں نہ ظاہر کیئے۔ گواہی کے آخری حصہ میں اس نے یہ کہا ہے کہ شاہی ملازموں کی شرکت کی مجھے خبر نہیں بلکہ اس سے بڑھکر یہ کہ عام طور پر یہ مشہور نہیں ہوا کہ قاتل کون تھے۔ خاص شاہی طبیب کا یہ بیان ہے

جو بلا شبہ اس بارہ میں کل ضروری خبروں سے واقف تھا۔ قاتلوں کے نام تو عام طور پر مشہور ہوئے ہی تھے مگر اسقدر عرصہ کے بعد بھی ہمنے ہر متنفس اور اُس کا نام دریافت کرلیا یہ تو مشہور تھا ہی نہیں کہ بادشاہ کے خاص ملازم ہی قاتل تھے مگر اُسی وقت شہر کے اُردو اخبار نے اس واقعہ کو بالخصوص چھاپا تھا۔

اسکے بعد مجھے اُن لوگوں کی شہادت کر ذکر کرنے کی ضرورت نہیں جنھوں نے صاف صاف بیان کردیا ہے کہ بادشاہ کے ملازم ہی قاتل تھے اور اُنکی شہادت مستحکم اور اٹل ہے۔ یہ کافی ہوگا اگر میں اُن میں سے ایک کا بیان نقل کروں جو حسب ذیل ہے۔

"اسوقت مسٹر فریزر بلوہ کے دفع کرنے کے لئے نیچے رہے اور جب وہ اس میں مشغول تھے میں نے غور سے دیکھا کہ حاجی اور جوہری نے اُسکو تلوار سے قتل کیا اور تقریباً اسی وقت بادشاہ کے چند ملازموں نے اُسکی طرف تلوار چلائی اور اُس کا کام تمام کردیا۔ مسٹر فریزر کے قاتلوں میں سے ایک حبشی تھا۔ اس کے بعد وہ اُوپر کے درجہ میں گھس پڑے اور میں فوراً دوسرے دروازے سے دوڑا اور زینے کا سب سے اُوپر کا دروازہ بند کردیا۔ میں تمام زینے کے دروازے بند کرنے میں مشغول تھا کہ یہ جنوبی دروازے سے آگئے اور اُس طرف کا ایک دروازہ بجبر کھولکر وہ لوگ اندر آگئے اور جن لوگوں نے مسٹر فریزر کے قتل کرنے میں مدد کی تھی اُنکو اندر آنے دیا۔ یہ لوگ فوراً اُن کمروں میں گھس پڑے جن میں کپتان ڈگلس مسٹر ہچنس۔ اور مسٹر جنکس آرام کررہے تھے اور تلوار سے حملہ کرکے اُنکو اور دو جوان لیڈیوں کو مار ڈالا۔ اتنے میں میں زینے سے نیچے اُترا جب میں نیچے آگیا تو مجھے ممدو بادشاہ کے ملازم نے پکڑ لیا اور مجھسے پوچھا کہ بتاؤ کپتان ڈگلس کہاں ہیں؟ تم نے اُسکو پناہ دی ہے وہ مجکو زبردستی زینے کے اُوپر لے گیا۔ میں نے اُس سے کہا تم نے

سب صاحب لوگوں کو آپ ہی نے تو مارا ہے لیکن جب میں کپتان ڈگلس کے کمرہ میں گیا تو میں نے وہاں اُسے سسکتا ہوا پایا۔ ممدو نے یہ دیکھکر اُس کے ماتھے پر سونٹا مارا اور وہ فوراً مر گیا۔" چونکہ اب یہ ثابت ہو گیا کہ میموں کے قاتل قیدی کے خاص ملازم تھے اس لیئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حکیم احسن اللہ خان کی شہادت پھر دیکھیں اور معلوم کریں کہ قیدی نے ان قتلوں کی اطلاع پر کیا کارروائی کی۔

اس موقع پر جو کچھ اُسنے حکم دیا وہ محل کے دروازے بند کرنے کا تھا جس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ قاتلوں کے بچانے کی غرض سے تھا مگر شہادت اسکے خلاف ہے حکیم صاحب نے آیندہ استفسار پر بمجبوری یہ اقرار کیا کہ قیدی نے مجرموں کے دریافت کرنے یا سزا دینے کے لیئے یا گرفتار کرنے کے لیئے کوئی کارروائی نہیں کی اور اسکی وجہ اُسوقت کی پریشانی بتائی۔

اگر بادشاہ کے اختیارات واقعی اُس کے ملازموں نے بالائے طاق رکھدیئے تھے تو دوبارہ با اختیار ہونیکے لیئے سب سے قوی دلیل یہ تھی کہ اُسکو فوراً ملزموں کو سزا دینا تھا یہ تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہ کارروائی نہیں کی گئی اور ہم اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اگر اُسنے ان افعال پر اپنے ملازموں کو ترغیب نہیں دی تھی تو بھی اسکی پہلے سے یہی خواہش تھی۔ اور اس کے ثبوت میں ہم یہ کہتے ہیں کہ کوئی ملازم نہ تو برخاست ہوا اور نہ اسکی کوئی تحقیقات یا تفتیش کبھی ہوئی۔ گواہ کا بیان ہے کہ بادشاہ قاتلوں کو برابر تنخواہ دیتا رہا اور اُنکو اپنی ملازمت میں رکھا اور واقعی یہی خبر ہمنے اُس وقت ایک اخبار میں بھی پڑھی۔ اس کے بعد کیا یہ سوال کرنا ضروری ہے کہ یہ فعل خاص اُسکے نہیں تھے یا تھے۔ مجھے یہ بتانیکی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ اس بارہ میں قانون ملکی کیا تھا کیونکہ عقل و تمیز کا قانون اُسکو بری کرنے

یا ملزم ٹھیرانے کے لیئے اعلیٰ قانون ہے جسے ہر سننے والا عمل میں لاسکتا ہے اور جس کا فیصلہ قانونی مجموعہ یا فوجی قانون سے زیادہ سخت ہے۔ یہ قانون ملکی ضوابط۔ انسانی فطرت یا مذہبی فرقوں کا پابند نہیں ہے یہ قانون خالق نے ہر شخص کے دل میں ودیعت کیا ہے۔ اور کیا اس موقع پر اُسے بالاے طاق رکھا جاسکتا ہے۔

اگر اس وقت ہم میگزین کا کچھ حال بیان کریں اور دیکھیں کہ وہاں باغیوں نے کیا کیا کارروائی کی تو شاید کچھ بیجا نہو۔ کپتان فورسیٹ نے بیان کیا ہے کہ صبح کے نو بجے ہندوستانی رسالوں کا بڑا حصہ سنگین چڑھائے اور ہتھیار آراستہ کئے فوجی ترتیب سے پل پر سے اُترا۔ اس میں سوار آگے تھے۔ اس بات کو ایک گھنٹہ بھی نہ گزرا تھا کہ اڑتیسویں ہندوستانی پیدل کے صوبہ دار نے جو میگزین گارد کا کمانڈنٹ تھا کپتان فورسٹ وغیرہ سے کہا کہ بادشاہ نے میگزین پر قبضہ کرنے اور انگریزوں کو گرفتار کرکے قلعہ میں لے آنیکے لئے گارد بھیجے ہیں اور اُنکو یہ ہدایت کردی ہے کہ اگر وہ نہ آئیں تو اُنھیں میگزین سے باہر نکالنے دینا۔ کپتان فورسیٹ نے اُسوقت تو گارد کو نہیں دیکھا مگر جو شخص یہ پیغام لایا تھا اُسنے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔ وہ خوش لباس مسلمان تھا مگر اس کے کچھ ہی بعد ایک بادشاہی افسر گارد کو لیکر پہنچا اور صوبہ دار ندکورا ور غیر کمیشن افسروں نے کہا کہ مجھے بادشاہ نے تم لوگوں کی سبکدوشی کے لیئے بھیجا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ میگزین پر قبضہ کرنے کے لیئے کس قدر عجلت اور پھرتی کیگئی۔ اِس سے یہ یقین ہوتا ہے کہ یہ فوری اور محرک فیصلہ یا تو خود بادشاہ کی طرف سے تھا یا عدالت کیطرف سے۔ اس قسم کی کوئی بات اُن پر محمول کرنی گویا اُنکو اُنکے اندازہ کی بے اعتنائی کی شناباشی دینی ہے جو خوف سے ملی ہوئی ہے اور جو نسل انسانی کے زیادہ اعلیٰ درجہ میں

ہیں پائی جاتی ہے۔ تجویز کے مقصد اور ترقی سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی منصوبہ پہلے سے باندھا گیا تھا اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سے خیالات چند آدمیوں کی صلاح سے پکائے گئے تھے۔

بیشک یہ خیال کرنا بہت مشکل ہے کہ وہ شخص جو پہلے سے اس راز سے واقف نہ ہوتا وہ اسقدر خوبی اور مستعدی کے ساتھ کیونکر اُن اجزا کو اس کام کے عمل لانے کے واسطے اختیار کرتا۔ ہمکو فیصلہ کی غایت قدر اور اغراض کی قدر کا پھر خیال آسکتا ہے۔ ایسے بے ترتیب اندازہ کے خلاف بہت سی قوی دلیلیں ہمارے خیال میں آوینگی۔ بیشک بادشاہ کو بدبختوں اور مجرموں کے ساتھ اتفاق کرنیکی ترغیب دی گئی تھی جسکی تہ کو پہنچنا اُسکی سمجھ سے باہر تھا بے شک بادشاہ نے ایسے سخت کام میں مشغول ہو کر ہر چیز۔ اپنی جان اور اُن سب لوگوں کو جو اُس سے تعلق رکھتے تھے معرض خطر میں ڈالدیا اور یہ سب کچھ اُس نے تاج حاصل کرنیکی اُمید پر کیا۔

کیا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اس کمزور اور لاغر بڈھے آدمی نے اس موقع کو غنیمت سمجھکر جبکہ بلوہ و فساد برپا تھا اپنا مطلب حاصل کرنیکی غرض سے میگزین کو قبضہ میں لینے کے لیئے افواج کو فوراً روانہ کردیا ہو۔ اور کیا ہمارا خیال صحیح ہے کہ فوج پہلے سے اِس غرض کے لیئے آمادہ تھی اور جو رجمٹیں پیچھے سے آرہی تھیں وہ اسی کا حصہ تھیں اگر یہ مان لیا جائے کہ بادشاہ اور قرب و جوار کے آدمیوں میں پہلے سے سازباز نہیں ہوئی تو کیا ہم ان باتوں کو ضعیف اعتقادی اور خواب کی تعبیر پر محمول کریں۔

یہ ایسی باتیں ہیں جو کسی زیادہ سنجیدہ طریقہ سے دل کو تسکین نہیں دے سکتیں اس حالت میں ہم نے ایک طوفان کی بابت جو خواب میں دکھائی دیا تھا سنا ہے جو مغرب سے بہت سے

پانی کے طوفان کے ساتھ تمام ملک کو برباد کرتا ہوا اُٹھنے والا تھا اور جیسا حسن عسکری نے بیان کیا ہے اُس (خواب) سے کافر انگریزوں کے بربادی کے نشانات بادشاہ فارس کے ہاتھوں سے ظاہر ہوئے جس نے (یعنی بادشاہِ فارس نے) ہندوستان کے فرمانرواؤں کو دوبارہ اُنکے ملک دیئے۔ کیا اس پر بھروسہ کرنے کے سبب ایشیا کی دوسری قوتوں کو حرکت ہوئی اور وہ اپنے فیصلوں پر دلیر ہو گئے۔ ہم کو معلوم ہے کہ اور حالتوں میں اور ہر ایک ملک میں سوائے مشرقی ملک کے ایسی دل خوش کن حالت خیال کرنیکے لیئے بہت ہی بے اصل ہے اور تفریح کرنے کی کشش کے لیئے بالکل بے بنیاد ہے۔ لیکن اس مقام پر فوجی بغاوت کی ترقی اور نوعیت پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہزاروں پر برائی کے کاموں کا اثر ڈالنے کا دخل رکھتے ہیں۔

غیر معمولی طاقت یا قوت جو کہ میگزین کے ذریعہ حملہ بنانے میں ظاہر کی گئی اُس سے یہ باتیں نکلتی ہیں مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ باتیں صرف سپاہیوں ہی کے اتفاق پر دلالت نہیں کرتیں کیونکہ بادشاہ کے اپنے ترپ تھے جنھوں نے اول اول قبضہ کرنا چاہا قومی دستور کے موافق جس طریقہ سے یہ کارروائی ہوئی اُس سے حکومت ظاہر ہوتی ہے یہاں کسی قسم کی ابتری نہ تھی لوٹ کے لیئے کوئی کوشش نہیں کی گئی میگزین کے مختلف دروازوں پر حفاظت کیواسطے غیر کمیشن افسر مقرر کیئے گئے جو سامان اندر سے باہر مزدوروں کے ذریعہ سے رکھوا رہے تھے اور ذخیرہ اُٹھوا رہے تھے جو باہر پڑا تھا۔ بادشاہ کے ترپ بغیر کسی قسم کے حکم کے ایسے کام کے لیئے کیونکر تیار ہو سکتے تھے۔ اگرچہ میں خود بادشاہ کو پیش آنے والے واقعوں کی بابت جو کہ ۱۱ مئی کو ہونے والے تھے پہلے سے خبر دینے میں کامیاب نہیں ہوا مجھے بھروسہ ہے کہ یہ بُرا ہوا کہ بھید محل کے معزز رہنے والوں کے قبضہ

میں تھا۔ شہزادہ جواں بخت کی گفتگو سے کافی طور سے یہ سب باتیں معلوم ہوتی ہیں اُسکی خوشی انگریزوں کے قتل کرنے کی پیشقدمی کرنے میں اسقدر رہے کہ وہ اُس کے اظہار کو چھپا نہیں سکتا۔ مگر میرا بڑا مقصد یہ ہے کہ اُس بات کو صاف کردوں جو کہ حق ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ یہ منصوبہ شروع ہی سے صرف سپاہیوں ہی پر محدود نہ تھا اور انھیں سے یہ پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ شہر اور قلعہ میں بھی جال بندی تھی اور قاتل جن کا ابھی ذکر ہوا ہے اس بات کا یقین دلاتے ہیں۔ ہمکو یقین ہے کہ میگزین اُڑنے سے پہلے نمبر ۱۱ و نمبر ۱۲ فوج کے باغیوں نے اُس پر حملہ کیا اور جب یہ وقوع ہوا تو بادشاہ کو ہم نے اول اول دیکھا جو باغیوں کے ساتھ حکومت کی بابت صاف عہد و پیمان کر رہا تھا اُس وقت سے پھر کوئی بات نہیں چھپائی گئی اور نہ اس کی کوشش کی گئی۔

خاص طرح بغاوت کی ندی میں گر کر وہ طغیانی کے سبب سے جلدی اُبھر آیا جو کہ اُسکو نہ سنبھال سکی جیسا کہ تخت ہندوستان کو وہ خیال کرتا تھا۔ بلکہ اپنے بہاؤ میں اُسکو ایک بیکسی کی حالت میں خاک پر چھوڑ دیا۔

میں ایک لمحہ کو لفٹنٹ ولف بائی اور اُن بہادر لوگوں کے بیان کرنے کیلئے ٹھیرونگا جو کہ اُسکے ماتحت تھے اور جو اتنے عرصہ تک اتنے بیشمار باغیوں کے مقابلے میں ڈٹے رہے میگزین اُن کو دیدیا گیا۔ ہم میں اب ایک بھی مشکل سے نہیں جان سکتا کہ اُن میں کون سب سے زیادہ تعریف کے قابل تھا۔ فراست اور عقلمندی جس نے ایک ہی نظر میں اپنی بربادی کی ممکن ضرورت کو پہلے سے دیکھ لیا اور موافق انتظامات کرلیئے یا وہ دلیر تدبیر جسکے ذریعہ سے آخری قتل ختم ہوا۔ ایسی بہادری کا انصاف کرنا تاریخ نویسوں کا عمدہ فرض ہوگا میں اُسکو ایک سرسری نظر سے دیکھ سکتا ہوں کیونکہ مجھے اور باتوں کا تذکرہ کرنا ہے جو کہ

ہمارے سامنے واقعات کے متعلق ہیں۔ دہلی میں میگزین کے اُڑنے کے ساتھ ہی بغاوت کے دفع ہونیکی ہر ایک اُمید جاتی رہی اور بہت مدت تک رہی۔ یہ قتل آخری تھا جب سے انگریز لوگوں کی طاقت کا نشان نرہا۔ اگرچہ علیٰحدہ جنگلوں میں تھے اور ابھی تک گورنمنٹ دبدبہ رکھتے تھے۔ ان کا ایک جلد بازگشت سے اپنی جانیں بچانے کا فرض ہوگیا نتیجہ یہ ہوا کہ دہلی بدمعاشوں سے بھر گئی تھی جنھوں نے ۲۴ گھنٹے میں بہت قتل کیے اور جو مشکل سے تمام پچھلی شرارت کی فہرست میں لگائے جا سکتے ہیں۔

یہ وقت اب ہے کہ بادشاہ سلامت بذات خود ایک بڑے تماشہ کرنے والے کی طرح تماشے میں آتے ہیں جس میں صرف انگریز اور یورپ کے لوگ ہی تماشہ دیکھنے والے نہ تھے بلکہ بہت سے مہذب اور غیر مہذب لوگوں نے بہت بڑے شوق سے دیکھا جو حق ہی اُس سے یہ پایا جاتا ہے کہ ۱۱ مئی کی سہ پہر کو بادشاہ دیوانِ خاص میں گئے اور تخت پر بیٹھ گئے جب کہ سپاہی افسر اور سب لوگ باری باری سامنے آئے اور اُنکے آگے کورنش بجالائے اور ان سے اُنکے سایۂ عاطفت میں آنیکی درخواست کی۔ بادشاہ نے یہ بات مان لی اور سب لوگ جو کچھ اُنکے دل میں آیا کہتے ہوئے چلے گئے۔

گواہ یعنی غلام عباس قیدی کے وکیل سے ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے فوج کے سر پر ہاتھ رکھنے کی تقریب اُنکی نوکری اور فرماں برداری کے ماننے کے برابر ہے اور وہ آگے بیان کرتا ہے کہ اگرچہ بادشاہ کسی باقاعدہ منادی سے ناواقف ہے جو کہ دہلی میں بادشاہ کے عنانِ حکومت ہاتھ میں لینے کے سبب سے ہوئی ہے تو بھی انکو اسکی خبر ہونیکے متعلق بہتیری باتیں ہوسکتی ہیں۔ لیکن اُسی لڑائی کے دن سے بادشاہ کی حکومت قائم ہوئی اور رات کو ۱۱ توپوں سے بادشاہ کی سلامی ہوئی۔ یہ امور ہمکو قیدی کی تہمت کی طرف لیجاتے ہیں۔

اور شاید اس وقت اُنکی بابت سوچنا بھی اچھا ہے اُن تاریخوں کا لحاظ رکھکر جن میں وہ واقع ہوئے ہیں - یہی تہمت بہادر شاہ دہلی کے معزول شاہ کی طرف ہے کیونکہ اُنھوں نے برٹش گورنمنٹ کا نظر بند ہوکر بہت دفعہ دہلی میں ۱۰ مئی اور اکتوبر ۵۷ء کے درمیان میں محمد بخت خان رجمنٹ کے صوبہ دار و دیسی افسروں اور اَور نامعلوم فوج کے سپاہیوں کو اسٹیٹ کے خلاف بغاوت کے جرموں میں مدد دی - میں عدالت کو ثبوت کا دسواں حصہ بھی بیان کرکے تکلیف دینا نہیں چاہتا وہ ثبوت جن کے سبب یہ تہمتیں قائم ہوئیں لیکن شاید اُن کا ثبوت دینا ضروری ہے -

مسٹر سنڈرس لفٹننٹ گورنر کے ایجنٹ اور کمشنر نے بیان کیا ہے کہ کن شرطوں سے یہ قیدی برٹش گورنمنٹ کے نظر بند بن گئے - یعنی اُن کا دادا شاہ عالم مرہٹوں کے قبضہ میں تھا جب مرہٹوں نے ۱۸۰۳ء میں انگریزوں سے شکست کھائی تو اُسنے مرہٹوں کے قبضہ سے نکلکر انگریزوں کی پناہ میں آنیکی درخواست کی - اُس وقت سے صرف نام کو دہلی کے بادشاہ انگریزوں کی پنشن خوار رعایا بن گئے - یہ خیال کرنے کی بات ہے اور بغور دیکھنا چاہیئے کہ اس خاندان کو برٹش گورنمنٹ سے کسی طرح کی شکایت نہ تھی صرف فائدے ہی فائدے تھے جو یاد رکھنے کے قابل ہیں -

قیدی کے دادا شاہ عالم نے صرف اپنے ہاتھ سے تخت ہی نہیں کھویا بلکہ اُن کو اپنی آنکھیں نکلوانی پڑیں اور طرح طرح کی بے عزتی کا شکار ہونا پڑا - اور ابھی وہ قید ہی میں تھے کہ لارڈ لیک نے اُنھیں اُس سے آکر نجات دی اور اُنکی بدقسمتیوں کے بدلے فیاض ہمدردی کے ساتھ اُنکو عہدہ اور پنشن دیدی جو اُس کے جانشینوں تک جاری رہی - اور جس نے اُنکو عزت بخشی کہانی کے سانپ کی طرح اُنھوں نے اپنا پھن اُن پر مارا جنکو اُنھوں نے اُنکی زندگی

کے وسیلے بخشنے۔

ثبوت جس سے کہ محمد بخت خان کو قیدی کے ساتھ شامل کیا اور جو خود تہمت کے واسطے کافی ہوگا اول سے آخر تک قیدی کے اپنے ہاتھ کی ایک سند ہے۔

خاص غلام۔ گورنر بخت خان بہادر کو

ہمارا احسان قبول کرو اور سمجھو جبکہ نیمچ کی فوج علی پور پہنچ گئی ہے اُس کا اسباب ابتک سب موجود ہے اور اس لیئے تمکو حکم دیا گیا ہے کہ دو سو ترپ والے پانچ یا سات پیادوں کی کمپنیاں اپنے ساتھ لو اور تمام سامان مثلاً خیمے وغیرہ اور کمسرٹ جو علی پور لے گئے تھے وہ بھی لے لو۔ اور تم کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ باغیوں کو عیدگاہ میں آگے بڑہنے کے لیئے کھڑے رہنے کی اجازت نہ دو اور آگے تمکو یہ بھی واضح رہے کہ اگر فوج بغیر فتح کے واپس ہوئی اور لڑائی کے سامان کو خرچ کر دیا تو نتیجہ بہت بُرا ہوگا تمکو پہلے سے آگاہ کر دیا ہے۔ اور تمہیں ان احکامات کو تاکیدی سمجھنا چاہیئے۔

یہ سچ ہے کہ اس بات کی کوئی تاریخ نہیں ہے لیکن اشارات جو کہ اس میں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جب لکھی گئی ہے جبکہ پہلی تہمت کی شرط قبول کی گئی تھی۔ شاید یہ جگہ چند باتوں کے لیئے جو مجکو پناہ کی بابت پیش کرنی ہیں سب سے عمدہ ہوگی۔

قیدی اوروں کی طرح اپنی جہالت کا آپ شکار ہوا ہے۔ بیان کرتا ہے کہ مجکو اس غدر سے پہلے ذرا علم نہ تھا کہ باغی سپاہیوں نے دفعتہً آکر مجکو چاروں طرف سے گھیر لیا اور سنتری کھڑے کر دیئے۔ اپنی جان کا خوف کر کے مَیں چُپکا ہو رہا اور اپنے علیحدہ محل میں چلا گیا اور یہ کہ باغیوں نے مرد و عورت و بچے قید کر لیئے۔ مَیں نے دو بار منت و سماجت سے اُنکی جان بچائی اور پھر سہ بارہ جو کچھ مجھ سے ہو سکا اُنکے بچانے کے لیئے کیا لیکن باغیوں سے خدا توجہ

نکی اور میرے حکم کے خلاف ان لوگوں کے قتل کرنے میں اپنا ارادہ پورا کیا۔"

اب اس پر بہت بڑا الزام یہ ہے کہ صرف ثبوت ہی سے یہ نہیں اُبھارا گیا بلکہ پوری پوری گواہی سے جو تقریری یا زبانی اُسکے اپنے نوکروں نے دی ہے اس گواہی کی پناہ لے کر جرم کا محض انکار کیا گیا ہے۔ اُس کے مختار نہ ہونیکا اقرار اور اپنی بدچلنی کا الزام اوروں پر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یاد رکھیئے وہ برخلاف اپنے لکھے ہوئے اور اپنی مُہری سندات کے ہماری دوستی اور اپنی مجبوری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اور یہ کہ اُسکی تحریر جو دعوے میں شامل ہے اور جو کچھ کہ اُسنے تحریر کیا زبردستی سے کیا اور اسکی مہر بھی اسیطرح ہوئی اور جو شک کہ وہ اپنی آزادی کے ناقابل ہونے میں اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہمایوں کے مقبرے گیا اور پھر واپس قلعہ میں آگیا قابل سماعت نہیں ہے۔

بیشک یہ ریاست کے واسطے بہت ضروری تھا کہ آخری کام اُسکی اپنی پسند اور مرضی سے ہوا اور مشکل سے ممکن ہے کہ اُس کا باہر جانا عارضی تھا کہ اگر سپاہی زبردستی سے اُسے باہر لیجاتے تو اُسے مشکل سے بھی واپس نہونے دیتے۔ اس طرح ہمکو ذیل کا عجیب واقعہ ہاتھ لگا۔

"جب باغی فوج موقعہ پاکر بھاگنے کے لئے تیار ہوئی میں پوشیدگی سے محل کی کھڑکیوں کے نیچے اُترا اور جا کر ہمایوں کے مقبرے میں ٹھیرا"، کسی نے خیال کیا ہوتا کہ اگر وہ باغیوں سے علیحدہ ہونا چاہتا تو سب سے عمدہ تدبیر یہ تھی کہ دہلی میں ٹھہرنا بجائے چھپ کر واپس جانیکے جبکہ باغی بھاگنے کی تیاری کر رہے تھے۔ مگر میری مراد بنیاد کی بابت بہت کچھ لکھنے کی نہیں ہے۔ میں یقین کرتا ہوں میرا عمدہ جواب یہ دکھلا دینا ہوگا کہ کیسے پورے طور سے یہ تہمتیں ثبوت کو پہنچی ہیں۔ اور اس کام کی بابت میں اپنی طرف مخاطب ہوتا ہوں اور دوسرے

معاملہ کی باتوں کیطرف مائل ہوتا ہوں جو اگر ممکن ہو تو پہلے سے زیادہ طور سے قائم ہوئی ہیں۔ حسب ذیل بیان قابل غور ہے۔

۱۰ مئی اور یکم اکتوبر ۵۷ء کے درمیان یہ لوگ گورنمنٹ کے خلاف بغاوت کرنے اور لڑنے کے لیئے مجتمع رہے ہیں۔ مرزا مغل قیدی کا لڑکا۔ برٹش گورنمنٹ کی رعایا دہلی کے باشندے۔ اور ممالک مغربی و شمالی کے لوگ ثبوت اور سندیں اس تہمت کے قائم کرنے میں اسقدر پیش کرتے ہیں کہ اُن کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ اخبارات سے مرزا مغل کی سپہ سالاری کی نسبت ہمکو معلوم ہوتا ہے اس مضمون پر ایک زبانی سند بہت قوی ہے جبکہ ظاہری خط و کتابت سے بھی پایا جاتا ہے کہ مرزا مغل اپنا ثانی باپ تھا۔ اس کا باپ دہلی کی بغاوت میں رہبر سردار تھا۔ میں مولوی محمد ظہور علی جو نجف گڈھ میں پولس کے افسر تھے اُنکی درخواست میں سے کچھ حال بیان کرونگا۔

بادشاہ جہاں پناہ کی خدمت میں

بہت ادب سے اظہار کرتا ہوں کہ بادشاہ کے تمام احکامات اٹھا کروں۔ چودھریوں اور نجف گڑھ کے پٹواریوں کو سنا دیئے ہیں اور عمدہ انتظامات کر دیئے گئے ہیں اور حضور کے حکم کے مطابق پیادہ و سوار جمع کیئے جا رہے ہیں اور حکم اُنکو سنا دیا ہے کہ اُنکو اس ضلع کی مالگزاری سے تنخواہ دیجائیگی مگر حضور کے غلام (یعنی بادشاہ) جب تک کچھ غازیوں کو جو پہلے سے لڑ رہے ہیں یہاں نہ بھیجینگے عام لوگوں کو یقین نہوگا۔

ڈاکو کلن اور پاس کے گاؤں کی بابت آپکا غلام خود وہاں جاتا ہے۔ وہاں کے باشندوں نے مسافروں کو لوٹنا شروع کر دیا ہے مگر نتائج کے خوف سے گھبرا رہے ہیں۔

میں خیال کرتا ہوں کہ یہ بات تہمت کے لفظوں کے لیئے ایک کافی نتیجہ دینے والی

ہوگی۔ مرزا مغل اُس کا لڑکا اور نامعلوم لوگ دہلی اور ممالک مغربی و شمالی کے بغاوت میں مدد دینے کی بابت یہانتک کہ اس درخواست میں جس کا میں ذکر کر رہا ہوں قیدی کے دستخط خاص کا حکم ہے۔ جس میں اُس نے مرزا مغل کو یہ حکم دیا ہے کہ بہت جلد پیادوں کی ایک رجمنٹ نجف گڈھ بھیجدے اور یہ اُس نے اپنی خواہش کے مطابق کیا۔ اور جنھوں نے پیادوں اور سواروں کو بھڑکا کے انگریزوں کے خلاف لڑنے کی تدبیر سوچی تھی اُن کو مدد دی۔ اِس کے علاوہ ایک اور درخواست ہے جو ابھی تک عدالت میں پیش نہیں ہوئی ہے جو مدت ہوئی کہ ہاتھ لگی تھی اور جواب شروع کیجاویگی۔

یہ امیر علیخان ولد نواب خرجہ پور کی طرف سے ہے بتاریخ ۱۲ جولائی بادشاہ کے روبرو پیش ہوئی۔ مضمون مفصلہ ذیل ہے۔

بادشاہ جہاں پناہ کی خدمت میں

مودبانہ عرض کرتا ہے کہ حضور کا درخواست کرنیوالا اُس شاہی دربار میں جس میں دارا دربان ہے اپنا عزت دار گھر چھوڑ کر حضور کے لیئے اپنی جان لڑانے کو آیا ہے اور بہت مغموم ہے کہ وہ اس دن کے دیکھنے کو زندہ ہے جب کہ انگریزوں نے حضور کے محل کے مقابلہ پہ توپیں لگادی ہیں اُس محل کے مقابلے میں جس کے فرشتے نگہبان ہیں۔ اول روز سے آپکے درخواست کرنے والے کو لڑائی کے لیئے شیر کی طرح تربیت دی گئی ہے۔ اور وہ لومڑی کی طرح اپنی جان کا خیال نہیں کرتا ہے“

”چیتے پہاڑوں کی چوٹیوں پر شکار کرتے ہیں“

”اور مگرمچھ اُنکو دریا کے کناروں پر کھا جاتے ہیں“

درخواست کرنیوالا یہ امر پیش کرتا ہے کہ اگر اُسکی درخواست منظور ہوگئی اور وہ تدابیر جو اس

لڑائی میں ضروری ہیں حضور کی مدد کے ساتھ اُس کے فیصلہ پر چھوڑ دی گئیں تو وہ صرف تین روز میں ان سیہ رنگ اور سیہ تقدیر والے لوگوں کو بالکل جڑ سے اُکھیڑ دیگا۔ یہ ضروری تھا اور اس لیئے میں نے اسے پیش کیا ہے (سلطنت کی بہبودی کے لیئے دعا اور جو اس سلطنت کا بُرا چاہیں اُن پر لعنت)

آپکے غلام امیر علیخان ولد نواب سلیخان ولد نواب نجابت خان نواب خرجہ پورا کی درخواست۔

(بادشاہ کا پنسلی حکم)

مرزا ظہور الدین اس درخواست کے متعلق تحقیقات کرکے سائل کے لیئے ملازمت کا بندوبست کردیں۔

(تیسرا الزام یہ ہے)

کہ باوجود رعایائے سلطنت برطانیہ ہند ہونیکے اُس نے حق اطاعت کا لحاظ نہ کیا اور ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو دہلی اور گرد و نواح میں سلطنت کے خلاف فساد کرکے اپنے کو بادشاہ وشہنشاہِ ہند مشتہر و ظاہر کیا اور شہر دہلی پر ناجائز قبضہ کر لیا اور مزید براں ۱۰ مئی اور یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیانی زمانہ میں مرزا مغل اپنے لڑکے اور محمد بخت خان صوبہ دار رجمنٹ توپخانہ سے وقتاً فوقتاً مفسدانہ سازش رکھی اور مشورہ اور اتفاق کیا اور دیگر نامعلوم مفسدوں کو سلطنت کے خلاف چڑھائی کرنے بلوہ کے لیئے جمع ہونے اور لڑنے کے لیئے آمادہ کیا اور گورمنٹ برطانیہ ہند کو مغلوب اور برباد کرنے کے لیئے اور اپنے منصوبے میں کامیابی حاصل کرنیکو دہلی میں مسلحہ فوجوں کو جمع کیا اور سلطنت سے مشت مشت اور جنگ کرنیکے لیئے بھیجا۔

یہ بات پہلے الزام پر بحث کرتے ہوئے ظاہر ہو چکی ہے کہ قیدی گورمنٹ برطانیہ ہند کی پنشن خوار رعایا تھا۔ درآنحالیکہ سلطنت برطانیہ سے اُسے یا اُسکے کسی خاندان والے کو حسب مراتب اعزاز سے محروم نہیں کیا بلکہ برخلاف اسکے اُنکو مصیبت اور مظالم سے نجات

دیکر لاکھوں روپیہ کی پنشن اور جاگیریں عطا کیں جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا مگر اُسنے اپنے محسنوں کی سلطنت کی بیخ کنی کی اور بیخکنی کا پہلا موقع بھی ہاتھ سے نجانے دیا۔ بلوہ کے اول ہی روز سہ پہر کو اُس نے باغی فوج کی نذریں قبول کیں اور اُنکے سروں پر دست شفقت پھیرا اور اُنکے ساتھ ملکر کمینہ بن گیا۔

اس نظارہ کا نقشہ کھینچنا مشکل کام ہے۔ ایک کمزور لرزتے ہوئے آدمی کے لیئے ایک ایسے طاقتور عصار سلطانی کو اپنی کمزور گرفت میں لینے کے لیئے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ پھیلانیکی کوشش کرنا اور باوجود عمر وضیعفی سے دوہرا ہوجانیکے لباس شاہی زیب تن کرکے نہایت ذلیل سازش وقتل کے وجوہ کو سعید و مبارک خیال کرنا تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے اور اس بدطینت جھریاں پڑے ہوئے شخص کو جسکے دل میں ولولوں کی پیدایش مسدود ہوگئی ہو اپنے کو اُن بدمعاشوں کا جنھوں نے اُسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا نامناسب مرکز ہرگز نہ بننا تھا۔

اس امر کے چند گواہ ہیں کہ قیدی نے اپنے کو بادشاہ مشہور کیا اور اس کا اظہار مختلف موقعوں پر مختلف طور سے ہوا اور یہ واقعہ بالکل صحیح ہے۔ دہلی جیسے شہر کے لیئے صرف ایک دو مرتبہ کی شہرت کافی ہے۔ قیدی کا مختار ہی خود کہتا ہے کہ ۱۱ مئی کو بادشاہ کے احکام جاری تھے اور گلاب سنگھ ہرکارہ سے جب یہ سوال کیا گیا “کیا بلوہ کے بعد ہی بادشا حکمران مشہور ہوا تھا؟” تو اُس نے یہ جواب دیا تھا “ہاں بلوہ ہی والے دن سہ پہر کو یہ ڈھنڈورا پٹ گیا تھا کہ اب شاہی عملداری ہے” اور چنی بساطی ایک اور گواہ اس طرح بیا کرتا ہے “۱۱ مئی کو کوئی آدھی رات گئے قلعہ میں بیس توپیں فیر ہوئی تھیں۔ میں نے توپو کی آواز گھر پر سنی تھی اور دوسرے دن صبح کو یہ ڈھنڈورا پٹ گیا کہ ملک اب بادشاہ کے قبضہ

میں آگیا ہے۔

الزام کی بابت دوسرے فقرے میں شہر کو مفسدانہ لینے اور اُس پر ناجائز قبضہ کرنیکا تذکرہ ہے جس کے ثبوت میں مجھے شہادت پیش کرنیکی ضرورت نہیں۔ بغیر سمجھے ثبوت کے کسی طرف ڈھلنا مشکل کام ہے۔ اس الزام سے ہمیں یقیناً ثابت ہوتا ہے کہ قیدی نے ۱۱ مئی اور یکم اکتوبر ۵۷ء کے درمیانی زمانہ میں مختلف وقات پر مرزا مغل اپنے بیٹے اور محمد بخت خان صوبیدار رجمنٹ توپخانہ سے مفسدانہ سازش کی اور مشورہ و اتفاق کیا اور دیگر نامعلوم مفسدوں کو گورنمنٹ کے خلاف بلوہ کرنے اور لڑنے کے لیئے آمادہ اور تیار ہونیکی ترغیب دی۔ مرزا مغل کھلے خزانے سپہ سالار مقرر ہو گیا تھا اور بلوہ کے چند ہی روز بعد اُس کا شاہی جلوس نکلا تھا۔ چنی لال گواہ نے یہ واقعہ بیان کیا مگر اُسے ٹھیک تاریخ یاد نہیں کہ کس روز جلوس نکلا۔

اس کے بعد مرزا مغل کے اختیارات کل اور خاصکر فوجی معاملات میں بخت خان کے آنے تک جب وہ گورنر جنرل و کمانڈر انچیف مقرر ہوا غیر محدود تھے۔ بخت خان یکم جولائی کو آیا اور اسکے بعد دو کمانڈر انچیفوں میں اختیارات کی بابت حسد پیدا ہو گیا جیسا کہ مرزا مغل کی ۱۷ جولائی کی تحریر سے جو اُسنے اپنے باپ کے نام لکھی تھی معلوم ہوتا ہے اُس میں اُسنے لکھا ہے کہ "میں آج فوج تیار کر کے انگریزوں پر حملہ کے لیئے باہر نکلا کہ جنرل بخت خاں نے مداخلت کی اور تمام فوج کو عرصہ تک بیکار رکھا اور دریافت کیا کہ کس کے حکم سے تم باہر آئے چونکہ ہمارا کوئی حکم اس کی بابت نہیں ہے اس لیئے واپس چلے جاؤ اور سب کو لوٹا دیا"۔ کیونکہ اس قسم کی کارروائی سے افسروں کے دل میں شبہ ہونیکا اندیشہ ہے اس سے یہ بات ظاہر ہو جانی چاہیئے کہ فوج پر واقعی اختیارات کسکو حاصل ہیں"

اس چٹھی پر کوئی حکم نہیں ہے اور نہ ہمیں یہ خبر کہ تصفیہ کیا ہوا مگر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے

کرکچھ نہ کچھ بہتر انتظام ہوا ہے کیونکہ دوسرے دن ۱۸ جولائی کو مرزا مغل اور بخت خاں نے ملکر کام کیا جس کا اظہار مرزا مغل کی مندرجۂ ذیل چٹھی میں ہے جو بادشاہ کے نام تھی یہ ۱۹ جولائی کو تحریر ہوئی۔ ”کل سے انتظامات ٹھیک ہو گئے ہیں اور رات دن کام جاری ہے اگر علی پور کی جانب سے مدد بھیجدی جائے تو خدا کے فضل اور حضور کے اقبال سے کامل فتح کی امید ہوسکتی ہے۔ اس لیئے ملتجی ہوں کہ حضور بریلی والے جنرل کو حکم دیں کہ وہ فوج لیکر علی پور چلے جائیں اور اُس طرف سے کافروں پر حملہ کردیں اور حضور کا غلام اس طرف سے حملہ کرتا ہے تاکہ دونوں فوجیں ملکر ایک یا دو دن میں کل نامعقول جہنمی کافروں کو جہنم واصل کردیں۔ فوج کے علی پور جانے سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ غنیم کی رسد بند ہوجائیگی۔ ضروری ہونیکی وجہ سے گزارش کیا گیا“

اس چٹھی پر بادشاہ کا دستخطی حکم حسب ذیل ہے۔ ”مرزا مغل جیسا مناسب سمجھیں ویسا انتظام کرلیں“ اس کے بعد مرزا مغل کا یہ حکم ہے ”بریلی کے جنرل کو حکم لکھا جائے“ میرے نزدیک یہ تحریریں سازش و مشورہ و اتفاق کے ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ مگر اس وقت اُن تحریروں کا جو ابتک عدالت میں پیش نہیں ہوئی ہیں درج ہوجانا بھی ضروری ہے۔ اُن میں سے ایک بخت خاں کی جانب سے اعلان ہے جو ۱۲ جولائی کو تحریر ہوا اور جو دہلی کے اُردو اخبار کا خلاصہ ہے اور جس کا مطلب حسب ذیل ہے۔

”جملہ باشندگان شہر و مضافات خصوصاً جاگیرداران و پنشن داران و معافیداران وغیرہ مطلع ہوں کہ اگر اپنی آمدنی کے اندیشہ سے وہ انگریزوں کے طرفدار ہوں یا اُنکو خبریں دیتے ہوں یا رسد بہم پہنچاتے ہوں تو اُنکے ابتک کے فعل نظرانداز کیئے جائیں گے۔ اور اس لیئے اعلان کیا جاتا ہے کہ مشارٌالیہ آگاہ ہوجائیں کہ آخری اور کامل فتح پر اُنکے کاغذات خطاب

پورے پورے طور سے پرتال ہونگے اور علاوہ موجودہ جاگیر وغیرہ قائم رہنے کے اُن آمدنیوں کے (جو موجودہ بلوہ کے زمانہ میں غیر مودّی رہی ہونگی) پورے معاوضہ دیئے جائیں گے مگر جو شخص اس حکم سے واقف ہو کر بھی انگریزوں کو خبریں پہنچائے گا یا رسد رسانی وغیرہ کریگا تو اُسکو سخت سے سخت سزا دیجائیگی جو سلطنت تجویز کریگی۔ شہر کے اعلیٰ افسر پولیس کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ جملہ جاگیر داروں و معافیداروں و پنشن داروں کو اس حکم سے مطلع کر کے اور اطلاع یابی کے دستخط اعلان کی پشت پر کرا کر ہمارے پاس واپس کر دے"

دوسری تحریر ایک شاہی حکم ہے جو ۵ ستمبر ۵۷ء کو شہر کے اعلیٰ افسر پولیس کے نام لکھا گیا تھا اور جس کا مضمون یہ ہے۔

"تمکو ہدایت ہوتی ہے کہ شہر میں بذریعہ ڈھنڈورے کے یہ بات مشتہر کرادو کہ یہ لڑائی مذہبی لڑائی ہے اور مذہب کی وجہ سے کیجاتی ہے۔ نیز یہ کہ خواہ شہر والے خواہ دیہات والے ہندو یا مسلمان و نیز وہ ہندوستانی جو ہمارے مقابلہ پر پہاڑی پر جمع ہیں یا وہ لوگ جو انگریزوں کی فوج میں ہیں خواہ وہ صوبجات مشرقی کے رہنے والے ہوں یا سکھ یا غیر ملکی یا ہمالیہ والے یا نیپالی اگر اُنھیں اپنے دین و ملت کی سچائی کا خیال ہے اور انگریزوں کو قتل کرنا چاہتے ہیں اُن سب پر اس حکم کا عملدر آمد یکساں ہے۔

اور یہ بھی اعلان کردو کہ جو لوگ اس وقت پہاڑی پر انگریزی فوج کے پاس ہیں خواہ وہ ہندوستانی ہوں یا غیر ملکی۔ پہاڑی ہوں یا سکھ کسی ملک کے ہوں۔ مسلمان ہوں یا ہندو اُنھیں غنیم سے ذرا بھی خوف نکرنا چاہیئے جسوقت وہ ہمارے پاس آئیں گے اُنکے ساتھ عنایتیں کیجائیں گی اور وہ اپنے ہی دین و ملت میں رہیں گے۔ یہ بات اعلان کر دینی چاہیئے کہ جو لوگ خواہ ملازم ہوں یا غیر ملازم ہمارے ساتھ غنیم پر حملہ کریں تو جو مالِ غنیمت اُنکو ہاتھ لگے

وہ اُنھیں کا ہوگا اور بادشاہ کی طرف سے بھی انعامات دیئے جائیں گے اور اُنکے ساتھ خواطر خواہ رعایتیں ہونگی۔

جو کاغذ میں نے ابھی سنایا ہے وہ دفتر کی کاپی ہے اور مجھے بادشاہ کی کوتوالی کے دفتر میں سے دیگر کاغذات کے ساتھ حال ہی میں دستیاب ہوا ہے۔ اِس پر اُس افسر کی مہر ہے اور بہادر سنگھ کے دستخط سے تصدیق شدہ ہے جو پولیس کے بڑے افسر کا نائب تھا۔ اِس سے زیادہ قابلِ اعتبار تحریر شاید ہی عدالت میں پیش ہو۔ اس سے تیسرا الزام پورے پورے طور سے ثابت ہو جاتا ہے اور آیندہ کسی اور کاغذ کے پیش کرنیکی ضرورت بھی نہیں پائی جاتی اور اس سے چوتھے الزام کا آخری حصہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔

میں اپنی توجہ اب اُس الزام کی طرف پھیرتا ہوں۔ اِس سے قیدی پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ اس نے بمقام ۱۶ مئی یا اُسکے قریب کی تاریخوں میں قلعہ کی چار دیواری کے اندر ۴۹ متنفسوں کو جن میں بالخصوص میمیں اور بچے تھے قتل کروایا۔ ان غریب قیدیوں کے قتل کے بارے میں میں کچھ بیان نہیں کرتا۔ عدالت کے روبرو واقعات خود اس تفصیل سے بیان ہو گئے ہیں کہ اُن میں زیادہ بیان کی ضرورت نہیں۔ اور دلوں سے جلد دور نہیں ہو سکتے جس سنگدلی سے عورتوں اور بچوں کو ذبح کرنا پھر اس خیالی غلطی یا مذہبی دیوانگی کے غلط جوش کی معافی نہ مانگنی کچھ ایسی بیرحمانہ کارروائی ہے کہ اسکی صداقت کا یقین نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر ایک ہی طرح کے خیالات وصریح شہادت وواقعی ثبوت اور اُن خوفناک واقعات کا متواتر جوش ہمیں یقین کرنے پر مجبور نہ کرتا اور طرہ یہ کہ مندرجہ بالا واقعات تسلیم نہیں کیے گئے اور مجبوراً مجھے اُنکے ثابت کرنے کے لیئے آنا پڑا۔ مگر واقعات نے ایسی تکلیف دہ اور سخت صورت اختیار کی ہے کہ بغیر مزید ثبوت دیئے چارہ نہیں۔ مگر اب صرف یہ ظاہر کرنا رہگیا ہے کہ

کہ قیدی نے اس وحشیانہ بغاوت میں کس حد تک ساتھ دیا۔ اور جبکہ الزام بیان ہوا کیا واقعی وہ ۴۹ آدمیوں کے قتل میں شریک تھا اور کیا یہ قتل اسکی وجہ سے ہوا۔ اس بات کے ثابت کرنے میں ہرگز اُس قانون کی تائید نکرونگا جسکی رو سے کل آدمی جو بلوہ یا بغاوت میں شریک رہے ہوں ہر ایک زیادتی کے جو اُن لوگوں سے سرزد ہوئی ہو یا جس کا اُنھوں نے ساتھ دیا ہو خواہ وہ فعل اُنکی مرضی کے خلاف یا اُنکی لاعلمی میں واقع ہوا ہو فرداً فرداً ذمہ دار ہوں مگر میری یہ مراد ہے کہ ان عورتوں اور لڑکوں کی موت کے متعلق ہر واقعہ جس کا تعلق قیدی سے ہو جداگانہ غور کے قابل ہے۔ اِس لیئے اب پھر میں اُنکی گرفتاری کی شہادت و مقام قید اور سخت ظالمانہ برتاؤ جو اُنھوں نے ابتدا گرفتاری سے برداشت کیا اور جو اُنکے مقدر کی پیشین گوئی تھی فرداً فرداً تذکرہ کرونگا۔

پہلے پہل میں حکیم احسن اللہ خان کی شہادت سے اقتباس کروں گا جس نے اس سوال کا ”اسقدر میمیں اور بچے کیونکر قلعہ میں لائے اور قید کیئے گئے“ یہ جواب دیا ”باغی اُنھیں اپنے ہمراہ لائے تھے جب اُنھوں نے قلعہ میں اپنے ٹھکانے درست کر لیئے تو پھر اپنے قیدیوں کو بھی وہیں لے آئے“ آیندہ استفسار پر اُس نے یہ بھی کہا کہ ”باغیوں نے اپنے قیدیوں کی خود نگرانی نہیں کی بلکہ جو قیدی آتا تھا اُسکی اطلاع بادشاہ کو کیجاتی تھی جو اُسکو باورچیخانہ میں لیجا کر قید کرنے کا حکم دیتا تھا“ جب زیادہ استفسار ہوا تو اُسنے یہ بھی بیان کیا کہ ”انگریزوں کے قید کرنے کے لیئے باورچیخانہ خود بادشاہ ہی نے قرار دیا تھا“ اُس وقت خود معائنہ کر لیا تھا کہ وہ جگہ بہت وسیع ہے“ اِس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قیدی نے یہ جگہ صرف اس وجہ سے مرد و عورتوں اور بچوں کو ایک جگہ بند کرنے کے لیئے مقرر کی تھی۔ وہ قلعہ کے اندر ہے اور اسکی ہیئت بیان کرنیسے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ وہ خود اسکی حالت سے بخوبی واقف تھا۔ وہ اُسے

ایک وسیع عمارت بتاتا ہے مگر یہ اصطلاح اُسکے لیئے موزوں نہیں ہے اور اگر ایسے ہی الفاظ مختلف باتوں کے لیئے استعمال کیئے جایئں تو اُنکے مطالب میں زمین آسمان کا فرق ہو جائے۔ اس قسم کے غلط خیال دور کرنے کے لیئے احسن اللہ خان کے اظہار کے بعد میں نے خود جا کر اُس جگہ کو دیکھا اور اُسکی پیمایش کی یہ عمارت چالیس فٹ لمبی بارہ فٹ چوڑی اور دس فٹ بلند ہے یہ پُرانی غلیظ اور ویران عمارت ہے اور اسکی دیواروں پر چونہ کا پلاسٹر بھی نہیں ہے اور سب سے بڑھکر نقص یہ ہے کہ بالکل تاریک ہے۔ نہ تو اُس کا فرش ہی درست ہے اور نہ روشنی و ہوا کے لیئے نابدان ہیں۔ اس میں صرف ایک پتلا سا نابدان ہے اور ایک چھوٹا سا لکڑی کا دروازہ مگر اب میں مسس الول کے الفاظ نقل کرتا ہوں۔

''ہم سب ایک تاریک کمرہ میں بند کر دیئے گئے تھے اُس میں سوائے ایک دروازہ کے نہ تو کوئی کھڑکی تھی اور نہ روشندان تھا۔ یہ عمارت اس قابل نہ تھی کہ انسان اس میں رہے کجا کہ اس قدر آدمی اُس میں بھر دیئے گئے۔ باوجود کھچا کھچ بھرے ہونیکے سپاہی جب کبھی مذاقاً عورتوں یا بچوں کو ڈراتے تھے تو ہم بارہا اُس ایک دروازہ کو بھی بند کر لیا کرتے تھے جسکی وجہ سے روشنی اور ہوا رہی سہی بھی جاتی رہتی تھی۔ سپاہی بھری ہوئی اور سنگین دار بندوقیں لیکر ہمارے پاس آتے تھے اور ہم سے پوچھا کرتے تھے اگر بادشاہ تمہاری جان بخشی کر دیگا تو کیا تم اسلام قبول کر لوگے یا غلامی تسلیم کر لوگے؟ مگر بادشاہ کے خاص مسلح سپاہی جنکی طرف سے ہم گارد کی تعیناتی تھی سپاہیوں کو منع کرتے تھے کہ انکو جان بخشی کی اُمید نہ دلاؤ ہم تو ان کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے چیلوں اور کوّوں کو دینگے۔ غذا بھی ہمکو خراب ملتی تھی صرف دو مرتبہ بادشاہ نے ہمکو عمدہ کھانا بھجوایا تھا''

اس نمکحرام نے اُس فیاضی کا جو انگریزی گورنمنٹ نے لاکھوں پونڈ سے اُس کے

اور اُس کے خاندان کے ساتھ کی یہ بدلا دیا۔ جیسا کہ ایک گواہ نے بیان کیا ہے "اُس کے ملازمین کے زنان خانوں میں اسقدر گنجایش تھی کہ میمیں اور بچے بآسایش رہ سکتے" اور گواہ نے یہ بھی بیان کیا "جہاں ایسے چور خانے تھے کہ اگر پانچسو آدمی اُس میں چھپ جانے اور باغی زنان خانوں کی تلاشی بھی لینا چاہتے تو اُن کا پتہ نہ چلتا" اور بقول ایک اور گواہ کے کہ "قلعہ میں اسقدر وافر جگہ تھی جس میں اگر عورتیں اور بچے رکھے جاتے تو انکو ہر طرح کی آسایش پونہچتی" مگر اس احسان فراموش نے ان لوگوں کے لیئے وہ جگہ تجویز کی جہاں گنہگار اور مجرم رکھے جاتے تھے اور جہاں اُنھوں نے مجرموں سے بھی بد تر برتاؤ سہے۔ کیونکہ اول تو یہ چھوٹی سی جگہ اُنکی تعداد ہی کے لیئے کافی نہ تھی دوسرے ہر کس و ناکس کے ظلم و گستاخی کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔

شاہی پنشن اور محل کے عوض میں انگریزوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ ہونا چاہیئے تھا۔ احسن اللہ خان اور مسس الول کے بیانات سے یہ بات ظاہر ہوگی کہ یہ دونوں شخص اس بات پر متفق ہیں کہ جو کچھ ہوا بادشاہ کی طرف سے ہوا اور جب ہم یاد کرتے ہیں کہ معمولی سے معمولی بات بھی جب کبھی اُس کے سامنے پیش کی گئی تو جب عدالت کو ثابت ہو چکا ہے اُس پر وہ محض توجہ ہی نہیں کرتا تھا بلکہ اپنی قلم سے اُس پر احکام لکھ دیتا تھا۔ ایسی صورت میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اہم معاملات اُس کے اختیار میں نہوں بہت سے گواہوں کی متفقہ شہادت اور نیز اُسکی تحریر کی شہادت جسے کوئی توڑ نہیں سکتا جو اس واقعہ کو ثابت کرتے ہیں۔ اور بادشاہ کے خاص مسلحہ ملازموں کا قیدیوں کی نگرانی پر ہونا۔ بادشاہ کا خود خراب اور دو مرتبہ ذرا بہتر خوراک بھجوانا۔ اور سپاہیوں کا قیدیوں سے یہ کہنا کہ اگر بادشاہ تمھاری جان بخشی کردے تو تم مسلمان ہو جاؤ گے؟ ایسی باتیں ہیں

کو ہمیں گمان ہوتا ہے کہ بادشاہ نے خود یہ قید خانہ پسند کیا تھا اور ان شہادتوں کو ملاحظہ کرنے کے بعد کون اس میں شبہ کر سکتا ہے۔ کیا کوئی ایسی بات بھی اس درمیان میں ہوئی کہ بادشاہ نے تو اُنھیں بچانا چاہا تھا یا کسی قسم کی مہربانی ہمدردی اُن سے کی تھی؟ نہیں نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ جن لوگوں نے قیدیوں کے ساتھ وحشیانہ برتاؤ کیے اُنکی روک ٹوک ذرا نہوئی۔ عیسائیوں کو دانہ پانی دینے کی سخت سزائیں دیگئیں اور مسلمان عورت محض اسی وجہ پر قیدیوں کے ساتھ بند کی گئی۔ کیا کینہ کا اثر اس سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے۔ یا یہ ممکن ہے کہ میموں اور بچوں کے مقام و قسم قید کو معمولی خیال کریں اور یہ نتیجہ نہ نکالیں کہ ظالمانہ موت ابتدا سے اُنکے لیے مخصوص کردی تھی؟ مکند لال گواہ کی یہ شہادت ہے کہ وہ محض ایک جگہ جمع کیے گئے تھے۔ کوئی شک نہیں کہ تلوار کی دہار سے لٹکتی ہوئی موت سے رحیمانہ رہائی تھی۔ ایسے قابل نفرت غار میں ایسے موسم میں قیدیوں پر اس قید میں کیا اثر پڑا ہوگا۔

مجھے اب قیدی کے خلاف عدالت کے فیصلہ کا انتظار کرنا چاہیئے۔ مگر جوں جوں جستجو کیجاتی ہے مزید ثبوت ملتا جاتا ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کامل ثبوت حاصل ہو جائے گلاب چپراسی یا ہرکارہ نے صاف صاف بیان کر دیا ہے کہ قتل سے دو روز قبل یہ مشہور ہو گیا تھا کہ دو دن میں انگریز قتل ہونگے اور چنانچہ جسدن قتل ہوا جوق کے جوق آدمی قلعہ کے اندر آئے تھے ہر گواہ نے اِس منظر کا تذکرہ کرنے وقت بیان کیا ہے کہ اُس صبح کو بہت سے آدمی بطور تماشائی اور فاعلوں کے جمع ہوئے تھے اور چونکہ صبح کے آٹھ و نو کے درمیان ہوا اس لیے کوئی شبہ نہیں کہ اسکی خبر پہلے سے مشہور ہو گئی تھی۔ کسی بات سے ظاہر نہیں ہوتا کہ عوام یا فوج نے کثرت جوش میں کوئی اور ایسی خوفناک حرکت کی ہو۔ برخلاف

اُسکے ایک گواہ صاف صاف کہتا ہے کہ بغیر احکام ہونا ممکن نہیں اور ایسے احکام کے صرف دو ذریعہ تھے یعنے اول بادشاہ اور دوسرا اُس کا بیٹا مرزا مغل- مگر مجھے معلوم نہیں یہ حکم کس کا تھا- اُس نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ انگریزی قیدی میرے سامنے قتل ہوئے اُنھیں بادشاہ کے خاص مسلحہ ملازم یا باڈی گارڈ کے سپاہی اور کچھ باغی پیدل گھیرے ہوئے تھے اور اگرچہ میں نے کوئی حکم اور اشارہ ہوتے نہیں دیکھا تاہم ایک دفعہ سب نے تلواریں کھینچکر قیدیوں پر حملہ کر دیا اور یہاں تک تلواریں ماریں کہ اُن سب کا کام تمام ہو گیا ایک دوسرے گواہ مسمیٰ چنی لال اخبار نویس نے استفسار پر بیان کیا ہے "کہ یہ بادشاہ کے حکم سے ہوا اور اُسکے سوا ایسا حکم دینے والا اور کون تھا" اس گواہ نے اور اور گواہوں نے بالاتفاق بیان کیا ہے کہ مرزا مغل اپنے مکان کی چھت پر کھڑے ہوئے اس منظر کا تماشہ دیکھ رہے تھے-

اُس وقت اخبارات میں بادشاہ کے بعد مرزا مغل ہی کا نمبر تھا- ایسی حالت میں کیا یہ بات قابل پذیرائی ہے کہ بادشاہ کے حکم بغیر یا اُسکی خواہشوں کے خلاف اُسکے باڈی گارد والے ایسے خوفناک خونریزی کرنے کی جرءت کرتے - اگر اس بارہ میں کچھ شبہ بھی ہو تو وہ اُن تحریرات کے ملاحظہ سے جو قیدی نے منظور کر لی تھیں اور جن میں انگریزوں کے خلاف خونخواری اور خونریزی کا نمایاں تذکرہ ہے یہ خیال بہت جلد دور ہو سکتا ہے- اس موقع پر مرزا مغل کی موجودگی اور اس حکم کے خاص بادشاہ کی طرف سے ہونیکے ثبوت میں مکند لال خاص شاہی سکتر کی گواہی نقل کرتا ہوں-

جب اُس سے سوال کیا گیا کہ "میمیں اور بچے جو قلعہ میں تھے کس کے حکم سے قتل ہوئے" تو وہ جواب دیتا ہے "ان لوگوں کو قید میں تین دن گزر گئے تھے چوتھے دن پیدل اور

سوار مرزا مغل کو لیکر بادشاہ کے خلوۃ خانہ پر گئے اور بادشاہ سے ان لوگوں کے قتل کی اجازت چاہی بادشاہ اُس وقت خلوتخانہ ہی میں تھے ۔ مرزا مغل اور نسبت علیخان اندر گئے اور سپاہی باہر کھڑے رہے ۔ کوئی بیس منٹ کے بعد اندر سے واپس آئے اور نسبت علیخان نے عام طور پر بآواز بلند کہا کہ بادشاہ نے انکے قتل کی اجازت دیدی اور تم انکو لیجا سکتے ہو ۔ چنانچہ بادشاہ کے باڈی گارڈ والوں نے جنکی نگرانی میں قیدی تھے اُنھیں قیدخانہ سے لاکر تھوڑے سے باغیوں کے ساتھ قتل کردیا"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا مغل اسی وقت بادشاہ کے پاس آئے تھے اور درپردہ اس خونریزی کے کام میں ملے ہوئے تھے ۔ اگر اسکے سوا کچھ اور بیان کیا جائے تو بیکار معلوم ہوتا ہے مگر جو ثبوت قیدی کے روزنامچہ سے معلوم ہوا ہے وہ ایسا ضروری اور یقین دہ ہے کہ اُسکے نقل کرنے پر میں مجبور ہوں ۔

اس بارہ میں حکیم احسن اللہ خاں کی شہادت حسب ذیل ہے "وہ کیا بلوہ کے زمانہ میں ان واقعات کا کوئی عدالتی روزنامچہ بادشاہ کے حکم سے لکھا جاتا تھا"

(جواب) بلوہ سے کہیں پیشتر سے دستور کے مطابق عدالتی روزنامچہ تاریخوار رکھا جاتا تھا"

(سوال) اس ورق کو دیکھو تم پہچانتے ہو یہ کسکی تحریر ہے"

(جواب) ہاں یہ روزنامچہ نویس کی تحریر ہے اور یہ ورق روزنامچہ کا ہے"

۱۶ مئی ۱۸۵۷ء کے عدالتی روزنامچہ کا خلاصہ

"بادشاہ نے دربار خاص میں دربار کیا ۴۹ - انگریز قید تھے اور فوج نے اُنکے قتل کے بٹے دینے کی درخواست کی بادشاہ نے اُنکو اُنکے حوالہ کردیا اور کہا فوج کا جو دل چاہے اُنکے ساتھ کرے" چنانچہ وہ (قیدی) تہ تیغ کردیئے گئے"

اس موقع پر دربار میں بڑا مجمع تھا اور کل رئیس - افسر - امیر منصف وغیرہ حاضر تھے اور سبکو درباریابی کا فخر حاصل ہوا - اسبارے میں ہمارے پاس زبانی اور الزام سے بری تحریری شہادت موجود ہے اور اگر قیدی کا تحریری اقبال نہوتا تو الزام کا زیادہ صریح ثبوت حاصل کرنا ناممکن ہوتا - اس تحریر سے اُس کا جواب دعویٰ مراد نہیں ہے جو اس عدالت کے لیئے تیار ہوا اور محض جھوٹا انکار ہے جس میں اُس نے اس سخت الزام سے بری ہونیکی ذرا بھی کوشش نہیں کی - میری مراد اُسکی اُس لمبی چھٹی سے ہے جو اُس نے مرزا مغل کو عیسایوں کے قتل کے بارے میں تحریر کی تھی اور لکھا تھا کہ سپاہی میرے حکم کی اچھی طرح تعمیل نہیں کرتے اس کے بعد اس مضمون پر مزید بحث کرنا نامناسب معلوم ہوتا ہے -

اب صرف چوتھے الزام کا آخری حصہ بغیر بحث رہ گیا ہے اور اُس کے ثابت کرنیکے لیئے ہمارے پاس اُن چٹھیوں کی نقلیں ہیں جو بادشاہ نے راؤ بہادر والیئے کچھ بھج و رنجیت سنگھ رئیس جیسلمیر و راجہ گلاب سنگھ والیئے جموں کے نام لکھی تھیں - اُنکا مندرجۂ ذیل خلاصہ کا بیان کردینا کافی معلوم ہوتا ہے -

راؤ بہادر والیئے کچھ

ہمیں اطلاع ملی ہے کہ تم نے کل کافروں کو تہ تیغ کرکے اپنے ملک کو اُنکے ناپاک وجود سے بالکل پاک صاف کرلیا ہے - ہمیں تمھارے اس فعل سے کمال درجہ مسرت ہوئی اور تمھیں اس خطاب سے عزت دیجاتی ہے اور امید کیجاتی ہے کہ تم اپنے تمام ممالک میں ایسا انتظام کروگے کہ کسی بندۂ خدا کا دل میلا نہوگا اور اس پر بیجا تعدی نہوگی - مزید براں یہ کہ اگر کوئی کافر تمھارے ملک میں براہ سمندر پہنچے تم اُسے قتل کردینا - اگر تم ایسا کروگے تو ہماری خوشی کا باعث ہوگا -

رنجیت سنگھ رئیس جیسلمیر۔

ہمیں یقین ہی کہ تمھارے حدود مملکت میں ان بدشگون کافروں یعنی انگریزوں کا نام و نشان بھی نہ رہا ہوگا اگر باتفاق ان میں سے کچھ چھپ چھپا کر بچ گئے ہوں تو اول اُنھیں قتل کروا اور بعد میں اپنی ریاست کے انتظام کا بندوبست کرکے اپنی تمام فوج لیکر ہمارے حضور میں حاضر ہو۔ تم پر بحد نوازش و اکرام ہوگا اور تمھارے مرتبہ و مقام میں وہ وہ ترقیاں کیجائینگی جن کا اندازہ کرنا تمھارے احاطۂ قابلیت سے باہر ہے۔

راجہ گلاب سنگھ والیئے جموں۔

ہمیں تمھاری درخواست سے تمھارے ملک میں بدبخت انگریزوں کے قتل کا حال معلوم ہوا۔ تم قابل ستایش قرار دیئے گئے ہو۔ تم نے اس معاملہ میں وہ کام کیا ہے جو بہادر آدمیوں کے شایاں ہے خدا تمھیں زندہ با اقبال رکھے۔ مکرر یہ کہ ہمارے حضور میں آؤ اور بدبخت انگریزوں اور دیگر تمام دشمنوں کو جو ہاتھ لگیں قتل کردو۔ اس صلہ میں جن مدارج و ترقیوں کا تمکو گمان ہوگا وہ اس سے بدرجہا زیادہ ہونگی اور تمھیں خطاب راجہ سے بھی عزت دیجائیگی“

ایک اور درخواست پر جو نمبر ۴ بیقاعدہ کویری کے دفعدار نے بادشاہ کو بھیجی تھی۔ اور جس میں اُسنے مظفر نگر میں اپنے افسروں کے قتل کرنیکا حال لکھا تھا۔ اُسکی کارگزاری کے صلہ میں اُسکو ایک عہدہ دیئے جانیکا حکم بھی قیدی ہی کی قلم کا ہے۔

صاحبان! میں الزام کے متعلق اپنے مشاہدات کو ختم کرتا ہوں۔ اَب آپکا یہ کام رہگیا ہے کہ یا تو آپ فیصلہ آخری سے قیدی کو عزلت و تنہائی میں اُن اعزاز کا جو ایک تخت سے اُترے ہوئے بادشاہ کے لئے زیبا ہیں مستحق قرار دیں یا اُسے صفحۂ تاریخ میں بڑے ملزموں میں جگہ دیں۔ یہ ظاہر کرنا بھی آپ ہی کا کام ہی کہ خاندانِ تیموریہ کے اس آخری بادشاہ کو جو عزت

بد قسمتی کے سبب خمیدہ پشت مگر شاید اپنی تکالیف اور اپنی قوم کے مصائب کے سبب مستقیم قامت ہے آج اپنا آبائی قلعہ یا محل چھوڑنا ہوگا۔ یہ شاندار دربار عام کی عمارت۔ یہ انصاف کے اعلیٰ مدارج کا معبد اس فیصلہ سے اُس درجہ کو حاصل کرچکا جس میں موجودہ و کل زمانوں کی بابت یہ تحریر کیا جائیگا کہ بادشاہ جرم کی وجہ سے قید کیئے جاتے ہیں اور ایک خاندان کی برسا برس کی شان وشوکت ایک دن میں صفحۂ روزگار سے ناپید کردیجاتی ہے۔

چونکہ قیدی کے خلاف الزامات کی بحث تو ختم ہوگئی اگر میں گزشتہ بلوہ اور سازش کے اسباب کے متعلق جو شہادت دستیاب ہوئی ہے اُسے عدالت کے روبرو پیش کردوں تو بیجا خیال نکیجائیگی۔ میں اس اڈریس کے ابتدائی حصہ میں اسبات پر بحث کرچکا ہوں کہ اگر کارتوسوں والے معاملہ میں پیشتر ہندوستانی رجمنٹوں میں باہمی اتفاق اور باقاعدگی ہوتی تو کبھی ایسی خوفناک اور عالمگیر بغاوت نہوتی اس لیئے یہ بات لازمی ہے کہ کوئی اور زیادہ مخفی قوت تھی جسکے زور پر کلکتہ سے پشاور تک مختلف جہادیوں کی متفرق فوج نے اس طرح کام کیا۔ میرے خیال میں یہ کام پوشیدہ من سمجھوتی اور پیشتر کی تیاری بغیر تکمیل نہیں پاسکتا تھا اور اس کارروائی کو اگر سازش کے لفظ سے پکاریں تو نامناسب نہیں ہے۔

میں یہ بھی بیان کرچکا ہوں کہ محض کارتوسوں کے معاملہ کی وجہ سے اسقدر بغاوت اور خونریزی نہیں ہوئی اگر میں اس معاملہ کے ساتھ ساتھ اُن وسائل کا جو ہمارے خاتمہ کے لیئے اختیار کیئے گئے تھے ذکر نہ کردوں تو گویا میں نے تمام کارروائی آنکھ بند کرکے کی۔ یہ آگ بیکایک نہیں بھڑکی تھی بلکہ پیشتر ہی سے تیار شدہ سرنگ اڑانے کے لیئے رکھی ہوئی تھی۔

سازش کے ثابت کرتے وقت میں کسی خاص گروہ کا نام جسنے ہندوستانی فوج میں بغاوت کرنے کے لیئے جتھہ پیدا کیا ہوا اس طرح صاف نہیں بتا سکتا جس طرح کہ اُس کا ظہور ہوا مگر جو شہادت

ہمیں دستیاب ہوتی ہے' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسی سے بہت قبل سے انگریزوں کے خلاف مسلمانوں میں بڑا جوش اور بددلی پھیلی ہوئی تھی اور یہ بددلی اُن چالاک اور بدمعاش آدمیوں کی وجہ سے تھی جنھوں نے اپنے فائدہ کے موقع کو کسی طرح ہاتھ سے نجانے دیا- ان اسباب میں الحاق اودھ بھی ایک سبب ہے-

مسلمانوں کی ناراضگی تو خاصکر آخری اسلامی سلطنت کے برباد ہوجانیکے خیال سے تھی اور ہندو سپاہیوں کی اور کسی وجہ سے مگر اس معاملہ میں دونوں برابر تھے- اس سے غالباً اُنکے کمپنی کے مستحق ملازمت ہونے میں کمی ہوئی اور اُنھوں نے زمینداروں کے جھگڑوں اور معاملوں میں انگریزی گورنمنٹ کے رسوخ اور حکمت عملی پر اعتماد نکیا اور اپنے کو انگریزوں کے اختیار میں سمجھا-

جٹمل گواہ نے ہندو سپاہیوں اور ہندو تاجروں کے خیالات کا بیّن فرق بیان کیا ہے اور ممکن ہے کہ علاوہ اور اسباب کے الحاق اودھ بھی ایک سبب ہوگیا ہو- جب اس سے یہ سوال ہوا کہ اس معاملہ میں مسلمان اور ہندوؤں کے خیالات میں کچھ فرق تھا تو اُس نے یہ جوابدیا "ہاں مسلمان تو سب انگریزی حکومت کی بیخ کنی پر خوش تھے مگر ہندو بساطی اور تاجروں کو اس سے خوف ہوا تھا" مگر آگے چلکر اُس نے یہ بھی بیان کیا کہ فوج میں ہندو و مسلمان دونوں انگریزوں سے کبیدہ خاطر ہورہے تھے اور یہی بات ہمارے تجربہ سے بھی ثابت ہوئی-

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستانی فوج میں ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ تھی مگر اس سے وحشیانہ بغاوت میں کوئی روک نہیں پڑی اور جہانتک فوج کا تعلق تھا ہندو اور مسلمان دونو ایک ہورہے تھے مگر فوج کے علاوہ سازش میں مسلمان ہی شریک تھے اور میرے خیال میں

مسلمانوں کی سازش کیوجہ سے فوج کے دلوں سے بوے وفاداری جسپر اُسے ناز و غرور تھا جاتی رہی تھی۔ یہ ایسی بات نہیں ہے جسکے لیئے گزشتہ سالوں کا حوالہ دیا جائے اور اُن اسباب کا کھوج لگایا جائے جو اُن لوگوں کا اعتبار کھونے کے لیئے جو اب بیوفائی میں مشہور ہیں جمع ہوگئے تھے۔

ان میں سے بعض اسباب جو مسلسل واعظین کی مخالفت کی وجہ سے ہوئے گورنمنٹ کے اختیار سے باہر ہیں۔ مگر اس موقع پر بلوہ سے کچھ ہی پیشتر کے واقعات کا جب ہندوستانی فوج کی رجمنٹوں کی حالت مشکوک ہونے لگی تھی تذکرہ کر دینا کافی ہوگا۔ یہ حالت نہ صرف انگریزی افسروں ہی کو معلوم ہوئی تھی بلکہ سب کو اس کا حال کھل گیا تھا۔ قاصدوں یا بذریعہ تحریرات کے آپس میں خط و کتابت جاری ہوگئی تھی اور جو نصیحت اس سے حاصل ہوئی وہ جلد نہیں بھولنے کی۔ اس بحث سے میری یہ مراد نہیں ہے کہ ہندوستانی فوج اس وقت سے بحث کرنیوالی سوسائٹی ہوگئی تھی۔ نہیں ہرگز نہیں۔ میرا یقین ہے کہ اکثر سپاہی اپنے رنگ میں گورنمنٹ کے عمدہ ملازم تھے۔ الفاظ "اپنے رنگ میں" میں اس وجہ سے استعمال کرتا ہوں کہ میرے نزدیک قدرے استحکام کی اُن میں کمی ہے اور اخلاص اور راستبازی کا مضبوط خیال اُن میں نہیں ہوتا۔ اُنکی وفاداری اصول سے زیادہ عادت پر مبنی ہوتی ہے جس پر توہمات کا زیادہ اثر پڑتا ہے مگر وہ سچے مذہب کی قوت کو قائم نہیں رکھ سکتے۔ ایسے گروہ میں کچھ نہ کچھ طامع مفسد ضرور ہونے چاہئیں اور جو شخص مذاہب ایشیائی طرز سے واقف ہو وہ جلد اور خاصکر ہندوؤں کے متعلق اس بات کو تسلیم نہ کریگا جن میں سے بہت کم برائی کی طرف راغب ہوتے ہیں مگر بیشتر نیکی کی طرف۔ آؤ صرف تین یا چار سرگروہوں کو ارتکاب جرم میں بہ ترغیب یا انھیں بغاوت کی خفیہ سازشوں میں یکجا کر دیں تو باقیماندہ اگر فوراً پریشاں نہوں کبھی تو اُنکے روکنے اور

دبانے کا خیال بھی نہ کرینگے۔ ممکن ہے وہ اپنے کو ان سازشوں سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے بری کرینگے۔ مگر یہ ہرگز ظاہر نہیں ہوتا کہ مذہبی یا ملکی خیال سے انھوں نے بلوہ یا قتل کے روکنے کے لیئے فوری کارروائی کی ہو۔ سخت سے سخت جرموں میں بھی اس طرح ڈھیل ملی ہے اور چند آدمیوں کی خرابی کی وجہ سے سب پر یہ بربادی نازل ہوئی۔ انھیں خرابیوں کی وجہ سے بغاوت میں بھی روز افزوں ترقی ہوئی اور میرے خیال میں اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اس بارہ میں نہ تو کوئی تحریر اور نہ کوئی شہادت ابتک عدالت میں پیش ہوئی ہے۔ بیشک سپاہیوں کے بارے میں ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی ہمارے ہاتھ نہیں آئی تاہم یہ بات صحیح ہے کہ بلوہ سے ایک یا دو مہینہ بیشتر ہمارے سپاہیوں میں خط وکتابت معمول سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ اس واقعہ سے اور ان واقعات سے جن کا ہمیں علم ہوچکا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور کوئی نہ کوئی ایسا جوشیلا کام ہو رہا تھا جسکی وجہ سے بددلی اور بے ترتیبی پیدا ہوئی۔ اوپر میں کہہ چکا ہوں کہ جو کچھ ہوا وہ مفسدوں کے زہریلے اثر کی وجہ سے ہوا شاید اس سے یہ سوال پیدا ہو کہ اور باتوں سے زیادہ اس کا اثر کیوں ہوا۔ بعض اسباب کا میں ذکر کرچکا ہوں مثلاً الحاق اودھ انگریزی تہذیب کی زیادتی اور بیجد ترقی جسکی قدرتی رو میں اُن چھوٹی چھوٹی روکوں کے بہ جانے کا اندیشہ ہوا جو واعظین نے جہالت قائم رکھنے کے لیئے بنائی تھیں اور جو قدرتی علوم کی روشنی سے بے بہرہ رکھنے کے ساتھ مذاہب کی بربادی کا سبب ہوتی ہیں۔

میرا یہ بھی یقین ہے کہ ان بغاوت پیدا کرنے والوں نے مذہبی معاملات میں گورنمنٹ کی آئندہ سخت دست اندازی کا حوالہ دیکر گورنمنٹ کے جدید کاموں پر بےچینی اور پریشانی پھیلائی ہوگی۔ ہندو بیواؤں کا ازدواج ثانی۔ عام ملازمت کے لیئے اندراج اور کارتوسوں کے

متعلق کا ذکر کرتا ہوں مگر مجھے اس بارہ میں لوگوں کی طرف سے معافی پیش کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اُن کا برتاؤ نہایت قابل نفرت رہا ہے۔ وہ غرور میں ایسے بھرے اور جہالت میں ایسے ڈوبے ہوئے تھے کہ فوج سے مقابلہ کرنے اطاعت سے منکر ہونے میں اُنھوں نے اپنے کو بہت کافی سمجھا۔ باہمی تعلقات کے تجربہ کی وجہ سے اُنھوں نے گورنمنٹ سے اپنے خیالی تکلیفات کی شکایت کی تدبیر سوچی مگر کل فوج نے یا یہ کہو ہندوستانیوں نے نمبر ۳ لائٹ کولری کے سواروں کے مقدمہ میں تجویز سنائی جانے سے پیشتر ہی کھلم کھلا بغاوت کرنے پر کمر باندھ لی تھی جس کا ثبوت میرے نزدیک کما حقہ طور پر دستیاب نہیں ہوا ہے۔

کوئی شبہ نہیں کہ ہیجیں کرنے والے خیالات اور پریشان کن خوف اور غدر کی ہوائیں اس وقت تک عمائدین کے دماغوں میں چکر لگا رہی تھیں۔ سپاہیوں کا بھی غالباً یہ خیال تھا کہ اگر ہم ظاہر میں سلامی ادا کرتے اور تابعداری کی صورت بنائے رہیں گے تو فوجی احکام نہ ماننے میں زیادہ جرم نہ ہوگا۔ اُنھیں اپنی جتھہ بندی اور تعداد پر بھروسہ تھا اسلئے بعد میں اُنھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ شکایت کے کسی موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے اور یکجائی درخواستیں کر دیتے تھے۔

ایسی صورتوں میں مسلمان اور ہندوؤں میں کچھ تمیز نہ رہی تھی وہ فوراً مل جاتے تھے اور گستاخانہ تحریریں لکھا کرتے تھے۔ اگر ہم پرانی تاریخ اُٹھا کر دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوجائیگا کہ مشرقی فوج کی عام عادت رہی ہے اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ جاہلوں و بیوفاؤں و بدمذہبوں کو قوت و اختیارات دیئے جاتے ہیں۔ تعلیم و وفاداری و مذہبی اصول کے بغیر فوجی اختیارات بہت خوفناک ہوجاتے ہیں اور جو لوگ ایسے اختیارات دیتے ہیں وہ

اول نشانہ تیر بنتے ہیں۔ اس کے برعکس یہ دیکھا گیا ہے کہ ہننے اور جاہلوں نے فساد بہت کم کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہندوستان کے پیشتر کے بادشاہوں کے زمانہ میں ہندوں کو زبردستی مسلمان کرنا بھی اُنکو مخالفت پر آمادہ کرنے کے لیئے کافی نہ تھا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کے خلاف جو کچھ کوشش ہوئی وہ سپاہیوں ہی کی طرف سے ہوئی۔ سابق زمانوں میں ملکی یا دیگر اغراض کے لیئے مختلف فرقوں کے آدمیوں کے اتفاق کرنے میں شاید مذاہب کی تمیز سخت مانع آتی ہوگی مگر ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ قومی اتحاد کی وجہ سے بہت سی خود مختار معزز سوسائٹیاں بن گئی ہیں۔ یعنی ہندوستان کے آدمی خفیہ میٹنگ کرنے کے عادی ہوگئے ہیں۔ جن میٹنگ میں اُنھیں رسم واتحاد کے ابتدائی سبق پڑہا کے جاتے ہیں اور اس میں اُنکو خفیہ اور راز کے معاملوں میں اتفاق کرنے میں سہولت ملتی ہے۔

ایسی حالت میں اتفاق کرنے کے لیئے صرف وسائل اور موقع کی ضرورت ہوتی ہے اور کوئی شخص اس بات کو نہیں جانتا کہ فوج نے ایک بات کی تو حوادث زمانہ نے دوسری بات پیش کردی۔

اس موقع پر برہمن اور مسلمانوں میں بیغرضانہ اتفاق تھا۔ فوج میں وہ پیشہ۔ لباس اور انعام کے لحاظ سے بھائی بھائی تھے۔ وہ ایک دوسرے کے تہواروں میں اکثر شریک ہوا کرتے تھے اور اس اتفاق پر گورنمنٹ کی چشم پوشی کا یہی نتیجہ ہونا تھا۔ میں وہ کل باتیں جن کے سبب یہ مصیبت پیش آئی اس جگہ بیان نہیں کرنا چاہتا۔ شاید بے محل ہونے کے سبب نامنظور کیجاویں۔ مگر میرا خیال ہے کہ کارتوسوں کے معاملہ میں بات نے طول نہیں پکڑا۔ سپاہیوں میں پیشترہی سے اس معاملہ میں تیاریاں ہورہی تھیں اور تمام ملک اور خاصکر مسلمانوں میں بیچینی پھیلی ہوئی تھی۔ میرے نزدیک جو واقعات اس معاملہ میں ظاہر

ہوئے اُنھیں "مسلمانوں کی سازش" سے موسوم کرنا چاہیئے۔ اس سے خاص منشا یہ تھا کہ انگریزی سلطنت کی طرف سے بددلی و بے اعتباری پھیلادیں اور جھوٹی اور بُری خبریں اُڑا کر گورنمنٹ کی نہایت بیجا مہربانی پر افترا پردازی کرکے انقلاب اور بلوہ کے لیئے لوگوں کو آمادہ کردیں۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اسکی ابتدا قیدی اور اُسکے معتمدوں سے ہوئی جو اُس کے خفیہ اور راز کے جلسوں میں شریک ہوتے تھے مثلاً حسن عسکری وغیرہ میرے خیال میں کوئی آدمی اس بارے میں شبہ نہیں کرسکتا کہ شیدی قنبر کو خطوط دیکر فارس اور قسطنطنیہ اُس ملک کے بادشاہ کے پاس بطور ایلچی بھیجنا اور اس سے مدد اور تخت نشینی کی التجا کرنا قیدی کی خاص سازش تھی جو ضمناً حال کے خوفناک بلوہ اور اُسکے ہولناک نتیجوں میں ثابت ہوئی۔

مئی ۱۸۵۷ء سے ٹھیک دو سال پیشتر شیدی قنبر کا روانہ ہونا اور جن دنوں میں بلوہ ہوا اُنھیں دنوں میں اُسکے واپس آنیکا وعدہ کرنا قابلِ لحاظ بات ہے۔ اگر ہم اس بات کو مسلمانوں کی پیشین گوئی سے مقابلہ کریں کہ جنگ پلاسی واقعہ ۱۷۵۷ء سے ایک صدی بعد انگریزوں کی حکومت ہندوستان سے جاتی رہے گی تو ہمیں دوبارہ ہندوستان کی بادشاہت حاصل کرنے کے متعلق اُنکے تعصب کا یقین ہوسکتا ہے۔

میں حسن عسکری کے خواب اور اسکی تعبیر کا تذکرہ کرچکا ہوں بادشاہ اور اُسکے لواحقین کی خواہشات کے مطابق تھا۔ شاید یہ واقعہ ہمیں خفیف معلوم ہو مگر مخاطبین کے وہمی دماغوں پر گہرا اثر کرنے اور اُن باتوں پر یقین کرنے کے لیئے خوب بنایا گیا تھا جو ایسے شخص کی زبان سے نکلیں تھیں جسے صاحبِ معجزہ اور حکم اللہ مانا گیا تھا۔ ہمیں محمد درویش کی درخواست سے جو اُس نے مسٹر کولون لفٹنٹ گورنر کو بھیجی تھی معلوم ہوا تھا کہ حسن عسکری نے

اُس وقت بادشاہ کو یقین دلایا تھا کہ اُسے خبر لگی ہے کہ شاہِ فارس نے بوشہر کو فتح کر کے اُس پر قبضہ کر لیا ہے اور عیسائیوں کو بالکل خارج یا سب کو قتل کر دیا ہے۔ اور بہت سوں کو قید کر لیا ہے اور بے شبہ ایرانی فوج براہ کابل و قندھار دہلی روانہ ہونے والی ہے۔ اس کے علاوہ اُس نے یہ بھی لکھا تھا کہ قلعہ میں اور بادشاہ کے خاص محلات میں دن رات ایرانیوں کی آمد کے تذکرہ ہوتے ہیں۔ حسن عسکری نے بادشاہ کے یہ بھی ذہن نشین کر دیا ہے کہ مجھے مکاشفہ سے معلوم ہوا ہے حکومت ایران لاریب دہلی تک بالکل ہندوستان تک پھیل جائے گی اور سلطنت دہلی کی شان و شوکت پھر تازہ ہو جائیگی کیونکہ شاہ ایران تاج شاہی بادشاہ کے سر پر رکھ دینگے۔ محرر یہ بھی لکھتا ہے کہ تمام قلعہ بالکہ خاص کر بادشاہ کو اس گفتگو سے کمال مسرت ہے اور نوبت یہانتک پہنچی ہے کہ دعائیں مانگی اور منتیں مانی جاتی ہیں اور ساتھ ہی حسن عسکری غروب آفتاب سے قبل ڈیڑھ گھنٹہ تک روزانہ ختم پڑھتا ہے کہ ایرانی جلد آ جائیں اور انگریزوں کو نکال باہر کریں۔ ہر جمعرات کو کھانے۔ روٹیاں و تیل و پیسے و روپے و کپڑے ٹھیلے کے ٹھیلے بھر بھر کر بادشاہ کے ہاں سے حسن عسکری کے ہاں ختم کی زکوٰۃ میں جاتے ہیں۔"

ہم دیکھتے ہیں کہ اس معاملہ میں وائظین کو کسقدر دلچسپی اور مصروفیت تھی اور مسلمانوں کی سازش کیسی صریح اور کامل تھی۔ اگر ہم پس پردہ ان رسموں کو ہوتے دیکھتے اور دعاؤں اور منتوں کو اپنے کانوں سے سنتے جو ایرانیوں کی آمد اور عیسائیوں کے خروج کے لیے ہوئی تھیں تو ہم بلاشبہ ان دہشتناک غموں کے پیش بینیوں کی تصویر کھینچ لیتے جنکی وجہ سے گزشتہ سال ہمیشہ کے لیے غم کی یادگار لیگیا۔

جب ہم ان مسلمانوں کی نہ صرف حرکات کو بلکہ اُنکی عام نفرت کو جو انکی درخواستوں سے

مترشح ہے جو اسی دنیا پر ختم نہیں ہوتی بلکہ آخرت میں بھی ہمارے لیئے دائمی تکالیف ثابت کرتی ہے تو اُنکے بغض کو خیال کرتے ہوئے ہم اپنے آپ میں نہیں رہتے

سامع یہ بات دریافت کیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کیا انگریزوں کے متعلق ایسے خیالات رکھنے والے آدمی ہندوستان میں لاکھوں ہیں؟ میں اُن لوگوں کا تذکرہ نہیں کرتا جو یہ بات سن کر فوراً رائے قائم کریں اور اُنھیں میری رائے کی ضرورت نہو۔ مگر ہمیں مسس الول سے معلوم ہوا ہے کہ محرم میں اُنھوں نے مسلمانوں کی عورتوں کو اپنے مذہب کی کامیابی اور انگریزوں کے غارت ہونیکی دعائیں مانگتے اور بچوں کو اُنھیں دعاؤں کی تلقین کرتے سنا تھا۔ بیکس عورتوں اور بچوں کی ظالمانہ موت اور تکالیف سے بھی اُنکے کینے کی آگ نہ دبی اور اُنکے دلوں میں رحم ذرا بھی نہ پیدا ہوا۔ کیونکہ ہمیں مقامی اخبار کے ذریعہ معلوم ہوا ہے کہ جس وقت قتل ہونے کو تھا کوئی دو سو مسلمان حوض سے لگے ہوئے کھڑے تھے۔ اور قیدیوں کو نہایت قبیح گالیاں دے رہے تھے۔ اگر اس بات کی اچھی طرح تصدیق نہ ہوتی تو ایسے سخت کینے کا یقین مشکل آتا۔

اس اڈریس میں میں نے اُن واقعات کو پیش نظر رکھا ہے جن سے یہ معلوم ہوا ہے کہ خاصکر مسلمانوں کے فساد اور سازش کی وجہ سے سنہ ۵۷ء کی دہشتناک آفات واقع ہوئیں میں نے حتی الوسع اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قیدی ہندوستان میں اسلامی پیشوا ہونے کی حیثیت سے اس سازش کے ترتیب میں خواہ بطور پیشوا یا بطور رفیق مذہب کسقدر تعلق رکھتا تھا۔

ہندوؤں کو بالعموم بلوہ کرنے اور فوج کو بالخصوص بغاوت پر آمادہ کرنے میں ہندوستانی مطابع اور مسلمانوں نے جو کچھ حصہ لیا ہے اُس کا بھی میں تذکرہ کر چکا ہوں اور ان واقعات

کی مزید تصدیق سے یہ بات بخوبی ظاہر ہو جائیگی کہ مسلمانوں ہی کی نمبر ۳ لائٹ کولری نے میدان پریڈ پر کارتوس لینے سے انکار کیا تھا۔ ان میں سے ۸۵ یعنی بیشتر مسلمان تھے ان لوگوں کا کچھ مذہب نہ تھا اور انکے نزدیک سور کی چربی یا گائے کی چربی کا ملا ہوا ہونا یا نہونا برابر تھا کپتان ماٹینو ہم سے بیان کرتا ہے کہ انبالہ ڈپو میں جہانتک کارتوسوں کے معاملہ کا تعلق تھا مسلمان سپاہی اس کا مضحکہ اُڑاتے تھے اور اس طرح ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے بلا کسی بہانہ یا غدر کے کھلم کھلا بغاوت پر کمر باندھ لی تھی۔ اُنکی بناوٹی تکلیفوں میں کچھ کمی نہ آئی اور اُنھوں نے ہمارے خلاف بلوہ کرنے میں فوراً اتفاق کر لیا اور ہندوؤں کو زبردستی مذہب ترک کرانے کے خیال پر ظاہرداری سے جوش دیکر اپنے ساتھ ملجانیکی ترغیب دی۔ اس بارہ میں ہمارے پاس شہادت ہے اور یہ ایسا حیلہ تھا جس میں ہندوؤں کے ساتھ ذرا بھی ہمدردی نہیں پائی جاتی اور نہ ہندوؤں نے اُسکے دریافت کرنے میں کوشش کی کیونکہ جو شہادت ہم نے بارہا نقل کی ہے اُس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہیڈن کی لڑائی کے ہی بعد اُنھوں نے معاملات کے پہلو بدل لینے پر بہت افسوس کیا مسلمانوں کو دھوکہ دینے پر لعنت ملامت کی اور اس بات پر مشکوک معلوم ہوتے تھے کہ واقعی انگریزی گورنمنٹ کا یہی منشا تھا کہ ہمارے مذہب میں مداخلت کرے؟ بہت سے ہندو سپاہیوں نے اُس وقت یہ ظاہر کیا کہ اگر ہماری جان بخشی ہو جائے تو بخوشی سرکاری ملازمت کرنے کے لیئے واپس چلے جائیں۔ مگر مسلمان برخلاف اس کے اسی بات پر جمے ہوئے تھے کہ انگریزوں کی نوکری سے شاہی ملازمت بدرجہا بہتر ہے اور یہ کہ نواب راجہ بادشاہ کو اگر فوجیں مل گئیں وہ ایک دم فتح حاصل کر لیں گے"،

اگر ہم مختلف حالات پر جو ہمیں دوران تحقیقات میں معلوم ہوئے ہیں قدیم زمانہ کے

متعلق نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوجائیگا کہ اس کل کارروائی میں مسلمان ہی سب کچھ تھے۔ یعنی مسلمانوں کا صاحب مکاشفہ و صاحب معجزہ واعظ۔ مسلمان بادشاہ اور اس کے احمق رفیق۔ مسلمانوں کی نتیجہ خیز خفیہ سفارت ایران اور ٹرکی کی مسلمان قوتوں کے پاس۔ ہمارے زوال کے متعلق مسلمانوں کی پیشین گوئیاں۔ مسلمان سلطنت کا ہمارے بعد ہونا۔ مسلمان قاتلوں کے ہاتھ سے نہایت بیرحمی کا قتل۔ اسلامی عروج کے لیئے مذہبی لڑائی۔ بڑی مدد دینے والے اسلامی مطابع اور بغاوت کی ابتدا کرنیوالے مسلمان سپاہی۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں ہندو مذہب پر نہ کہیں الزام دیا گیا اور نہ اُسکی تائید کی گئی اگر اُنھوں نے کہیں سر بھی اُٹھایا ہو تو محض اپنے معتمد ہمسایوں کی حکم برداری کی وجہ سے ہوا ہو۔

مسلمانوں کی سازش کے متعلق جسقدر بحث تھی وہ اب ختم ہوگئی۔ ممکن ہے کہ اس کارروائی میں اور بھی نکات پیدا ہوں مگر میں صرف دو باتیں چھانٹ کر بیان کرتا ہوں جو میرے نزدیک نہایت ضروری معلوم ہوئیں۔ مگر بحث ختم کرنے سے پیشتر میں ایک سوال ور کپتان مارٹینو کا جواب نقل کرنا چاہتا ہوں۔

"کیا تم نے دیسیوں کو عیسائی کرنے میں انگریزی مشنری کی کوشش کے متعلق سپاہیوں کو شکایت کرنے سُنا"

(جواب) "نہیں میں نے اپنی عمر میں نہیں سُنا میرے خیال میں کبھی اُنھوں نے اس امر کی پروا بھی نہیں کی"

میرے نزدیک افسر کو سپاہیوں کے چال و چلن کا تجربہ نہیں ہوا اور نہ اُنکے خیالات اور اعتقادات کا علم ہوا اگر اس رائے کی صداقت بہت جلد ثابت ہوجائیگی۔ ہندوستان میں علانیہ مشنری سے کچھ خوف نہ تھا۔ جس بات سے سپاہیوں یا ہندوستانیوں کو خوف تھا وہ مذہب

عیسوی میں سچی تبدیلی نہ تھی۔ اگر یہ بات پند و مثال کی ترغیب کی وجہ سے ہوتی جسکے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے تو اس سے کسی مذہب کے اعتقاد پر حملہ نہیں ہوتا اور نہ جوشیلی مخالفت پیدا ہوتی ہے جہانتک مجھے علم ہے عیسائی بنانے کی کوشش پر کسی ہندوستانی نے ناراضگی ظاہر نہیں کی اور اگر اُنکی نظروں میں یہی سمایا ہوا ہو تو کون اس تاریک اور ذلیل غلطی کو دور کرسکتا ہے کہ عیسائی مذہب خود ایسا ہے اور اُس کے ممیز اصول ایسے ہیں کہ ہر شخص اُسکی طرف مائل ہوتا ہے۔

اگر یہ پست خیال اُن کے دلوں سے دور ہوجاتا تو ہندوؤں کا بڑا خوف اُس کے ساتھ ہی جاتا رہتا۔ اُن کو یہ بات جتا دینی چاہیئے کہ زبردستی عیسائی کرنا ناممکن ہے اور تم باغیوں کو اُنکی شرارت کے سخت حربہ سے محروم کرتے ہو۔ مذہب عیسائی کی اگر اصل شان معلوم ہوجائے تو ہندوستانیوں کے دلوں سے اُسکا خوف جاتا رہے۔ تاریکی ہونے کی وجہ سے اُس کا نام بُرائی کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اگر اس معاملہ میں زیادہ گفتگو کروں تو سلطنت کی پالسی میں دست اندازی ہوگی۔ اس لیئے اب میں عدالت کا خاموشی کے ساتھ اس بحث کی سماعت کرنیکے عوض اور مسٹر مرفی ترجمان کا اُنکی قابلانہ مدد کے بدلے جو اس معاملہ اور دیگر سرکاری تحقیقات میں دی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ بحیثیت ایشیائی عالم اُسکی قابلیت مشہور ہے۔ وہ بلاتامل اُن زبانوں کو بول سکتا ہے۔ اُس نے ہر قسم کی تحریرات کو آسانی پڑھا اور بادقت اُن کا صحیح مطلب سمجھا۔ اور ترجمہ کیا۔ اُسکی اُردو اور فارسی میں کامل واقفیت مانی ہوئی ہے۔ جو نوٹ اکثر کاغذات پر لگائے گئے ہیں وہ قابل قدر ہیں اور خود اُنکی قابلیت کا اور محنت ترجمہ وغیرہ کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر میں اس طرح اُنکی شکرگزاری نکرتا تو اُنکے نزدیک اور خود اپنے نزدیک مجھ میں نقص ہوتا۔

مرقومۂ دہلی ۹ مارچ ۵۸ شہء

دستخط ایف جے- ہیریٹ میجر
ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل وکیل سرکار

عدالت اپنی تجویز پر غور کرنے کے لیئے بند ہوئی-

تجویز

جو شہادت عدالت کے روبرو ہے اُسکی رو سے اُسکی رائے یہ ہے کہ قیدی محمد بہادر شاہ دہلی کا خارج شدہ بادشاہ اُن کل اور جزو الزامات کا جو اُس پر لگائے گئے مجرم ہے۔

دستخط- ایم- ڈاس- لفٹنٹ جنرل
پریسیڈنٹ

دستخط- ایف- جے- ہیریٹ- میجر
ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل

میں تجویز کو مستحکم کرتا ہوں

دستخط- این- پینی- میجر جنرل
کمانڈنگ قسمت میرٹھ

مورخہ ۲- اپریل ۱۸۵۸ء
کمپ سہاردن

مقدمہ کی کارروائی کو ناظرین نے سخت افسوس اور تعجب سے پڑھا ہوگا اور کم سے کم اس سے یہ نتیجہ تو ضرور نکالا ہوگا کہ انگریزی فوجوں کی بغاوت کے اسباب خواہ کچھ ہی کیوں نہوں لیکن یہ تو ضرور پتہ چلتا ہے کہ بغاوت ہونے سے پہلے اہل قلعہ یا خود بہادر شاہ کی کوئی سازش سرکاری فوج سے نہ تھی رہا یہ کہ بہادر شاہ کے کسی ملازم نے کسی انگریزی افسر کو بہادر شاہ کی ملازمت کے لیے ترغیب دی یہ ایسی معمولی بات ہے جو ذرا بھی سازشی کارروائی پر روشنی نہیں ڈالتی۔ ہاں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جب بغاوت کو عروج ہوا ہے اور باغی سپاہ جوق جوق دہلی میں چلی آئی ہے تو اہل قلعہ اور خود بہادر شاہ کو محض اس لاعلمی کی وجہ سے جو وہ انگریزی قوت کی رکھتے تھے یہ یقین ہو گیا ہو کہ پھر ہماری حکومت ہندوستان میں قایم ہو جائے گی اور محض اس لغو خیال نے انھیں باغیوں کے ساتھ سازش کرنے کا موقع دیا ہو۔ خاص قلعہ میں عورتوں اور بچوں کا قتل واقعی ایک ایسا ناقابل معافی اور غیر رحمانہ فعل ہے کہ جس کی نظیر دنیا میں نہیں مل سکتی اسی وجہ سے جج ایڈوکیٹ نے اپنے ایڈریس میں بہادر شاہ اور مسلمانوں کی نسبت بہت درشت الفاظ کا استعمال کیا اور یہ ایک فطری امر ہے کہ ایسی حالت میں طیش اور غضب کی یہی حالت ہو جاتی ہے۔ غرض جو کچھ خدا کو منظور تھا وہ ہوا ہمیں اس کے متعلق زیادہ تفصیل سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے واقعات سب قلمبند کر دیے ہیں ناظرین خود نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ ہاں اتنا ہم ضرور لکھتے ہیں کہ ظلم خدا کو پسند نہیں ہے اور اسکا عملی ثبوت غدر میں پورا پورا ہو گیا۔

پانچواں باب

آثار الصنادید

ازنقش ونگار درودیوار شکستہ آثار پدیدست صنادید عجم را

لال قلعہ

اِس قصر یا لال قلعہ کو شاہ جہاں نے بنایا تھا اور اِس کی تعمیر سنہ ۱۰۵۹ ہجری یعنی سنہ ۱۶۴۸ میں ختم ہوئی۔ اس کی نسبت فی الواقع یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اِس سے زیادہ پُرشان کوئی ہندوستانی قصر ہندوستان و ایران مین نہیں ہے۔ اِس کے ایوانوں کی مختلف الالوان پتھروں کی پچی کاری ہر ایک میں گنگا جمنی کا لطف دکھاتی ہے اُن کل وحشی اقوام کے ہاتھوں سے جنھوں نے متعدد اوقات میں دہلی کو لوٹا ہے یہ قصر جو فی الواقع عجائبات دنیا میں سے ہے بچ رہا لیکن غدر کے بعد بعض انگریزی حکام کی بے احتیاطیوں نے اِس پر مطلق رحم نہ کھایا۔ انھوں نے کل اُن حصوں کو جو کام میں نہ آسکے منہدم کر دیا اور اُن کے مسالے سے گورونکی بارکین بنالیں۔ اُنھوں نے فقط اُن ہی دیوانوں کو قایم رکھا جو کبھی اُن کے کام میں آئین چونکہ ان میں نہایت نازک رنگین پتھر جڑے ہوے تھے اور فوجی طویلے اور گوروں کی خوابگاہیں بننے کے بعد اُن کا صاف کرنا کسی قدر دشوار تھا اسلیے اُنھوں نے بہت اہتمام کے ساتھہ اُن پُرتکلف دیواروں پر چونا پھیر دیا مگر اُن کی اِس حرکت پر اِس قدر شور و غوغا ہوا اور منصف مزاج انگریزوں اور قدر دانوں نے وہ واویلا کیا کہ آخر اُن جدید ملک گیران ہندوستان کو ضرور ہوا کہ اپنے جمائے ہوے چونے کو کُھرچ ڈالیں اِس طرح سے جو کچھہ بچ بچا گیا ہے اِس سے یہ کافی اندازہ

ہوسکتا ہے کہ اِس قصر کی حالت بربادی سے پہلے کیا تھی۔

موسیو روسلے بیان کرتے ہیں " اس قصر کا اندرونی حصہ ایسا پُر تکلف ہے کہ نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سُنا۔ ستونوں محرابوں اور لداؤ کی چھت کے حاشیوں پر عجیب وغریب عربی حروف کی گلکاریاں رنگ برنگ کے قیمتی پتھروں کی جو سنگ مرمر میں جڑے ہیں بنی ہوی ہین۔ آفتاب کی کرنین جسوقت اِن محرابوں میں سے ہو کے اِس وجد میں لانے والی پچی کاری پر پڑتی ہین تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پھولوں کے ہار جو سنگ زنگار اور مختلف اقسام کے بلور اور دوسرے پتھروں سے بنے ہوے ہین گویا زندہ ہوگئے۔

اس قصر کو اِس کے زمانہ عروج میں دو فرانسیسی سیاحون نے دیکھا ہے ایک اِن میں برنیر طبیب تھا جو سند حاصل کرنے کے بعد دہلی آیا اور شاہجہاں کا طبیب بن گیا اور دوسرا ٹورنیر جوہری تھا ان کے سفرنامے سنہ ۱۶۷۶ء اور سنہ ۱۶۷۷ء میں شایع ہوے اور ان سفرناموں میں مشرقی تکلفات کا پورا بیان ہے۔ ٹورنیر کو تو اجازت مل گئی تھی کہ کل شاہی جواہرات کو جانچے اور ان کا نقشہ کھینچے اِس نے اپنی کتاب میں اِن میں سے بیش بہا جواہرات کی تصاویر اور قیمتیں درج کی ہیں اِس قصر میں سات تخت تھے جو ہیروں سے جڑے ہوے تھے اِن میں سب سے بڑے تخت کی قیمت کا اندازہ سولہ کرور پانچ روپیہ کیا تھا۔

ایک یورپی سیاح جو اول درجہ کا متعصب ہے اور جس نے واقعات کے قلم بند کرنے میں شاہان مغلیہ کی توہین کا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا زمانہ عالمگیری کے قلعہ کی حالت حسب ذیل لکھتا ہے "قلعہ کی دروازہ کی عمارت میں کوئی چیز قابل ذکر نہین بجز اسکے کہ دونوں طرف

دروازہ کے پتھر کے دو بڑے بڑے ہاتھی کھڑے کیے گئے ہیں ایک ہاتھی پر چتوڑ کے مشہور و معروف راجہ جیمل کی مورت بنی ہوئی ہے اور دوسرے پر اس کے بھائی فتّا کی یہ دونو بڑے بہادر تھے چونکہ یہ شاہی فوجوں سے کٹ کٹ کے لڑے تھے اس لیئے بانیان مغلیہ نے محض ان کی بے نظیر شجاعت کی داد دینے کی غرض سے بطور یادگار اُن کی مورتیں بنا کے قلعہ کے دروازہ پر کھڑی کر دی تھیں۔" ماثر عالمگیری میں لکھا ہے اورنگ زیب نے اپنے گیارہویں سال جلوس مطابق سنہ [illegible] ہجری میں پتھر کے دو پورے قد کے ہاتھی جو نہایت عمدہ صنعت کے بنے ہوئے تھے اور دروازہ قلعہ کے دونوں جانب نصب تھے اور اسی وجہ سے اس دروازہ کو ہتھیا پول کہتے تھے شریعت کے لحاظ سے اُٹھوا دیئے نعمت خاں عالی نے اپنی مشہور کتاب وقائع میں ان ہی ہاتھیوں کے متعلق یہ شعر لکھا ہے۔ ؎

آن صورتِ مہاوت فیلان ہتھیا پول
مارا چہ فیل بند حساب و کتاب کرد

یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ہتھیا پول کس دروازہ کا نام ہے بعض نقار خانہ کے دروازہ کو اس نام سے پکارتے ہیں اور بعض کسی دوسرے دروازہ کی نسبت لکھتے ہیں بہرحال یہ بات تو پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ عالمگیر کے وقت میں قلعہ کے ایک دروازہ پر ہاتھی ضرور تھے۔ پھر یورپی سیاح لکھتا ہے" اس دروازہ سے قلعہ میں داخل ہو کے ایک لمبا اور وسیع راستہ ملتا ہے جسکے بیچ میں ایک نہر جاری ہے اور دونوں جانب پانچ یا چھ فٹ اونچا اور چار فٹ چوڑا ایک چبوترہ بنا ہوا ہے جس کے آگے دونو طرف برابر برابر محراب دار دالان چلے گئے ہیں جن میں مختلف کارخانہ کے داروغہ اور کم درجہ کے عہدے دار بیٹھے ہوئے اپنا کام کیا کرتے ہیں اور منصب دار جن کو پہرہ دینے آتے

ہیں وہ بھی اِسی چبوترہ پر کھڑے ہو کے پہرہ دیتے ہیں۔ وہ خوشنما نہر جو دروازہ کے بیچ میں سے نکالی گئی ہے اس کا پانی اوّل محلسرائے میں جاتا ہے اور پھر وہاں سے موقع بموقع کل مکانوں میں پہنچتا ہے اور اِس کے بعد قلعہ کی خندق میں جا گرتا ہے یہ نہر مغل انجینروں نے دہلی سے ۱۵ یا ۱۴ میل کے فاصلہ سے دریائے جمنا سے کاٹی ہے اور بڑی محنت اور انجینری کی بے مثال قابلیت سے میدان اور پہاڑی سخت ترین سے لائی گئی ہے۔

قلعہ کے دوسرے دروازہ کے اندر قدم رکھتے ہی ایک صاف اور لمبی سڑک دکھائی دیتی ہے اِس راستہ کے بھی دونو جانب ویسے ہی چبوترے بنے ہوئے ہین لیکن بجائے محراب دار دالانوں کے یہاں دکانین تعمیر ہیں اصل میں قلعہ کا یہ بازار ہے جس کی بلند چھت لداؤ کی ہے اور جس چھت میں ہوا کے لیئے بڑے بڑے روشن دان ہین چل چلاتی گرمیوں میں یہان خوب ٹھنڈک رہتی ہے اور برسات مین بھی خوب آرام ملتا ہے اِن دونوں راستوں کے سوا دائیں بائیں اور بھی چھوٹے چھوٹے راستے ہیں اور یہ راستے اِن مکانوں کی طرف جاتے ہیں جہاں باری باری سے ہر امیر ہفتہ میں ایک بار آکے پہرہ دیا کرتا ہے۔ یہ مکانات جہاں امرا پہرہ چوکی دیا کرتے ہین نہایت خوبصورت اور آراستہ ہیں کیونکہ امرا ان مکانوں کو اپنے خرچ سے آراستہ رکھتے ہیں۔ یہ مکان کوئی معمولی حیثیت کے نہین ہیں بلکہ خاصے دیوان خانے ہیں جن میں چھوٹی چھوٹی نہرین بہہ رہی ہین۔ خوبصورت حوض بنے ہوئے ہین فوارے اچھل رہے ہیں اور ایک عجیب روحانی تازگی یہاں بیٹھ کے ہوتی ہے جس امیر کا جس دن پہرہ ہوتا ہے وہ شب کو بادشاہی مہمان تصور ہوتا ہے اور شاہی مطبخ سے اُسکے لیئے خوان

میں پُر تکلف کھانا آتا ہے۔ جس وقت کہار بہنگیاں لے کے پہنچتے ہیں امیر سرتاپا تعظیم کو کھڑا ہو جاتا ہے اور شاہی محل کی طرف منہ کر کے تین بار سلام کرتا ہے۔

پھر سرکاری دفاتر کے لیے مختلف مقامات میں ایوان بنے ہوئے اور خیمے ایستادہ ہیں اور اِن میں سے جن بڑے دالانوں میں کاریگر بیٹھتے ہیں وہ مختلف کارخانوں کے نام سے موسوم ہیں کسی دالان میں چکن دوز۔ کارچوب اور زردوزوں کا کارخانہ ہے کسی میں سُنار ہی سنار بیٹھتے ہیں کسی میں مصوّر اور نقاش بھرے ہوئے ہیں کسی میں روغن ساز اور کسی میں بڑھئی اور خرادی کسی میں درزی اور موچی کسی میں دارائی اور جوڑیا۔ کمخواب اور باریک تن زیب بننے والے جُلاہے جو پگڑیاں بنتے اور کمر باندھنے کے پھول دار زری کار پٹکے تیار کرتے ہیں اُن کی ہنرمندی سے عقل چکّر میں آتی ہے کہ یہ زنانے پاجاموں کے لیے ایسا نازک اور باریک کپڑا بنتے ہیں جو صرف مثل پھولوں کے ہار کے ایک ہی رات کے استعمال میں بیکار ہو جاتا ہے اور پھر لطف یہ کہ ایسے باریک کپڑے پر سوئی سے زری کا کام ایسی خوبصورتی سے کیا جاتا ہے کہ دیکھ کے جی عش عش کرنے لگتا ہے یہ کپڑا جس پر زری کے پھول بوٹے ہوں پچیس تیس روپیہ گز آتا ہے اور زری والے کی قیمت اِس سے کہیں زیادہ ہے۔ یہہ تمام کاریگر صبح کو آتے اور سارے دن کام کر کے شام کو اپنے اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔

اِن شاہی کارخانوں کو طے کرنے کے بعد دیوان عام اور دیوان خاص نظر پڑتے ہیں جن کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ عام و خاص کی عمارتیں بلا شبہہ عجیب و غریب خوبصورت اور عالیشان ہیں۔ عام و خاص ایک بڑا وسیع مربع مکان ہے اِس کی محرابیں اِس صورت سے بنی ہوئی ہیں کہ ایک محراب میں سے دوسری محراب میں جا سکتے ہیں ایک بڑا دروازہ جو اِس کے سامنے ہے اِس پر ایک بالاخانہ بنا ہوا ہے اور یہ نقارخانہ شاہی ہے جہاں نفیریاں۔ شہنائی اور نقارے وغیرہ

پانچ وقت بجا کرتے ہیں۔ مجھے پہلے پہل قرنا کی آواز بُری معلوم ہوئی لیکن جب کان آشنا ہو گئے تو ویسی بھلی معلوم ہوتی تھی کہ سنتے ہی جاؤں جہاں نقار خانہ رکھا ہوا ہے وہ جگہ بھی بلند ہے اور شاہی محل سے اِس کا فاصلہ بھی زیادہ ہے تاکہ شاہ کو اُسکی آواز سے تکلیف نہ ہو اِس دروازہ کے مقابلہ جس پر نقار خانہ ہے صحن سے گزر کر ایک بڑا دالان ہے جس کے ستون اور چھت طلائی گل بوٹوں اور منبت کاری سے لپی ہوئی ہے اور جس پر مشرقی صنعت کو پورے طور پر ختم کیا گیا ہے۔ کُرسی بہت اونچی دی ہوئی ہے نہایت ہوادار ہے اور تین طرف سے کھلا ہوا ہے اور اِس دیوار کے وسط میں جو محلسرائے کی حدِّ فاصل ہے قدِ آدم سے بھی اونچا ایک وسیع شہ نشین بنا ہوا ہے" اِس یورپی سیاح کو چونکہ فنون تعمیرات سے بالکل مَس نہیں تھا اور یہ محض ایک معمولی طبیب تھا اِس لیے قلعہ کی حالت اِس نے نہایت بھدّے اور بھونڈے الفاظ میں بیان کی ہے ناچار جا بجا اِس کے بے معنے ناموں کی جو یہ ایوان شاہی کے مقامات کے لیتا ہے تشریح کرنی ضرور پڑی۔ جس مقام کو یہ شہ نشین لکھتا ہے اِس کا اصلی نام نشیمن ظلّ الٰہی ہے اور اِس کی اصلی کیفیت یہ ہے جسے یورپی طبیب بیان نہ کرسکا۔ دیوان عام کے مکان کے بیچ میں شرقی دیوار سے مِلا ہوا سنگ مرمر کا چار گز کا مربع تخت ہے جس پر چار ستون لگا کے بنگلہ کے طور پر چھت بنائی ہے اور قدِ آدم سے زاید کُرسی دی ہے اور اِس کے پیچھے سنگ مرمر کا سات گز لمبا اور ڈھائی گز چوڑا ایک طاق بنا ہوا ہے اِس میں ہر قسم کے پرندوں اور چرندوں کی تصویریں رنگین پتھروں سے بنی ہوئی ہیں اور ساتھ ہی ایک آدمی کی تصویر ہے جو دوتارا بجا کے گا رہا ہے اِس طاق کی بغل میں ایک دروازہ ہے اور اندر سے ہی آنے کا راستہ ہے بادشاہ اِس تخت پر دربار عام کے دن اجلاس کرتے تھے

اِس تخت کے آگے ایک تخت سنگ مرمر کا بچھا ہوا ہے امرا میں سے جس کسی کو کچھ عرض کرنا ہوتا تھا اِس پر چڑھ کے بادشاہ سے عرض کرتا تھا مگر بادشاہ کے بیٹھنے کا تخت اتنا اونچا ہے کہ اِس تخت کے چڑھنے پر بھی آدمی کا صرف گلا تخت تک پہنچتا ہے اِس تخت کے آگے سہ گوشہ دالان ہے جو سڑسٹھ گز لمبا اور چوبیس گز چوڑا ہے اور ہر ایک دالان کے نو نو در ہیں اور ان سب کے ستون سنگ سرخ کے ہیں اور اِن پر بہت خوبصورت محرابیں بنائی گئی ہیں۔ باہر کے دالان میں بیچ کے در چھوڑ کے سنگ مرمر کا کٹہرا لگا ہوا ہے جسپر بہت خوشنما سنہری کلسیاں جڑی ہوئی تھیں جن میں سے ایک بھی اب نہیں دکھائی دیتی۔ یہ دالان امرا وزرا وکلا کے حسب مرتبہ کھڑے رہنے کا تھا۔ یہ دربار کا دالان درحقیقت ایک چبوترہ پر بنا ہوا ہے جس کا طول ایک سو چار گز اور عرض بہاٹھ گز ہے باقی تین طرف چبوترہ ہے جسکے گرد قد آدم سنگ سرخ کا کٹہرا لگا ہوا ہے اِس پر بھی سنہری کلسیاں جڑی ہوئی تھیں مگر اُن کا نشان بھی نہیں ہے یہ جگہ چوبدار اور نقیب اور احدی وغیرہ لوگوں کے کھڑے رہنے کی تھی اور اسکو گلال بازی کہتے تھے۔ اس کے آگے ۲۰۴ گز لمبا اور ۱۶۰ گز چوڑا صحن ہے اور اِس کے چاروں طرف قرینہ اور موقع سے مکانات بنے ہوئے ہیں اور شمال کی طرف دیوان خاص میں جانے کا دروازہ ہے۔ پھر یورپی سیاح لکھتا ہے ”نشیمن ظل اللہی پر ہر روز دوپہر کے وقت بادشاہ آکر بیٹھتا ہے۔ دائیں بائیں شہزادے ہوتے ہیں۔ خواجہ سرا مورچھل ہلاتے یا بڑے بڑے پنکھے جھلتے یا ادائے خدمت کے لیئے دست بستہ گردنیں جھکائے ہوئے بڑے ادب سے کھڑے رہتے ہیں تخت کے نیچے چاندی کا جنگلہ لگا ہوا ہے جس میں تمام امرا اور راجہ اور غیر ملکوں کے سفیر آنکھیں نیچی کیئے ہوئے اور ہاتھ باندھے ہوئے کھڑے رہتے ہیں اور تخت سے کسی قدر فاصلہ پر اِسی طرح منصب دار یعنے چھوٹے چھوٹے امرا حسب مراتب ایستادہ

رہتے ہیں۔ اور اِن سے جو جگہ خالی رہتی ہے وہ اور بلکہ تمام صحن سب قسم کے لوگوں اعلے اور ادنے سے بھرا رہتا ہے کیونکہ یہی مقام ہے جہاں رعایا کا ہر متنفس اپنے عرض حال کے لیے باریاب ہو سکتا ہے اور کسی شخص کے آنے کی ممانعت نہین ہے اِسی وجہ سے اِس کو عام و خاص کہتے ہیں۔ کامل ڈیڑھ دو گھنٹے تک لوگوں کا مجرا اور سلام ہوتا رہتا ہے اِس موقع پر مستغیث جو عرضیاں پیش کرتے ہیں وہ تمام و کمال بادشاہ کے ملاحظہ اور سماعت میں آتی ہیں اور بادشاہ بذات خاص مستغیثوں سے دریافت حال کرتا اور اکثر ستم رسیدہ لوگوں کی فوراً داد دیتا ہے اور ہفتہ میں ایک دن خلوت میں کامل دو گھنٹے تک ایسے دس غربا کی عرضیاں سُنتا ہے جو مستغیثوں میں سے چن لیے جاتے ہیں اور جن کے پیش کرنے کا کام ایک نیک۔ دولتمند اور بوڑھے شخص کو سپرد ہے اور ایک دن عدل و انصاف کے کمرے میں جسکو عدالت خانہ کہتے ہیں دو بڑے قاضیوں کے ساتھ بیٹھ کے داد رسی کرتا اور اس میں کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتا۔

عام و خاص کے بڑے دالان کی بغل میں ایک خلوت خانہ ہے جسکو غسلخانہ بھی کہتے ہیں یہ وسعت میں اگرچہ عام و خاص کے برابر نہیں ہے مگر نہایت خوبصورت۔ وسیع۔ روغنی اور سنہری کام کا ہے اور ایک بڑے شہ نشین کی طرح چار یا پانچ فٹ کا اونچا ہے جہاں بادشاہ کرسی پر بیٹھ کے وزرا سے جو ادہر اُدہر کھڑے ہوتے ہیں تخلیہ میں امرا اور صوبہ داروں کے عرایض سُنتا اور سلطنت کے اہم معاملات پر غور کرتا ہے"۔

پھر بھی سیاح لکھتا ہے "اب میں نہایت خوشی سے آپ کو بادشاہی محلسرائے کی سیر کراتا ہوں جو سب سے زیادہ دلکش عمارت ہے لیکن کوئی سیاح وہاں کی کیفیت چشم دید نہین بیان کرسکتا کیونکہ بادشاہ کے دہلی میں موجود نہونے کے وقت اگرچہ مجھے کئی بار وہاں جانیکا

موقع ملا اور میں خیال کرتا ہوں کہ ایک دفعہ ایک بڑی بیگم کے علاج کے لیے جو شدت مرض کی وجہ سے معمول کے موافق باہر کے دروازہ تک نہیں لائی جا سکتی تھی بہت دور تک اندر جانے کا اتفاق ہوا مگر میرے سر پر ایک کشمیری شال اِس طور سے اوڑھا دی گئی کہ برقع کی طرح پاؤں تک لٹکتی تھی اور خواجہ سرا لے ہاتھ پکڑے ہوئے مجھے اِس طرح لیجا رہا تھا جیسے کوئی اندھے کو لیجاتا ہے اِس لیے میں نے محلسرا کی کیفیت جو کچھ خواجہ سراؤں کی زبانی سنی ہے وہ عرض کر دیتا ہوں اِن کا بیان ہے کہ محلسرائے میں بیگمات کے مدارج حیثیت اور معاشرت کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ بہت خوبصورت اور بڑے بڑے محل بنے ہوئے ہیں جن کے دروازوں کے سامنے حوض ہر طرف باغیچے۔ دلچسپ روشین اور سایہ دار آرام گاہین۔ نہرین اور فوارے۔ گرمی کے لیے عمیق مصفا اور مزین تہخانے اور رات کو خنکی میں آرام کرنے کے لیے اونچے اونچے تختے اور صحن چبوترے بنے ہوئے ہین غرض ایسے دلکش مکانات ہیں کہ اِن میں اِس ملک کی تکلیف دہ گرمی کو ذرا بھی دخل نہیں ہے اور یہ لوگ ایک چھوٹے سے برج کی جو دریا کی طرف ہے حد سے زیادہ تعریف کرتے ہین جن میں آگرہ کے دونوں برجوں کی طرح طلائی۔ لاجوردی نقش و نگار بنے ہوئے ہین اور چاروں طرف سونا ہی سونا بھرا ہوا ہے اور قد آدم آئینے لگے ہوئے ہین"

اِس وقت اِن عمارتوں میں ایک عمارت بھی لال قلعہ میں نہیں ہے اور اگر کوئی شخص ویسی عمارتین بنانی چاہے تو ہو نہین سکتا کیونکہ اول تو وہ پرستان کے سے محلات کسی نے دیکھے نہیں اور دوسرے اُن کا کوئی صحیح نقشہ ہمارے پاس موجود نہین تیسرے لاکھوں روپیہ صرف کرنے کے بعد بھی وہ عمارتین بن نہیں سکتین نہ اِس ڈھنگ کے کاریگر ہیں اور نہ ویسا مال مسالہ ہے ابھی تک یہ تو معلوم ہی نہین ہوا کہ پرانے لوگ چونہ میں کیا چیز ڈالتے تھے کہ

کہ صدیوں پر صدیان گزرنے پر بھی چونہ ابھی تک نہین مرا اور خاندان تغلق کی صدہا برس کی عمارتوں کا پرانا چونہ نئے چونے میں صرف اِس لیے ملایا جاتا ہے کہ وہ مضبوط ہو جائے۔ جب یہ یہ مشکلات ہین تو پھر کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ویسی عمارتین بن سکین

(دربار)

قلعہ کی سیر کے بعد جشن کی کیفیت ملاحظہ ہو جو چشم دید ہے یعنے جس کو ایک یورپی سیاح نے دیکھ کے لکھا ہے ”جشن کے دن بادشاہ نہایت ہی عمدہ لباس پہنکے دیوان عام و خاص کے صدر میں مرصع تخت پر بیٹھا ہوا نظر آیا اُسکی پوشاک نہایت نازک اور پھولدار ریشمی کپڑے کی تھی جسپر بہت ہی عمدہ زری کا کام ہو رہا تھا اور جواہر نگار مندیل سر پر تھی جسپر بڑے بڑے اور نہایت قیمتی ہیروں کا طرّہ لگا ہوا تھا اِن کے بیچ میں ایک ایسا پکھراج جڑا ہوا تھا جو لاثانی کہا جا سکتا تھا۔ اِسکی چمک ایسی تھی کہ اِسپر آنکھ نہیں ٹھرتی تھی کل جواہرات میں آفتاب کی طرح درخشان تھا۔ اِسکے علاوہ بڑے بڑے موتیوں کا ایک کنٹھا گلے میں تھا

جس تخت پر شاہ جلوہ افروز تھے اِس کے چھ پائے ہیں جو بالکل ٹھوس ہین جن میں یاقوت زمرد اور ہیرے جڑے ہوے ہیں مگر میں اُنکی تعداد اور قیمت بیان نہین کر سکتا۔ کیونکہ کسی کی مجال نہین کہ پاس جا سکے لیکن یقین کیجے کہ ہیرے اور جواہرات بہت ہی ہیں اور مجھے خوب یاد ہے کہ اِس کی قیمت کا اندازہ پانچ کروڑ کئی لاکھ کا کیا گیا تھا۔ دو مور جو تخت کے پایوں پر بنائے گئے ہین ان کی صنعت کاری اور جواہرات کی کثرت حیرت میں ڈالتی ہے بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مور موتیوں اور جواہرات کے بنے ہوئے ہیں۔ اِن مورون کی قیمت کا اندازہ انصاف تو یہ ہے کہ نہین ہو سکتا“ یورپی سیاح کا تخت کے

متعلق بیان ختم ہوا۔ لیکن ملا عبد الحمید مورخ شاہجہانی نے بادشاہ نامہ میں اِس تخت کی جو کیفیت بیان کی ہے وہ دلچسپی سے خالی نہیں اِس لیے اِس کا اختصار درج ذیل کیا جاتا ہے۔ دھونڈا

جب بیش قیمت جواہرات بکثرت اکھٹے ہو گئے تو شاہ جہاں کے دل میں یہ بات آئی کہ اِن جواہرات کو اِس کام میں لانا چاہیے کہ اور لوگ بھی دیکھ کے طبیعت خوش کریں چنانچہ حکم دیا کہ تخت بنایا جائے اور کل جواہرات جو شاہ عباس والیئے ایران اور شاہان دکن وغیرہ نے ہدیۃً بھیجے ہیں نہایت کاریگری سے جڑے جائیں چنانچہ وہ تخت بلکہ اِس کے علاوہ چھ تخت اور بن کے تیار ہو گئے۔

قلعے کے باہر

قلعہ معلے کے لاہوری دروازہ سے نکلکر ایک بہت وسیع میدان پڑا ہوا ہے جو شمال کی جانب چاندنی چوک تک اور جنوب کی جانب فیض بازار اور دریا گنج تک اور مغرب میں جامع مسجد تک چلا گیا ہے۔ کسی زمانہ میں اِس میدان میں بڑے بڑے باغ اور بازار اور مسجدیں بنی ہوئی تھیں۔ اب صرف ایک مزار شاہ کریم اللہ جہاں آبادی کا اور زیر جامع مسجد ہرے بھرے صاحب کی اور سرمد کی قبریں باقی ہیں جنکے گرد صرف زمین دوز چبوترے اور گرد میں کٹہرے لگے ہوئے ہیں۔ اگر اب بھی کوئی بلند عمارت بنی ہوئی ہوتی تو یہ بھی منہدم کر دیے جاتے کیونکہ سرکار انگریزی کو منظور نہیں ہے کہ قلعہ کے سامنے کوئی عمارت رہے شاہجہاں کے وقت میں قلعہ کے لاہوری دروازہ کے باہر ایک تر و تازہ باغ لگا ہوا تھا جو گلابی باغ کہلاتا تھا یہ باغ اورنگزیب کے زمانہ میں

یا اُسکے بعد برباد ہو گیا تہا پہر لارڈ السبرا کے زمانہ میں یہاں سرکار انگریزی نے ایک حوض سنگ سُرخ کا پچاس ہزار روپیہ کی لاگت سے بنوایا تہا جو لال ڈگی کے نام سے مشہور تہا یہ حوض پانسو فٹ طویل اور ڈیڑہ سو فٹ عریض تہا اِسکے چاروں کونوں پر چار خوشنما برجیان بنی ہوی تہیں اور عرض میں دونوں جانب نیچے اُترنے کی سیڑہیاں تعمیر ہوئی تہیں لال ڈگی سے آگے سعد اللہ خان کا چوک تہا اور اُسکے آگے فیض بازار تہا جہانسے بہستہ خانم کے بازار کو اور خان دوراخان کی حویلی کو جاتا تہا۔ جنوب کی طرف آگے بڑھکر اکبر آبادی بیگم کی مسجد تہی جو وسعت میں فتحپوری کی مسجد کے ہم پلہ تہی اور ایک قطعہ پر بنی ہوی تہی۔ اکبر آبادی بیگم شاہجہاں کی بیوی تہیں فتحپوری کی مسجد کی طرح چاروں طرف طالب علموں کے رہنے کے مکانات بنے ہوے تہے اِس مسجد کے پاس بگوا باڑی میں جہاں بگوا بیگم کی قبر تہی۔ اب یہاں سوائے ایک لق و دق میدان کے کچھہ بہی نہیں بچ ہے کل من علیہا فان و یبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام۔

* * *

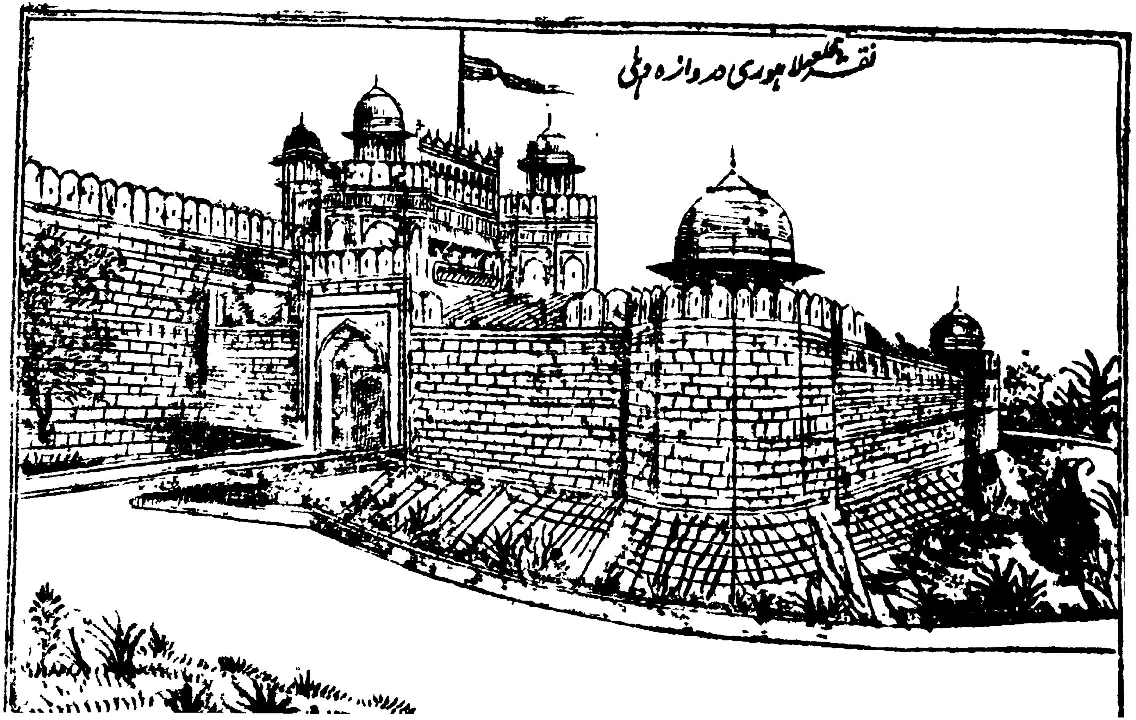

نقشہ قلعہ لاہوری دروازہ دہلی

جامع مسجد دہلی

اِس بڑے میدان کو طے کر کے دہلی کی جامع مسجد پر پہنچتے ہیں جسکا جواب دنیا میں نہین ہے اگر تمکو جامع مسجد کی پوری خوشنمائی دیکھنی ہو تو صبح کے وقت اُسکو دیکھو جبکہ نکلتے ہوے سورج کی کرنین اُسپر پڑتی ہیں یا تم اُسکو چودہویں رات کے چاند کی پوری چاندنی مین دیکھو اور سب سے بہتر منظر اُسوقت نظر آتا ہے کہ برسات میں صبح کو اُسکے پیچھے سیاہ بادلون کی گہری گھٹا ہو۔

مسٹر فرگسن صاحب اِس جامع مسجد کی بابت تحریر کرتے ہیں کہ یہ مسجد آگرہ کی مسجد سے (اسکو بھی شاہجہاں نے تعمیر کرایا ہے) ملتی جلتی ہے لیکن یہہ مسجد موتی مسجد سے بہت زیادہ بڑی ہے اور اِس میں دو عالیشان منارے موجود ہیں جو آگرہ کی جامع مسجد میں نہیں ہیں مگر چونکہ یہہ مسجد بالکل سنگ سُرخ کی بنی ہوئی ہے جسمین سنگ مرمر سے پورا پورا کام نہیں لیا گیا ہے۔ اسلیے موتی مسجد کی صفائی اور خوشنمائی جو بالکل سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے دہلی کی مسجد میں پیدا نہیں ہوئی۔ پہر بھی اِسکے تینوں دروازے اور دونو منارے اور چار کونوں کی چاروں برجیاں اور تینون بُرج اور بیچ کے بڑے در کی بلند محراب سب ملکر بہت خوشنما ہیں اور سب حصوں میں موزونیت اور باہمی تناسب موجود ہے۔ اُسکا بڑا مشرقی دروازہ اگرچہ فتح پور سیکری کے دروازہ کا ہم پلہ نہیں مگر پہر بھی نہایت خوشنما ہے اور مسجد کیلیے زیادہ مناسب ہے تعجب کی بات ہے کہ اکبر نے فتح پور سیکری کے قلعہ میں ایک عالیشان مسجد بنوائی اور خود شاہجہاں نے آگرہ کے قلعہ کو موتی مسجد سے مزین کیا مگر اُنھوں نے دہلی کے قلعہ میں کوئی مسجد نہین بنوائی۔ جو چھوٹی سی موتی مسجد

سنگ مرمر کی قلعہ میں موجود ہے وہ اورنگ زیب کی بنوائی ہوی ہے اور گو بہت خوشنما اور خوبصورت ہے لیکن قلعہ کے لیے بہت ہی چھوٹی اور نا مناسب ہے وہ وسعت میں صرف ساٹھہ فٹ مربع ہے۔ شاہجہاں کے وقت کی قلعہ میں کوئی مسجد نہیں ہے اور نہ ظاہرا کوئی مسجد بنوانے کا ارادہ تہا شاید اسلیے کہ جامع مسجد قلعہ سے اسقدر قریب تہی کہ گویا وہ قلعے کے کل نقشہ کا ایک جزو تہی اور اِس سبب سے قلعے کے اندر کسی مسجد کے تعمیر کرنے کی ضرورت نہ تہی"

جامع مسجد کے بارے میں برنیر صاحب فرانسیسی سیاح کی رائے بہی بہت دلچسپ ہے وہ تحریر کرتے ہیں کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ عمارت اُن قواعد فن تعمیرات کے موافق نہیں بنائی گئی جنکی موجودگی ہمارے نزدیک ہر عمارت میں ہونی چاہیے لیکن میں کوئی نقص ایسا نہیں دیکہتا جو فن تعمیر کے مذاق کے برخلاف ہو سارے نقشہ کا ہر حصہ بہت خوبصورت نہایت موزون اور بہت مناسب ہے۔

ٹاورنیر صاحب سیاح اورنگزیب کے زمانہ کا حال اِس مسجد کے متعلق یون تحریر کرتے ہیں کہ ہر جمعہ کو بادشاہ پالکی میں سوار ہوکر قلعہ سے جامع مسجد کو جاتے ہیں اُنکا بیٹا گہوڑے پر سوار۔ پالکی کے ساتہہ ہوتا ہے اور بہت سے امرا پیادہ جلو میں ہوتے ہین جو جلوس کے آگے آگے چلتے ہیں پہر نشان بنے ہوے اور چار ہاتہی عمدہ ہودوں سے آراستہ ہوتے ہین۔ ہاتہیوں کے پیچہے پانسو بہالے بردار اور تین چارسو بندوقچی ہوتے ہین۔ اگر کبہی بادشاہ گہوڑے پر سوار ہوتے ہیں امرا پیادہ ہوتے ہیں اور اگر وہ ہاتہی پر سوار ہوتے ہیں تو امرا گہوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔

لال قلعہ کے دو برس بعد دس لاکہہ روپیہ کی صرف سے یہہ مسجد بنائی گئی۔ سنہ ۱۰۶۰ھ میں

اسکی تعمیر شروع ہوئی اور پانچہزار معماروں اور مزدوروں کی محنت سے چھہ برس میں تیار ہوئی سعد اللہ خان دیوان اور فاضل خان خانساماں اسکے مہتمم تھے۔ یہ مسجد ایک پہاڑی پر سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے تینتیس سیڑھیاں چڑھکر اسکے مشرقی دروازہ پر جو سب میں بڑا دروازہ ہے پہنچتے ہیں یہ دروازہ کیقدر ہشت پہل ہے یعنے یہ کہ چار پہل لمبے اور چار پہل چھوٹے ہیں چھوٹے پہلوں کے سروں پر چھوٹے منارے بنے ہوئے ہین جو دروازہ سے ذرا زیادہ بلند ہیں اور مناروں پر چھوٹی برجیان سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہیں جنپر سنگ موسے کی دھاریاں تھیں دروازہ کے کنگورہ پر بھی چھوٹی چھوٹی برجیاں سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہیں جو نہایت خوشنما معلوم ہوتی ہیں۔ دروازہ کی دوہری محراب ہے پہلی محراب بہت بلند اور دوسری چھوٹی۔ چھوٹی محراب مین نہایت خوبصورت اور دبیز برنجی کواڑ چڑھے ہیں۔ یہہ کواڑ ہمیشہ سے بند رہتے ہیں صرف بادشاہ کے لیے کھولے جاتے تھے۔ دروازہ کے وسط میں ایک وسیع گنبد ہے اور دونو پہلوؤں میں چھوٹے چھوٹے گنبذ ہین ان تینوں گنبذوں سے دروازہ میں ایک وسیع چوک بنگیا ہے اس کے بعد پھر اسی طرح دوہری محرابین ہیں ایک پست اور ایک بلند دروازہ کے اندرونی طرف یعنی مسجد کے صحن کی طرف دونو پہلون میں سے دو طرف اوپر جانے کی سیڑھیان ہین اندرونی کلاں تر محراب پر سنگ سرخ کی آفتابی بنی ہوی ہے جسکی برجیان سنگ مرمر کی ہیں۔ یہہ آفتابی مسجد کا شاہجہانی مکبر ہے۔ اس آفتابی کی بلندی کچھہ ایسی مناسب رکھی گئی ہے کہ امام کی قرأت اور تکبیرین وہاں سے بہت صاف سنائی دیتی ہین گو بیچ کے وسیع صحن میں نہ سنائی دیں۔ دروازہ کے شمال و جنوب میں دالان بنے ہوے ہیں جنکے دونوں طرف محرابین ہیں اور دونو طرف سے کھلے ہوئے

اِن دالانوں کے آخر میں جہاں شمال و جنوب کے محراب دار دالان آکر ملتے ہیں مربع مقام بنگیا ہے جسپر سنگ مرمر کی چوکور برجیاں ہیں اِن دالانوں کے آگے صحن میں دو چھوٹے چھوٹے ستون ہین جنمیں سے ایک پر دائرہ ہندی اور دوسرے پر کرۂ زمین سنگ مرمر پر کہدا ہوا ہے مگر یہ شاہجہاں کی وقت کے نہین ہین۔ جنوبی مشرقی دالان میں کچھہ تبرکات رکھے ہیں جنکی زیارت کے لیئے دور دور سے لوگ آتے ہیں۔

دروازہ کے آگے تقریباً چار سو فٹ کا مربع صحن ہے جسمیں کل سنگ سُرخ کا فرش ہے اِس صحن کے وسط میں پندرہ گز سے بارہ گز کا سنگ مرمر کا حوض ہے اور اُسکے وسط میں فوّارہ ہے اِس حوض کے غربی کنارہ پر ایک چھوٹا سا کٹہرا سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے جسکو محمد بخش بادشاہی محلی نے بنوایا ہے اِس پر یہہ کتبہ ہے کوثر محمد رسول اللہ سنہ ۱۱۶۵

رسول دیدہ اند آنجا ولی و اہل اللہ
بجاست گر شود این سنگ ہم زیارتگاہ
بنائے سال بہ تحسین و آفرین ہاتف
بگفت احاطہ جائے نشست رسول اللہ

شمال اور جنوبی دالانوں کے سلسلہ کے وسط میں جامع مسجد کے شمالی اور جنوبی دروازے میں جو مشرقی دروازہ سے بہت چھوٹے ہیں۔ اِن دروازوں میں بھی برنجی کواڑ چڑھے ہوئے ہین اور دونو دروازوں میں سے اوپر جانے کا راستہ ہے۔ اِن دونوں دروازوں کے آگے بھی مشرقی دروازہ کی طرح سیڑھیاں بنی ہوی ہین ان ہی دروازوں سے نمازی مسجد مین پانچون وقت آتے ہین جنوبی دروازہ کے سامنے پائے والوں کا بازار ہے۔ مشرقی دروازہ کے چبوترہ پر کبوتروں کی خرید و فروخت سے شہر کے کبوتر باز شام کو جمع ہوتے ہین اور جنوبی دروازہ کے نیچے گدڑی بازار لگتا ہے۔

شمالی جنوبی دالانوں کے مغربی کنارہ پر بھی شرقی کناروں کی طرح سنگ مرمر کی

برجیاں ہین اُن برجیوں اور مسجد کے مابین اتنی جگہ ہے کہ مسجد کے دونو یعنے شمالی و جنوبی سروں پر پانچ پانچ در کے دالان بنے ہوئے ہیں جو صحن کی طرف کھلے ہوے اور مغرب کی طرف بند ہین۔

اگر صحن میں کھڑے ہوکر اِن دالانوں کے پار دیکھا جاے تو عجب دلکش منظر نظر آتا ہے مسجد کے گیارہ در ہیں۔ پانچ پانچ در دونوں جانب چھوٹے ہیں اور بیچ میں بہت بڑا در ہے اندر کے در میں سات محرابین ہیں۔ بغلی دروں کے وسط میں اور بیچ کے بڑے در کے سامنے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جنپر چڑھکر صحن سے مسجد کے اندر جاتے ہین بیچ کے بڑے در کے سامنے سیڑھیوں پر مرزا سلیم پسر اکبر شاہ ثانی نے سنگ باسی کا ایک مکبر بنوا دیا ہے تاکہ تکبیر کی آواز سب نمازیوں کو بآسانی پہونچے یہ مکبر نہایت بے موقع اور نامناسب ہے اور سنگ باسی کے ہونے سے مسجد کو دہبہ لگ گیا ہے اور مسجد کے بڑے در کی خوبی اور خوشنمائی میں فرق ڈالتا ہے ساری مسجد میں سنگ مرمر کا فرش ہے اور سنگ موسٰی کی بچہ کاری سے مصلے بنائے گئے ہیں پیش طاق اسقدر خوشنما اور خوبی کے ساتھہ سنگ مرمر کا بنایا گیا ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے ایک پتھر کا تراش کر بنایا گیا مگر افسوس ہے کہ اب کی دفعہ نواب رامپور کے ایک لاکھہ روپیہ کے عطیہ سے جو مرمت ہوئی ہے اُسنے پیش طاق کو بالکل خراب کردیا چھوٹے چھوٹے ٹکڑے سنگ مرمر کے اِس طرح جابجا لگا دیے ہیں کہ الگ جوڑ معلوم ہوتے ہیں اور جو اصلی خوبی اُسکی تہی وہ بالکل جاتی رہی اِس دفعہ کی مرمت میں اور بہی ایسی ہی خرابیاں تمام جامع مسجد میں پیدا ہوگئی ہین مثلاً سنگ مرمر کی پچی کاری جو کل دیوار میں تہی وہ اِس سبب سے کہ گرد کے سنگ سُرخ کو کھرچ ڈالا ہے بہت اُبھر آئی ہے اور بُر

گئی ہے چاہیے تہا کہ شور خوردہ پتھر کو نکال کر اُسکی جگہ دوسرا پتھر نصب کر دیا جاتا مگر افسوس ہے کہ اِس کارروائی کے بدلہ سنگ سُرخ کو کہرچ کر پچی کاری کے کام کا بالکل ستیاناس کر دیا گیا مشرقی دروازہ پر جو خوشنما آفتابے بنے ہوے تہے اُسکے نیچے سنگ باسی کے توڑے لگا کر اُسکو دو کوڑی کا کر دیا ہے آفتابی میں جو کٹہرا تہا اُسمیں سادے سنگ مرمر کے پتھر لگے ہوے تہے اُنکی جگہ نہایت بہدی جالیاں سنگ مرمر کی لگائی گئی ہین۔

سنگ مرمر کا منبر پیش طاق کے برابر مین کہا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک پتہر کا ہے بڑے در کی پیشانی پر یا ہادی کا طغرا سنگ موسٰے مین بنا ہوا ہے بیچ و بغلی کے چہوٹے درون کی پیشانی پر سنگ موسٰے سے کتبہ شاہجہان کے نام کا اور تاریخ تعمیر اور تعداد مصارف کہدا ہوا ہے حال کی مرمت میں یہہ حروف سیاہ مسالے کے بنا دیئے گئے ہیں جو دہوپ یا مینہ سے کسیقدر ہلکے ہو گئے ہیں اور سنگ مرمر پر روشنائی کی سیاہی دوڑ گئی ہے اور وہ لک کے نقطے سے نیچے کی طرف روشنائی اِس طرح بہی ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے ۔ وہ لک کے آنسو ٹپک رہے ہیں کہ ہائے شاہجہاں کی دس لاکہہ کی لاگت اب کی دفع بالکل برباد ہو گئی مسجد کے شمال و جنوب کیطرف دو منارے سنگ سُرخ کے بنے ہوے ہین جنمین اِسقدر پاس پاس دہاریاں سنگ مرمر کی دی ہیں کہ وہ پٹری دار معلوم ہوتے ہیں ان کے اندر اوپر چڑہنے کے لیے سیڑہیاں بنی ہوی ہیں۔ مناروں کی بلندی اکیسوتیس فٹ کی ہے مناروں پر سے شہر کا منظر دیکہنے کے قابل ہے مناروں کے اوپر سنگ مرمر کی برجیاں بنی ہوی ہیں۔ اکبر شاہ کے زمانہ میں کتبہ کی بڑی خوبی یہہ

تھی کہ اِس طرح حساب سے عبارت بنائی گئی ہے کہ جتنی جگہ تھی اُسمیں پوری اُتری ہے تحریر سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کششوں سے عبارت کو زبردستی اِس طرح بڑھایا گیا ہو یا چھوٹا کیا گیا ہو کہ پوری اُترے کتبے حسب ذیل عبارت کے کندہ ہیں۔

کتبہ در اول از طرف شمال

بفرمان شہنشاہ جہاں بادشاہ زمین و زمان گیہان خدیو کشورستان گیتی خداوند گردوں توان ہوس قوانین عدل و سیاست مشید ارکان ملک و دولت بسیار دان عالی فطرت قضا فرمان قدر قدرت فرخندہ رائے خجستہ منظر فرخ طالع بلند اختر آسمان حشمت انجم سپاہ خورشید عظمت فلک بارگاہ۔

کتبہ در دوم

مظہر قدرت الٰہی مورد کرامت نامتناہی مظہر کلمۃ اللہ العلیا مروج الملۃ الحنفیۃ البیضا ملجا الملوک و السلاطین خلیفۃ اللہ فی الارضین الخاقان الاعدل الاعظم والقاآن الاجل الاکرم ابوالمظفر شہاب الدین محمد صاحب قرآن ثانی شاہجہان بادشاہ غازی لازالت رایات دولتہ منصورۃ و اعداء حضرتہ مقہورۃ کہ دیدۂ بصیرت حق بینش از شعشہ انوار ہدایت انما یعمر مساجد اللہ

کتبہ در سوم

من آمن باللہ و بالیوم الآخر مستنیر است و آئینہ ضمیر صدق گزینش از اشعہ مشکات رویت و آیت احب البلاد الی اللہ مساجدہا فروغ پذیر این مسجد کوہ اساس گردوں مماس کہ کریمہ المسجد

اسس علی التقوی بیان بنیان پائدار اوست و بنیه و القی فی الارض رواسی ان تمیدکم کتاب ایوان استوار او قمهٔ قبه فلک شانش از طبقات آسمان گذشته و شرقه طاق سپهر نشانش باوج کیوان پیوسته

کتبه در چهارم

گر طاق و قبهٔ مقصوره اش جوئی نشان　　هیچ نتوان گفت غیر از کهکشان و آسمان
فرو بودی قبه گر گردون نبودی ثانیش　　طاق بودی طاق گر جفتش نبودی کهکشان

فروغ شمسه پیش طاق جهان نمایش روشنی بخش مصابیح سموات پرتو کلس گنبد عالم آرایش نورافزای قنادیل جنات سبز سنگ مرمرش چون سنجره مسجد اقصی مرقات

کتبه در پنجم

مقام قاب قوسین او ادنی محراب فیض گسترش مانند صبح صادق کشاده پیشانی بشارت رسان ولقد جاءهم من ربهم الهدی ابواب رحمت آمایش صلای والله یدعوا الی دار السلام بمسامع خاص و عام رسانیده منار سپهر مدارش ندای و یجزی الذین احسنوا بالحسنی از نه رواق گنبد فیروزه فام گذرانیده سقف رفیع باصفایش تماشاگاه روحانیان کره افلاک بر در ششم کتبه یا هادی بخط طغرا نوشته۔

کتبه در هفتم

صحن وسیع دلکشایش سجده گاه پاک نژادان معموره خاک روح فضای فیض انتما و طیب هوای روح افزایش از روضهٔ رضوان حکایت کرده و عذوبت ماء معین حوض دلنشین لطافت آمایش از چشمهٔ سلسبیل خبر داده در روز جمعه دهم شهر شوال سال هزار و شصت هجری موافق

سال چهارم از دور سوم جلوس میمنت مانوس بساعت خجسته۔

کتبه در هشتم

بطالع شایسته سرمایهٔ ابنیا و پیرایهٔ تاسیس یافت و در عرض مدت شش سال بحسن سعی کارپردازان کاروان کارگذار و فرط اعتنا و اهتمام کارفرمایان صاحب اقتدار و بذل جد و جهد استادان ماهر دانشور و وفور کوشش پیشه کاران چابک دست صاحب هنر و اتفاق مبلغ ده لکھ روپیه صورت انجام و طراز اختتام پذیرفت و مقارن اتمام روز عید فطر

کتبه در نهم

بفر قدوم اقدس پادشاه ظل الله صافی نیت خدا آگاه زیب و زینت گرفت و اقامت نماز عید و ادای وظائف اسلام چون مسجد الحرام و در روز عید اضحی مرجع طوائف انام گردید و مبانی اسلام و ایمان را متانت و رصانت کرامت سیاحان ربع مسکون و مسالک نوردان کوه و هامون را آراسته عمارتی باین رفعت و حصانت در آئینه بصر

کتبه در دهم

و مرآت خیال مرتسم نگشته و حقایق گذاران وقائع دهر و فکرت پردازان نظم و نثر را که سوانح نگاران بدائع ارباب ملک و دولت و صنائع شناسان اصحاب مکنت و قدرت اند افراخته بناے باین شکوه و عظمت بر زبان قلم و قلم زبان نگذشته فرازندهٔ کاخ هستی و طراز بندی بستی این بنیان رفیع را که قرة العین بینش و زینت بخش کارخانهٔ آفرینش است۔

کتبہ در یازدہم

پایدار داشتہ صدای تسبیح مسبحانش را ہنگامہ آرائی ذاکران مجامع ملکوت و زمزمہ تہلیل مہللانش را نشاط افزای بر معتکفان جوامع جبروت داراد و روش منابر معمورۂ جہان را بخطبہ دولت جاوید طراز این بادشاہ دادگر دین پرور کہ بمیامن ذات مقدس مبارکش ابواب امن و امان بر روی روزگار کشادہ است آراستہ داراد بحق الحق و اہلہ کتبہ نور اللہ احمد اِن دروں کے دونوں طرف مینار ہیں نہایت بلند اور بغایت خوشنما اور اُسمین زینے بنے ہوے ہین کہ اُس رستہ سے مینار کے اوپر چلے جاتے ہیں میناروں کے اوپر بارہ دری کی برجیان سنگ مرمر سے نہایت دلکشا دلربا بنی ہوی ہیں اِن میناروں پر چڑہنے سے شہر کی عجب کیفیت معلوم ہوتی اور خوب سیر دکھائی دیتی ہے تمام شہر مثل کشورہ کے معلوم ہوتا ہے اور درختوں کی رونق اور مکانوں کی خوشنمائی سے ایک عجیب عالم دکھائی دیتا ہے شمالی مینارہ بسبب بجلی کے گر پڑا تھا اور اِس عمارت عالی مین چشم زخم پہنچ گیا تھا اور صحن کا فرش بھی کہ تمام سنگ سرخ کا ہے جا بجا سے بگڑ گیا تھا سرکار دولتمدار انگریزی نے معین الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ کے عہد میں کہ اُسکو آجتک قریب تیس برس کے عرصہ گذرا ہے اس مینار کو بنوادیا اور فرش بھی درست کروادیا کثرت نمازیوں کی ماشاء اللہ اِس مسجد مین مور و ملخ سے زیادہ ہوتی ہے اور چونکہ امام کی آواز تکبیر سب نمازیوں کو نہیں پہونچ سکتی اِسواسطے شاہزادہ مغفور مرزا سلیم ابن معین الدین محمد اکبر بادشاہ عرش آرامگاہ نے بڑے در کے بیچ میں ایک مکبر سنگ باسی کا بہت خوشنما بنوادیا ہے کہ اُس مکبر پر مکبر کھڑا ہو کر آواز اللہ اکبر اور ربنا لک الحمد سب کے کان کا آویزہ کرتا ہے اِس مکبر کو بنے ہوے اٹھارہ برس کے قریب عرصہ گذرا ہے مسجد مین تمام فرش

سنگ مرمر کا ہے اور اُس میں سنگ موسے کی بنت کاری اور پرچین سازی سے مصلے بنا دیے ہیں منبر اس مسجد کا سنگ مرمر کا ہے اور ایسا خوش قطع بنا ہوا ہے کہ جسکا بیان ممکن نہیں۔

اسمیں شمالی منار اور ـــــ سنہ میں جنوبی منار بجلی سے منہدم ہو گئے تہے شمالی منار سرکار انگریزی نے معہ فرش وغیرہ کے مرمت کیا تہا۔ اور جنوبی منار نواب صاحب بہاولپور کے روپیہ سے حال میں درست کیا گیا ہے۔ اب اُنپر بجلی کا تار لگا دیا گیا ہے تاکہ آیندہ بجلی سے محفوظ رہیں۔ مناروں کے بیچ میں تین بُرج سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں مناری کی برجیوں کی طرح انیں سنگ موسے کی دہاریاں پڑی ہوئی ہیں جس سے اُنکی خوشنمائی بہت بڑہ گئی ہے آگرہ کی مسجد کی طرح یہہ بُرج چہت سے نہیں شروع ہوے بلکہ چہت کے اوپر ایک گولہ ہے اور گولہ پر سے مثل غبارہ کے اُٹہائے گئے ہیں۔

سنہ ۱۸۵۷ء سے پہلے جامع مسجد کے مغربی مثلثوں میں ایک دار الشفا اور ایک مدرسہ دار البقا بنے ہوے تہے غدر سے پہلے دار البقا میں مفتی صدر الدین صاحب درس دیا کرتے تہے اور اِس مدرسہ کی مرمت بہی اُنہوں نے کی تہی جامع مسجد کا اہتمام اب ایک کمیٹی کی نگرانی میں ہے۔ جامع مسجد کے شمال و مغرب کیطرف دو سو گز کے فاصلہ پر محلہ دہرم پورہ میں جینوں یعنے سراوگیوں کا بڑا مندر ہے یہ عمارت بہت عمدہ ہے علی الخصوص دروازہ پر جو کام بنا ہوا ہے وہ دیکہنے کے قابل ہے۔ سنہ ۱۸۵ میں یہ مندر بننا شروع ہوا اور سات برس میں بنکر تیار ہوا۔ اس کے بنانے میں سراوگیوں کا پانچ لاکہہ روپیہ خرچ ہوا لالہ ہرسکہہ رائے اور لالہ موہن لال نے بنوایا ہے۔ اِسکے پاس جینیوں کا ایک اور چہوٹا مندر ہے جسکو سب سراوگیوں نے ملکر بنوایا ہے۔ جامع مسجد کے

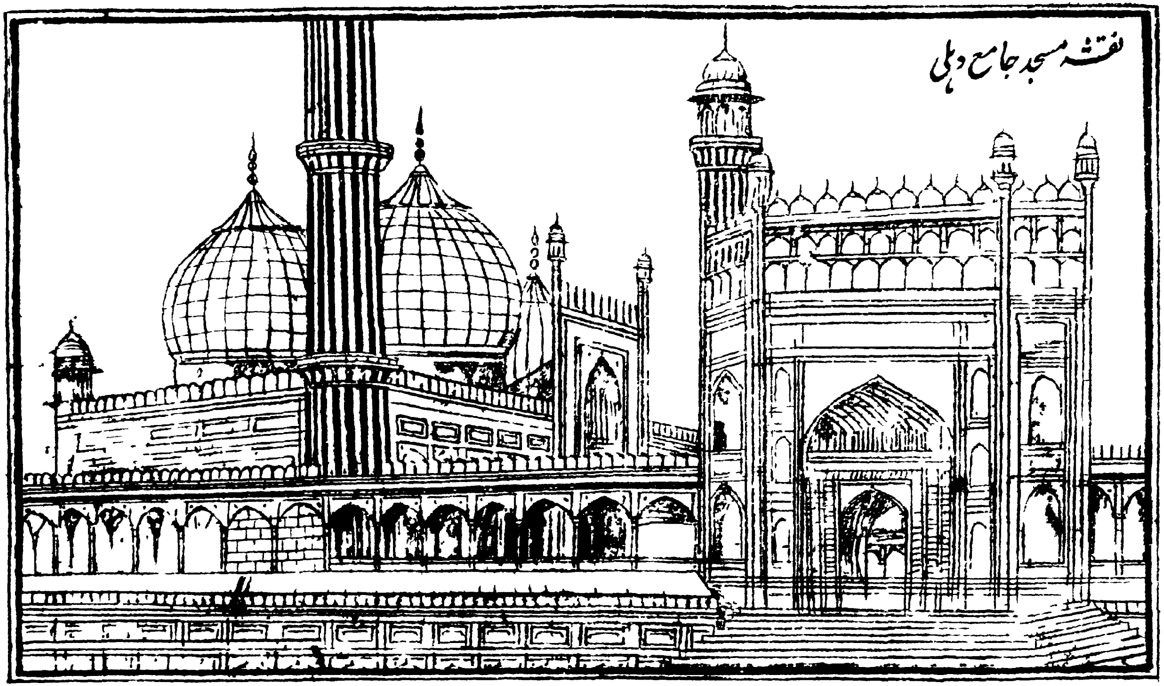

نقشہ مسجد جامع دہلی

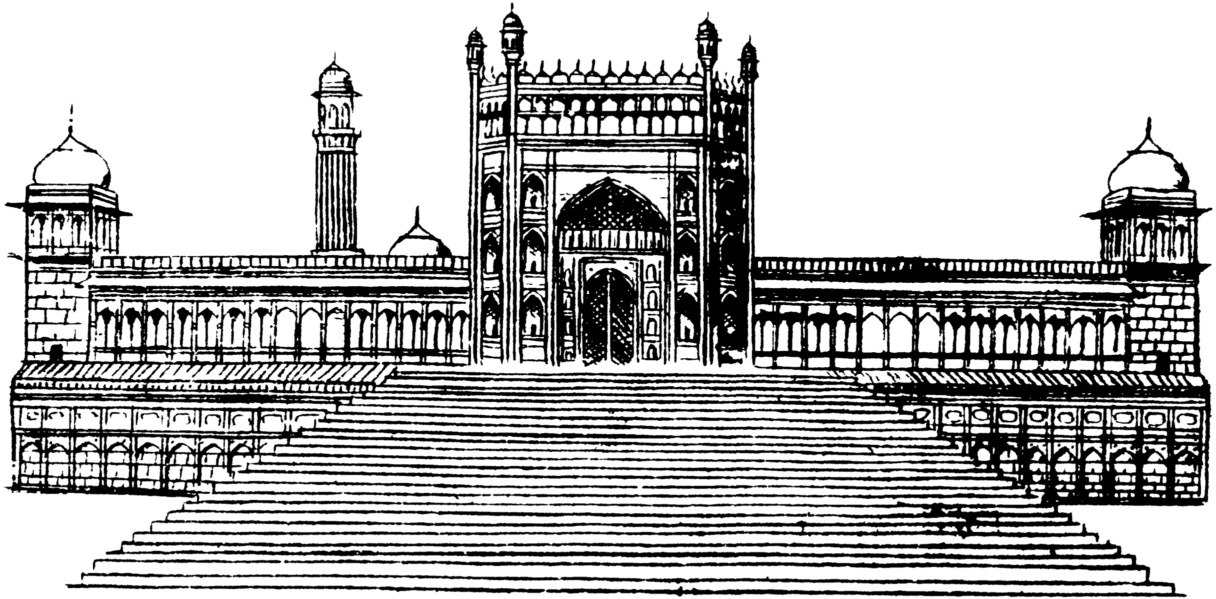

نقشہ مسجد جامع دروازہ شرقی

جامع مسجد کے شمال و مشرق میں لارڈ ڈفرن کا ہسپتال بنا ہوا ہے۔ ہسپتال کے سامنے دریبہ کا بازار ہے جسکی انتہا پر خونی دروازہ تہا جس کے پاس نادر شاہ کے وقت میں قتل عام ہوا تہا اِس طرف ایک انگریزی دستہ فوج کا جامع مسجد تک پہونچ گیا تہا مگر یہاں سے اُسکو لوٹنا پڑا تہا خونی دروازہ سے شرق کی طرف چاندنی چوک کا بازار ہے۔ خونی دروازہ کے مقابل شرق و شمال میں شمرو کی بیگم کی کوٹھی اور باغ ہے جہاں لندن بنک ہے یہاں غدر میں بنک کا منیجر قتل ہوا تہا خونی دروازہ سے کوتوالی تک پھول کی منڈی کا بازار کہلاتا ہے اُسکے بعد جوہری بازار کا حصہ ہے اور جوہری بازار کے بعد اصل چاندنی چوک ہے اب سارا بازار فتح پوری تک چاندنی چوک کہلاتا ہے کوتوالی کے سامنے فوّارہ ہے اور مغرب میں روشن الدولہ کی سنہری مسجد ہے روشن الدولہ محمد شاہ کے بخشی تہے اُسپر یہ کتبہ کندہ ہے

در زمان شہ خورشید سریر	ظل حق ماہ زمین شاہ زمان
ناصر الدین کہ محمد شاہ است	تیغ او کفر شکن در دوران
شرف الدولہ بنا فرمودہ	مسجد و مدرسہ عالیشان
این دو بیت الشرف علم و عمل	ہمچو سعدین فلک کرد قران
سال تاریخ بنا گفت خسرو ١١٢٥	قبلہ حج ارادت کیشان

کوتوالی کے پس پشت مولانا فخر الدین صوفی کا مکان تہا کوتوالی کے سامنے بازار کے بیچ میں ۱۸۵۷ء میں پہانسیاں گڑی ہوئی نہین جہاں مفسدوں کو پہانسی ملی ہین نواب جہجر عبدالرحمن خاں اور راجہ بلب گڈہ راجہ ناہر سنگہ کو غدر کے بعد

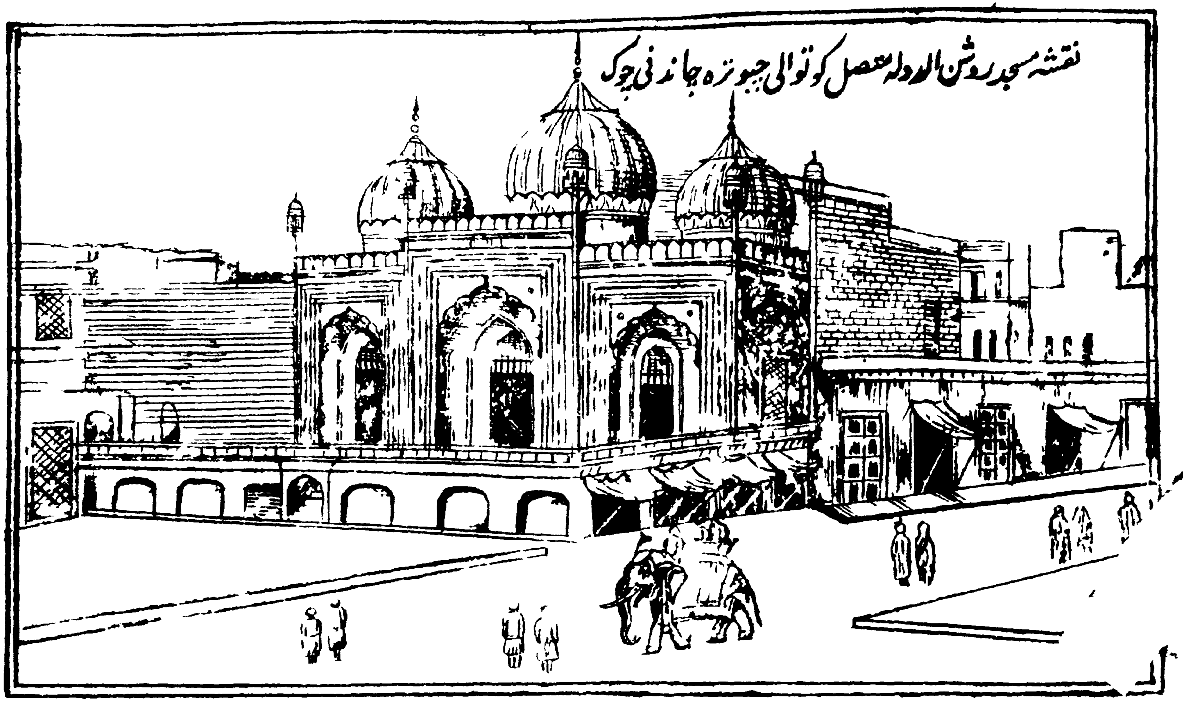

نقشہ مسجد روشن الدولہ متصل کوتوالی چبوترہ چاندنی چوک

پھانسی دی گئی تھی اور یہیں تین شہزادوں کی لاشیں لٹکائی گئی تھیں جنکو میجر ہاڈسن نے ۱۰۔ستمبر کو گولیاں ماردی تھیں۔ کوتوالی کے پاس سنہری مسجد میں قتل عام کے وقت نادر شاہ مارچ ۱۷۳۹ء میں آکے بیٹھا تھا۔

سنہری مسجد

جب مارچ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ نے دہلی میں قتل عام کا حکم دیا تھا تو وہ اسی مسجد میں آکے بیٹھا تھا۔ ایک شخص نے چشم دید حال اُس قتل عام کا اس طرح لکھا جو ہم انگریزی کتاب سے ترجمہ کرکے یہاں درج کرتے ہیں ۱۱ کی صبح کو ایرانی بادشاہ کا حکم جاری ہوا کہ باشندوں کو قتل کیا جائے۔ حکم کے جاری ہوتے ہی ایک لمحہ میں قتل وغارت شروع ہوگیا۔ چاندنی چوک بازار دریبہ اور مسجد جامع کے گرد کے مکانات کو آگ لگا دی گئی اور وہ سب جلکر خاکستر ہوگئے اور یہاں کے کل باشندے قتل کیے گئے۔ کہیں کہیں کسی نے کچھہ مقابلہ کیا لیکن اکثر مقامات میں لوگ بے لڑائی کے ذبح کردیے گئے۔ جو کچھہ اور جو شخص ہاتھہ آیا اُسکو ایرانیوں نے پکڑ لیا قیمتی کپڑے زیور سونے چاندی کے برتن بہت لوٹے گئے۔ میں اس مصیبت کو وکیل پورہ کے محلہ میں اپنے محل سے دیکھہ رہا تھا اور مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ اگر ضرورت ہوگی تو لڑکر جان دونگا اور خدا کی مدد سے عزت کے ساتھہ مرونگا۔ حضرت صاحبقران امیر تیمور کے زمانہ سے جنہوں نے پرانی دہلی کو فتح کیا تھا اور باشندوں کو قتل کرایا تھا اس زمانہ تک سنہ ۱۱۵۱ھ جسکو ۳۴۰ برس کا زمانہ گزرا دہلی پر ایسی مصیبت نہیں پڑی۔ برسوں کی محنت کے بعد کہیں پھر عمارتیں اور بازار درست ہونگے۔ آدھے دن تک قتل عام ہوتا رہا اسکے بعد

ایرانی بادشاہ نے حاجی فولاد خاں کوتوال کو حکم دیا کہ چند ایرانی نقیبوں کو ساتھہ لیکر
امان کا اعلان دو کہ قتل عام بند ہو رفتہ رفتہ آتش فرو ہوگئی مگر جو خونریزی بربادی
اور خاندانوں کی بعزتی ہوگئی وہ ہوگئی ایک عرصہ تک سڑکوں پر نعشیں اس طرح پڑی
تہیں جیسے باغ کی روش پر مردہ پھول اور پتے پڑے ہوتے ہیں شہر جلکر میدان ہوگیا
ایک ہو کا مقام نظر آرہا تھا۔ کرب وبلا کی صدائیں چاروں طرف سے اُٹھ
رہی تھیں۔ سکراۃ الموت کی بھیانک آوازوں نے کرہ باد کو بھر دیا تہا۔ آسمان سے
خون برس رہا تھا اور دہلی کی شاہراہیں انسانی گرم گرم خون سے افشاں
ہو رہی تھیں۔ ملک الموت کا پنجہ سب پر دراز ہو رہا تھا جس طرف نظر پڑتی تھی مرگ انبوہ
جشنے دارد کا مضمون بھر رہا تہا قلعہ کے تمام شاہی زیورات اور سامان اور خزانہ ایرانی
بادشاہ نے لیا۔ اِس طرح ہزارہا اشرفیاں اور ساٹھہ لاکھہ روپیہ اور ایک کروڑ
روپیہ کے سونے کے برتن پچاس کروڑ کے جواہرات جنکا ثانی دنیا میں نہ تہا نادرشاہ
کے ہاتھہ لگے صرف تخت طاؤس جو شاہجہان نے بنوایا تہا کئی کروڑ روپیہ کا تھا
ہاتہی گہوڑے کپڑے جو کچھہ اُس کے پسند آیا فاتح نے لے لئے غرضکہ ۳۴۸
برس کی دولت دم بھر میں اُسکے ہاتھہ آگئی یہاں سے آگے چلکر نارتہہ وکسر صاحب
کا گھنٹہ گھر ہے جسمیں میونسپل کمیٹی کے پچیس ہزار روپیہ صرف ہوئے تہے اور وہ ایکسو اٹھائیس
فٹ بلند ہے یہاں پہلے جہاں آرا بیگم کی کاروانسرائے بنی ہوئی تھی جن کا لقب شاہ بیگم تھا
اور وہ شاہجہاں کی بیٹی تھیں اور ان کی بہن روشنارا بیگم تھیں جن کے باغ کا ذکر آگے
آئیگا برنیر سیاح اس سرائے کی عمارت کی بہت تعریف لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ
پارس کے شاہی محل کے ہم پایہ تہی۔ برنیر صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ اِس زمانہ میں

دہلی کی آبادی پارس کی آبادی کے برابر تہی۔ کارواں سرائے کے سامنے شمال کی طرف جہاں آسا بیگم کا باغ تہا جو نوسو ستر گز لمبا اور دوسو چالیس گز چوڑا تہا۔ جو خوبصورت بارہ دریاں وغیرہ اِس باغ میں بنی ہوی تہیں اب اُنکا نشان بہی نہیں رہا۔ اب اُسکی جگہ زیادہ قطعہ زمین ملا کر ملکہ کا باغ انگریزی قطع کا بنا ہوا ہے گہنٹا گہر کے سامنے ملکہ وکٹوریا قیصر ہند کا سنگ مرمر کے چبوترہ پر بُت استادہ کیا گیا ہے اُسکے پس پشت ٹاون ہال کی عمارت بنی ہوی ہے جسمین منیوسپل کمیٹی کے ایک لاکہہ پینتیس ہزار چارسو ستاون روپیہ خرچ ہوے ہین۔ ٹاون ہال کے پیچہے ریل کے اسٹیشن تک ملکہ کا باغ چلا گیا ہے جس میں شاہ بیگم کے قدیم باغ کی زمین بہی شامل ہے باغ میں ایک ہاتہی سنگ مرمر کا بنا ہوا کہڑا ہے یہہ اُن دو ہاتہیوں میں سے ایک ہاتہی ہے جو کسی زمانہ میں قلعہ کے دلی دروازہ کے سامنے کہڑے تہے۔ گہنٹہ گہر کے آگے فتح پوری بازار ہے جسکی انتہا پر فتح پوری کی مسجد واقع ہے یہہ مسجد شاہجہان کی بیوی نواب فتحپوری بیگم نے سنہ ۱۶۵ء میں تعمیر کی تہی اِس مسجد کا طول ۴۵ گز کا اور عرض بائیس گز کا ہے یہہ سنگ سُرخ کی بنی ہوئی ہے اِسکا ایک بُرج جو چوٹی کا دہاری دار بنا ہوا ہے اور دو منارے چونتیس گز بلند ہیں مسجد کے سامنے صحن پینتالیس گز لمبا اور پینتیس گز چوڑا سنگ سُرخ کا ہے۔ صحن کے آگے ۱۹ گز سے چودہ گز کا حوض ہے اِس مسجد کی چاروں طرف طالب علموں کے رہنے کے مکانات بنے ہوے ہیں اِس کے تین دروازے ہیں ایک شمال میں کہاری باولی بازار کی طرف ہے یہہ باولی اب دوکانوں میں دب گئی ہے یہہ شاہجہان آباد کی آبادی سے پہلے کی تہی سنہ ۹۵۲ھ میں شیر شاہ کے عہد میں بنّی شروع ہوی تہی اور چہہ سال میں تمام ہوی تہی اسکا کتبہ یہہ تہا۔

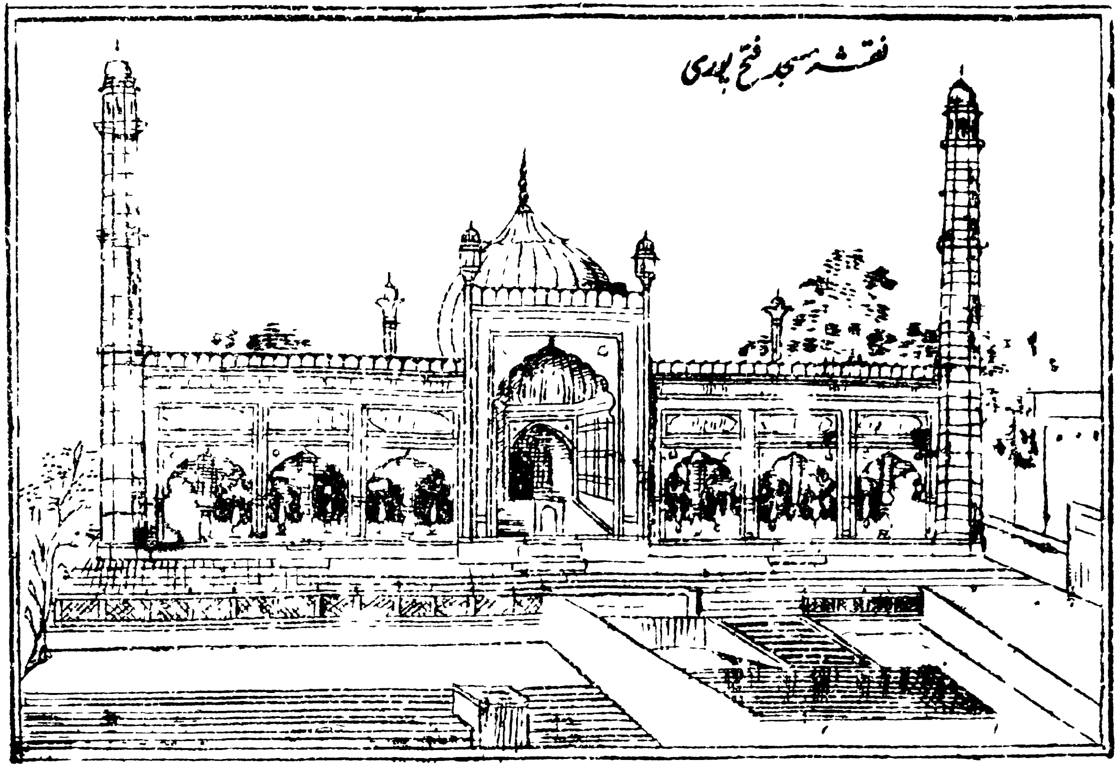

نقشہ مسجد فتح پوری

کتبہ دروازہ

یا اللہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ یا اللہ

کتبہ اندرونی پیشانی چوکھٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم و به نستعین رب بعونت تمام شد این باوری وچاہ در ماہ رمضان سنہ نہصد وپنجاہ وہشت ہجری بروح محمد مصطفی رسول درگاہ حضرت الہٰ در زمان عادل اسلام شاہ بن شیر شاہ بنا کردہ کارکردین از حملہ ہیثی خواجہ عماد الملک عرف عبد اللہ لاذر قریشی بندہ گان کر باو رسلے امید از عنایت ورحمتک کرد بابر سری بایستک

کتبہ دیوار شمالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم در عہد وزمان شاہ سلطان السلاطین والمظفر اسلام شاہ بن شیر شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ وسلطانہ بنا کردہ این چاہ بتوفیق اللہ دبروح رسول اللہ ملک عماد الملک عرف خواجہ عبد اللہ لاذر قریشی بدار الملک حضرت دہلی فی سنۃ اثنی وخمسین وتسعمائۃ

دوسرا دروازہ شرق میں چاندنی چوک کی جانب اور تیسرا جنوب میں بازار لال چاہ کی طرف ہے جو کمرہ چاندنی چوک کی جانب ہے اب اوپر دوسری منزل بنا دی گئی ہے تاکہ کرایہ کی آمدنی بڑھ جائے طالب علموں کے مکانات کے سامنے باغیچہ تہا جو اب خراب ہوگیا ہے ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد یہہ مسجد ضبط ہوگئی تہی جب ۱۸۷۶ء میں حضور قیصر ہند دہلی میں بحالت ولیعہدی تشریف لائے تہے تو یہ مسجد از سر نو مسلمانوں کی عبادت کے لیے واگذاشت کردی گئی تھی اب اسکا انتظام ایک کمیٹی کے سپرد ہے چہری کے سامنے سے سیدہی سڑک ریل کے اسٹیشن کی سڑک سے جاملی ہے۔ اس سڑک کے بائیں طرف کیمبرج مشن کا مکان ہے جو پہلے نواب صفدر جنگ کا

محل تہا جسجگہ اب ریل کا اسٹیشن ہے وہاں پنجابی کٹرہ میں نواب اورنگ آبادی بیگم کی بنوائی ہوی بہت بڑی مسجد تہی یہہ خاتون اورنگ زیب بادشاہ کی بیوی تہیں یہ مسجد سرخ رنگ کی بنی ہوی تہی

فخر المساجد

لب سڑک کشمیری دروازہ کے پاس فخر المساجد بنی ہوئی ہے یہہ ایک چھوٹی سی نہایت خوشنما مسجد ہے کرسی میں کئی دوکانیں ہیں مسجد کی روکار سنگ مرمر کی ہے اور سنگ سرخ کی پچی کاری ہے مسجد کے اندر اجارہ تک سنگ مرمر ہے۔ اسکے برج سنگ مرمر کے ہیں جنمیں سنگ موسے کی دہاریاں بنی ہوی ہیں برجوں پر سنہری کلس ہیں اندر کا فرش سنگ مرمر کا اور باہر کا سنگ سرخ کا ہے جنوبی ضلع میں نہایت خوبصورت دالان سنگ سرخ کے بنے ہوے ہیں شمال کیطرف بہی جواب میں دالان ہے اسی طرف حوض اور فوارہ تہا۔ یہ مسجد فاطمہ فخر النسا بیگم زوجۂ نواب شجاعت خاں نے اپنی یادگار میں سنہ ۱۱۴۱ھ میں بنوائی تہی اسپر یہ کتبہ کندہ ہے

کتبہ

خانِ دین پرور شجاعت خاں بخت یافت جا
صدرِ خاتوناں کنیزِ فاطمہ فخرِ جہاں

برضاے حق تعالے از طفیلِ مرتضے
یادگارش ساخت این مسجد بفضل مصطفے

نقشہ فخر المساجد

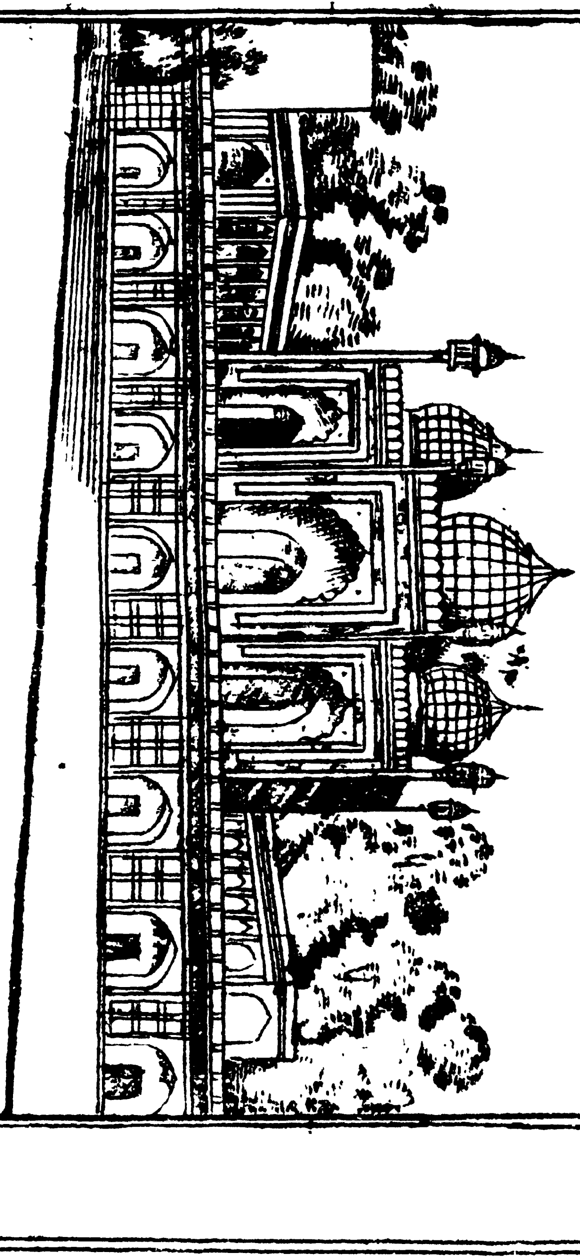

کرنیل جیمس اسکنر کا گرجا گھر

اسکے سامنے کرنیل جیمس اسکنر کا بنایا ہوا گرجا گھر ہے اِسکی عمارت میں اسّی ہزار روپیہ صرف ہوا تہا گرجا کے احاطہ میں کرنیل جیمس اسکنر کی اور مسٹر فریزر کی قبرین ہین جو سنہ ۱۸۳۵ء میں دہلی میں مارا گیا تہا ہین سر ٹامس مٹکلف صاحب کی بہی قبر ہے جنہوں نے مٹکلف کیسل کی عمارت بنائی تہی۔

محل مردان علی خان

جو سڑک یہاں سے جامع مسجد اور لال قلعہ کو گئی ہے اُسکے کنارہ پر مردان علی خاں کا محل تہا جہاں ہائی اسکول ہے اِسی مکان میں سنہ ۱۸۰۳ء کے بعد بہت دن تک دہلی کے ریذیڈنٹ رہا کیے اور اسی مکان میں دہلی کالج تہا جو سنہ ۱۸۷۳ء میں بند ہو گیا۔

سرکاری ڈاکخانہ

اِسکے بعد سرکاری ڈاکخانہ کی عمارت ہے جہان غدر میں چند اہلکار بہت مردانگی کے ساتہہ اخیر وقت تک کام کرتے رہے تہے اور حال میں اُنکی ایک یادگار وہاں بنائی گئی ہے۔ ڈاکخانہ کے قریب پُرانے میگزین کا دروازہ ہے جسکو ملازمین سرکار نے بہت ہی بہادری کے ساتہہ باغیوں سے بچایا تہا اور آخر کار میگزین کو اُڑا دیا تہا یہاں سے سڑک جنوب کو ریل کے پُل کے نیچے سے مُڑ کر سیدہی قلعہ کے نیچے ہوتی ہوی قلعہ کے لاہوری دروازہ کے سامنے سے گزر کر فیض بازار میں جاملی ہے جو قلعہ کے دہلی دروازہ کے اور شہر کے دہلی دروازہ کے مابین اِس طرح واقع تہا جیسکہ قلعہ کے لاہوری دروازہ کے اور جامع مسجد

نقشہ گرجاگھر متصل دروازہ کشمیری دہلی

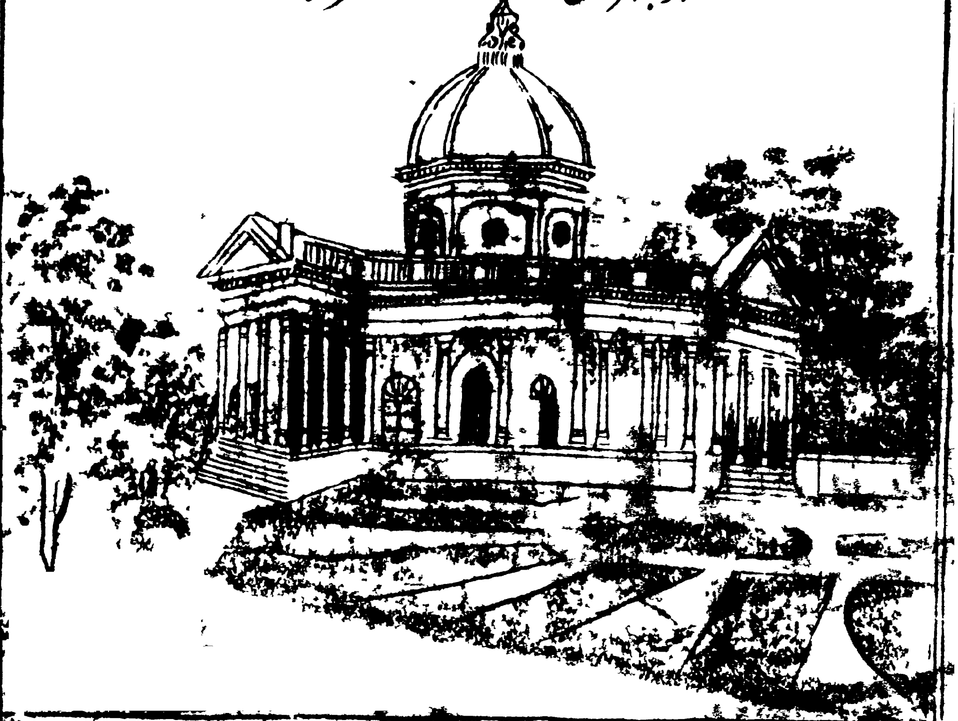

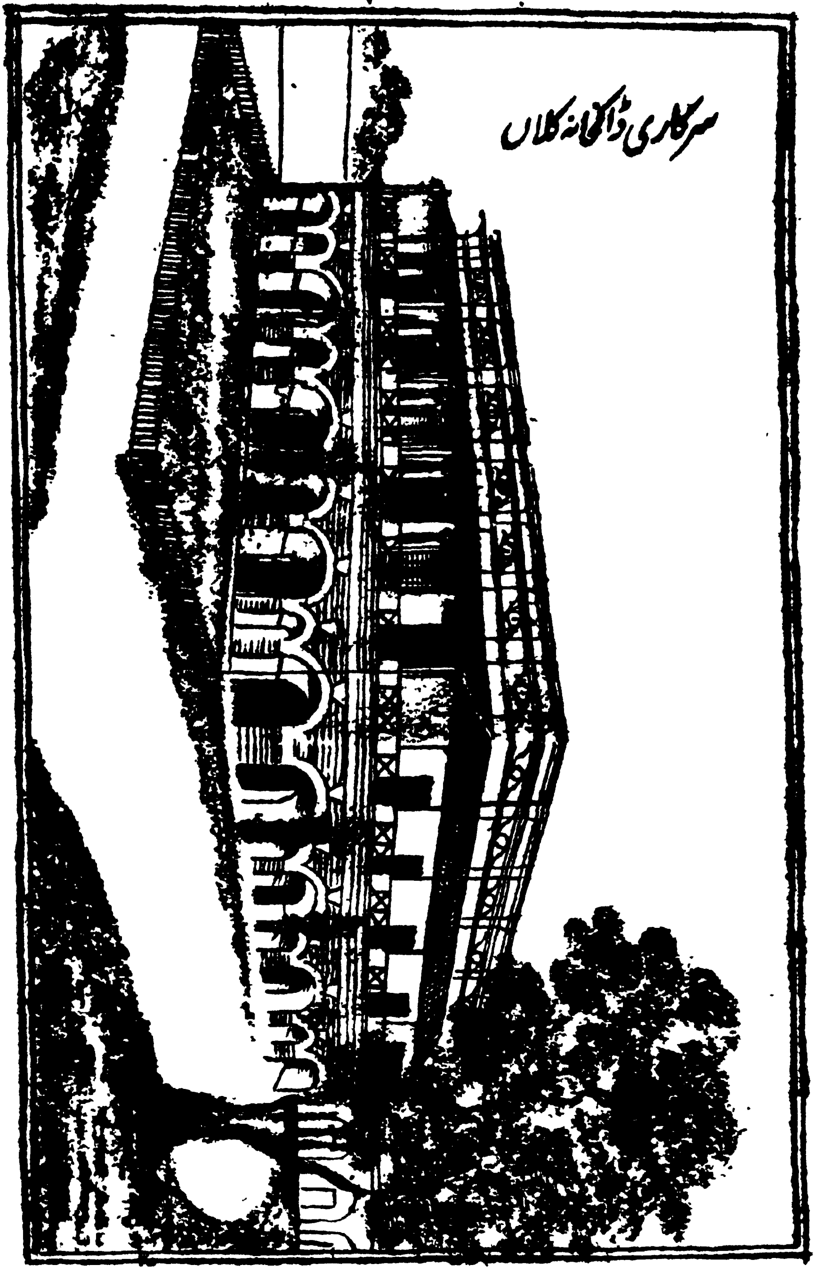

سرکاری ڈاکخانہ کلاں

کے مابین خاص بازار واقع تھا قلعہ کے دہلی دروازہ کے سامنے دو پتھر کے ہاتھی کھڑے تھے جن کا ذکر لال قلعہ کے بیان میں ہو چکا ہے جو آگرہ سے لائے گئے تھے اور جن کی بابت بیان کیا جاتا ہے کہ چتوڑ کے محافظین کے بت ان پر سوار کیے گئے تھے ان ہاتھیوں کے کچھ اجزا قلعہ میں سے دستیاب ہوئے تھے جنسے ایک ہاتھی مرتب کیا گیا ہے اور وہ ملکہ کے باغ میں موجود ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا

جوّادخان کی سنہری مسجد

دہلی دروازہ کے سامنے تھوڑی دور پر جوادخاں کی سنہری مسجد ہے جو ۱۱۶۵ھ میں تعمیر ہوئی تھی۔ یہ مسجد سنگ ماسی کی بنی ہوئی ہے جوّادخاں قدسیہ بیگم والدہ احمد شاہ کا منشی تھا جب احمد شاہ تخت سے اتارے گئے اور انکی آنکھیں نکال ڈالی گئیں تو جوّادخان بھی قتل کر ڈالا گیا تھا اسکے دونو مینار سنگ باسی کے ہیں اسکے تینوں برج کاٹ کے بنے ہوئے تھے جنپر موٹے موٹے تانبے کے پتر اور تانبے پر سونے کے پتر چڑھائے گئے تھے جب کاٹ گل گیا تو برج اتار ڈالے گئے مسجد کی بائیں طرف کاٹ کے دالان میں کچھ تبرکات رکھے رہتے تھے اسپر یہ کتبہ کندہ ہے۔

شکر حق در عہد احمد شاہ غازی بادشاہ
خلق بر صد داد گر شاہان عالم را پناہ
مسجدے کردہ بنا نواب قدسی عز و جاہ
باد دائم فیض عامِ آن ملائک سجدہ گاہ
سعی نواب بہادر صاحب لطف و کرم
ساخت تعمیر چنین جاوید عالی دستگاہ
چاہ و حوض و صاف صحنش آبروے ہمت
ہر کہ از آبش طہارت کرد شد پاک از گناہ
سال تاریخش چہ خرم یافت از الہام غیب
مسجدِ بیتِ مقدس مطلع نور الٰہ

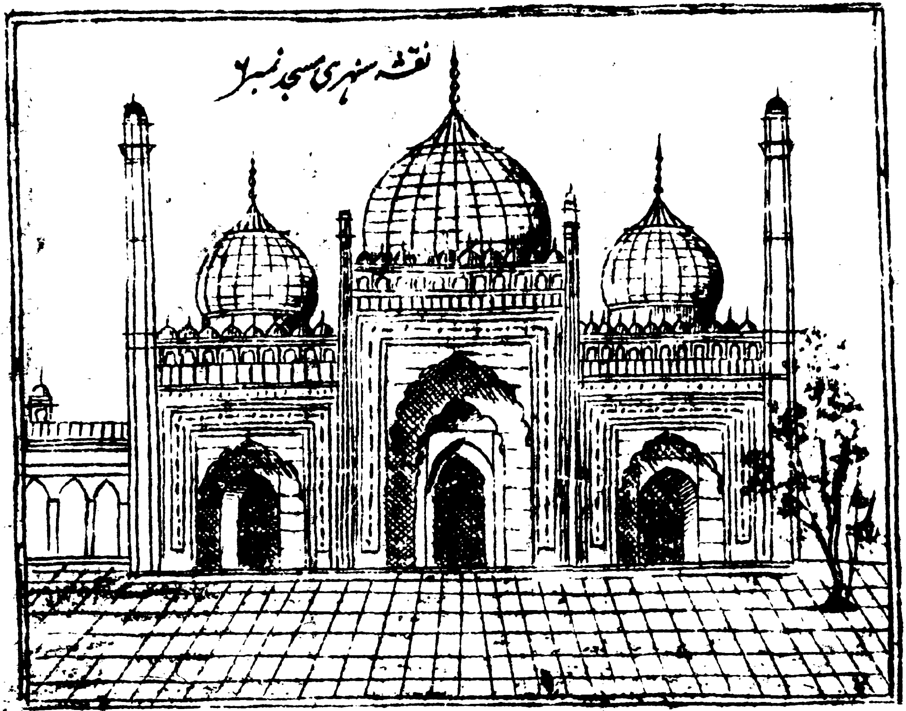

نقشہ سنہری مسجد نمبر ۶

زینت المساجد

خیراتی دروازہ کے پاس زینت المساجد ہے جسکو سنہ ۱۷۰۰ع مین زیب النسا بیگم اورنگ زیب کی بیٹی نے بنوایا تہا اُنکا مدفن شمال کی طرف اِس مسجد میں ہے غدر کے بعد جب یہہ مسجد فوجی قبضہ میں آئی تہی تو تعویذ اُکہیڑ ڈالا گیا تہا۔ یہہ مسجد سات در کی ہے بیچ کا در بڑا اور آس پاس کے در چھوٹے ہیں اِسکے منارے بہت بلند ہیں کل سنگ سُرخ کی بنی ہوی ہے اور بہت خوبصورت ہے اِسپر یہ کتبہ کندہ ہے

مونس ما در لحد فضل خدا تنہا بس است سایۂ از ابر رحمت قبر پوش ما بس است

روشن الدولہ کی سنہری مسجد

فیض بازار میں قاضی واڑہ کے پاس روشن الدولہ کی سنہری مسجد تہی جسکے تین سنہری گُنبج تہے اِس مسجد کے سوائے کوتوالی کے قریب کی سنہری مسجد روشن الدولہ نے بنوائی تہی۔ اِسپر یہ کتبہ کندہ تہا

شکر حق کز یمن فیض مسجد عرفان پناه
شاه بھیکوان مرشد کامل ولایت دستگاه
در زمان شاه اسکندر نشان جمشید قدر
معدلت گستر محمد شاه غازی بادشاه
روشن الدولہ ظفر خان صاحب جود و کرم
کرد تعمیر طلائی مسجد عرش اشتباه
مسجدے کاندر فضائے صحن قدرش آسمان
گردہ از نور شعاع مہر روز و شب نگاه
حوض صاف او نشان از چشمہ کوثر دہد
ہر کہ از آبش وضو سازد شود پاک از گناه
سالِ تاریخش رسائی یافت از الہام غیب
مسجد چون بیت اقصی مہبط نور آلہ

نقشہ زینت المساجد

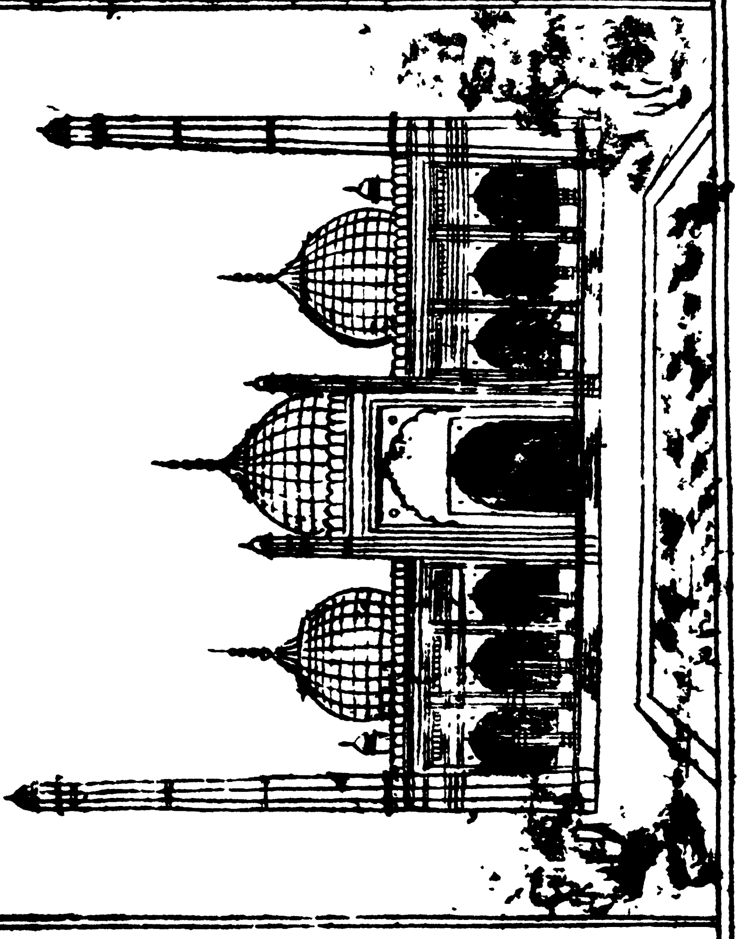

مسجد روشن الدولہ

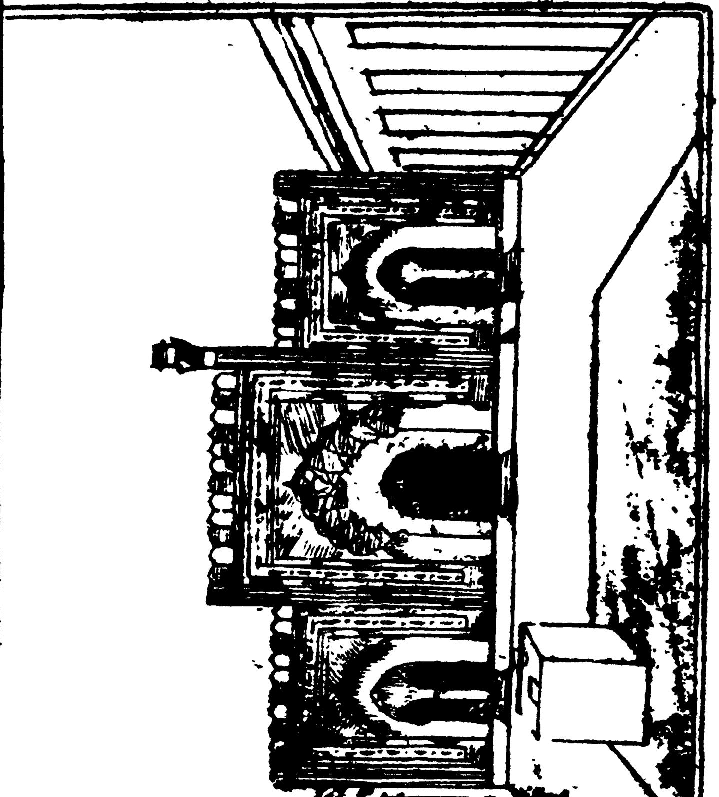

اولیا مسجد

فیض بازار سے جسکے بیچ میں مثل چاندنی چوک کے نہر بہتی ہے اور اس نہر کا نام فیض نہر ہے داہنی طرف رستہ بہرام خاں کے ترابہ کو موڑ جاتا ہے۔ اس رستہ میں اولیا مسجد سنہ ۱۲۱۱ کی بنی ہوئی اور اس کے آگے درہی کی مسجد سنہ ۱۲۴۱ ہجری کی ایک برج کی بنی ہوئی ہے ادہر سے رستہ فیض اللہ خان بنگش کے کمرہ کے نیچے ہوتا ہوا چتلی قبر کو آیا ہے دست راست کیطرف نواب اعظم خاں کی حویلی ہے جہاں اب تنگ محلہ آباد ہے اور دست چپ کیطرف ترکمان دروازہ کو رستہ گیا ہے چتلی قبر کی بابت مشہور ہے کہ یہہ سید روشن صاحب شہید کی ہے جس تعمیر کو ساڑہے پانسو برس ہوے جو رستہ ترکمان کو گیا ہے اسمیں میر محمدی صاحب کا مزار ہے یہاں مرزا سلیم ابن اکبر شاہ بھی مدفون ہیں اس سے آگے غلام علی صاحب کی خانقاہ ہے۔ علاوہ شاہ صاحب کے یہاں مرزا جان جاناں مظہر اور شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار ہیں اور اس سے آگے شاہ کلن کی ڈگڈگی یعنے مزار ہے اور اس سے آگے ترکمان دروازہ کے پاس شاہ ترکمان کا مزار ہے یہہ بیابانی کی درگاہ ہے اور اسی درگاہ کے سبب سے اُس دروازہ کا نام ترکمان دروازہ رکہا گیا ہے۔ ایک احاطہ میں آپ کا مزار ہے جسکے گرد سنگ مرمر کا کٹہرا لگا ہوا ہے اور تہوڑی دور تک سنگ مرمر کا فرش ہے باقی سنگ سرخ بچہا ہوا ہے اس درگاہ میں ایک کہرنی کا درخت ہے جسکی بابت بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت کا بویا ہوا ہے۔ تاریخ وفات آپ کی ۲۴ رجب سنہ ۶۳۷ھ ہے اس تاریخ پر ہر سال بہت دہوم سے آپ کا عرس ہوتا ہے چتلی قبر سے دوسرا رستہ سیدہا جامع مسجد کو جاتا ہے۔

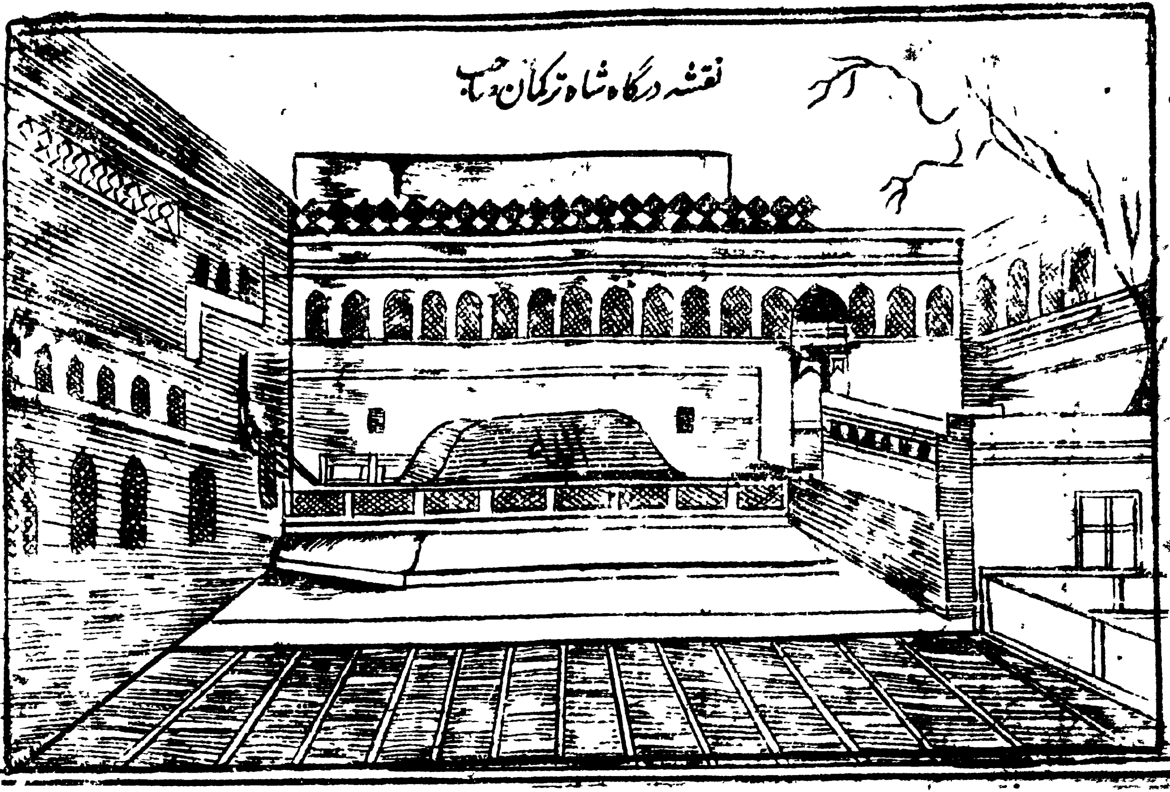
نقشہ درگاہ شاہ ترکمان صاحب

مسجد سید رفائی صاحب

اس رستہ میں سید رفائی صاحب کی مسجد ہے جو بہت قدیم زمانہ کی بنی ہوی ہے مگر چونکہ غدر سے پہلے یہاں سید صاحب سکونت پذیر تھے اور اُسکی کچھ مرمت بھی اُنھوں نے کرائی تھی اِس سے اُنکے نام سے مشہور ہوگئی آثار الصنادید میں لکھا ہے کہ ان سید صاحب کے ہاں ایک مجلس بنام حضرہ ہوا کرتی تھی اور اُس مجلس میں خاص مریدوں کے ہاتھہ میں چھڑے ہوتے تھے اور وہ حالت وجد میں ایک دوسرے کو چھڑے مارتے تھے مگر کوئی زخمی نہوتا تھا اور اگر ہوتا بھی تھا تو سید صاحب لب لگا کر اُسکو اُسی وقت اچھا کر دیتے تھے مجلس کی بڑی شرط یہہ تھی کہ اُسکے گرد و پیش میں کوئی عورت نہو۔ نواب مصطفٰے خان اور محمد امیر خوشنویس کے مکانات بھی اِسی سڑک پر واقع تھے اِسکے بعد نواب عزیز آبادی کی حویلی ہے جہاں اب ایک محلہ آباد ہے آگے چلکر شیدی فولاد خاں کا بنگلہ تھا شیدی فولاد محمد شاہ کے وقت میں شہر کے کوتوال تھے اُسکے آگے مفتی صدر الدین خان کی حویلی ہے جو اب تک موجود ہے یہہ حویلی اصل میں لالہ ہزارہ بیگ کی حویلی تھی جو مفتی صاحب نے خرید لی تھی اِسکے آگے ٹیامحل کا محلہ ہے جسکی وجہ تسمیہ کسی کتاب سے دریافت نہین ہوی چتلی قبر سے ایک راستہ چوڑی والوں کے محلہ کو گیا ہے اور ایک راستہ شاہ کلن کی ڈگڈگی سے بلبلی خانہ محلہ سے ہوتا ہوا سیتارام کے بازار کو نکل گیا ہے

رضیہ سلطانہ کا مزار

بلبلی خانہ کے پاس رضیہ سلطان بیگم کا مزار ہے آپ کے مزار کے گرد ایک مختصر سا احاطہ

جو بہت خراب حالت میں ہے قبر کا تعویذ بہی باقی نہین رہا اِس احاطہ میں ایکدوسری قبر ہے جو جعیہ بیگم کی ہے دونوں قبرین رجی جبی کی درگاہ کے نام سے عوام مین مشہور ہین رضیہ سلطانہ بیگم سلطان شمس الدین التمش کی بیٹی تہین سلطان شمس الدین کی وفات کے بعد اُنکا بیٹا سلطان رکن الدین تخت نشین ہوا اُسنے اپنی بہن رضیہ سلطانہ بیگم کو قید کرنا چاہا۔ مگر رضیہ سلطان نے اپنے باپ کی فوج کو اپنی طرف کرلیا اور رکن الدین قتل ہوا۔ ساڑہے تین سال تک وہ ہندوستان کے تخت پر متمکن رہی یہ ہندوستان کے اول ملکہ قیصرہ ہند نہایت عقلمند عادل اور سچی ملکہ تہی اور میدان جنگ مین اپنے لشکر کی افسری آپ کرتی تہی چونکہ ملکہ نے اپنے ایک حبشی غلام کو امیر الامرا کا خطاب دیا تہا دربار کے امرا کو یہہ امر ناگوار ہوا اور ملکہ کی جانب بدگمانی پیدا ہوگئی۔ ایک ترکی سردار التونیا نامی نے جو بہٹنڈا کا حاکم تہا بغاوت کی۔ اِس بغاوت مین حبشی مارا گیا اور رضیہ بیگم رضیہ سلطانہ کو التونیا نے قید کرلیا جب رضیہ سلطانہ نے کوئی چارہ نہ دیکہا ناچار اُس ترکی سردار سے نکاح کرلیا اور اُسکی مدد سے اپنے بہائی معز الدین بہرام سے دو خونریز لڑائیاں لڑیں آخر لڑائی مین رضیہ سلطانہ اور اُنکا شوہر قید ہوگئے اور مروا ڈالے گئے سنہ ۶۳۴ ہجری) کتب تواریخ میں لکہا ہے کہ وہ فیروزآباد میں مدفون ہوئین چونکہ یہ تحقیق ہے کہ کالی مسجد بیشک شہر فیروزآباد کی جامع مسجد تہی اسلئے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اِس مزار کی بابت عام روایت کو یقین نہ کیا جائے کہ یہہ خراب و خستہ مزار درحقیقت اول ملکہ ہندوستان رضیہ سلطانہ کا ہے۔

کالی مسجد

بلبلی خانہ اور ترکمان دروازہ کے بیچ میں کالی مسجد ہے شا [illegible] اصل میں کلاں مسجد کا

نام ہو اور شہر فیروزآباد کی یہ جامع مسجد اور کلان ترین مسجد ہو کچھ تعجب نہین کہ فیروزآباد کا شہر جمنا کے کنارہ تک آباد ہو اور فیروز شاہ کا کوٹلہ اُس کے جنوبی حدود سے باہر ہو کیونکہ عموماً محل شاہی شہر سے علحدہ ہوا کرتا ہے اِس مسجد کی کُرسی بہت بلند ہے اِسکی بتیس ۳۲ سیڑھیاں ہیں جو تانشہ جان جہان ابن خان جہاں وزیر نے فیروز شاہ کے عہد میں د ۷۸۹ھ تعمیر کرائی تھی۔ یہ مسجد ڈھکی ہے ہر گر مین پانچ پانچ در ہین۔ اِس مسجد کا طول ۱۷ فٹ اور عرض ۱۴ فٹ ہے ہر در پر چھوٹے چھوٹے بُرج ہین اور بیچ کا بُرج بڑا ہے کل پندرہ بُرج ہیں۔ اِسکی دیوارین سڑک سے ۶۶ فٹ بلند ہین اور اندر کی طرف پہلواں بنی ہوی ہیں اور مسجد کا دالان زمین سے ۴۰ فٹ کی کرسی پر ہے کسی زمانہ مین اِس کی استرکاری کے نقش ونگار بہت خوبصورت تھے اِسکے صحن مین کئی قبرین ہیں منجملہ اُنکے ایک جان جہان بانی مسجد کی ہے اور دوسری خان جہان اُنکے والد کی ہے مسجد پر یہ کتبہ کندہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بفضل وعنایت آفریدگار در عہد دولت بادشاہ دین دار الواثق بتائید الرحمن ابو المظفر فیروز شاہ السلطان خلد اللہ ملکہ این مسجد بنا کردہ بندہ زادہ درگاہ جونانشہ مقبول المخاطب خان جہان خدا برین بندہ رحمت کند ہر کہ درین مسجد بیاید بدعاے خیر بادشاہ مسلماناں و این بندہ بفاتحہ و اخلاص یاد کند حق تعالے این بندہ را بیامرزد بحرمۃ النبی و آلہ مسجد مرتب شد بتاریخ دہم ماہ جمادی الآخر سنہ تسع وثمانین وسبعماۃ ہجری

جامع مسجد کے پیچھے چاوڑی بازار ہے اِس بازار کے وسط میں شاہ بولا کا بڑھ ہے بڑ اب باقی نہیں رہا یہاں ایک فقیر شاہ بولا نامی رہا کرتے تھے یہاں سے سیدہا راستہ قاضی کے حوض کو گیا ہے۔ یہہ حوض اب باقی نہین ہے صرف نشان رہگیا ہے۔

قاضی کے حوض سے ایک راستہ لال چاہ کو گیا ہے اِس بازار مین ایک چھوٹی سی مسجد سنگ سُرخ کی مبارک بیگم کی بنوائی ہوی ہے۔ یہہ انگریزی سپاہ سالار اختر لونی کی بیوی تھیں یہ مسجد اب شکستہ حال ہے اور دہلی کے یتیم خانہ کے سپرد ہوگئی ہے لال چاہ سنگ سُرخ کا بنا ہوا ہے اِس سبب سے اسکا نام لال کنوان ہے۔ اِس بازار میں لال دروازہ بدل بیگ خاں کی حویلی اور زینت محل کا مکان مشہور مکانات ہیں جہان اب محلے آباد ہین قاضی کے حوض سے دوسرا راستہ سیدہا اجمیری دروازہ کو گیا ہے۔ اِس راستہ پر رضیہ بیگم کی حویلی ہے جہاں ایک محلہ آباد ہے اور گلی شاہ تارا جہاں ایک فقیر تارا شاہ رہتے تھے نامی محلہ مین جمنا کے پُل کے راستہ میں سب سے پہلے قابلِ ذکر نگمبود کا گہاٹ اور دس اسوامیدہ مقام ہے ان مقامات کا تعلق قدیم ہندو تواریخ سے ہے اندرساہت کے پانڈے بادشاہ نے دس اسوہ میدہ پر یودشٹر کی پوجا کی تھی اور نگمبودہ گہاٹ پر شیوا دیوتا کو ویدہ کا دوبارہ علم دیا گیا تہا نگمبود گہاٹ اب دریا کے ہٹ جانے سے خشکی میں ہے اِسکے قریب نیلی چھتری کا گنبد یا بنگلہ ہے بعض کا قول ہے کہ یہہ ہندؤں کے زمانہ کا مندر ہے اور اِسکو ہمایوں بادشاہ نے توڑکر از سرِ نو بنوایا یا اُسکی صرف مرمت کی تہی اور جہانگیر نے پہر اُسمیں کچھہ مرمت کرکے یہہ عبارت بنگلہ کے اندر لکھوادی تہی مدینہ جہانگیر شاہ ابن اکبر شاہ عجب پر فیض جائے کامرانی نشیمن گاہ جنت آشیانی ابن بہشت ۔ چونکہ جہانگیر کا لقب بعد وفات کے جنت آشیانی قرار پایا تھا اِس سبب

معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت پوری لکھوائی گئی تھی۔ آخر زمانہ میں مرہٹوں نے بھی اس نیلی چھتری کی مرمت کرائی تھی

تعمیرات بیرون شہر

کشمیری دروازہ کے باہر قدسیہ باغ ہے پہلے اس باغ کے مشرق کیطرف دریائے جمنا بہتا تھا مگر اب وہاں سے بہت دور بہتا ہے۔ اسکے چاروں طرف دیوار تھی وہ بھی توڑ ڈالی گئی ہے صرف باغ کا دروازہ شکستہ حال موجود ہے کسی زمانہ میں نہایت خوبصورت بنا ہوا تھا۔ قدیم عمارات میں سے اس باغ میں صرف ایک خوشنما مسجد سنگ سرخ کی بنی ہوی باقی ہے جسپر غدر کے زمانہ کی گولہ باری کے نشانات موجود ہیں اس باغ میں اُن توپخانوں کے مقامات بنے ہوے ہیں جہاں سے انگریزوں نے شہر کی فصیل پر گولہ باری کی تھی اور جنوب و مغرب کے کونہ میں جنرل نکلسن کی قبر ہے۔ باغ کے شمال و مغرب کے کونہ میں لڈلو کیسل ہے جہاں مسٹر سمن فریزر صاحب کمشنر رہتے تھے اور اب وہاں دہلی کلب ہے۔ شہر کی موجودہ فصیل اور دمدمے انگریزی گورنر نے سنہ ۱۸۰۴ء اور سنہ ۱۸۱۱ء کے مابین بنوائے تھے اور اسی زمانہ میں کشمیری دروازہ بھی از سر نو تعمیر کیا گیا تھا تاکہ آیندہ مرہٹوں کے حملوں سے شہر محفوظ رہ سکے۔ کیونکہ جب سنہ ۱۸۰۴ء میں جسونت راؤ ہلکر نے شہر پر حملہ کیا ہے تو انگریزوں کو اُسکی حفاظت میں بہت مشکل پڑی تھی۔ انگریزوں کی طرف سے کرنیل اختر لونی داوکٹر لونی اور کرنیل برن صاحب شہر کے محافظ تھے مرہٹوں نے ستر ہزار فوج اور ایک سو تیس ضرب توپ سے سات روز تک یعنی ۹۔ اکتوبر سے پندرہ اکتوبر تک شہر پر متواتر حملے کیے مگر انگریزوں نے بہت تھوڑی سی فوج سے اُسکے حملوں کو پسپا کر دیا اور وہ بے نیل و مرام واپس گئے ظاہرا شاہی فصیل کبھی مکمل نہیں ہوئی اور جو کچھ بھی ہوئی اسکو سنہ ۱۸۲۰ء کے

زلزلہ میں بہت صدمہ پہونچگیا تہا اور جو اِس قابل ہرگز نہ رہی تھی کہ دشمن کو روک سکتی کابلی دروازہ کے باہر قدسیہ باغ کے برابر بتیس ہزاری کا میدان ہے کسی زمانہ میں یہاں ایک نہایت پرفضا باغ اور ملکہ زمانی بیگم کی قبر تہی جو محمد شاہ کی والدہ تہیں جنہون نے بادشاہ کو سیدوں کے پنجہ سے نجات دی تہی قدسیہ باغ سے آگے پہاڑی ہے جہاں سنہ ۵۷ء کی بڑی لڑائی ہوئی تہی اور انگریزی فوج کے مورچے بنے ہوئے تہے غدر سے پہلے پہاڑی سے لیکر مٹکاف صاحب کی کوٹہی تک انگریزی گورنمنٹ کے دفاتر مثل تارگہر وغیرہ کے بنے ہوئے تہے اور اسکے پاس پرانی چہاونی کا بازار تہا اِس پہاڑی پر ایام غدر کی مختلف یادگاریں سرکار انگریزی نے بنوادی ہیں جہاں جو شخص ہلاک ہوا ہے وہاں پتہر پر اُسکا نام وغیرہ لکہدیا گیا ہے اِن کے علاوہ ایک منارہ بنا ہوا ہے جسکی چاروں طرف اُن لوگوں کے نام لکہے ہوئے ہیں جو اِس جگہ لڑائی میں مارے گئے تہے منارہ کے اندر اوپر جانے کی سیڑہیاں بنی ہوئی ہیں علاوہ اِن مقامات کے جنکو صرف ایام غدر سے تعلق ہے پہاڑی پر بعض قدیم مقامات موجود ہیں اِس پہاڑ پر فیروز شاہ کی شکارگاہ تھی جسکو کشک شکار کہتے تھے۔ یہاں فیروز شاہ نے میرٹھہ سے پتہر کی لاٹ لاکر کہڑی کی تہی جو کوٹلہ کی لاٹ سے کسیقدر چہوٹی ہے اور اُس رصدگاہ پر ایستادہ ہے جو اس زمانہ میں پیر غیب کے نام سے مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ اِس رصدخانہ کے تہ خانوں میں سے نیچے نیچے میدان کو راستہ چلا جاتا ہے اِسی مقام پر ایک عمدہ باولی ہے جو فیروز شاہ کے وقت کی تہی اور شکارگاہ کے ساتہہ تعمیر ہوئی تہی اِس شکارگاہ کو جہاں نما بہی کہتے تہے جس نام سے وہاں کا موضع اب تک مشہور ہے اِس شکارگاہ کی تعمیر کا حال مورخ نے یوں بیان کیا ہے کہ سنہ ۷۶۲ ہجری میں وزیر ملک مقبل یعنی خان جہاں کا انتقال ہوگیا اور اُسکی جگہ اُسکا بیٹا جونہ شاہ وزیر ہوا سنہ ۷۷۶ھ

بادشاہ کا پیارا بیٹا فتح خاں مر گیا جس کا بادشاہ کو اِسقدر رنج ہوا کہ اِس نے ملکی کاروبا بالکل چھوڑ دیے۔ بادشاہ نے فتح خان کو اپنے باغ میں دفن کیا۔ جواب قدم شریف کے نام سے مشہور ہے وزرا نے بادشاہ کو بہت کچھہ سمجھایا اور عرض کیا کہ حضور اپنا دل بہلائین اور شکار میں کچھہ دن تک مصروف ہیں۔ بادشاہ نے وزرا کی صلاح قبول کی اور نئی دہلی کے پاس ایک شکارگاہ تعمیر کی جسکی دیوار دَوْر میں دو تین فرسنگ تھی اور اِس احاطہ میں سایہ دار درخت لگوائے اور شکار چھوڑوایا جو لاٹ یہاں استادہ تھی وہ اٹھارہویں صدی کے شروع میں گر پڑی تھی اور ڈیڑھ سو برس تک زمین پر پڑی رہی تھی اِس سبب سے اِس لاٹ کی سطح کوٹلہ کی لاٹ کی بہ نسبت کسیقدر ناہموار ہے اور حروف بھی جو اُسپر کندہ ہیں اِسقدر صاف نہیں ہیں کیونکہ کوٹلہ کی لاٹ ساڑھے پانچسو برس سے سیدھی کھڑی ہے اور اسکے علاوہ جہاں سے لائی گئی تھی سولہاسو برس سے وہاں بھی سیدھی کھڑی تھی۔

لونی کو فتح کر کے جہاں نما پر تیمور نے سنہ ۱۲۹۸ء میں دریائے جمنا کو عبور کیا تھا۔ لونی ایک مختصر گاؤں کی حیثیت سے اب تک موجود ہے سلطان محمود خاں اور اُسکے وزیر بلو خان نے تیمور کے لشکر پر حملہ کیا اور یہ حملہ جہاں نما کے مقام پر ہوا تھا لیکن اِس کو کامیابی نہیں ہوئی غالباً کوشک شکار سے باہر چوبرجی مسجد تھی جو اب تک شکستہ حالت میں موجود ہے یہہ عمارت فیروز شاہ کے زمانہ کی ہے۔ سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد جو کچھہ تغیر و تبدل اِسمیں ہوے ہیں اُس سے اُسکی صورت بالکل بدل گئی ہے۔

پہاڑی کے شمالی سرے پر جہاں وہ دریا کے کنارے پر یکایک ختم ہوگئی ہے موضع وزیر آباد کی حد میں شاہ عالم نامی درویش کی درگاہ ہے۔

یہہ عمارت فیروز شاہ تغلق کے زمانہ کی تھی یعنی سنہ ۱۳۹۰ء تیمور نے دہلی کو تباہ کر کے وزیر آباد

کے قریب جمنا کو عبور کیا تہا دیکم جنوری سنہ ۱۸۹۹ء وزیر آباد سے مغرب کی جانب وہ میدان ہے جہاں سنہ ۱۸۷۷ء میں اور سنہ ۱۹۰۳ء میں قیصری دربار ہوے۔ یہاں سے دو میل مغرب کیطرف بادلی کی سرائے اور موضع بیپل تہلا ہے جہاں ۸ جون سنہ ۱۸۵۷ء کو باغیوں اور سرکاری فوج سے ایک خونریز لڑائی ہوی تہی۔

بادلی کی سرائے سے شمال و مغرب کی طرف ایک میل پر شالامار باغ ہے۔ اِس باغ کی تعمیر شاہجہان نے سنہ ۱۶۵۳ء میں شروع کی تہی۔ یہہ باغ ویران پڑا ہوا ہے اب بہی یہان شیش محل کے کہنڈرات موجود ہیں۔ اِس باغ کا نام شاہجہان نے خانۂ عیش و عشرت رکہا تہا برنیر صاحب سیاح اِس باغ کی بہت تعریف لکہتے ہیں۔ جنرل اختر لونی ڈاکٹر لونی یہاں گرمیوں میں آکر رہا کرتے تہے۔

شالامار سے شہر کیطرف آتے ہوے سڑک کی ایک جانب مبارک باغ یعنی جنرل سر اکٹر لونی کا باغ ہے سبزی منڈی کے قریب ترپولیے کے دروازے ہیں جنکو محلدار خاں محمد شاہ رنگیلے کے ناظر نے سنہ ۱۷۲۸ء میں تعمیر کیا تہا یہاں ایک بازار بنا ہوا تہا جسکے کئی دروازے تہے اور اُسی کے پاس محلدار خاں کا باغ اب تک موجود ہے یہاں سے آدہ میل پر دہلی کی طرف روشن آرا بیگم کا باغ ہے شاہجہاں کی بیٹی روشن آرا بیگم نے یہہ باغ سنہ ۱۶۵۰ء میں تیار کرایا تہا روشن آرا بیگم اورنگزیب کی طرفدار تہیں اور اُنکی بہن جہاں آرا بیگم داراشکوہ کی اورنگزیب کی تخت نشینی کے تیرہ برس بعد اُنکا انتقال ہوا اور اِس باغ میں مدفون ہیں جس طرح نظام الدین میں اُنکی بہن کی قبر بیچ میں سے خام ہے اسی طرح انکی قبر بہی بیچ میں سے خام بنی ہوی ہے۔ قبر کے چاروں طرف مختصر سا خوبصورت مکان بنا ہوا ہے۔ باغ کے مشرقی دروازہ پر ایک زمانہ میں عمدہ کام بنا ہوا تہا روشن آرا کہ

سرکاری باغ ہے اور کئی باغات ملاکر انگریزی طور پر آراستہ کیا گیا ہے۔

اسکے قریب نہر کے اُس پار قدیم ارمنی عیسائیوں کا قبرستان۔ اور ار بیاد خاندان کا قبرستان کہلاتا ہے جو شاہی ملازم تھے۔

روشن آرا باغ سے ایک راستہ سبزی منڈی ہوتا ہوا کشن گنج کو آیا ہے جہاں ۱۸۵۷ء کی لڑائی کی یادگار موجود ہے یہاں کپتان بارنٹ مارے گئے تھے یہاں سے سیدہا راستہ لاہوری دروازہ کا ہے جسکے باہر سرہندی مسجد سنگ سُرخ کی بنی ہوی ہے جسکو سرہندی بیگم نے جو شاہجہان کی بیوی تھین بنایا تہا کل شاہجہانی عمارات کے بہ نسبت یہ عمارت معمولی سی ہے۔ اسکے بُرج سنگ سُرخ کے بنے ہوے ہیں اور بہت بڑے ہیں پہلے یہاں اکرام کی ایک سرائے بنی ہوی تہی غدر سے پہلے انگریزوں نے سرائے اور مسجد کی چار دیواری کو توڑ ڈالا سرائے کی تاریخ کسی نے خوب کہی تہی ؎ امشب کرمے کن بسرائے کرام ∴ لاہوری دروازہ سے جنوب ومغرب میں عیدگاہ کی عمدہ سرائے بنی ہوی ہے جو قابل دید ہے اُوس سے جنوب کی طرف پہاڑ پر عیدگاہ تعمیر ہے اور اس سے جنوب کیطرف بولی بھٹیاری کے محل کے کہنڈرات پہاڑ پر واقع ہیں جسکو بقول صاحب آثار الصنادید بو لا خاں ٹہہا نے تعمیر کیا تہا مگر بعض کے نزدیک اصل نام بو علی بختیاری خدا نما ہے جو کثرت استعمال سے بھوری بھٹیاری مشہور ہو گیا انکا مزار کہنڈرات کے سامنے میدان میں بنا ہوا ہے اب کہنڈرات کے پاس ایک باغیچی ہے جسمین متعدد کوین تعمیر تہے جو نجکیوں کے نام سے اپنے پانی کی عمدگی کے لیے مشہور ہیں اکثر شہر کے لوگ صبح کو اس باغیچہ میں ہوا کہانے جاتے ہیں اور وہاں کا پانی پیتے ہیں جو بہت ہاضم ہے اِس سے تہوڑے فاصلہ پر سید حسن رسول نما کی درگاہ ہے آپ کا مزار کہلا ہوا ہے اور سرہانے یہ شعر کندہ ہے۔

حسن رسول نما افتخار آل حسن ہولش قرنی ثانی وثالث حسنین

درگاہ کے پاس شہر کی طرف پہاڑ گنج کا محلہ آباد ہے اور اُس کے پہلو میں قدم شریف کی مشہور درگاہ ہے جہاں پہلے فیروز شاہ کا باغ تہا جب ۱۳۷۵ء یعنی سنہ ۷۹ میں فیروز شاہ کے چاہیتے بیٹے فتح خان کا انتقال ہوا فیروز شاہ نے اُسکو یہاں دفن کیا اور اُسکا مقبرہ بنوایا اور اُسکے سینہ پر قدم مبارک رسول مقبول کا نصب کیا جو خلیفہ بغداد نے فیروز شاہ کو تحفۃً بہیجا تہا۔ تغلق کے مقبرہ کی طرح اِسکے گرد فصیل بنی ہوی ہے شاید یہ فصیل مغلوں کے حملہ سے محفوظ رہنے کے لیے بنائی گئی تہی کیونکہ شہر فیروز آباد فصیلوں کے باہر واقع تھا۔ فصیل سے قبر کا راستہ دو نہایت عمدہ بنے ہوے دروازوں میں سے ہے قبر کے گرد محراب دار دالان ہین جنکی قطع قابل دید ہے اُنکے ستون چوکور ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی مندر کے ہیں فصیل کے باہر ایک بہت بڑا سنگین حوض ہے یہاں بارہوین ربیع الاول کو بہت بڑا میلا ہوتا ہے اور گیارہوین کی شب کو قوالی ہوتی ہے دروازہ پر یہ کتبہ ہے

زہی گم کناں رہنمائے محمد ہدایت دہندہ ہدائے محمد
خوش آن مدرسہ منبر و بارگاہے کہ دروے بباشد ثنائے محمد
عرش گشتہ در زیر پا او مسلم ہر آن کو شدہ خاکپائے محمد
منم از سگان سگ کوے او شدہ شیر وال از گدائے محمد

قدم شریف کے پاس خواجہ باقی باللہ کی درگاہ ہے جہاں اکثر مراد مند جاتے ہین اِس درگاہ کے ستون سنگ ابری کے ہین اسپر یہ کتبہ لکھا ہے۔

خواجہ باقی آن امام اولیا عارف باللہ اسرار نہفت

نکہت بستان سرِ انبیا از نہالِ جعفری خوش گل شگفت
چونکہ بُد مشربِ فنا اندر بقا محوِ حق گشتہ ز اسرارِ صفت
رخت بستہ زین سرائے بے بقا چوں ندائے ارجعی از حق شنفت
سال تاریخ وصالش خسروی باقی باللہ نقشبند وقت گفت

یہاں سے تھوڑی دور پر اجمیری دروازہ کے باہر غازی الدین خاں کا مدرسہ ہے جسمیں مسجد بھی ہے بانی کی قبر بھی ہے اور طلبا کے رہنے کے مکانات بھی ہیں غازی الدین خان نظام الملک کے فرزند تھے جب ۱۷۳۹ء کے واقعات کے بعد اُنکے والد دکن کی صوبہ داری پر چلے گئے تو یہہ دہلی کے دربار میں بہت با اثر وزیر ہو گئے ۱۷۵۲ء میں اُنھوں نے وفات پائی۔

دروازے کے دونو بازو آگے کو بڑھے ہوے ہیں صحن کے تین طرف دوسرے حجرے طالبعلموں کے رہنے کے لیے بنے ہوے ہیں جس طرح سمرقند و بخارا کے مدارس میں ہوتے ہیں۔ مغربی سمت میں ایک خوشنما مسجد سنگ سُرخ کی تعمیر ہے۔ جامع مسجد کی طرح مسجد کے دونو پہلوؤں میں کچھہ صحن چھوڑ کر سنگِ سُرخ کے دالان اور مسجد کے مابین سنگ باسی کا جالدار حجرہ ہے اور اُس حجرے کے اندر دوسرا حجرہ سنگ مرمر کا جالدار ہے اور اس حجرہ میں بانی کی قبر اور اُسکے علاوہ دو قبریں اور ہیں جنکے تعویذ سنگ مرمر کے ہیں۔

یہہ مدرسہ احمد شاہ اور عالمگیر ثانی کے عہد میں تیار ہوا تہا۔

ایک زمانہ میں انگریزوں نے اِسکو منہدم کرنا چاہا تہا لیکن خدا کا شکر ہے کہ آخر میں صلاح پلٹ گئی اور اُسکے گرد شہر کی طرح فصیل بنا کر اُسکو شہر کی حدود میں لے لیا گیا اور سرکار انگریزی کی طرف سے ایک عرصہ تک یہاں چند مدرس طالب علموں کو پڑہاتے

قدم شریف

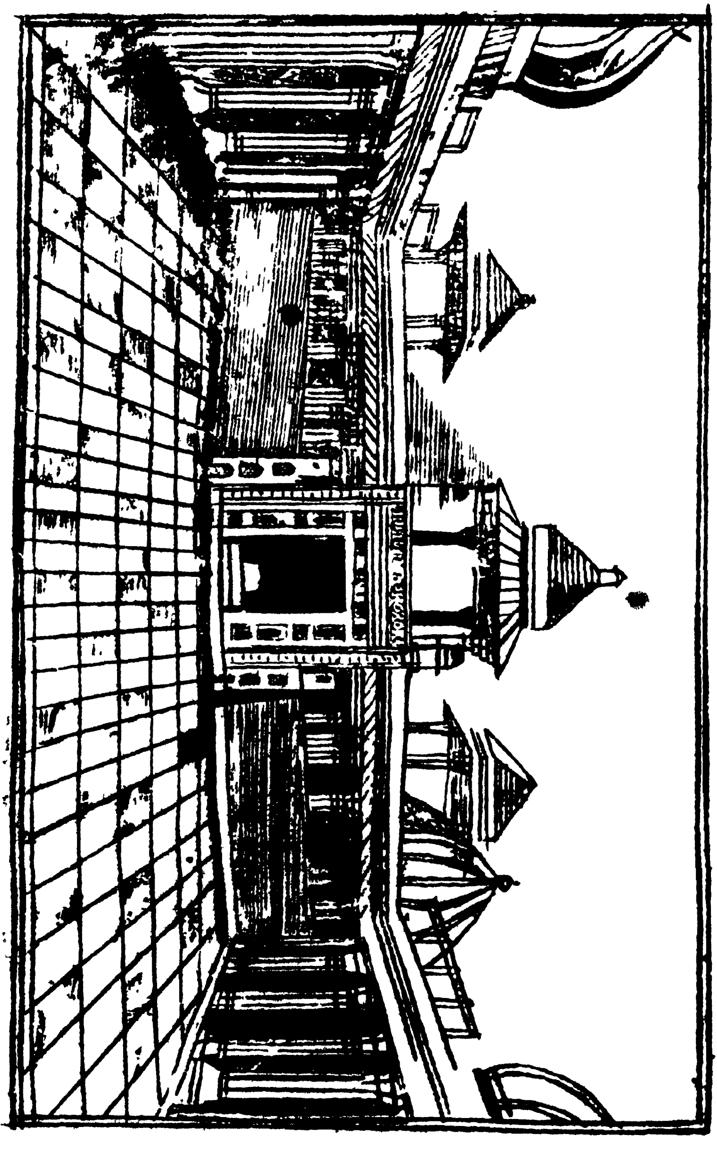

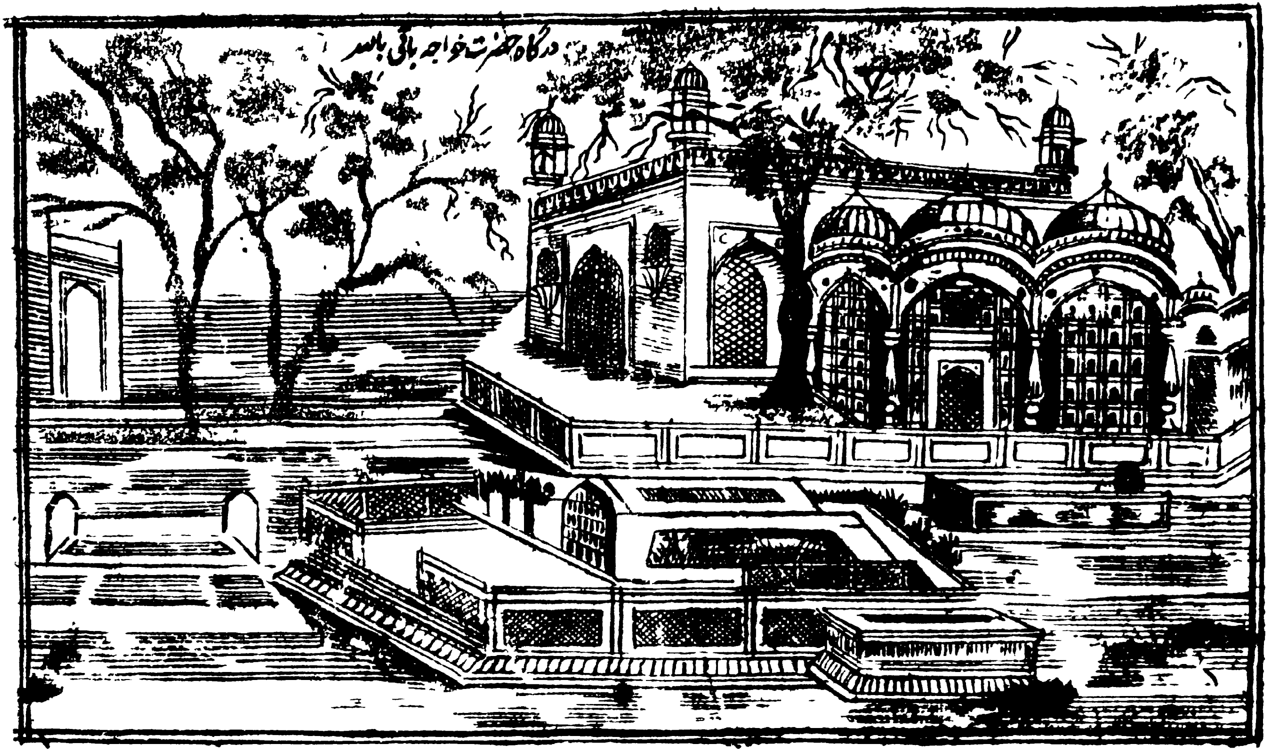
درگاه حضرت خواجه باقی بالله

رہے ۱۸۲۹ء میں نواب فضل علی خاں اعتماد الدولہ وزیر شاہ اودہ نے ایک لاکھ ستر ہزار روپیہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس جمع کر دیا کہ اُس روپیہ کے محاصل سے مدرسہ کا خرچ چلے۔ سرکار انگریزی کی طرف سے اِس مضمون کی عبارت کو پتھر پر کندہ کر کے بیچ کے دروازہ میں اندر کے رُخ نصب کر دیا گیا

نہ بر لوح نقشے بماند ولیک   جزاے عمل ماند و نام نیک

بیاد حسنات نواب اعتماد الدولہ ضیاء الملک سید فضل علی خاں بہادر سہراب جنگ کہ یک لاکھ ہفتاد ہزار روپیہ برائے ترقی علوم در مدرسہ ہذا واقع دہلی خاص مولد و موطن خویش بصاحبان کمپنی انگریز بہادر تفویض نمودند منقوش گردیدہ در ۱۸۲۹ء

غدر کے پہلے یہاں سے مدرسہ اُٹھا دیا گیا تہا اور یہہ جگہ دار الشفا مقرر ہوی تہی۔ غدر کے بعد یہاں پولس اسٹیشن ہو گیا اور اب پہر چند سال سے عمارت اینگلو عربی اسکول کو دیدی گئی ہے۔

دہلی دروازہ کے سامنے ایک مختصر عمارت مہندیوں کے نام سے مشہور ہے۔ اِسکی شہرت زیادہ تر اِس سبب سے ہے کہ یہاں سے قریب ایک میدان میں مولانا شاہ ولی اللہ کا خاندان مدفون ہے۔ یہاں شاہ ولی اللہ شاہ عبد العزیز شاہ رفیع الدین شاہ عبد القادر کے مزار موجود ہیں مہندیوں کی عمارت میں نیچے در در سے بنے ہوے ہیں اور اوپر چار بُرجیاں ہیں۔ چونکہ اس عمارت کی شکل ایسی تہی جیسے کہ حضرت امام غوث الاعظم کی مہندیوں کی ہوا کرتی ہے جو پہلے دہلی میں بنا کرتی تہیں اِس سبب سے اِس عمارت کا نام مہندیان مشہور ہو گیا یا یہہ سبب ہو جیسا کہ مشہور ہے کہ کسی نواب نے اپنی منت پوری ہونے پر مہندیوں کی شکل کی عمارت بنوا دی تہی اور وہ یہاں روشنی

کیا کرتے تہے اور بہت دہوم سے گیارہوین ہوا کرتی تہی۔

اِس سے تہوڑے فاصلہ پر شیخ محمد کے بائیں جسپر شاہ صابر بخش کی اولاد قابض ہے، اور مہابت خان کی زمین مشہور مقامات ہیں۔ یہاں سر دریا مہابت خاں کی حویلی تہی، دہلی دروازہ سے پانسو گز کے فاصلہ پر فیروز شاہ کا کوٹلہ ایک مشہور و معروف عمارت ہے اِس قلعہ کو کتب تواریخ میں کوشک فیروز شاہ بہی لکہا ہے یہہ قلعہ جمنا کے کنارہ پر سنہ ۱۳۵۰ء میں تعمیر ہوا ہے اِس قلعہ میں فیروز شاہ کی لاٹ اور فیروز شاہ کی جامع مسجد بنی ہوئی ہے۔ لاٹ اُن دو پتہر کی لاٹوں میں سے ہے جنکو اسوکا نے سنہ ۳۰ قبل مسیح تیار کرایا تہا اور فیروز شاہ اِس کو مقام ٹوپرا سے جو ضلع انبالہ میں جگادری سے جنوب و غرب میں سات میل پر واقع ہے لایا تہا اور دوسری لاٹ جو پہاڑی پر پیر غیب کی قدیم رصد پر موجود ہے میرٹھہ سے لائی گئی تہی اِن دونو لاٹہوں کو فیروز شاہ نے اپنی محلات میں ایستادہ کرایا تہا۔

ضیاء الدین برنی نے اِس لاٹ کے لانے کا بہت مفصل حال تحریر کیا ہے جو دلچسپی سے خالی نہیں ہے اور ہم انگریزی کتاب سے اُسکا ترجمہ کرکے یہان درج کرتے ہین بہت غور و تامل کے بعد اِس لاٹ کو نیچے گرانے کے لیے دوآبہ کے کل باشندوں کو اور فوج و رسالہ کے سپاہیوں کو حکم دیا گیا کہ حاضر ہوں اور ضروری اوزار ساتہہ لائیں۔ بہت ڈہیر سنبل کی روئی کے منگوا لیے گئے اور لاٹ کے نیچے رکہدیئے گئے جب زمین کہود دی گئی تو لاٹ سنبل کی روئی پر بہت آہستگی کے ساتہہ آ پڑی۔ اِسکے بعد رفتہ رفتہ روئی اُسکے نیچے سے نکال لی گئی۔ لاٹ کی نیو میں ایک چوکور پتہر نصب تہا وہ بہی نکال لیا گیا۔ اسکے بعد لاٹ کو سر سے پاؤں تک رُوئی کے پہل تہنی کہالین لپیٹ دی

گئیں کہ محفوظ رہے اِسکے بعد ایک چھکڑا بیالیس پہیئے کا تیار کیا گیا اور ہر پہیئے میں رسّے باندہے گئے ہزاروں آدمیوں نے رسّوں کے ذریعہ سے لاٹ کو گاڑی پر چہڑایا۔ ہر رسّے کو دوسو آدمیوں نے کہینچنا شروع کیا اور چھکڑا جمنا کے کنارہ لایا گیا۔ یہاں خود سلطان اُسے لینے آئے۔ اُنھوں نے پہلے سے بہت سی بڑی بڑی کشتیاں جمع کر رکہی تہیں جن میں پانچ سات ہزار من غلّہ بار ہوسکے اور چھوٹی سے چھوٹی کشتی بہی وہ ہزار من غلّہ اُٹہا سکتی تہی۔ بڑی محنت سے لاٹ چھکڑے سے اِن کشتیوں پر لادی گئی اور جمنا کے اُس پار لائی گئی۔ اور یہاں سے سلطانی محل میں بدقت تمام پہونچائی گئی۔ یہاں جامع مسجد کے قریب اُسکے لیے ایک عمارت تیار کرائی گئی اور نہایت ہنرمند معمار اس کام کے لیے جمع کیے گئے یہ عمارت چونہ اور پتہر کی کئی منزل اونچی بنی جب ایک منزل تیار ہو جاتی تہی تو لاٹ اُسپر چڑہا دی جاتی تہی۔ اِسی طرح منزل بمنزل وہ عمارت کی چوٹی پر پہونچا دی گئی۔ یہاں اُسکو سیدہا کہڑا کرنے کے لیے تدبیر یہہ کیگئی کہ لاٹ کے سرے پر مضبوط رسّے باندہے گئے اور رسوں کے دوسرے سرے چرخیوں پر لپیٹ دیئے گئے اور بہت سے آدمیوں نے اُن چرخیوں کو پہرایا جب اِس طرح لاٹ زمین سے آدہ گز اونچی ہوگئی تو اُسکے نیچے ردی کے تہبلے اور لٹّہے لگا دیے گئے کہ پہر پیچہے نہ گرنے پائے کئی روز میں رفتہ رفتہ لاٹ سیدہی کہڑی کر دی گئی اور اُسکے چاروں طرف پاڑ باندہ دی گئی کہ سیدہی کہڑی رہے۔ چوکور پتہر جسکا پہلے ذکر ہوا اُس کی نیو میں اُتار دیا گیا پہر لاٹ کے سر پر سنگ سیاہ و سفید کا کام بنا دیا گیا اور اُسپر سنہری کلس چڑہا دیا گیا۔ یہ لاٹ بتیس گز ہے جسمیں سے آٹہہ گز زمین کے نیچے اور چوبیس گز اوپر ہے۔ اِس لاٹ پر کچہہ ہندی زبان میں لکہا ہوا ہے جسکو کوئی ہندو پنڈت نہیں پڑہ سکا کہتے ہیں

کہ ایک پنڈت نے یہہ پڑہا کہ اسپر یہہ لکہا ہوا ہے کہ اِس لاٹ کو کوئی شخص نہیں اُٹہا سکیگا مگر ایک مسلمان بادشاہ پیدا ہوگا جسکا نام سلطان فیروز ہوگا وہ اُسکو اُٹہوائیگا زمین سے اوپر لاٹ ۳۷ سینتیس فٹ ہے اور نیچے سے اُسکی مٹان کچہہ اوپر نو فٹ دیعنی ۹¼ اور چوٹی پر ساڑہے چہہ فٹ ہے راجہ اسوکا کے چاروں کتبے بہت صاف کہدے ہوے ہیں۔ اِن کتبوں کی تاریخ تیسری صدی قبل عیسٰے کی ہی اس کتبہ کے اوپر اور نیچے چوہان راجہ وسالا دیوا کے وقت کا کتبہ ہے (سنہ ۱۱۶۴ء) جب امیر تیمور نے دِلّی کو فتح کیا تو اِس منار کو اور کوشک شکار کے منار کو بہی دیکہا اور بہت پسند کیا اور کہا کہ ایسی یادگار کہیں نظر نہیں آئی۔ چونکہ اِسپر سنہری کلس چڑہایا گیا تہا اِس سبب سے فیروزشاہ کے زمانہ میں منار زرین کے لقب سے مشہور ہوا تہا۔

فیروزآباد کا شہر مغرب کیطرف شاید کلان مسجد تک آباد تہا اور جنوب و شمال میں دو میل طویل فیروزشاہ کے زمانہ کا مورخ لکہتا ہے کہ قصبہ اندرپت سے لیکر کوشک شکار تک چلا گیا تہا۔ شہر کا قلعہ جمنا کے کنارہ واقع تہا اور لاٹ سے ملحق جو کہنڈرات جنوب و جنوب مغرب میں موجود ہیں وہ فیروزشاہ کے قلعہ کے ہیں۔ لاٹ کے متصل فیروزشاہ کی جامع مسجد کے کہنڈر موجود ہیں جنسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی زمانہ میں بہت بڑی عمارت ہوگی اندازہ ہوتا ہے کہ مسجد کے صحن کے چاروں طرف عمدہ دالان بنے ہوے تہے اور صحن کے وسط میں ایک ہشت پہلو عمارت تہی سطح زمین سے جسکی سطح نیچے تہی جسکے گرد فیروزشاہ کی بنائی ہوی عمارتوں کا حال کہدا ہوا تہا۔

سنہ ۱۷۶۱ء میں عالمگیر ثانی کو اُسکے قاتل اِسی قلعہ میں بہکا کر لائے تہے کہ وہاں کوئی بہت بڑا درویش صاحب کرامت اُترا ہوا ہے اور یہاں لاکر اُسکے قاتلوں نے

بادشاہ کا سر تن سے جدا کر ڈالا تہا فیروز آباد کے اکثر مکانات اُس زمانہ میں برباد کیے گئے جب شاہجہاں آباد بنا ہے۔ یہاں کے پتھر نئے شہر میں بہت کام آئے اب دو ایک مکان اُنہیں سے رہگئے ہیں۔ اُنہیں سے ایک چوسٹ کھنبا مسجد ہے جو جیل خانہ کے پس پشت اب بہی موجود ہے مگر اب چند روز ہوے کہ توڑ ڈالی گئی اِسکے قریب بائیں ہاتہہ کی طرف لال دروازہ ہے جو سنگ سُرخ کا بنا ہوا ہے غالباً یہہ دروازہ شیر شاہ کی دلی کا شمالی یعنی کابلی دروازہ تہا۔ اِسکے مقابلہ میں جنوب کی طرف بہی یعنے پُرانے قلعہ کے جنوب و مغرب کے کونہ کے پاس ایک دروازہ بنا ہوا ہے غالباً وہ شہر کی جنوبی فصیل کا دروازہ نہ تہا بلکہ کسی شاہی بازار کا دروازہ ہوگا جو قلعہ کے زیر فصیل آباد تہا شیر شاہ کا زمانہ سنہ ۱۵۴۰ء تہا۔ یہہ دروازہ نہایت عالیشان ہے اِسکے سامنے وہ قلعہ تہا جسمیں سے ہمایوں بادشاہ نکالا گیا تہا اور شیر شاہ کے بعد پہر اُسپر ہمایوں کا قبضہ ہوگیا تہا اور آخر کار اُسنے یہیں وفات پائی۔

جنوری سنہ ۱۶۱۲ء میں فنچ سیاح شہر کے اجمیری دروازہ سے شہر میں آیا تہا اور بارہ پل پر سے عبور کیا تہا جو ابتک موجود ہے فنچ سیاح اپنے روزنامچہ میں لکھتا ہے کہ شہر کے چاروں طرف نہایت خوشنما باغات ہیں اور اطراف میں گوجروں کی آبادی زیادہ ہے لال دروازہ سے کسیقدر جنوب کیطرف فرید خاں کی کارواں سرائے ہے جسکا اب جیلخانہ بنا دیا گیا ہے فرید خاں جہانگیر کے عہد میں پنجاب کا صوبہ دار تہا فرید خاں کے سبب سے شہزادہ خسرو کی بغاوت بہت جلد فرو ہوگئی تہی اور جہانگیر بادشاہ تخت نشین ہوے تہے فرید خاں کا بسایا ہوا قصبہ فرید آباد ابتک آباد ہے اور دہلی سے بارہ میل کے فاصلہ پر قدیم قصبہ تلپت کی جگہ پر واقع ہے

فرید خاں نے سلیم گڑھ ہی کی مرمت کرائی تھی اور شاید سلیم گڑھ ہی کو بنایا تھا فرید خان کی قبر سرائے شاہ جی میں ہے جو بیگم پور کی مسجد سے چار سو گز کے فاصلہ پر مشرق میں واقع ہے

اسی سڑک پر کچھ دور آگے بائین ہاتھ پر ایک نہایت عمدہ مسجد اور ایک محل کے کھنڈرات موجود ہیں جن کو مہابت خاں نامی مشہور امیر نے بنوایا تھا۔ یہہ وہ امیر ہے جسنے شاہجہان کے ہمراہ ہوکر جہانگیر سے بغاوت کی تھی اور جہانگیر کو قید کر لیا تھا مہابت خاں نسل راجپوت میں سے تھا اور آخر زندگی میں وہ شیعہ ہو گیا تھا۔ اُس کی قبر کربلا میں موجود ہے جو منصور کے مقبرہ سے مشرق وجنوب میں واقع ہے۔

اسکے آگے پرانے قلعہ کی نہایت خوبصورت فصیلین نظر آتی ہیں۔ قلعہ سے کچھ فاصلہ پر ایک چار دیواری ہے جسمیں ایک نہایت خوبصورت دروازہ سنگ سرخ کا اور ایک بڑی مسجد ہے جسکی خیر المنازل تاریخ ہے۔ ماہم انگہ نے جو اکبر بادشاہ کی انا تھین یہاں یہ مسجد اور مدرسہ سنہ ۱۵۶۱ء میں بنوایا تھا۔ ماہم بیگم ادہم خان کی ماں تھین کتبہ کے اوپر یہ کتبہ کندہ ہے

بدوران جلال الدین محمد که باشد اکبر شاہان عادل
چو ماہم بیگم عصمت پناہے بنا کرد این بنا بہر افاضل
ولے شد ساعی این بقعۂ خیر شہاب الدین احمد خان باذل
پے خیرات این بقعۂ خیر که شد تاریخ او خیر المنازل

پرانا قلعہ وہ قلعہ ہے جسکو ہمایوں بادشاہ نے اور بعد میں شیر شاہ نے ہندوں کے قدیم قلعہ اندرپت کی جگہ پر تعمیر کیا تھا۔ اندرپت ایک مشہور موضع منجملہ اُن پانچ گاؤں

تہا جہاں مہابہارتہہ کی مشہور لڑائی واقع ہوئی تہی یہہ پانچوں مشہور موضع سونی پت ۔ باغپت اندرپت اور تلپت ہیں ۔ اِس میں شک نہیں کہ ہمایوں پُرانے قلعہ کی عمارت کو ناتمام چہوڑ گیا تہا اور شیر شاہ نے ہمایوں کے بعد اسکو پورا کیا ہے ۔ اِس قلعہ کا نام ہمایوں نے دین پناہ رکہا تہا سنہ ۱۵۴۰ع سے پہلے کی عمارتوں میں قلعہ کا بلند جنوبی دروازہ اول درجہ کا ہے ۔ اس دروازہ سے راستہ شمال کی طرف شیر شاہ کی مسجد کو گیا ہے ۔ یہہ مسجد بہت گہرے رنگ کے سنگ سُرخ کی بنی ہوی ہے اِسکا ایک بُرج ہے اور منار نہیں ہیں بعض کے نزدیک یہ مسجد ہمایوں بادشاہ کی بنائی ہوی ہے محراب و گوشوں پر آیات قرآنی کندہ ہین گنبذ کے دونو طرف دو چہتریاں بنی ہوی تہیں اب وہ باقی نہیں رہیں صحن کے وسط میں ایک مثمن حوض ہے دیوار کے آثاروں میں آفتابیاں بنی ہوی ہین کوئی کتبہ تعمیر کی بابت نہیں ہے ۔

مسجد کے قریب شیر منڈل کی عمارت بنی ہوی ہے یہہ عمارت شیر شاہ نے بطور سیرگاہ کے بنائی تہی بیچ میں ایک کمرہ سامنے اور اِس کے گرد میں ایک پتلی سی غلام گردش ہے سب میں اوپر بُرجی ہے ۔ ہمایوں بادشاہ کے زمانہ میں یہاں کتب خانہ بنا ہوا تہا اسکی سیڑہیوں پر سے ہمایوں بادشاہ گر کر شہید ہوئے تہے ۔

پُرانے قلعہ سے ہمایوں کے مقبرہ کو چلو تو پہلے بائیں ہاتہہ کو شاہی زمانہ کا بنا ہوا کوس کا منارہ نظر آتا ہے ۔ پیمایش سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں ایک کوس ٹہیک ڈہائی میل کا ہوتا تہا ۔ دلہنے ہاتہہ کی طرف لال بنگلہ کی عمارت اور نیلی چہتری کا مقبرہ دکہائی دیتا ہے ۔ لال بنگلہ کی بابت کہتے ہیں کہ ہمایوں بادشاہ کے زمانہ میں ایران جانے سے پہلے یہاں اُنکی کوئی حرم دفن کی گئی تہی اور اُس پر کچہہ

عمارت بنائی گئی تہی۔ شاہ عالم ثانی کی والدہ لال کنور جب یہان دفن کی گئیں تو یہ عمارت بنی اور لال بنگلہ کے نام سے مشہور ہوئی یہین شاہ عالم کی بیٹی بیگم جان بہی مدفون ہوئین شاہ عالم کے بعد یہہ جگہ خاندان تیموریہ کا قبرستان سی بنگئی مرزا سلطان پرویز مرزا دارابخت مرزا داود نواب فتح آبادی بیگم اور مرزا بلاقی اور بادشاہ کی بہت سی حرمیں یہاں مدفون ہیں۔

نیلی چہتری

نواب نوبت خاں کا مقبرہ ہے جو دربار اکبری کے امیر تہے کسی زمانہ میں اسپر بہت عمدہ چینی کا کام بنا ہوا تہا اور برج پر نیلا چہتر تہا۔ یہ مقبرہ ہشت پہلو ہے اسکے دروازہ پر یہ کتبہ ہے۔

بہ بین خوشش منظر عالی مقامی	دریں عالم ندیدہ چشم ایام
چو پرسیدم بگفتا یافت اتمام	پے تاریخ اتمامش خبر دار

نیلی چہتری کے پاس خاص محل بنا ہوا تہا جسکے دروازہ پر یہہ کتبہ تہا۔

بدور شاہجہاں صاحب قران ثانی	کہ در جہانست جہاں پرور و سپہر جناب
بنا نہاد بہیں زمانہ خاص محل	دریں زمیں بکرم نیست بنجان درباب
ہمیشہ باد بزیر سپہر بو قلموں	ہمی ضمیر منیرش پے صلاح و صواب
اگر ز سال بنایش شود سوال ترا	حساب کن بسرائے محل خاص جواب

اور اُسکے پاس گلال باڑی کی عمارت تہی اب اُسکے کچہہ کہنڈر پڑے ہیں پرانا قلعہ اور نظام الدین کے بیچ میں سید عابد کا مقبرہ ہے۔ اسپر چینی کاری کا کام بنا ہوا تہا۔ کہتے ہیں کہ سید عابد خان دہداں خاں کے رفقا میں سے تہے اور کسی لڑائی

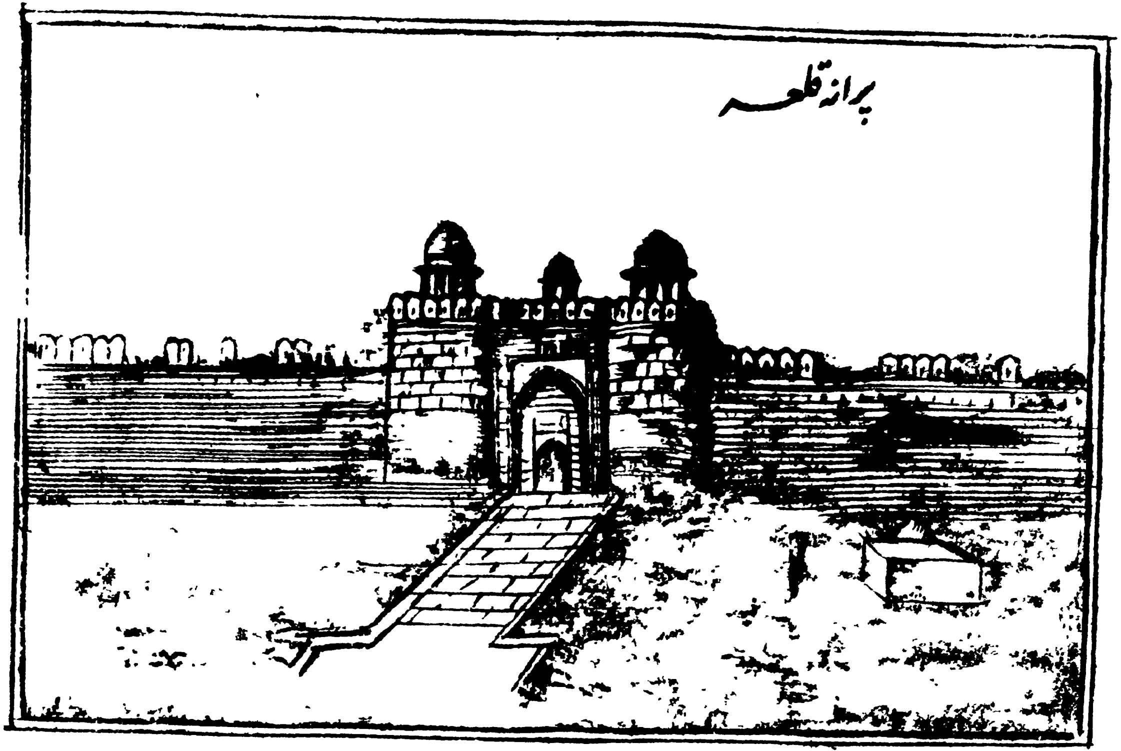

پرانا قلعہ

ہمایوں کا مقبرہ

مقبرہ کے باغ کے دروازہ کی اسقدر عمدہ کرسی رکھی ہے کہ اُسکی شان بہت بڑھ گئی ہے دروازہ پر بہت مکانات بنے ہوئے ہیں جنپر جانے کا راستہ دروازہ کے اندر اندر دونوں جانب سے ہے۔ مقبرہ جیسی بے مثال عمارت کے لیے دروازہ نہایت موزوں ہے سنگ سرخ میں دو یا سنگ خام اور سنگ مرمر کا کام بنا ہوا ہے ایک دوسرا دروازہ جنوب کی جانب ہے مگر اس دروازہ سے بہت چھوٹا ہے مقبرہ کے گرد چونہ اور پتھر کی فصیل تعمیر ہے جسپر پانی کے بھٹی کا برہہ بنا ہوا ہے مقبرہ کی عمارت ہشت پہل ہے جسکے چار پہل چھوٹے اور چار پہل بڑے ہیں۔ چاروں چھوٹے پہلوں کے کونوں پر چار ہشت پہل برجیاں ہیں۔ مقبرہ کے دروازہ کے دونوں بازو دروازہ سے آگے بڑھے ہوئے ہیں بیچ میں ایک عظیم الشان سنگ مرمر کا برج بنا ہوا ہے جو ازروے پیمایش لندن کے سنٹ پال گرجا کے برج کا تین چوتھائی ہے۔ یہہ برج اسقدر عمدہ اور سدھ بنا ہوا ہے کہ دنیا میں اِسکا جواب نہین۔ یہہ عمارت پہلی نظیر اُس طرز عمارت کی ہے جو رفتہ رفتہ آگرہ کے تاج محل کے مقبرہ میں مکمل نظر آتی ہے اگرچہ یہ مقبرہ محض خوبصورتی میں آگرہ کے تاج کی برابری نہیں کرسکتا کیونکہ وہ ازسرتاپا سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے لیکن یہ عمارت تاج سے بہت زیادہ عظیم الشان ہے۔ دیکھنے والے کا دل عمارت کی عظمت سے مرعوب ہوجاتا ہے تاج سے اِس مقبرہ کا برج بہت زیادہ خوشنما ہے۔ دہلی کی جامع مسجد کی طرح تاج کا برج بھی ایک گورے پر سے مثل غبارہ کے اُٹھا ہے مگر ہمایوں کے مقبرہ کے گنبد کے

نیچے اتنا بلند گولہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک نہایت خوشنما کانس پر ختم ہوا ہے جس سے اِس برج کا حسن دوبالا ہوگیا ہے جو سنگ مرمر کی جالیاں یہاں لگی ہوی ہیں وہ ہندوستان کی عمدہ ترین جالیوں میں سے ہیں ۔ مقبرہ کے اندر جانے کا راستہ جنوب کی طرف سے ہے بیچ کے گنبذ میں صرف ہمایوں کی قبر ہے ۔ یہہ مقبرہ ایک زمانہ تک شاہی خاندان کا مدفن رہا ہے ۔ چنانچہ عالمگیر ثانی اور جہاندار شاہ فرخ سیر دارا شکوہ سب یہین مدفون ہین شمالی مشرقی کونہ میں حاجی بیگم ہمایون بادشاہ کی بیوی بانیہ مقبرہ مدفون ہیں حاجی بیگم کا نام حمیدہ بانو بیگم تھا ۔ جہت پر گنبد کے گرد مکانات بنے ہوے ہیں جہاں پہلے ایک مدرسہ تھا حاجی بیگم نے سنہ ۹۷۳ھ میں اس عمارت کو شروع کیا اور اکبر بادشاہ نے اُنکے بعد پندرہ لاکھ روپیہ کی لاگت سے سولہ برس میں عمارت کو پورا کیا تھا ۔ اب باغ کی کسیقدر درستی کیگئی ہے مگر اب بھی بہت بڑا حصہ باغ کا ویران پڑا ہے مقبرہ کے احاطہ کے اندر ایک چھوٹا سا مقبرہ سنگ سرخ کا کسی نامعلوم شخص کا بنا ہوا ہے اِسکی بعض جالیان بہت خوبصورت اور قابل دید ہیں افسوس ہے اِس پر کوئی کتبہ نہیں ہے جس سے اِسکے بانی کا اور زمانہ بنا کا حال معلوم ہوتا مقبرہ کے باہر جنوب و مشرق کے کونہ میں برج کی عمارت ہے جو فہیم خاں کا مقبرہ ہے ۔ غالباً خان خانان نے سنہ ۱۶۲۵ء میں یہ مقبرہ بنایا ہے ۔ فہیم خاں اُنکے رفقا میں سے تھے اور اُن ہی کی جانب داری میں لڑکر مارے گئے تھے ۔

خانخاناں کا مقبرہ

بارہ پلہ کے پاس ہے یہ بیرم خاں خانخاناں کے بیٹے تھے ۔ کہتے ہیں کہ یہ مقبرہ در

اصل اُنھوں نے اپنی بیوی کے لیے بنوایا تہا۔ سنہ ۱۰۳۶ھ میں خانخاناں بہتر برس کی عمر میں مر گئے اور یہاں مدفون ہوے یہہ مقبرہ کسی زمانہ میں بہت عمدہ بنا ہوا تہا مگر اب بہت خراب و شکستہ ہے کہتے ہیں کہ کل سنگ مرمر آصف الدولہ نے اُکہڑوا کر لکہنؤ میں منگوا لیا اب سنگ سرخ کا ایک کہنڈر رہگیا ہے۔ مگر اب بہی دروازہ کی عمارت دیکہنے کے قابل ہے۔

بارہ پلہ

اِس کے پاس قدیم مغلئی پل بنا ہوا ہے جو بارہ پلہ کے نام سے مشہور ہے لیکن اسکے صرف گیارہ در ہیں عمارت نہایت خوشنما ہے اور قابل دید ہے مسٹر فنچ نے اپنے سفرنامہ میں جب وہ شیرشاہ کے زمانہ میں دہلی آئے اِس پل کا ذکر کیا ہے یہ پل مہربان آغا نے سنہ ۱۰۳۱ھ میں بنایا تہا۔ جہانگیر بادشاہ کے عہد میں آپ کو آغاے آغاناں کا لقب ملا تہا جب بڑہاپے میں اُنھوں نے دہلی میں سکونت اختیار کی تو جہانگیر نے دہلی کے گورنر کو حکم دیا کہ اُنکی بہت خاطرداری اور تعظیم کیجاے۔ اِس خانہ نشینی کے زمانہ میں اُنھوں نے یہ پل بنوایا تہا۔ اِس پر یہ کتبہ کندہ ہے۔

اللہ اکبر

از جہانگیر شاہ اکبر شاہ	آنکہ عدلش ضبط عالم کرد کل
دوستان را جود بدست افسر	دشمنان را بسا فاختہ غل
سند را در زمین سلطنتش	عبدہ می نویسند مستقل
دوستانی نسبت حضرت ولی	بسعی از کل گرفتہ یکدل
سال ہفتم ز عہد سلطنتش	کرنہ نالد ز جوشکی عمل
مخلص خاص مہربان آغا	خادم قصر شاہ محرم کل
کرد تعمیر این پل از شفقت	کہ شود دو شہر از دل
سال تاریخ از فلک جستم	گفت بہر دین اختر کل
گفت بردار خامہ بنویسا	بست از راہ مہربانی پل

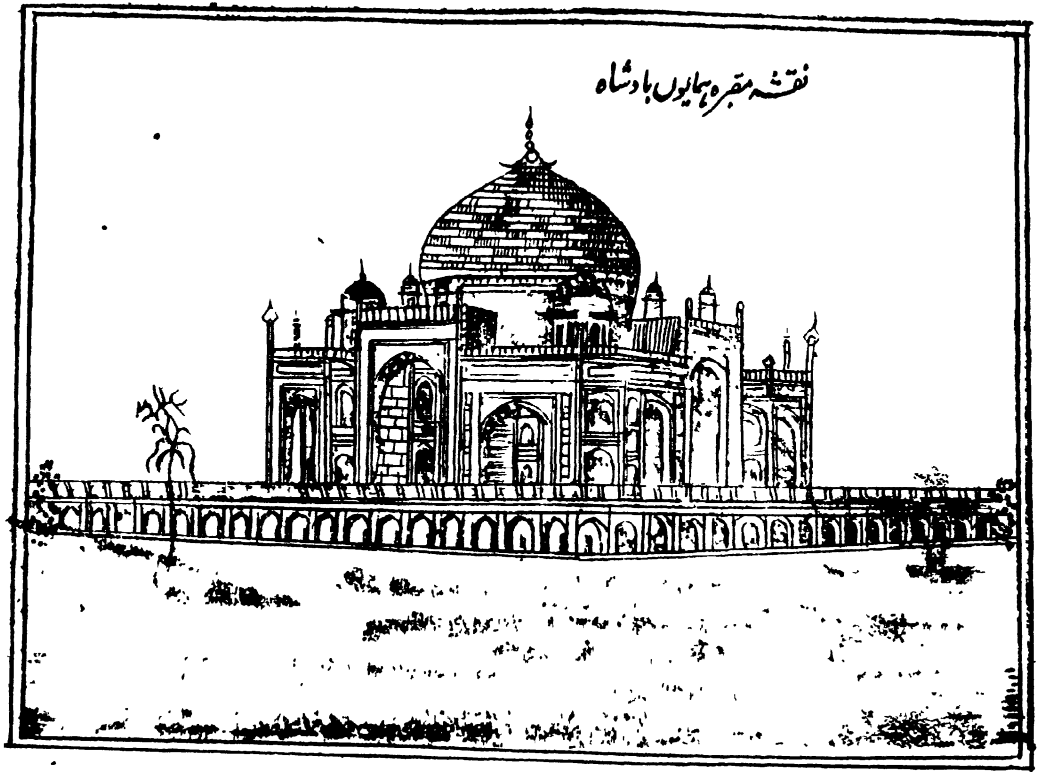

نقشہ مقبرہ ہمایوں بادشاہ

باره پله کے پاس مهربان آغا نے ایک منڈی بهی بنائی تهی جسکے آثار باقی ہیں اِس منڈی میں ایک باولی اور ایک مسجد بنی ہوی تهی جسکا اب نشان بهی نہین ہے ۔ باره پله کے پاس سید محمود بحار کی درگاه ہے جو بوجه تقدس کے نه بوجهه عمارت کے مشہور ہے احاطه مقبره ہمایوں کے شمال و مشرق کے کونه میں ایک مکان اور ایک مسجد کے آثار ہیں جسکی طرز عمارت پٹهانوں کے زمانه کی معلوم ہوتی ہے اور کہا جاتا ہے که حضرت نظام الدین کا مکان تها

عرب سرائے

مقبره کے دروازه کے پاس عرب سرائے ہے جسکو حاجی بیگم ہمایوں بادشاه کی بیوی نے بنوایا تها اِس بیگم نے تین سو عرب حرمین شریفین سے لاکر یہان آباد کیے تهے کہتے ہیں اِن میں سے سو عرب سادات میں سے اور سو مشایخ کبار اور سو عرب عوام الناس سے تهے غدر سے پہلے اِن کی نسل میں سے پندره بیس گهر آباد تهے مگر اب اُنمیں سے وہاں کوئی گهر باقی نہیں رہا اِس سرائے کے تین دروازے ہیں مگر شمالی دروازه سب میں عمده ہے اُسکی اوپر کی آفتابی قابل دید ہے شمالی دروازه سے مشرق کی طرف ایک مسجد اور ایک قبر افسر الدوله کی مشہور ہے اِسکے بعد عیسے خاں کی مسجد اور مقبره ہے جسکی چاردیواری ہیں

عیسے خان کا کوٹله

اور مسجد بنی ہوی ہے وه عیسے خاں کا کوٹله کہلاتا ہے جسکو عیسے خاں حجاب نے

سلیم شاہ کے عہد میں سنہ ۹۵۴ھ میں تعمیر کرایا تہا۔ یہہ عیسے خان شیر شاہی امیروں میں سے تہے اور اِن ہی کی کوشش سے سلیم شاہ شیر شاہ کے بعد تخت نشین ہوئے تھے۔ مسجد چونے اور پتھر کی بنی ہوی ہے اور محراب میں سنگ سُرخ لگا ہوا ہے طرز عمارت سیدوں اور لودہیوں کے وقت کی ہے۔ اِس کوٹلہ میں مسجد کے سامنے عیسے خاں کا مقبرہ ہے

عیسٰے خاں کا مقبرہ

بیچ میں ایک بُرج ہے اور آس پاس غلام گردش کے مکانات ہیں۔ مقبرہ ہشت پہل اور خوبصورت ہے کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود عیسٰے خاں نے سنہ ۹۵۴ھ میں اِسکو بنوایا تہا۔ وہ یہیں مدفون ہیں علاوہ انکے قبر کے اور بہت سی قبریں ہیں۔ مقبرہ پر یہ کتبہ کندہ ہے

بنا کرد این روضۂ جنت نہاد در عہد دولت اسلام شاہ بن شیر شاہ خلد ملکہ
و سلطانہ مسند عالی عیسے خان ابن میاں اغوان حجاب خاص بتاریخ نہصد و پنجاہ و چہار از ہجرت سنہ

نظام الدین سے شمال کی طرف بارہ کھمبہ کی عمارت پٹھانوں کے وقت کی ہے یہہ کسیکا مقبرہ ہے

لال محل

اِسکے پیچھے لال محل ہے جو خلجی بادشاہوں کے وقت کی عمارت ہے۔ سلطان علاءالدین خلجی کے زمانہ میں فخرالدین کوتوال باغی ہوکر لال محل یا کوشک لال میں تخت نشین ہوا تہا اب اُس محل کا نام و نشان نہیں موجودہ عمارت کو جسمیں کچہہ قبریں بھی ہیں لوگ لال محل کہتے ہیں۔ شاید محل سے متعلق یہ بہی کوئی عمارت ہوگی کہ محل کے ٹوٹنے کے بعد اُس نام سے مشہور ہوگئی یا ممکن ہے کہ علاءالدین بادشاہ نے یہ عمارت شاہ نظام الدین کے

فروکش ہونے کے لیے بنوائی ہو کیونکہ وہ گاہے گاہے آیا کرتے تھے۔ اور پھر اِس مکان میں لوگوں کو مدفون کیا گیا ہو۔ عمارت کسی زمانہ میں بہت خوبصورت ہو گی۔ نظام الدین کے جنوب و مشرق میں سنجر کی مسجد ہے جسکو کلاں مسجد یا کالی مسجد کہتے ہیں اسے خان جہاں خان وزیر فیروز شاہ نے تعمیر کیا ہے۔ اِس مسجد سے مشرق کی طرف ایک مقبرہ تلنگا نواب کا مشہور ہے یہہ بھی اُسی زمانہ کی عمارت ہے۔ اول خان جہاں تلنگانہ کا یعنے وارنگل کا ایک سردار تھا اور پھر مسلمان ہو گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اِس مقبرہ کا کچھہ تعلق اُنسے یا اُنکی نسل میں کسی سے ہے۔

تگہ خاں کا مقبرہ

درگاہ کی مغربی دیوار کے باہر تگہ خاں کا مقبرہ ہے انکا نام شمس الدین محمد خاں غزنوی ہے اور انکا لقب اعظم خاں تھا اِنکی بی بی نے بھی مثل ماہم انگہ کے اکبر بادشاہ کو دودھ پلایا تھا۔ ہمایوں بادشاہ کو جب شیر شاہ نے شکست دی تھی اور اکبر کے زمانہ میں اُنھوں نے بہرام خان کو جالندھر پر شکست دی تھی۔ ماہم انگہ کے خاندان میں اور اعظم خاں کے خاندان میں رقابت کے سبب سے بہت حسد اور دشمنی بڑھ گئی تھی جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ ماہم انگہ کے بیٹے اعظم خاں کو ادہم خاں نے آگرہ کے قلعہ میں بارہویں رمضان سنہ ۹۶۹ ہجری مار ڈالا اور اکبر بادشاہ نے اُس خون کے قصاص میں ادہم خاں کو قلعہ کے اوپر سے دو دفعہ گرواکر مروا ڈالا چنانچہ دو خون شد برادفی ایک عدد اِس واقعہ کی تاریخ ہے دونو قاتل و مقتول کی نعشیں دفن کے لیے دہلی بھجوادی گئیں تھیں چنانچہ اعظم خاں یہاں دفن کیے گئے اور ادہم خاں قطب صاحب میں مدفون ہوے جہاں کچھہ عرصہ بعد اُنکی شکستہ دل والدہ ماہم انگہ بھی مدفون ہوئیں اعظم خاں کے بیٹے کوکلتاس خاں نے یہہ مقبرہ سنگ

سرخ و سنگ مرمر کا بنوایا جسکی منبت کاری کا تمام ہندوستان میں جواب نہ تھا اور اب بھی جو کچھ باقی ہے نہایت درجہ خوبصورت ہے پتھر کا بہت گہرا سرخ رنگ ہے اور سنگ مرمر کا رنگ ہاتھی دانت کا سا ہوگیا ہے برج کے برج میں تین قبریں ہیں اسپر یہ کتبہ کندہ ہے

تمت ہذہ الامارۃ الشریفیۃ فی اربع سنۃ سبعین وتسعمائۃ باہتمام ساحر دہلی۔

احاطہ کی مغربی دیوار پر نہایت عمدہ چینی کا کام کیا ہوا تھا جسکے کچھ آثار اب بھی باقی ہیں۔

چوسٹھ کھمبا

یہاں سے جنوب و مشرق کی طرف چونسٹھ کھمبہ کی خوبصورت عمارت ہے۔ یہ عمارت سر سے پاؤں تک سب سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔ چونسٹھ ستونوں پر سنگ مرمر کی محرابیں بہت ہی خوشنما ہیں۔ یہ مقام اعظم خاں کے خاندان کا قبرستان ہے۔ مرزا عزیز کوکلتاس پسر اعظم خان نے اِس عمارت کو سنہ ۱۰۲۴ھ کے بعد بنوایا ہے جہانگیر کے عہد میں بمقام احمد آباد گجرات سنہ ۱۰۳۲ھ میں اُنکا انتقال ہوا تھا اور یہاں لاکر مدفون ہوئے اسکے بعد آپ کے خاندان کے بہت لوگ یہاں دفن کیے گئے اب ہم درگاہ شریف کا ذکر کرتے ہیں۔

حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ

درگاہ کا بیرونی دروازہ سنہ ۱۳۷۸ء میں فیروز شاہ نے بنوایا تھا اور اِسی بادشاہ کا بنوایا ہوا اندرونی دروازہ باؤلی کی اُسطرف موجود ہے حضرت نظام الدین قصبہ بدایوں میں سنہ ۶۳۴ھ میں پیدا ہوئے اور پچیس برس کی عمر میں شاہ بلبن کے عہد میں دہلی میں سکونت پذیر ہوئے پہلے یہاں شیخ نجیب الدین متوکل سے فیض صحبت حاصل کیا بعد ازاں حضرت شیخ فرید الدین مسعود

شکر گنج سے جا کر بیعت کی وہاں سے ایس اگر موضع غیاث پور میں سکونت پذیر ہوئے اور ربیع الثانی کی ۱۰ تاریخ سنہ ۷۱۲ھ کو وفات پائی وفات کے بعد آپ کے مزار کے گرد خلجی بادشاہوں کے زمانہ میں ایک سادہ مجر تہا جسکا اب نشان نہیں رہا اکبر بادشاہ کے عہد میں سنہ ۹۷۰ھ میں سید فرید خان نے آپ کے مزار کے گرد بارہ ستون ایستادہ کیے اور اُن پر گنبد بنوایا اور دروں میں سنگ مرمر کی جالیاں لگائیں اور آپ کے سرہانے ایک پتھر پر کلمہ کندہ کرکے یہہ اشعار کندہ کرائے۔

از پے تعمیر شد خان فلک احتشام　　مہر نسب را شرف اوج شرف را شہاب
سید عالی نسب میر فلک احترام　　بانی او ہاشمے ساعی او ہاشمے
آنکہ بدوران شان ہست سخن را نظام　　از پے تاریخ آن چون متفکر شدم
کلک خرد زد رقم قبلہ گہ خاص و عام　　روے بدرگاہ او آفریدون بصدق
شاید از الطاف پیر کار تو گردد نظام

اِسکے بعد سنہ ۱۰۱۶ھ میں یعنی جہانگیر کے عہد میں فرید خاں نے جنہوں نے فریدآباد بسایا ہے نہایت عمدہ سیپ کا کام کیا ہوا چوبی چھپر کہٹ چڑہایا اُسمیں سیپ کی پچی کاری سے یہ اشعار کندہ ہیں۔

شیخ دہلی نظام را دو فرید　　کار دنیا و دین مہیا کرد
یک فریدش مقام فانی داد　　یک فریدش مقام احیا کرد
مرتضیٰ خاں فراز مرقد او　　قبہ چون سپہر برپا کرد
ابر فیروزی از جہان برخاست　　در یگانہ در صدف جا کرد
ہر جہان کعبۂ مربع او　　چارہ از چہار حد وا کرد

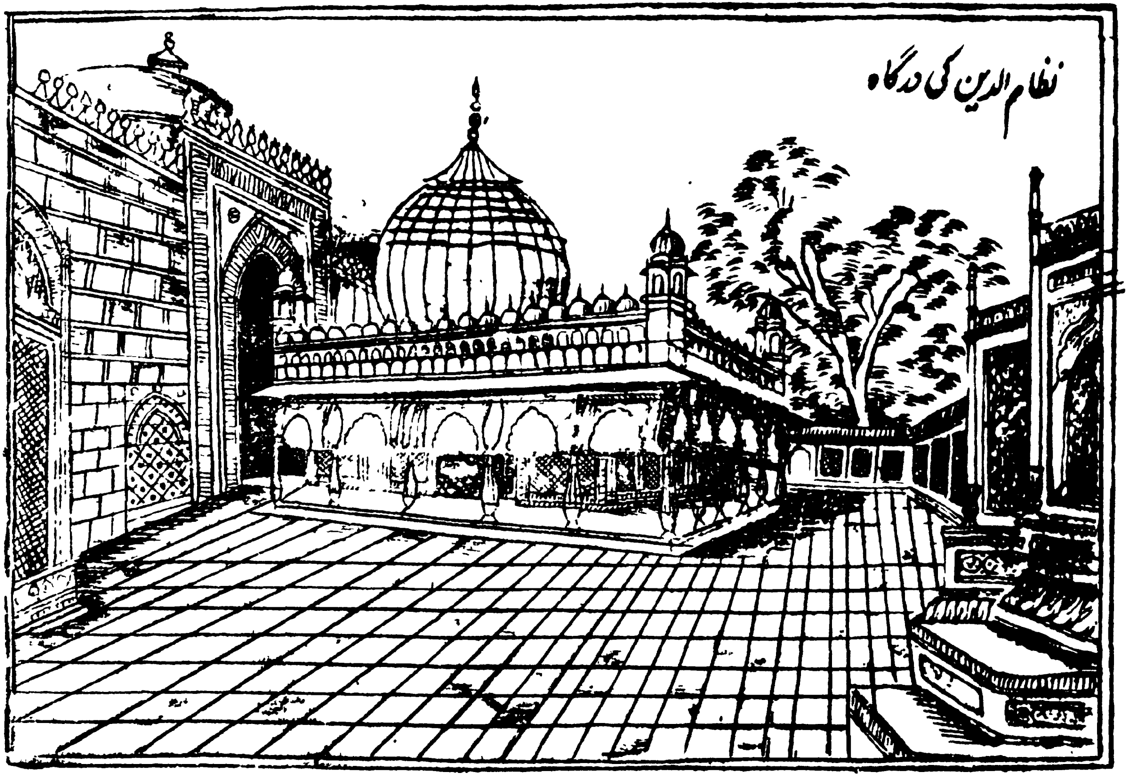

نظام الدین کی درگاہ

عرشۂ مرقد مبارک او — برزمین کار عرش اعلے کرد
عرش در پاے چار قایمۂ اش — چار تکبیر بے محابا کرد
ہر کہ رُخ از مقام او تابید — پشت بر کعبۂ معلے کرد
زانکہ رو در سجود او آورد — رُخ چو آئینۂ مصفا کرد
خاک روب مقامش ار باشی — مے تواں کار صد مسیحا کرد
سال تاریخ این بنا جستم — قبۂ شیخ عقل القا کرد
قدر بانی او رفیع کناد — آنکہ این ہفت سقف خضرا کرد

سنہ ١٠٦٣ھ میں شاہجہاں کے عہد میں خلیل اللہ خاں نے مزار کے گرد سنگ سرخ کی غلام گردش بنوائی جسکے ہر ضلع میں پانچ در ہیں اور دو دروں پر سنہ ١١٦٩ ہجری میں عالمگیر ثانی نے ایک سنگ مرمر کی تختی پر یہ اشعار کندہ کرا کے مزار کی پائیتی لگا دیے۔

جو ہوے خادم نظام الدین کا دلسے اے غریب — اسکے تئیں ہوتا ہے تاج خسروی جگ میں نصیب
خادمی کی ہی عزیز الدین نے باصدق و یقین — تاج شاہی ہند کا مجھکو دیا ہے عنقریب
مرض دل افگار میرے کا وہ صحت بخشے — بے غذا و بے دعا و بے دوا و بے طبیب
بس پریشاں حال ہے اب خلق پر محبوب حق — فضل کر تقصیر واروں پر تم ہو حق کے حبیب

مولانا فخر الدین نے غلام گردش کے ستونوں کو سنگ مرمر کا بنوانا چاہا اور ستون بنوا لیے مگر لگوانے سے پہلے انکا انتقال ہو گیا اُنکے ارادہ کو نواب احمد بخش خاں والی فیروزپور جھرکہ نے پورا کیا اور سنگ مرمر کے ستون لگا دیئے مگر محرابیں اور چھت بدستور سنگ سرخ کی رہیں چونکہ غلام گردش کی چھت میں شور لگ جاتا تھا اس لیے فیض اللہ خاں بنگش نے پتھروں کے نیچے سنہ ١٢٢٦ھ میں تانبے کی چھت جسپر سنہری اور لاجوردی کام تھا

جڑوادی اِس چہت پر یہ کتبہ کندہ ہے۔

بدرگاہ نظام الحق والدین — کہ محبوب
چو این سقف مطلا و منقش — بنائے خان بنگش خوشترین است
وصال این سقف برایں — کہ آن خا
گفتا تمامے کار چینی ست

اکبر شاہ ثانی نے چونے کے بُرج کی جگہ سنگ مرمر کا بُرج بنوادیا اور اُسپر سنہری کلس لگا دیا حال میں مسٹر آر کلارک صاحب بہادر نے غلام گردش کی چہت ازسرِنو درست کرائی ہے۔

درگاہ کی مسجد کی بابت مشہور ہے کہ یہ مسجد آپ کے سامنے بنّی شروع ہوی تہی اسکی بابت یہہ روایت مشہور ہے کہ قرابیگ ترک نے سلطان علاء الدین خلجی کے بیٹے خضر خاں کو آپ کا مرید کرایا اور خضر خاں نے اِس مسجد کا بیچ والا درجہ معہ بڑے گنبد کے تیار کرایا۔ یہ گنبد لداو کا ہے اور نہایت عظیم الشان ہے بیچ میں چودہ گز کا طول ہے اِس درجہ کی کل عمارت سنگ سُرخ کی بنی ہوی ہے۔ یہاں ایک سنہری کٹورہ لٹکا ہوا ہے جسپر جاٹوں نے سونے کے لالچ سے گولیاں ماری تہیں مگر وہ کٹورا نہیں گرا اور بدستور لٹکا ہوا ہے سلطان محمد تغلق شاہ خونی نے اِس درجہ کے اودہر اُدہر دو درجے اور بنادیئے اور اِدہر چار برج سٹے جس سے مسجد کے پانچ برج ہو گئے [illegible]

پر آیات قرآنی کندہ ہیں۔

درگاہ کا صحن سنگ مرمر کا محمد شاہ کا بنوایا ہوا ہے صحن میں جنوب کی طرف تین مجرہیں ایک مجرہ جہاں آرا بیگم کا ہے جو شاہجہاں کی بیٹی تہیں اور اپنے باپ کے قید کے زمانہ میں اُنکے ساتہہ

زمین تہیں اور شاہجہان کے سولہ برس بعد اور اپنی بہن روشن آرا بیگم کے دس برس بعد اُنکا انتقال ہوا تہا یہہ محجر سنگ مرمر کا ہے اور تہا بہت خوشنما جالیاں سنگ مرمر کی چاروں طرف لگی ہوئی ہیں جہاں آرا بیگم نے اپنی زندگی ہی میں خدام سے اپنے مدفن کے لیے تین کروڑ روپیہ دیکر زمین مول لی تہی مگر اورنگزیب نے دو کروڑ واپس لے لیئے کہ شرعاً ایک ثلث سے زیادہ وصیت جائز نہیں ہے اور اِس محجر کو بہی اُنھوں نے اپنے سامنے تیار کرایا تہا۔ محجر میں چار قبریں ہیں ایک چھوٹی تین بڑی جہاں آرا بیگم کے سرہانے مزار کی لوح پر یہ مشہور شعر کندہ ہے ؎ بغیر سبزہ نپوشد کسے مزار مرا ٭ کہ قبرپوش غریباں ہمیں گیاہ بس است الفقیرۃ الفانیہ جہاں آرا مرید ٭ خواجگانِ چشت بنت شاہجہان۔

اِس کے پاس کی قبروں میں بعد کے بادشاہوں کی اولاد مدفون ہے جہاں آرا بیگم کے محجر کے پاس محمد شاہ بادشاہ کا محجر ہے یہ بہی نہایت عمدہ سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے اور دروازہ میں قدآدم پٹ سنگ مرمر کے تراشے ہوے ہیں اِس محجر میں محمد شاہ کی قبر کے پاس نواب صاحبہ محل اُنکی بیوی اور ایک اُسکے پوتے کی قبر ہے اور ایک قبر اُس شہزادی کی ہے جسکا نادر شاہ کے ساتہہ نکاح کیا گیا تہا۔ محمد شاہ کا انتقال سنہ ۱۱۶۱ھ یعنے ۱۷۴۸ء میں ہوا تہا۔

اِس کے پاس مرزا جہانگیر کا محجر ہے جو محمد شاہ کے محجر کی طرح عمدہ ہے مرزا جہانگیر اکبر شاہ ثانی کے بیٹے تہے اور انگریزوں نے اُنکو الہ آباد میں نظربند کر دیا تہا کیونکہ اُنھوں نے سیٹن صاحب ریذیڈنٹ کو تمنچہ مارا تہا۔ نواب ممتاز محل اُنکی والدہ نے اِن کا جنازہ الہ آباد سے منگواکے یہاں دفن کرا دیا تہا درگاہ کے صحن کے جنوب کیطرف

بارانی چبوترہ کا راستہ ہے جہاں آپ اپنے مریدوں کے ہمراہ تشریف رکہا کرتے تھے۔ اِس چبوترہ پر امیر خسرو کا مزار ہے انکا اصلی نام ابوالحسن تہا اور اُنکے والد کا نام سیف الدین محمود تہا پیر کے چھ مہینے بعد ۷۲۵ ہجری میں اُنکا انتقال ہوا پہلے قبر پر نہ کوئی محجر تہا اور نہ گنبد۔ موجودہ محجر اور گنبد سنگ مرمر کا طاہر محمد عماد الدین حسن سبزواری نے سنہ ۱۰۱۴ھ میں تعمیر کرایا تہا گنبد کے گرد سنگ سُرخ کی جالیاں لگائی گئی ہیں اور جنوب کی طرف غلام گردش مسقف ہے جس سے گنبد تک روشنی کم پہنچتی ہے۔ برج کے اندر کی دیواروں پر یہ کتبہ کندہ ہے

اے خسرو بے نظیر عالم	با روضۂ تو مرا نیاز ست
تعمیر نمود طاہر آں را	فیضِ ازلی ہمیشہ باز است
تاریخ بنایش عقل گفتا	با روضہ بگو کہ جائے راز ست

بابر بادشاہ کے زمانہ میں مہدی خواجہ نے ایک سنگ مرمر کی لوح پر یہہ تاریخ وفات کہدوا کر لگا دی ہے وہ یہ ہے

لا الہ اِلا اللہ محمد الرسول اللہ

زمیں را ازیں لوح شد سرفرازے	بدوران بابر شہنشاہ غازی
میر خسرو خسرو ملکِ سخن	آن محیط فضل و دریائے کمال
نثر او دلکش تر از ماء معین	نظم او صافی تر از آب زلال
بلبل دستاں سرائے بے قرین	طوطے شکر مقال بے مثال
از پئے تاریخ سال فوت او	چوں نہادم سر بزانوئے خیال
شد عدیم المثل یک تاریخ او	دیگرے شد طوطے شکر مقال

زحرف وصل جانان سادہ آمد لوحِ خاکِ من
طریق سادہ لوحی بس نشانِ عشقِ پاکِ من
مہدی خواجہ سید باجاہ و جلال
شد بانی این اساس بے شبہہ و مثال
گفتم سعی جمیل مہدی خواجہ
تاریخ بنائے این چو گردید سوال

اسی جگہ اخوند میر مورخ کی بھی قبر ہے مگر اسکا نشان نہیں رہا۔

مزار کے احاطہ کے شمالی دروازہ سے جو فیروز شاہ کا بنوایا ہوا ہے نکلکر مجلس خانہ میں پہونچتے ہیں جسکو اورنگ زیب کا بنوایا ہوا کہتے ہیں ادہر سے باولی کا رستہ ہے جسکو محمد شاہ نے پٹوا کر چھتا بنا دیا ہے۔ باولی نہایت خوشنما بنی ہوئی ہے کہتے ہیں کہ آپ کے سامنے ہی باولی تیار ہوگئی تہی۔ باولی کے گرد کے مکانات سب پٹھانوں کے زمانہ کے ہیں جنوبی ضلع کی طرف فیروز شاہ کے عہد کی عمارت کے درے میں یہاں ایک پتھر پر یہہ اشعار کندہ ہیں

بعہدِ دولتِ شاہِ معظم
خجستہ خسرو اولادِ آدم
مدارِ دین احمد شاہِ فیروز
شہِ صاحب قران سلطان اعظم
موفق گشت از حق بند معروف
اساس این عمارت کرد محکم
جوارِ روضۂ شیخ المشائخ
نظام الحق والدین قطبِ عالم
وحید الدین قرشی والد من
کہ با اہل ارادت بود ہمدم
بحسن اعتقاد و صدق اخلاص
ور اسرار ولی اللہ محرم
مرا چون برد پیش شیخ عالم
بدستِ خود گرفت و کرد نامم
بلفظ خود مرا معروف خواندہ
درین عالم چو شیخ عیسوی دم
رجا دارم کز انفاسِ مبارک
دران عالم بود معروف پرحم

بخواں تاریخ اہتمام عمارت   دریں جا چوں بپائے خسیر مقدم
ز ہجرت ہفتصد و ہشتاد و یک بود   مرتب شد بنا واللہ اعلم

باولی کے جنوب و مغرب میں باؔی کوکلدی بنت ملایم خاں کی قبر ہے جسپر سنگ مرمر کا برج ہے اور قبر بہی سنگ مرمر کی بنی ہوی ہے اسپر آیات قرآنی اور نود و نہ نام اللہ کے نہایت خوشخط کھدے ہوے ہیں

سال تاریخ فوت او جستم   از دل صاف پیر پاک سرشت
آہ سردے کشید و گفت بگو   باد ہمدم بحوریان بہشت
بامے کوکلدے بد۔ بد۔   بنت ملایم خاں سنہ ۸۱۰ھ

باولی کے شمالی سرے پر مغرب کی طرف پٹہانوں کے وقت کا گنبد ہے جسکا حال معلوم نہیں کہ کسکا ہے اور اسکے پاس ایک دو منزلہ مسجد پٹہانوں کے وقت کی ہے درگاہ کی قدیم چار دیواری بہت ٹوٹ پھوٹ گئی تہی اسکی مرمت احمد بخش خاں صاحب نے کرادی تہی اور دروازہ پر یہہ مصرعہ سنہری حرفوں سے لکہوا دیا تہا ؎ شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا + باولی میں گرد کے مکانات کی چہت پر سے خادموں کے بچے کودتے ہیں اور اسقدر چالاک ہوتے ہیں کہ پیسہ کوڑی دونی نکال لاتے ہیں۔ دلی میں یہ روایت زبان زد خلایق ہے کہ جس زمانہ میں یہ باولی تیار ہو رہی تہی تغلق شاہ اپنا قلعہ اور شہر تیار کرا رہے تہے کل معماروں کو وہاں زبردستی کام کرنا پڑتا تہا۔ چونکہ معمار حضرت نظام الدین سے عقیدت رکہتے تہے دن کو بادشاہ کا کام بناتے تہے اور شب کو آپ کی باولی کو مشعلوں کی روشنی میں تیار کرتے تہے جب مخبروں نے بادشاہ کو خبر دی کہ دن کو معماروں سے کام ٹہیک نہیں ہوتا کیونکہ وہ اونگتے ہیں اور اونگہ کی وجہہ یہ ہے کہ شب بہر وہ شاہ

نظام الدین کی باؤلی بناتے ہیں تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اُنکے ہاتھہ کوئی تیل نہ فروخت کرے پھر اندھیرے میں کیونکر بنائینگے حضرت کی دعا سے باولی کے پانی نے تیل کا کام دیا جب یہ خبر بادشاہ کو پہنچی بادشاہ نے بددعا دی تو باولی کا پانی کہاری ہوگیا مگر اس کے مقابلہ میں شاہ صاحب کی بددعا کا یہہ نتیجہ ہوا کہ تغلق آباد آجتک ویران پڑا ہوا ہے جو کبھی آباد نہیں ہوا۔ مگر باولی کی تاریخ خیمہ دلکشا ہے جس سے سنہ ۷۲۱ھ نکلتے ہیں اور تغلق بادشاہ چار سال کی سلطنت کے بعد سنہ ۷۲۵ھ میں مارا گیا ہے۔ نظام الدین سے مشرق کی طرف مبارکپور کی سڑک پر پٹھانوں کے وقت کا شکستہ پل ہے جو بہت عمدہ بنا ہوا تھا اور اُسی نالہ پر ہے جسپر بارہ پلہ تعمیر ہوا ہے نظام الدین سے اگر صفدر جنگ کے مقبرہ کی طرف جاؤ تو نصف میل پر سڑک کی داہنی طرف موضع خیرپور ہے اور ڈیڑہ میل پر سڑک کی بائیں طرف مبارکپور ہے۔ سڑک اور موضع خیرپور کے درمیان میں محمد شاہ کا مقبرہ ہے جو سیدوں کے خاندان کے تیسرے بادشاہ تھے اور اُنکا انتقال سنہ ۱۴۴۵ء میں ہوا تھا یہ عمارت ہشت پہل ہے اور باہر کی طرف محراب دار دالان ہیں جیسے خاں اور مبارک شاہ کے مقبروں سے قطع بہت ملتی ہے اندر کا کام کسی زمانہ میں بہت خوبصورت ہوگا موضع خیرپور میں ایک مسجد ہے جو دور سے مقبرہ معلوم ہوتی ہے اسکا دروازہ نہایت خوبصورت ہے۔ یہہ دروازہ بہت عالیشان اور اسکی علائی دروازہ سے قطع ملتی ہے دروازہ کے آگے نہایت خوبصورت صحن ہے جسکی ایک جانب مسجد اور ایک جانب

مجلس خانہ ہے یہہ عمارت سنہ ۱۴۹۴ء کی بنی ہوی ہے۔ اِس مسجد کی استرکاری میں بہت عمدہ کام بنا ہوا تہا جسکا نمونہ اب بہی بہت کچہہ باقی ہے۔ موضع کے شمال کی طرف ایک برج ہے جسپر نیلی چینی کا خوبصورت کام اب تک کچہہ کچہہ موجود ہے معلوم نہیں کہ کسکی قبر ہے اِس سے چار سو گز آگے سکندر لودی بہلول کا مقبرہ ہے جسکا انتقال سنہ ۱۵۱۷ء میں ہوا تہا اور اُن کے نو برس بعد مغلی سلطنت ہندوستان میں قایم ہوی اِس مقبرہ کے احاطہ کے نیچے چراغ دہلی کی طرح نالہ بہتا ہے جسپر سات محرابوں کا ایک پُل بنا ہوا تہا اور اِس پُل پر وہ سڑک تہی جس سے فیروزآباد سیری اور پُرانی دہلی سے ملحق ہوا تہا یہہ عمارت نہایت عمدہ ہے اور اُسکا منظر نہایت ہی اچہا ہے اِس مقبرہ میں جس ستون پر قبر کے سرہانے چراغ روشن ہوتا ہے وہ کسی چینی مندر کا ستون ہے۔

موضع مبارک پور

سڑک سے نصف میل کے فاصلہ پر موضع مبارکپور میں مبارک شاہ کا مقبرہ اور مسجد ہے۔ سیدوں کے خاندان میں یہ دوسرا بادشاہ تہا اور سنہ ۱۴۳۴ء میں یعنی ۵۔ رمضان سنہ ۸۳۷ھ کو مار ڈالا گیا تہا مقبرہ ہشت پہل ہے اور گرد میں محراب دار غلام گردش ہے مقبرہ سنگ خارا کا بنا ہوا ہے۔ مقبرہ کے گرد ایک فصیل ہے احاطہ کے باہر ایک مسجد ہے جسکے تین گنبد ہیں۔ گاؤں کے باہر مشرق کی جانب تین برج کی عمارت ہے۔ اِنمین جو بڑا برج ہے اُسکو لوگ سیدوں کے خاندان کے اول بادشاہ خضر خاں کا مقبرہ بتاتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہہ تین برج بڑے خان چہوٹے خان اور کالے خان کے ہیں۔ مبارکپور سے جنوب کیطرف میل بہر کے فاصلہ پر موٹھ

کی مسجد ہے - یہہ مسجد سکندر خاں لودہی نے سنہ ۱۴۸۸ء میں بنوائی تہی - اِسی مسجد کی نقل پر شیر شاہ نے پُرانے قلعہ میں ایک مسجد تعمیر کی تہی جسکا نمونہ یہ ہے اور قطب صاحب میں جمال کمال کی درگاہ کی مسجد بنائی گئی تہی - مسجد کے دروازے کی محراب ہندی قطع کی ہے اور نہایت خوبصورت ہے - جو کام مسجد کی رنگکاری پر ہوا ہے شاید اُسکی نقل ہمایوں کے مقبرہ میں اُتاری گئی ہے اِس مسجد سے

موضع شاہ پور

اِس مسجد سے جنوب کی طرف نصف میل پر قلعہ سیری کے کہنڈرات ہیں جہاں اب موضع شاہ پور آباد ہے راہ میں ایک بہت عمدہ باولی ہے جو سکندر لودہی کی بنائی ہوی ہے اور سیری کے کہنڈرات کے پاس ایک بڑی مسجد ہے جسکو محمدی مسجد کہتے ہیں جسکا ایک بُرج ہے یہاں سے وہ شمالی مغربی حصہ فصیل کا جو جہاں پناہ اور پُرانی دہلی کو سیری سے ملاتا تھا بخوبی نظر آتا ہے -

قلعہ سیری کی فصیل سے مغرب کیطرف تین سو گز پر ایک احاطہ ہے جو مخدوم سبزوار کے نام سے مشہور ہے اِسکا دروازہ ہندوانی وضع کا ہے - احاطہ کے اندر ایک خوبصورت مسجد ہے جسکی عمارت کی وضع ہمایوں کے زمانہ کی ہے یہاں ایک قبر ہے اور ایک دالان ہے - یہاں پہلے سنگ سُرخ کی عمدہ جالیاں لگی ہوی تہیں - اِس احاطہ پر درختوں کا گہرا سایہ ہے اور نہایت خوش منظر مقام ہے جو سڑک ہمایوں کے مقبرہ سے خیر پور اور مبارکپور ہوتی ہوی آئی ہے اُس کی انتہا پر صفدر جنگ کا مقبرہ ہے نواب منصور علیخاں صفدر جنگ اودہ کے اول نواب وزیر کے بہتیجے اور جانشین تہے اور احمد شاہ کے وزیر تہے اُنکا انتقال سنہ ۱۷۵۳ء میں ہوا

شیدی بلال محمد خاں کے اہتمام میں تین لاکہہ روپیہ کی لاگت سے یہہ مقبرہ تیار ہوا۔ مقبرہ کے اندر یہہ تاریخ کندہ ہے۔

جوان صفدر عرصۂ مردمی　　زدار فنا گشت رحلت گزین
چنین سال تاریخ او شد رقم　　کہ بادا مقیم بہشت برین

یہہ مقبرہ مسلمانوں کی سب سے آخری بڑی عمارت ہے۔ معماروں نے آگرہ کے تاج کی نقل اُتاری ہے مگر بہت کچہہ اختلاف بہی ہے۔ کونوں کے برجوں کا کام بہت عمدہ نہین بنا مگر بیچ میں جو سنگ باسی میں سنگ مرمر کی پچہ کاری ہے وہ بہت ہی خوبصورت ہے جو منبت کاری اندر کی استرکاری میں کی گئی ہے وہ خراب ہے مگر قبر کی پچی کاری نہایت خوبصورت ہے مقبرہ کے باغ کا دروازہ اور شمال کی طرف سنگ سُرخ کی مسجد بہت ہی خوبصورت عمارتین ہین۔ جنوب کیطرف احاطہ میں ایک مکان بنا ہوا ہے جسکو موتی محل کہتے ہیں اور غرب کیطرف ایک دوسرا مکان ہے جسکا نام جنگلی محل ہے مشرق کا مکان بادشاہ پسند کہلاتا ہے۔ مقبرہ کے چارون طرف چار نہریں ہیں اور آب باغ بہت آراستہ کیا گیا ہے یہاں دہلی کے اکثر لوگ سیر تماشہ کو آیا کرتے ہیں

جنتر منتر

منصور کے مقبرہ سے تہوڑی دور پر دہلی کی طرف جنتر منتر کی عمارت قابل دید ہے یہہ رصدگاہ راجہ جے سنگہ والی جے پور کی بنائی ہوی ہے جو سنہ ۱۷۲۴ء مین بنائی گئی تہی۔ اِسکے تیار ہونے کے پچاس برس بعد جاٹ رہزنوں نے اِس عمارت کو بہت خراب کر دیا تہا مقیاس یعنی قوس معدل النہار اب تک باقی ہے مگر اسکا سنگ مر

جسپر دقایق و مدارج بنے ہوے تھے لوگ اُکھیڑ کے لے گئے اور جنتر دوائر الظل کے دونوں بروج ہی شکستہ حال باقی ہیں۔ یہاں سے مشرق کیطرف ایک میل پر ماہو گنج کا موضع ہے جو ابتک ریاست جے پور کی جاگیر ہے یہاں ایک زمانہ میں راجہ جے پور کا محل اور اصطبل بنا ہوا تھا۔ یہاں سے مشرق کی جانب نصف میل پر اوگر سین کی باولی نہایت عمدہ بنی ہوی ہے

کربلا

منصور کے مقبرہ سے سیدہی سڑک قطب صاحب کو گئی ہے جو یہاں سے پانچ میل پر ہے راہ میں بائین طرف علی گنج کا احاطہ ہے جہاں نجف خاں کا مقبرہ ہے اور تربت نجف اُنکی وفات کا مادہ تاریخ ہے اُنھوں نے مغلیہ سلطنت کو بہت دِن تک مرہٹوں کے ہاتھہ سے بچایا انکے مقبرہ کے پاس کربلا ہے جہاں تعزیے دفن ہوتے ہیں۔ یہہ احاطہ مرزا اشرف بیگ کا بنوایا ہوا ہے۔

کربلا کے برابر میں شاہِ مرداں کا احاطہ ہے اُسکے شمالی دروازہ پر ایک کتبہ کندہ ہے

اِس احاطہ میں ایک سنگ مرمر کا مجرہ ہے۔ مجرہ کے اندر سنگ مرمر کا فرش ہے بیچ میں سنگ مرمر کا حوض ہے اور اِس حوض میں ایک پتھر سنگ مرمر کا لگا ہوا ہے جسکو حضرت علیؑ کا نقش قدم بیان کیا جاتا ہے اُسکے کناروں پر یہہ شعر کندہ ہے

بر زمینے کہ نشان کف پاے تو بود سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

اِسی سبب سے اِس مقام کو علی جی بھی کہتے ہیں۔ اِس مجرہ کے پاس ایک برج ہے جسمین کسی مرد کو نہیں جانے دیتے اور وہ برج کاسہ حضرت فاطمہ کا کہلاتا ہے۔

اِس بُرج کے پاس ایک دالان ہے جسکا نام جہاز ہے کہتے ہیں کہ کسی سوداگر کی منت پوری ہوئی تہی تو اُسنے یہ دالان بنوایا تہا۔ اِس کے پاس دالان در دالان بنا ہوا ہے جو مجلس خانہ کہلاتا ہے یہہ عشرت علیخاں کا بنوایا ہوا ہے۔ ایک طرف سنگ مرمر کی لوح پر یہہ تاریخ کندہ ہے۔

قال محمد حبیب اللہ انا مدینۃ العلم وعلی بابہا ۞ سنہ ۱۱۶۲ ہجری درعہد مبارک احمد شاہ بہادر بادشاہ غازی بموجب ارشاد نواب قدسیہ حضرت صاحبہ زمانیہ باہتمام نواب بہادر جاوید خان صاحب بہ سرراہی خاکسار لطف علی خان تعمیر قلعہ و مجلس خانہ و مسجد وحوض دریک سال مرتب شد ✦

جس میدان میں سے یہ سڑک گزری ہے اِسی میدان میں سلطان محمود شاہ اور امیر تیمور کے لشکر سے ۱۲۔ دسمبر سنہ ۱۳۹۸ء کو ایک خونریز لڑائی ہوئی تہی جس میں سلطان محمود کو کامل شکست ہوئی امیر تیمور جہاں نما سے بڑہکر دہلی کے سامنے پہونچا تہا۔ اِس بڑے میدان میں دہلی کی فوج اِسقدر بہادری سے جان توڑکر لڑی کہ خود امیر تیمور نے اُنکی تعریف لکہی ہے

بدیع منزل اِسکے بعد سڑک کی داہنی طرف مجاہد پور ہے اور موضع کریرہ بائیں ہاتہہ کی طرف ہے اِسکے سامنے سڑک کے نزدیک ایک مقبرہ پٹہانوں کے وقت کا ہے اور اُسکے پیچھے موضع حوض خاص کے قریب دوسرا مقبرہ ہے۔ بائیں ہاتہہ جنوب کیطرف بدیع منزل کی بلند تعمیر نظر آتی ہے اور اُسکے پاس بیگم پور کی مسجد کی سیاہ دیوارین دکہائی دیتی ہیں بدیع منزل نہایت بلند ہے کیا تعجب ہے کہ یہہ مکان محمد تغلق کے قصر ہزار ستون کا ایک حصّہ ہو ایک بلند برج پر چار دروازوں کا کمرہ بنا ہوا ہے اور اُسکی دیواریں سے اوپر جانے کا راستہ ہے جہاں لگلے زمانہ میں

ایک سنگین خوشنما بارہ دری بنی ہوئی تہی جسکے کچھہ آثار ابتک باقی ہین بعض کے نزدیک یہہ بارہ دری فیروز شاہ کی بنائی ہوی ہے کہتے ہیں کہ اِس مکان سے حوض خاص تک ایک نقب گئی تہی۔

بیگم پور کی مسجد

بیگم پور کی مسجد دہلی کے گرد و نواح کی کل مسجدوں سے سوائے جامع مسجد شاہجہان آباد کے بڑی ہے سنہ ۱۳۸۷ء کی تعمیر ہے خان جہاں خاں کی کل مسجدوں سے تعمیر میں بہترین ہے اور قابل دید ہے۔ باہر سے کوئی تین سو فٹ مربع ہے اور اندر سے ۲۴۷ فٹ طویل اور ۲۲۳ فٹ عریض ہے۔ اِس مسجد میں چند انگریز غدر میں چہپے رہے تہے۔ سڑک کے اور اُس عمارت کے بیچ مین ایک نہایت عمدہ عیدگاہ ہے جسکے سروں پر گول بُرج ہین جو خاص پٹھانوں کی طرز کے ہین۔ یقیناً یہہ وہی عیدگاہ ہے جہاں دہلی کی لڑائی کے بعد تیمور نے اپنے خیمے ڈالے کہتے ہیں کہ تیمور کی بیگمات عیدگاہ کو دیکھنے آئی تہیں اور لوگوں نے اُنکی کچھہ توہین کی تہی اِسی سبب سے دہلی میں قتل عام ہوا تہا۔ جب سلطان محمود اور ملّو خاں میدان جنگ سے بہاگ گیے تو امیر تیمور لکھتے ہیں کہ میں گہوڑے پر سوار ہو کر میدان کے دروازہ کیطرف روانہ ہوا اور عیدگاہ کے دروازہ پر جا اُترا یہہ ایک وسیع اور بلند مکان ہے اور میں نے حکم دیا کہ میرے خیمے یہاں نصب کیے جائین اور عیدگاہ میں میرا تخت رکہا جاے۔ اِس مقام پر دہلی کے لوگوں نے آکر متابعت قبول کی تہی۔

سڑک کی داہنی طرف ایک میل پر فیروز شاہ کے مقبرہ کا بُرج دکہائی دیتا ہے جو حوض خاص کے مشرقی جنوبی گوشہ پر واقع ہے لڑائی کے بعد امیر تیمور حوض خاص کے

کنارہ پر اُتر کر ٹھہرا تھا اور وہاں اُسکے امرا نے فتح کی مبارکباد دی تھی - حوض خاص کی بابت امیر تیمور لکھتے ہیں کہ یہہ حوض فیروز شاہ کا بنوایا ہوا ہے اِس حوض کی جوانب ایک تیر کے پلہ سے زیادہ ہیں اور چاروں طرف اِسکے عمارات بنی ہوئی ہیں -

اسمیں اب پانی نہیں ہے مگر نیچے سے اُتر کر دیکھنے سے بہت ہی بہار معلوم ہوتی ہے اِسکے وسط میں حوض شمسی کیطرح ایک بُرج تھا - اِسکے مشرقی اور جنوبی شرقی حصہ میں سیڑھیاں اور دیواروں میں صحنچیاں بنی ہوئی تھیں جو ٹوٹ گئی ہیں یہہ حوض ایک کئی بیگہ پختہ کا ہے اِسکے دروازہ پر چونہ سے کچھہ کتبہ لکھا تھا جو عرصے پہلے ہی اُڑ گیا تھا اور صرف اتنا پڑھا جاتا تھا + - + + + مرتب گردانیدہ سلطان السلاطین سلطان فیروز شاہ خلد اللہ ملکہ + - + + + بن سلطان فیروز شاہ طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ اِس کتبہ سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حوض خاص کو سلطان فیروز شاہ نے تعمیر کیا تھا جو ابوبکر شاہ کے بعد سنہ ۷۹۲ھ میں بادشاہ ہوا تھا فیروز شاہ کا انتقال سنہ ۱۳۸۹ع میں ہوا اب بھی مقبرہ کے اندر بُرج میں کچھہ رنگ آمیزی باقی ہے سکندر شاہ لودہی نے مقبرہ کی مرمت کی تھی اور حال میں پنجاب گورنمنٹ کی طرف سے اِسکی خاص مرمت ہوئی ہے جو مقبرہ میں تین سنگ مرمر کی قبریں ہیں کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ کی ہے دوسرے ناصر الدین تغلق شاہ کی ہے اور تیسری اُنکے پوتے کی ہے اِسکے پاس چھوٹے چھوٹے بُرج ہیں منجملہ اُنکے ایک پر یہ کتبہ لکھا ہوا ہے۔

این عمارت در عہد دولت سلطان الاعظم سکندر شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ واعلی امرہ وشانہ این گنبد بنای شیخ شہاب الدین تاجخان و سلطان ابوسعید بتاریخ نہم رمضان سنہ تسعہ و

جب سڑک کو نو میل طے کرلیں تو وہاں جہاں پناہ کی فصیل کا دوسرا ملتا ہے جس سے قلعہ سیری اور قطب صاحب کی پرانی دہلی ملادی گئی تہی اور سب شہر ملکر ایک شہر کردیا گیا تہا ابن بطوطہ جو تیمور سے ستّر برس پہلے دہلی میں آیا تہا اُسکا حال اسطرح لکھتا ہے کہ دہلی کا شہر بہت وسیع ہے اِس میں چار شہر ملے ہوے ہیں پرانی دہلی جسکو مسلمانوں نے سنہ ۵۸۴ھ میں فتح کیا تہا۔ (۲) سیری جسکو دارالخلافہ بہی کہتے ہیں (۳) تغلق آباد جسکو سلطان تغلق نے آباد کیا تہا (۴) جہاں پناہ جسمیں موجودہ سلطان محمد شاہ رہتے ہیں اور خاص اپنی سکونت کے لیے بنایا ہے اُنکا ارادہ تہا کہ ایک فصیل اِن سب شہروں کے گرد بنادی جاے اور اِس فصیل کا ایک حصہ اُنہوں نے بنایا بہی مگر آخر میں اُس ارادہ سے باز رہا کیونکہ بہت بڑا صرف پڑتا تہا۔ دہلی کی فصیل کے برابر کوئی فصیل دنیا میں نہیں وہ دس گز عریض تہی اُسمیں پہرہ والوں کے لیے اور سامان رسد اور میگزین کے لیے کمرے بنے ہوے ہیں بعض کمروں میں ایسے نشان ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی قسم کی توپیں تہیں، اِن کمروں میں غلہ مدتوں تک اچہی حالت میں رہتا ہے بالکل نہیں بگڑتا میرے سامنے کچہہ چانول پکائے گئے تہے۔ اُنکا رنگ سیاہ ہوگیا تہا مگر ذائقہ اچہا تھا۔ اِسیطرح کچہہ باجرہ بہی میرے سامنے نکالا گیا تہا نوے برس ہوے کہ غلہ سلطان بلبن نے بہروایا تہا۔ ٭ - + — +

فصیل کا نیچے کا حصہ پتہر کا ہے اوپر کا حصہ اینٹ کا بنا ہے فصیل میں اٹہائیس دروازے ہیں جنمیں سے سب میں بڑا بدایونی دروازہ ہے -

ہندوسندہ کے قاضی کمال الدین محمد ابن برہان الدین غزنوی نے مفصل کیفیت مجہسے بیان کی کہ کس طرح سنہ ۵۸۴ھ میں کفار سے دہلی فتح کی گئی تہی۔ شہر کی بڑی مسجد

کی محراب پر بھی میں نے یہی تاریخ پڑھی اُنھوں نے مجھسے بیان کیا کہ امیر قطب الدین ایبک نے دہلی فتح کی تھی جو شہاب الدین محمد ابن مسام غوری شاہ غزنی و خراسان کے سپہ سالار تھے امیر تیمور نے دہلی کا حال اِس طرح لکھا ہے جو ابن بطوطہ کے بیان سے بہت مطابق تھا وہ کہتے ہیں جب مجھکو دہلی کے لوگوں کے قتل سے فرصت ہوئی میں شہروں کے گرد پھرا سیری ایک گول شہر ہے۔ اِسکی عمارات بلند ہیں اسکے گرد قلعہ پتھر اور اینٹ کا بنا ہوا ہے اور بہت مضبوط ہے پُرانی دہلی کا بھی ایسا ہی قلعہ ہے مگر سیری سے بڑا ہے سیری کے قلعہ سے پُرانی دہلی کے قلعہ تک ایک دیوار ہے جو پتھر اور چونے کی بنی ہوی ہے جس حصہ کا نام جہاں پناہ ہے وہ آباد شہر کے بیچ میں ہے اِن تینون شہروں کی فصیل ہے اور تیس دروازہ ہیں جہاں پناہ کے تیرے دروازہ ہیں سیری کے دس دروازہ ہیں اور پُرانی دہلی کے دس دروازہ ہیں بعض میں سے شہر کے باہر کو راستہ ہے اور بعض کا شہر کے اندر ہے جب میں شہر کے معائنہ سے تھک گیا تو میں مسجد جامع میں گیا وہاں سید اور فقہا اور شیخ اور رؤسائے شہر جمع تھے اور اُنکے ساتھ اُنکے حصہ شہر کے باشندے تھے۔ میں نے اُنکو بلایا اور اُنکی تسلی کی اور بہت عزت کی اور بہت خلعت وانعام دئے اور ایک افسر اُنکے ساتھ کر دیا کہ اُنکے حصہ شہر کی حفاظت کرے اِسکے بعد میں سوار ہو کر اپنے خیمہ کو چلا گیا۔

جہاں پناہ کی فصیل کے اندر پہونچکر جو سڑک سے چھ سو گز مغرب کی طرف بخوبی دکھائی دیتی ہے موضع کالا سرائے میں ایک شکستہ مگر عمدہ مسجد نظر آتی ہے اِسکے بعد وہ جینی میں سے گزر کر داہنے ہاتھ کیطرف بہت سے پُرانے مکانات اور قبریں نظر آتی ہیں

جنمیں سے ایک حضرت نظام الدین اولیا کی والدہ کی ہے۔ دسویں میل پر یعنے جنب قطب صاحب کی لاٹ ایک میل رہجاتی ہے تو رائے پتھورا کے قلعہ کی شمالی فصیل آتی ہے۔ سڑک کی چڑھائی پر چڑھکر داہنے ہاتھ کی طرف رائے پتھورا کے شہر کے قلعہ کی جو لال کوٹ کہلاتا ہے جنوبی فصیل ملتی ہے اور بائیں طرف جمالی کمالی کی درگاہ کی سرخ دیوار دکھائی دیتی ہے اور اُس سے مشرق کی طرف سلطان بلبن کا مقبرہ نظر آتا ہے آدہ میل آگے بڑھکر لال کوٹ کی مشرقی فصیل آجاتی ہے اور اُس سے ملا ہوا قطب صاحب کا احاطہ ہے اِس احاطہ کے دو سو گز آگے ادہم خان کا مقبرہ لال کوٹ کے جنوبی فصیل پر واقع ہے۔ یہاں سڑک کی چڑھائی چڑھکر قطب کے بازار میں پہونچتے ہیں لال کوٹ جنوبی فصیل سے باہر بنا ہوا ہے یہہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ دہلی کا سب سے پرانا قلعہ لال کوٹ کہلاتا ہے اور سب سے آخری مسلمانی قلعہ بھی لال قلعہ کہلاتا ہے یہاں لال کوٹ کی مغربی فصیل کے باہر باہر ادہم خاں کے مقبرہ سے بابا روزبہ کے مقبرہ تک جو خندق میں واقع ہے راستہ چلا گیا ہے اور وہاں سے انگک پال دوئم تالاب پر سے ہوتا ہوا رنجیت دروازہ سے قلعہ میں داخل ہو گیا ہے اور آگے بڑہکر شمالی مغربی فصیل کے کونہ سے جہاں فتح برج ہے قلعہ میں چلا آیا ہے یاد رکہنا چاہیے کہ قطب صاحب میں ہندوستان کے اسلامی حملہ کی یادگار نہیں ملتی بلکہ اسلامی فتوحات کی یادگاریں ہیں جو سنہ ۱۱۹۱ع سے سنہ ۱۳۰۵ع تک کے ہیں جسطرح فیروز شاہ کی دہلی میں اسوکا کی پتھر کی لاٹ اور جگہ سے لائی گئی ہے اِسی طرح قطب صاحب کی مسجد کے وسط میں لوہے کی لاٹ اور جگہ سے لا کر ایستادہ کی گئی ہے یہہ مسجد اور اُسکے گرد کی عمارتیں تین بڑے بادشاہوں کی

بنوائی ہوئی ہیں۔ سب میں پہلے ایک مسجد قطب الدین ایبک کی ہے جو سلطان معز الدین محمد بن سام کا سپہ سالار بنا ہوا تہا اور اُسکا نام مسجد قوۃ الاسلام رکہا۔ اِس میں قبلہ کی طرف پانچ در ہیں بیچ میں بہت بڑا در اور دونوں طرف دو دو چھوٹے در ہیں اِسکے پھول پھل اور حروف اور آیات قرآنی عدیم المثل کہدی ہوئی ہیں۔ بیچ کے در کے بائیں طرف ماہ ذیقعدہ ۵۹۲ھ کندہ ہے۔ اِسکے جنوبی ضلع میں راے پتہورا کے بتخانہ کے ستون لگے ہوئے ہیں اور آمد و رفت کے دروازہ کا نشان بہی اِسطرف باقی ہے۔ شمال کی طرف بہی ستون ہے اور ایک دروازہ ہے اور اِسی طرح شرقی ضلع میں ستون و دروازہ شمالی اور جنوبی اضلاع سمیت یہہ مسجد ایکسو پینتیس ۱۳۵ فٹ عریض ہے محرابیں ۵۳ فٹ بلند ہیں۔ بیچ کا صحن ایکسو آٹھہ فٹ چوڑا اور ایک سو بیالیس ۱۴۲ فٹ لنبا ہے۔ اِس کے مشرقی اور شمالی دروازے اب بہی موجود ہیں۔ جنوبی دروازہ اور مغربی کونا اور مغربی ضلع سب غائب ہو گئے ہیں شرقی ستونوں کے بیچ کے دروازہ پر پہلے تو بسم اللہ ہے اُسکے بعد آیت قرآنی من دخلہ کان آمنا۔۔ عن العالمین تک ہے اُسکے نیچے کی سطر میں یہہ عبارت ہے این عمارت را فتح کرد و این مسجد جامع را بنا ساخت منارہ فی شہور سنہ سبع وثمان وخمسماۃ اور بعض جگہ سے الدولہ والد پڑہا جاتا ہے اور بعض جگہ سے لفظ سلطانی پڑہا جاتا ہے اور بعض جگہ سے لفظ بتخانہ پڑہنے میں آتا ہے دروازہ کی آگے کی بڑی محراب پر سلطان قطب الدین ایبک کا نام لکہا ہے اور شمالی دروازہ پر یہ عبارت کندہ ہے

خیرت ہذہ العمارت لعالی امر السلطان المعظم معز الدین والدین محمد بن سام ناصر امیر المومنین

اور سال بنا کی جگہ صرف فی شہور سنہ اثنی وتسعین لکہا ہے اِس مسجد کے صحن کے وسط

میں ایک لاٹ لوہے کی گڑی ہوئی ہے یہہ لاٹ زمین سے ۲۲ فٹ بلند ہے اور صرف تین فٹ زمین سے نیچے ہے۔ کھودنے سے معلوم ہوا کہ سرے پر لاٹ گول ہے اور اُنہی سلاخون سے جو بڑے بڑے پتھروں میں جمی ہوی ہین اسطرح رکی ہوئی ہے جیسے درخت جڑون سے رکا ہوا ہوتا ہے۔ واقف کاروں کی رائے ہیں یہہ لاٹ ڈہلے ہوے لوہے کی نہیں ہے بلکہ ہتوڑوں سے پیٹ کر بنائی گئی ہے جو چھہ سنسکرت کی سطرین اِس پر کھدی ہوی ہین اُنسے معلوم ہوتا ہے کہ یہہ راجہ دہاوایا راجہ بہاو کے عہد حکومت میں وشنو کے نام کی بنی ہے جسکی بابت یقین کیا جاتا ہے کہ وہ تیسری یا چوتھی عیسوی صدی میں گزرا ہے اور بعض کے نزدیک چھٹی صدی میں ہوا ہے کچھہ عبارت انیگ پال دویم کیطرف سے بنی ہے راجہ نے ۱۰۵۲ء میں دہلی کو دوبارہ آباد کیا تھا۔ اور عبارت لاٹ پر کندہ کرادی تہی کچھہ کتبہ ایک چوہان راجہ کی طرف سے ہے قطب الدین کے بعد سلطان التمش نے اِس مسجد کو اِس طرح وسعت دی کہ قبلہ کیطرف کی محرابوں میں شمال اور جنوب کی طرف تین تین در بڑہا دئے جنمیں سے بیچ کا در بڑا اور بغلی در چھوٹے ہیں اُنکی بلندی قطب الدین کے دروں کے برابر ہے انپر بہی کام ویسا ہی ہے جیسا قطب الدین کے دروں پر کام کیا ہوا ہے مگر انمیں سے کوئی در باقی نہیں ہے صرف بازو باقی رہگئے ہیں محرابین گر پڑی ہیں جنوب کیطرف راے پتھورکے بتخانہ کے ستون موجود ہین اور وہ قطب صاحب کی لاٹ سے ملا دیے گئے یہہ ستون سنگ خارا کے ہین جنپر نہایت عمدہ نقاشی سے پہول جانور اور بتوں کی مورتین کہدی ہوی ہین جو قابل دید ہین اور اُنکی چہت پتھر سے پٹی ہوئی ہے اور نیز بہی ایک دروازہ تہا جسکا نشان باقی ہے

اسی طرح کے ستون شمال کی طرف بہی تہے جو بالکل ٹوٹ گئے ہین اس طرف بہی ایک دروازہ قایم کیا گیا تہا جو مشرقی ضلع لاٹ تک پہونچا دیا گیا۔ اس طرح سے سلطان التمش نے قطب الدین کی مسجد کو شمالاً اور جنوباً بیچ میں لے لیا اور شرق میں منار تک بڑہا دی۔ سلطان شمس الدین التمش سنہ ۱۲۱۱ع میں تخت پر بیٹھے تہے اور سنہ ۱۲۳۶ع میں انتقال کیا اور انکا مقبرہ انکی بڑہائی ہوی مسجد کے غربی و شمالی کونہ پر واقع ہے۔ اسکے بعد سلطان علاء الدین خلجی نے التمش کی مسجد کو اور بہی بڑہایا اُسنے التمش کے جنوبی ستونوں کو لاٹ سے بہت آگے تک بڑہا دیا اور لاٹ سے تہوڑی دور پر نہایت خوبصورت دروازہ بنایا جو حقیقت مین عدیم المثل اور بے نظیر ہے۔ قبلہ کی طرف کی محرابوں کو شمال کی طرف اسقدر بڑہایا کہ جتنی قطب الدین اور التمش کی محرابین تہیں اُنکو دوگنا کر دیا اور علاء الدین نے قطب منار کی سیدہ میں جنوب کی طرف اپنی توسیع کے وسط میں ایک دوسرا منار بنانا شروع کیا تہا جو ناتمام رہگیا یہہ منار قطب الدین کے منار سے ہر طرح دوگنا بڑا ہوتا۔ مگر علاء الدین نے عمارت پوری نہیں بنوائی تہی کہ وہ مرگیا اور اُسکی توسیع کے ناتمام آثار موجود ہیں جسطرح کہ منار ناتمام ہے۔ جو کچہہ حصہ مسجد کا موجود ہے اُسکی بابت متفق رائے یہ ہے کہ جب یہہ تیار ہوگی دنیا میں اعجوبہ ہوگی۔ قطب الدین اور التمش نے جو محرابین قبلہ کی طرف بنائی تہین اُنکا دنیا میں نظیر نہیں ہے۔ علاء الدین کی مسجد کی امیر خسرو نے قران السعدین مین یہہ تعریف لکہی ہے ؎

مسجد او جامع فیض اله ٭ زمزمهٔ خطبهٔ او تا بماه
برسر او تخت گرفته شهی ٭ منبرش از خطبهٔ النبی

آمده در روے ز سپہر کبود　　فیض بیک خواندن قرآں فرود
غلغل تسبیح بہ گنبد در دل　　رفت زنہ گنبد والا برون
گنبد او سلسلہ پیوند را　　سلسلہ چوں کعبہ شدہ حلقہ رسا
خواندہ امم کعبۂ دیں خودش　　پیش نشستہ حجر الاسود وش
بندہ ز سنگش در و لعل و عقیق　　زدہ ہمہ آزادی بیت العتیق
ہر کہ سعادت بودش رہنمائے　　بر در او سرہند انگاہ پائے
در سقفش ز سما تا زمیں　　نصب شدہ جملہ ستونہائے دیں
قامت نمود کردہ موذن دراز　　دادہ اقامت بستون نماز

ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ”مسجد بہت بڑی ہے اور خوبصورتی اور وسعت میں اپنا نظیر نہیں رکھتی دہلی کے فتح ہونے سے پہلے وہ ہندؤں کا مندر تھا اس کے صحن میں ایک لاٹ ہے جسکی بابت کہا جاتا ہے کہ سات کہانونکے تھہ سے بنائی گئی ہے“ اسمیں کوئی شک نہیں کہ ہندؤں کے زمانہ میں اس مقام پر کوئی بڑا بتخانہ تھا اور اسکی جگہہ یہ مسجد بنائی گئی کیونکہ آجتک ہندو اسجگہہ کو ٹھاکر دوارہ اور چونسٹھ کھمبا کہتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہی کہ اس بتخانہ کے چونسٹھ ستون تھے اور کچھ تعجب نہیں کہ چونسٹھ کھمبے کے نام سے مشہور ہو۔ یہ بھی یقین کرنا بجا ہے کہ اس مسجد میں نہ صرف اس بتخانہ کا مسالا لگا ہے بلکہ جو ستائیس مندر شہر میں تھے اور وہ سب منہدم کئے گئے تھے اسکا بھی مسالا اس عمارت میں خرچ ہوا لیکن یہ نہیں کہسکتے کہ قطب الدین کی مسجد میں جس جگہہ منقش ستون جس طرح لگے ہوئے ہیں اسیطرح اور اسی جگہہ اصلی بتخانہ میں لگے ہوئے تھے اور قطب الدین نے مسجد قوۃ الاسلام اس طرح

بنائی ہے کہ یہ تبخانہ کی عمارت اسکی مسجد کے جنوبی ضلع میں آگئی ہے۔ یورپی محققین کی متفق رائے یہ ہے کہ جینی مندر کے مسالے کو قطب الدین نے اپنی مرضی کے موافق جس جگہہ اور جسطرح مناسب سمجہا استعمال کیا تبخانہ کا کوئی حصہ اصلی ہیئت پر باقی نہیں رہا۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ ان منقش ستونوں پر ایک زمانہ میں نہایت عمدہ استرکاری کی ہوئی ہتی جن تصاویر کے اعضا استرکاری میں نہ چھپ سکے وہ تراش دیئے گئے تہے اور خراب کر دیئے گئے ہتے اور جو چھپ گئے ہتے وہ سلم رہگئے جیسے کہ اب بھی دکہائی دیتا ہے کہ بعض سلم ہیں اور بعض کے اعضا خراب کردے گئے ہیں مگر بقول کننگہم کے اس مسجد کی بڑی خوبی ان ہندوانی باقیات سے نہیں ہے بلکہ ان عظیم الشان محرابوں سے ہے جنکا نظیر دنیا میں نہیں ہے اور سب میں زیادہ خوبی لاٹ سے ہے جو مسجد قوۃ الاسلام کا منارہ ہے جیسا کہ دوسرے کھنڈوں پر سورۃ الجمعہ کے کندہ ہونے سے ثابت ہے۔ پہلے کھنڈ پر قطب الدین ایبک اور اُن کے آقا محمد بن سام یعنی محمد غوری کا نام ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد غوری کے زمانہ حیات میں قطب الدین نے یہ کہنڈ بنایا تہا۔ دوسرے تیسرے اور چوتھے کہنڈوں پر سلطان التمش کا نام ہے اور یقیناً باقی کل منار اُن ہی کا بنوایا ہوا ہے پانچویں کہنڈ پر فیروز شاہ کی مرمت کا ذکر ہے اور یقیناً فیروز شاہ نے اصلی مسالے سے دونوں کے اوپر کے کہنڈ از سرنو بنوائے ہیں (سنہ ۱۳۶۸ء) جس دروازہ سے اوپر چڑھتے ہیں زمانہ حال کا ہے اور اوسپر سنہ ۱۵۰۳ء کا کتبہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سکندر شاہ لودی نے اُسی کی مرمت کی ہتی جس سے یہ منار تین سو برس تک اور قایم رہا اور اسکے بعد انگریزی گورنمنٹ نے اسکی پوری مرمت کرادی اور کپتان اسمتھ ایل انجنیر نے اسپر ایک برجی

بنائی جواب بہی لاٹ کے نیچے رکہی ہوی ہے اور جسکی بابت کرنیل سلیمان نے لکہا ہے کہ اگر اصلی کہنڈ ایسا ہی تہا جیسا کہ کپتان اسمتہ نے بنوایا تہا تو بجلی نے اچہا کیا جو اُسکو گرا دیا جن انگریزی سیّاحوں نے اِس لاٹ کو سنہ ۱۷۹۴ء میں دیکہا تہا وہ لکہتے ہیں کہ لاٹ پر ایک نہایت شاندار سنگ سُرخ کی بُرجی تہی۔ موجودہ کٹہرا نہایت ہی بدزیب ہے اور اُسنے لاٹ کو کارخانہ کی چمنی بنا دیا ہے اگر اسکے اوپر چار محراب دار دروں کا کہنڈ اور بنا دیا جاوے تو بہت خوشنما ہو جائے۔ لاٹ کے سات کہنڈ مشہور ہیں اور یقیناً اسکے سات ہی کہنڈ بنے تہے غرضکہ بہ تحقیق معلوم ہوتا ہے کہ پہلا کہنڈ خواجہ قطب الدین کے وقت میں تیار ہوا اور باقی منار التمش کے زمانہ میں بنایا گیا مگر ڈیڑہ سو برس بعد فیروز شاہ کے زمانہ میں اوپر کے دو کہنڈ بجلی سے یا زلزلہ سے گر پڑے تہے اور اُس مشہور تعمیرات بنانے والے بادشاہ نے از سرِ نو دونوں اوپر کے کہنڈ بنوائے جسمین چوتہا کہنڈ بالکل سنگ مرمر کا ہے اور پانچویں کا بہت حصہ سنگ مرمر کا ہے۔ نیچے کے کہنڈ سب سنگ سُرخ کے ہیں۔ نیچے کا کہنڈ ۹۴ فٹ گیارہ انچہ ہے اور اوپر کا کہنڈ بائیس فٹ چار انچہ کا اور یہ دونوں ملکر کل منار کی آدہی بلندی کے برابر ہے دوسرا کہنڈ پچاس فٹ ساڑہے آٹہ انچہ کا اور تیسرا چالیس فٹ ساڑہے نو انچہ اور چوتہا پچیس فٹ ۴ انچہ ہے یعنے دوسرے کہنڈ کا ٹہیک نصف ہے۔ پہلا کہنڈ دو قطر بلند ہے اور چہہ کہنڈوں کے قطروں کو جمع کر لو تو ساری منار کی بلندی ہوتی ہے معہ اُس برجی کے جو ابتدا میں چوٹی پر بنی ہوی تہی اور بغیر برجی کے پانچ قطر بلند ہے قاہرہ میں جامع حسن کا منارا اور اٹلی میں شہر فلورنس کا منار اس منار سے زیادہ بلند ہیں مگر تعمیر کی خوبی میں اور نقش و نگار میں اور حسن و موزونیت

ہیں دونوں منار اسکے پاسنگ میں بھی نہیں آسکتے جسطرح آگرہ کو تاج سے، ہے اسیطرح لاٹ سے دلی کو فخر ہے دونوں شہروں کی دونوں عمارتیں دنیا میں عدیم المثل ہیں اور عجائبات روزگار میں سے ہیں جولکیر نیچے سے گئی ہے وہ برابر سیدہی خط مستقیم میں اوپر تک چلی گئی ہے ذرہ سا بھی ٹیڑہاپن نظر نہیں آتا اس میں شک نہیں کہ اوپر کے دو گول سادے کھنڈ جو فیروز شاہ نے بنوا دئے ہین وہ پہلے منقش کھنڈوں سے میل نہیں کھاتے مگر پھر بھی بے موزوں نہیں معلوم ہوتے بلکہ ایک قسم کی خوشنمائی پیدا کرتے ہیں لاٹ میں کل ۲۷۹ سیڑھیان ہین۔ جب اوپر چڑہ جاؤ تو عجب سماں نظر آتا ہے۔ لاٹ کے نیچے مسجد قوت الاسلام اور اسکی مختلف عمارتین نظر آتی ہین اُسکے آگے لال کوٹ اور قلعہ رائے پتھورا کی فصیلین شہر مغرب کی طرف بلند ہوتی گیئن ہیں اور جسکی خندق میں باباحاجی روزبہ کا مزار ہے یہہ ولی اللہ مسلمانوں کے آنے سے پہلے یہاں تشریف لائے تھے اور رائے پتھورا کی بیٹی نے عام روایت کے موافق آپ کے ہاتھہ پر بیعت کی تھی چنانچہ جو عورت کی قبر اون کے مزار کے پاس موجود ہے وہ اُسی لڑکی کی بتائی جاتی ہے۔ کہتے ہیں بہت ہندوؤں نے آپ کے ذریعہ سے اسلام قبول کیا تھا۔ اس فصیل کے سرے پر پُرانی دلی کی عیدگاہ کی سیاہ دیوار نظر آتی ہے۔ رائے پتھورا کے قلعہ کے شمال کی طرف جہان پناہ کی دیواروں کے آثار نظر آتے ہیں جو سیری کی شکستہ فصیلوں تک چلے گئے ہیں۔ سیری میں بیگم پور کی بڑی مسجد کی سیاہ عمارت نظر آتی ہے جہاں پناہ سے شمال و مغرب میں حوض خاص پر فیروز شاہ کے مقبرہ کا پست ذرد گنبد نظر آتا ہے اور اُسکے پار صفدر جنگ کے مقبرہ کا چکیلا برج دکھائی دیتا ہے اور ابھی

سیدھ میں جامع مسجد کے برج اور منارے دکھائی دیتے ہیں۔ صفدر جنگ سے شرق کی طرف پرانے قلعہ کی فصیلیں اور نظام الدینؒ درگاہ اور ہمایوں کے مقبرہ کا سفید سنگ مرمر کا گنبد دکھائی دیتا ہے۔ اس کے جنوب کی طرف کالکا مندر اونچی زمین پر اوسکے نیچے قطب سے ٹھیک شرق کی طرف تغلق آباد اور عادل آباد نظر آتے ہیں اور دونوں کے بیچ میں تغلق شاہ کے مقبرہ کا پست سفید گنبد دکھائی دیتا ہے تغلق آباد کی سڑک کے شمال میں حوض رانی اور کھڑکی کی مسجد اور سڑک کے جنوب کے طرف جمالی کمالی درگاہ اور سلطان بلبن کے مقبرہ کی بلند کھنڈرات نظر آتے ہیں لاٹ کے نیچے جوگ مایا کا مندر ہے جہاں ہندؤں کا پنکھا پھولوالوں کی سیر میں چڑھتا ہے اس مندر کے مکانات سب نئے بنے ہوئے ہیں اور قابل تعریف نہیں ہیں جس پتھر کی یہاں پرستش کی جاتی ہے وہ ایک سنگ مرمر کے تھوبے میں رکھا ہوا ہے۔ جو دلچسپ کہانی اس مندر کے متعلق بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ جب رائے پتھورا کی بیٹی بابا جی روزیہ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئی اور اپنے گھر لوٹ کر نہ گئی تو سب سہیلیاں راجہ کے خوف سے کوئیں میں گر پڑیں۔ راجہ نے انکو نکلوا کر اس جگہ جہاں اب مندر ہے پھکوا دیا تھا۔ مسجد قوت الاسلام کے شمال و مغرب میں سلطان شمس الدین التمش کا مقبرہ سنگ سرخ کا نہایت خوبصورت بنا ہوا ہے۔ باہر سے تقریباً چوالیس فٹ مربع اور اندر سے تقریباً تیس فٹ مربع ہے۔ مقبرہ کے اندر بہت صنعت کاری کی ہوئی ہے صرف مغربی کونے کی طرف اور شرقی دروازہ کے داہنی اور بائیں طرف دیوار کے نیچے کے حصہ میں صنعت کاری نہیں ہے بلکہ رنگ آمیزی تھی جس کا ایک حصہ اب تک جنوبی دیوار میں نظر آتا ہے اور پیش طاق میں بھی رنگ آمیزی کے

آثار موجود ہیں۔ قبر بھی بہت ہی خوبصورت اور اونچی بنی ہوئی ہے اور آیات قرآنی کھدی ہوئی ہیں۔ جنوبی دیوار کے سرے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس چار دیواری پر گنبذ بنانے کا ارادہ تھا کیونکہ گنبد کے نیچے کے سرے کا ایک حصہ دیوار پر موجود ہے۔ اگر یہ مقبرہ رضیہ سلطان نے اپنے باپ کا بنوایا تھا تو یقیناً اسکو پورا کرنیکا موقع نہ ملا ہوگا۔ یہ مقبرہ اگرچہ چھوٹا ہے مگر نہایت خوبصورت ہے اور پرانی دلی میں بھی عمدہ ترین مثال اسبات کی ہو کہ ہندو معماروں نے مسلمانوں کی حسب خواہش عمارت انکے طرز کی بنائی حالانکہ اسمیں بھی کسیقدر نقص پایا جاتا ہو اور معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک ہندو معمار مسلمانوں کی عمارت سے پورے واقف نہیں ہوئے تھے۔

جو دروازہ اپنی مسجد کا سلطان علاء الدین نے بنوایا تھا وہ بھی دنیا میں بےمثال ہی اسپر جو نقش و نگار اور رنگ آمیزی ہوئی ہو وہ نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیا میں نظیر نہیں رکھتے پٹھانوں کیوقت کی کوئی عمارت اسقدر عمدہ نقش و نگار کی نظر نہیں آتی۔ اسکی محرابیں نئے انداز کی ہیں اور شمالی محراب کا کام بےنظیر ہو یہ دروازہ باہر سے پونے ستاون فٹ مربع ہے اور گیارہ فٹ کا آٹا ہے دروازہ کی عمارت ہشت پہل ہو اوپر کا گنبد ٹھیک نصف دائرہ ہے اور بہت بلند لداؤ ہے۔ گنبد کے نیچے کا کمرہ ساڑھے چھتیس فٹ کا ہے افسوس ہو کہ اوپر کا حصہ شمالی محراب کا کپتان اسمتھ نے اتروا ڈالا کیونکہ وہ بہت شکستہ ہو گیا تھا۔ اس سبب باہر کے دروازہ کی خوبصورتی میں بہت فرق پڑ گیا ہے۔ دروازہ پر تاریخ تعمیر اس طرح کندہ ہے فی التاریخ الخامس عشر من شوال سنہ عشر وسبعمائة۔ بشپ ہیبر لکھتے ہیں یہ پٹھان دیووں کی طرح مکان بناتے ہیں اور جوہریوں کی طرح پورا کرتے ہیں علائی دروازہ سے مشرق کی

کیطرف امام ضامن کی قبر ہے جو سنگ سرخ اور سنگ مرمر کی بنی ہوی ہے یہ قبر امام مشہد کی ہے یہ مقبرہ امام محمد علی مشہدی عرف امام ضامن کا ہے یہہ مقبرہ سنہ ۹۴۳ میں بنا تہا۔ اسمیں بہت ہی عمدہ منبت کاری کی ہوی ہے۔

مسجد قوت الاسلام کے مغربی جنوبی کونے پر علاء الدین خلجی کے مقبرہ کے کہنڈرات ہیں۔ بیچ کا درجہ باون بسے ۲۳ فٹ ہے اسکے دونو جانب کے درجے بہی قبروں کے لیے بنائے گئے تہے۔ اس مقبرہ کے متعلق مدرسہ بہی تہا اور جنوبی مشرقی کونہ میں ایک مسجد کے کہنڈر ہیں فیروز شاہ نے اس عمارت کی بہی مرمت کی تہی۔ فیروز شاہ تحریر کرتے ہیں کہ منجملہ اون نعمات کے جو خدائے تعالے نے مجہکو عطا فرمائیں تہین ایک یہ بہی تہی کہ میں نے بہت مساجد مدارس اور درگاہین بنوائیں تاکہ علما اور درویش ان عمارات میں خدا کی عبادت کرین اور اپنی دعاؤں سے مجہکو یاد کرین۔ نہروں کا کہودنا درختوں کا لگانا اور مکانات کے لیئے زمینوں کا وقف کرنا شرع کے موافق ہے۔ میں نے ان لوگوں کے اخراجات کے لیے سالانہ رقوم مقرر کین تاکہ اون کو خرچ کی تکلیف نہ ہو۔

علاوہ ازین مین نے پہلے بادشاہوں کی عمارتوں کی مرمت کی جو خراب ہوگئی تہین اور ان کی مرمت کو میں نے جدید عمارتوں سے مقدم سمجہا۔ پرانی دہلی کی مسجد جامع یعنی مسجد قوت الاسلام جسکو سلطان معز الدین سام نے بنایا تہا امتداد زمانہ کے سبب سے خراب و شکستہ ہوگئی تہی۔ میں نے اسکی پوری مرمت کی سلطان معز الدین سام کے مقبرہ کی مغربی دیوار ٹوٹ گئی تہی اور دروازہ کے تختے گل گئے تہے میں نے انکی مرمت کی اور آفتابی کی جگہ میں نے محرابین دروازے اور صندل کا

کام بنوایا سلطان معزالدین کا منار یعنے قطب منار بجلی کے صدمہ سے گر گیا تہا میں نے اُس کی مرمت کی اور پہلے کی بہ نسبت اُسکو زیادہ بلند کیا[1]

حوض شمسی یعنی سلطان التمش کا حوض بے آب ہو گیا تہا کیونکہ بعض لوگوں نے اُسکے پانی کا راستہ بند کر دیا تہا میں نے اُن لوگوں کو سزا دی اور اُسکے راستے صاف کرا دیے

حوض علائی یعنے علاءالدین کا حوض بہر گیا تہا اور اُس میں زراعت ہوتی تہی میں نے اُسکو صاف کرایا۔

سلطان شمس الدین التمش کا مدرسہ بہی برباد ہو گیا تہا میں نے اُسکو از سر نو بنوایا اور صندل کے دروازے لگائے۔ مقبرہ کے ستون گر پڑے تہے مینے اُنکو پہلے سے بہی بہتر بنوایا اُسکے صحن کے گرد دالان نہ تہے میں نے دالان بنوائے۔ میں نے پتہر کے ترشے ہوئے زینہ کو بڑہایا اور میں نے چاروں برجوں کے گرے ہوئے ستونوں کو تعمیر کرایا۔

(یہ بیان سلطان التمش کے مقبرہ پر صادق نہیں آتا بلکہ سلطان غازی کے مقبرہ پر صادق آتا ہے اور اُس مقبرہ میں آثار موجود ہیں کہ اِس طرح کی مرمت ہوئی ہوگی ملک یوربین سلطان معزالدین ابن التمش کا مقبرہ ہے وہ اسقدر شکستہ ہو گیا تہا کہ قبر زمین سے ملگئی تہی میں نے برج اور چبوترہ اور گرد کی دیوار از سر نو بنوائی۔ اُسی موضع میں سلطان رکن الدین ابن التمش کا مقبرہ تہا میں نے اُسکا نیا برج بنایا ایک خانقاہ بنوائی اور احاطہ کی دیوار کی مرمت کرائی میں نے سلطان جلال الدین کے مقبرہ کی مرمت کرائی اور نیا دروازہ بنوایا (اِس کا اب نشان بہی نہیں) مینے سلطان

---

[1] معلوم نہیں ہوتا کہ سلطان معزالدین سام کا مقبرہ پُرانی دہلی میں کہاں سے آیا کیونکہ وہ غزنی میں گڑا گیا تہا

علاؤ الدین نے مقبرہ کی مرمت کرائی اور صندل کے دروازہ لگائے۔ میں نے آبدار خانہ کی اور مسجد کی دیواروں کی مرمت کرائی اور فرش درست کرایا۔ سلطان قطب الدین کے مقبرہ کی مرمت کرائی اور سلطان علاؤ الدین کے اور انکے بیٹوں کے مقبروں کو بھی درست کرایا یعنی خضر خاں شادی خاں فرید خاں سلطان شہاب الدین سکندر خاں محمد خاں عثمان خاں اور اسکے پوتے اور اسکے پوتوں کے بیٹوں کے مقبروں کو (ان سب کا نشان بھی نہیں رہا) مینے شیخ الاسلام نظام الحق کے والدین کے مقبرہ کے دروازہ کی اور قبر کی جالیوں کی مرمت کی۔ میں نے گنبد کے چاروں کونوں سونے کے جھاڑ سونے کی زنجیروں سے لٹکوائے اور وہاں ایک مجلس خانہ بنوایا۔ میں نے ملک تاج الملوک کافور کے مقبرہ کو جو بالکل منہدم ہو گیا تھا از سر نو بنوایا کیونکہ وہ بہت وفادار اور نمک حلال سردار تھا اور نہایت عقلمند وزیر تھا اور اس نے ان ملکوں کو فتح کیا جہاں کوئی بادشاہ نہ پہنچا تھا اور وہاں سلطان علاؤ الدین کے نام کا خطبہ جاری کیا تھا (اس مقبرہ کا اب نشان باقی نہیں رہا) میں نے دار الامان کے لئے دروازہ بنائے جہاں سلطان بلبن اور خان شہید کے مزار ہیں۔ میں نے اپنے مربی سلطان محمد شاہ کی جہاں پناہ کی مرمت کرائی۔

غرضکہ اسی نیک اور دریا دل بادشاہ کے سبب سے آجتک بہت عمدہ عمارتیں دلی میں باقی ہیں جنکو ہم دیکھتے ہیں اور قدیم زمانہ کو یاد کرتے ہیں۔

مسجد قوۃ الاسلام کے جنوب و مغرب میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ ہے۔ راہ میں ادہم خاں کا مقبرہ پڑتا ہے جو لال کوٹ کی فصیل پر بنایا گیا ہے اور اس سبب سے بہت دور سے معلوم ہوتا ہے اسکو بھول بھلیاں بھی کہتے ہیں۔ یہ مقبرہ اگرچہ

سنہ ۱۵۶۶ء کی تعمیر ہے مگر وضع اور ساخت میں پٹھانوں کے زمانہ سے ملتا ہے۔ کیا تعجب ہے جو کسی پٹھانی مقبرہ کو توڑ کر اُسی طرح اُٹھا لائے ہوں۔ اندر سے گنبذ بہت عمدہ ہے۔

ادہم خاں کی ماں کی قبر کا جو اپنے بیٹے کے قتل کئے جانے کے چالیس دن بعد رنج میں مر گئی تھی اب نشان باقی نہیں رہا۔ دونوں ماں بیٹے اسی مقبرہ میں دفن کیے گئے تھے جب ادہم خان نے مانڈو کا قلعہ گجرات کے بادشاہ کے کسی متعلق سے جسکا نام باز بہادر تھا چھین لیا۔ اور اسکی خوبصورت بی بی روپ متی کو جبراً اپنے تصرف میں لانا چاہا تو روپ متی نے بناؤ سنگار کر کے زہر کھا لیا اور ادہم خاں کو بلوایا ادہم خاں نہایت خوش وخرم روپ متی کے محل میں پہنچے اور چاہتے تھے کہ شوق و ذوق میں اُس سے بغل گیر ہوں مگر اُسکو مردہ پایا۔ روپ متی کا مقبرہ مانڈو میں نہایت خوبصورت اور خوش منظر موقع پر ہے۔ جب اکبر کو خبر پہنچی اُسنے ادہم خان کو معزول کر کے آگرہ کو طلبوا لیا اور جب بادشاہ نے یہ سنا کہ دو عورتیں باز بہادر کے رشتہ داروں میں سے ادہم خاں کے پاس موجود ہیں حکم دیا کہ وہ عورتیں بادشاہ کے پاس بھیجی جائیں کہتے ہیں کہ جب وہ دونوں بادشاہ کی محلسرا میں پہنچیں ادہم خاں کی ماں نے ان دونوں کو زہر دیدیا کہ بادشاہ سے ادہم خاں کی شکایت نہ کر سکیں اس مقبرہ کے جنوب و شرق میں سو گز کے فاصلہ پر گندک کی باؤلی ہے جس میں پرانے ڈھنگ کے ستون لگے ہوئے ہیں۔ اس باؤلی میں لوگ کودتے ہیں اور جلد کی امراض کے لئے نہاتے ہیں اس باؤلی سے شرق کی طرف ایک اور نہایت عمدہ باؤلی سنہ ۱۵۱۶ء کی بنی ہوئی ہے جو راجوں کی باؤلی کہلاتی ہے۔ اسکو سکندر شاہ بہلول کے عہد میں دولت خاں نے بنایا ہے

درگاہ حضرت قطب الاقطاب علیہ الرحمۃ

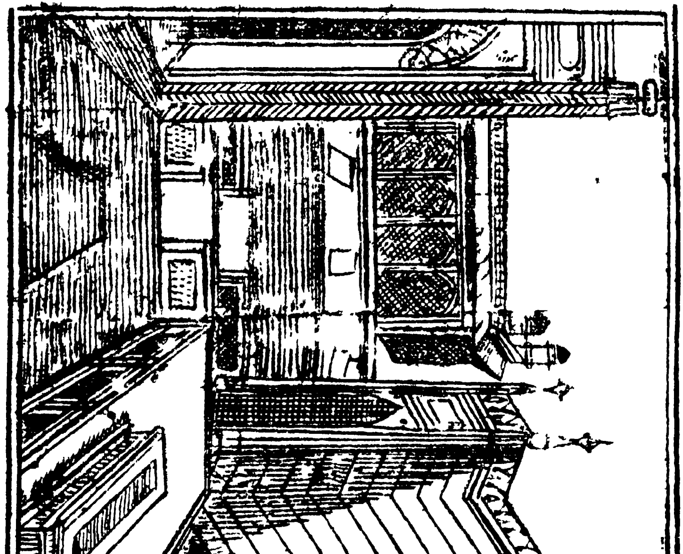

کسی زمانہ مین یہان راجوں کی بستی تہی اِس سبب سے راجوں کی بائین مشہور ہوگئی اِسکے مغربی کنارہ پر ایک بہت خوبصورت مسجد بنی ہوئی ہے اور اُسکے صحن مین ایک گنبد ہے جسمین دو قبرین ہیں :

ادہم خان کے مقبرہ سے جنوب و مشرق میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ ہے جو مسلمان فاتح ہندوستان میں سب سے پہلے آئے تہے بلکہ اُنسے بہی پہلے خواجہ صاحب ترکستان سے یہان آکر تشریف فرما ہوئے تہے اور سلطان التمش کے عہد میں چودہوین ربیع الاول سنہ ۶۳۳ھ کو وفات پائی درگاہ کے مغربی دروازہ کے پاس احسن اللہ خان کی مسجد اور مکان ہے۔ اُسکے پاس شاہی محل سرائے کا نہایت عمدہ دروازہ ہے۔ درگاہ کے مغربی دروازہ کے اندر داخل ہو کر صحن میں پہونچتے ہیں جسمیں ایک مسجد اور مرادبخت شاہ عالم ثانی کی قبر بائیں جانب ہے اور داہنی طرف موتی مسجد اور آخری شاہان دہلی کی قبرین ہیں موتی مسجد کو شاہ عالم بہادر شاہ اول نے جو اورنگزیب کے جانشین تہے بنوایا تہا کل عمارت معہ فرش کے سنگ مرمر کی ہے یہہ مسجد اگرچہ خوبصورت ہے لیکن شاندار نہیں ہے۔ بادشاہوں میں سے یہان اکبر بادشاہ ثانی (سنہ ۱۸۳۷ء) اور شاہِ عالم ثانی (سنہ ۱۸۰۶ء) کی قبرین ہیں اُسکے بعد جگہ خالی ہے جہان بہادر شاہ دفن ہوتے مگر اُنکی قسمت میں رنگون میں دفن ہونا تہا۔ اِسکے آگے شاہ عالم بہادر شاہ کی قبر ہے جسپر ہری گہانس اوگی ہوی ہے نہایہ قبر مرزا فخرو کی ہے جو بہادر شاہ کے ولیعہد تہے صحن کے آگے اندرونی دروازہ درگاہ کا ہے اِس کے آگے پہر صحن ہے جسکے جنوب میں خواجہ صاحب کا مزار ہے

لاموج کے احاطہ کیجانب دروازہ پر یہ اشعار کندہ ہیں۔

اشعار دروازہ جانب احاطہ ملا موج

در زمان شہ جہان اسلام	شد بلند در شہر جناب	گرچہ صد ہست باب جنت را
لیس باب مثل ہذا الباب	کرد شخصے بنا کہ در بابش	یوسف ثانی از حق ست خطاب

چون ز تاریخ نام کردم عرض   گفت درگاہ خواجۂ اقطاب

دروازہ متصل مجلس خانہ پر یہ اشعار ہین۔

۱ دروازہ مجلس خانہ پر یہ اشعار ہین

در زمان آفتاب چرخ دولت شیرشاہ		شاہ را بر باب کوکب موکب گردون غلام
این عظیم القدر درگاہے کہ اندر باب او		صادق آمد قول ہذا الباب من دار السلام
بود بست و چار و نہصد سال از ہجرت کہ شد		ز اہتمام شیخ دین پرور خلیل الحق تمام

احاطہ کے جنوب و مشرقی کونہ مین حضرت کی مسجد ہے جسکی مرمت وقتاً فوقتاً بہت لوگون نے کی ہے۔ اِس مسجد کے تین درجے ہین پہلا درجہ کچا ہے جسکو کہتے ہیں کہ خود حضرت قطب الاقطاب نے معہ اپنے مریدون کے بنایا تہا۔ اِسکے بعد اسلام شاہ نے اِسکے آگے دوسرا درجہ پختہ بنوایا اور درگاہ کی چار دیواری بنوائی پہر فرخ سیر نے جب سنگ مرمر کی جالیاں بنوائین تو ایک درجہ آگے اور بنوا دیا اور اُسپر یہ کتبہ تحریر ہے۔

تاریخ

مورد لطف و عنایات شہ والا جناب		ساخت اندر وی ارادت و ز رسوخ اعتقاد
خسرو فرخ سیر شاہنشہ مالک رقاب		مسجد زیبا بنا و سجدہ گاہ شیخ و شاب
با سروش غیب ہاتف گفت در گوش خرد		سال تاریخ بنایش بیت ربی مستجاب

مسجد کے آگے حافظ داؤد کی بنوائی ہوئی باولی جو سنہ [illegible] میں بنکر ختم ہوئی۔ مسجد کے پیچھے مولانا فخرالدین صاحب کی سنگ مرمر کی بنی ہوئی قبر ہے جسپر یہ کتبہ ہے

بگذاشت فخر دین چوں مہلت سرائے فانی در بستانہ جا داد آں قطب جاودانی
سال وصال آں ماہ از غیب چوں بجستم تاریخ گفت ہاتف خورشید دو جہانے

مسجد کے سامنے باولی کے کنارہ پر ایک خوبصورت سنگ مرمر کی قبر ہے جسکو وامی جی کی قبر کہتے ہیں۔ یہ باولی نہایت عمدہ بنی ہوئی ہے مگر افسوس ہے کہ اب اِس میں پانی نہیں ٹھہرتا۔ باولی کے سرے پر ضابطہ خاں روہیلہ کی قبر ہے جسکے سامنے اُن کا بنایا ہوا مجلس خانہ ہے اسکے برابر میں ایک قبر ہے جسکی بابت بیان کیا جاتا ہے کہ غلام قادر خاں کی قبر ہے۔ اِس قبر کا تعویذ زنانہ ہے غلام قادر کو اِس طرح قتل کیا گیا تھا کہ اُسکا ہر عضو جدا کیا گیا تھا اور ایک عرصہ تک اُسکی نعش لٹکی رہی تھی ایک شخص نے چشم دید یہہ حال لکھا ہے کہ ایک سیاہ کتا جسکی آنکھوں کے گرد سفیدی تھی یکایک ظاہر ہوا اور خون غلام قادر کی نعش سے ٹپکتا تھا وہ اُسکو چاٹنے لگا ہر چند لوگوں نے اُسکو ڈھیلے مارے مگر وہ نہ اُٹھا تین دن کے بعد جب نعش غائب ہوگئی کتا بھی غائب ہوگیا کیا تعجب ہے جو غلام قادر کے رفقا نے اُسکو چھپا کر یہاں دفن کردیا ہو اور دھوکہ کے لیے یا جلدی میں زنانہ تعویذ لگا دیا ہو۔

اِس جنوبی صحن کے شمالی مغربی کونہ میں نواب لوہارو کا قبرستان ہے اور شمالی صحن کے باہر نواب جھجر کا قبرستان ہے اندرونی دروازہ کے باہر شمالی طرف ایک اور بیرونی دروازہ ہے جسمیں ہندوانی مسالا ہے جو شیر شاہ کا بنوایا ہوا ہے۔ اِسی زمانہ کا ناتمام نوبت خانہ بھی اِسی طرف ہے۔

درگاہ شریف سے مشرق کی طرف ایک پُرانا مقبرہ ہے جسکو مٹکاف صاحب نے اپنے رہنے کے لیے انگریزی طور پر درست کرلیا تھا یہہ مقبرہ لال کوٹ کی فصیل پر واقع ہے اور علی قلی خان برادر ادہم خاں کا ہے جو اکبر بادشاہ کے کوکا تھے۔ کسی زمانہ مین اس کی رنگ آمیزی نہایت خوبصورت ہو گی۔

اس مقبرہ سے پانسو گز فاصلہ پر جنوب کی طرف جمالی کمالی کی درگاہ اور مسجد ہے۔ یہہ خوبصورت عمارت سنہ ۱۱۲۹ء کی ہے۔ گورنمنٹ انگریزی نے اسکی عمدہ مرمت کردی ہے مولانا شیخ فضل اللہ جمالی کی قبر مسجد کے صحن مین شمالی طرف ہے۔ اس عمارت مین چینی کا نہایت عمدہ کام ہوا ہے اور بہت شعار کندہ ہیں۔

غزل

اگر بکفر کشد سر سیاہ کاری ما بود بعفو تو چشم امید واری ما
بہ آستان تو شرمندۂ سگان توایم کہ شب قرار ندارد ز آہ و زاری ما
اگر بہ پردۂ رازے تو محرمے یابم شفق بفجر نماید بہ پردہ داری ما
بخاکِ کوئے تو در چشم مردمان خواریم بہ نزد اہل نظر عزت است خواری ما
ز ابر لطف تو شد ناپدید گرد گناہ ولیک شیشہ نشد داغ شرمساری ما
بروز ہجر تو در بیکسی و تنہائی بجز غمت نرسد کس بہ غمگساری ما
جمالیا بدر یار التجا مے آر کہ ہست بردر دلدار رستگاری ما

غزل ثانی

ز حد گذشت بعشق تو بیقراری ما امید ہست کہ رحم آوری بزاری ما
جمال عفو تو کے آید برون ز نقاب اگر نہ روے نمودے گناہگاری ما

اگرچه درخور قهرتم از گنهگاری | بود به لطف تو چشم اُمید داری ما
به عزت جبروت و بحرمت ملکوت | رسیم گر بفرازی بخاکساری ما
اگر به پردهٔ رازِ تو پرده دار شویم | فرشته را نشنود جاے پرده داری ما
زیک ترشح ابر کرم فرو شوئی | غبار جرم ز رخسارهٔ شرمساری ما
نظر بسوی جمالی فگن ز روی عطا | مبین بجانبِ سستی و خامکاری ما

قطعه

اے رحمت تو باز غضب برو گرد | وے قہر ترا لطف تو فرمود برد
جاے کہ شد از خرمن عفو تو سخن | آنجا گنهِ خلق نسنجید بجو

آپ کی وفات سنہ ۹۴۲ھ میں ہمایوں بادشاہ کے عہد میں ہوی ہے اور خسرو ہند تاریخ وفات ہے۔

جمالی کمالی کی مسجد سے دو گز کے فاصلہ پر مشرق کیطرف بہت وسیع کہنڈرات ہین سلطان غیاث الدین بلبن کے مقبرہ کی شکستہ دیوارین دکھائی دیتی ہین جنہوں نے سنہ ۱۲۸۶ء میں انتقال کیا تہا

سلطان التمش کے مقبرہ کی طرح یہہ بہی مربع عمارت تہی۔ مقبرہ کے دونو طرف وسیع کمرے تہے جو شاید اُس دارالامان کے مکانات ہوں جو اِس بادشاہ نے قایم کی تہی ابن بطوطہ لکہتا ہے کہ میں بادشاہ کی قبر کو دیکہنے مقبرہ میں گیا تہا۔ اِس مقبرہ میں اُنکا بیٹا شیر خان یعنی خان شہید بادشاہ سے دو برس پہلے مدفون ہوا تہا یہہ شہزادہ لاہور میں مغلوں کی لڑائی میں شہید ہوا تہا اور بیٹے کے غم میں دو برس بعد باپ نے بہی انتقال کیا خان شہید کا چہوٹا سا مقبرہ سلطان بلبن کے مقبرہ

ملا ہوا ہے اِس سے تہوڑے فاصلہ پر ناظر کا باغ ہے جسکو ناظر روز افزون نے محمد شاہ کے عہد میں تعمیر کیا تہا کتبہ۔

بفرمان محمد شاہ عادل	کہ بر فرقش بود تاج تبارک
بناے گلشنے در قطب گردید	کہ گلہایش زند رضوان تبارک
بود سرسبز دائم روز افزون	بحق سورہ صاد و تبارک
پے تاریخ سالش گفت ہاتف	خدایا سے بود باسد مبارک

اِس باغ کی بارہ دری سنگ سُرخ کی بنی ہوی ہے درگاہ سے ملا ہوا جنوب کیطرف مہرولی کا بازار ہے اور مہرولی کے مغربی کنارہ پر حوض شمسی ہے جسکو سلطان شمس الدین التمش نے بنوایا تہا۔ یہہ ایک بہت وسیع حوض ہے جو کسی زمانہ میں نہایت خوبصورت ہوگا مگر اب اُسکا بہت بڑا حصہ مٹی سے بہر گیا ہے صرف تہوڑے سے حصہ میں پانی رہتا ہے یہ سنگ سُرخ کا بنا ہوا تہا اور اسکے وسط میں ایک بُرجی ہے جسمیں ایک کہر کا نشان ہے اِسکے گرد بہت سے عمارات اور باغات تہے۔ بلجی شہزادہ کا باغ زین الدین زمردین کا مزار۔ شیخ وجیہ الدین کا مزار۔ شادی کا باغ۔ چاندنی چبوترہ سا محمد شاہ۔ اندہیریا باغ۔ مزار خواجہ سماء الدین جو مولانا جمالی کے پیر تہے سوہن برس۔ جہل تن جہل من باراتی چبوترہ تکیہ دین علی شاہ۔ خانقاہ عنایت اللہ خان خانقاہ نواب حفیظ الدین علی مسجد منجملہ ایک عمارت جہاز ہے۔ یعنے ایک پرانی مسجد کا جدید صحن بنایا گیا ہے یہ کل عمارت سنگ سُرخ کی بنی ہوی ہے اسلیے اُسکو لال محل بہی کہتے ہیں۔ دوسرا مقام اِسی تالاب کے کنارہ اولیا مسجد ہے یہاں کوئی عمارت نہین بنی ہے ایک بڑ ہکے درخت کے نیچے صرف چبوترہ بنا ہوا ہے کہتے

ہیں کہ سنہ ۵۹۱ھ میں دہلی کے فتح ہونے کے شکرانے کی نماز یہاں پڑھی گئی تھی اور اسجگہ حضرت خواجہ قطب الدین اور دیگر بزرگوں نے چلہ کھینچا تھا۔ اسکے پاس سڑک کی دوسری طرف جھرنے کا باغ ہے جسمیں حوض شمسی کا پانی موری کی راہ بہت خوبصورتی سے گرتا ہے اور جھرنے سے نکلکر امریوں میں ہوکر تغلق آباد کی طرف نکل جاتا ہے۔ پہلے پہل فیروز شاہ نے بند باندھا تھا چنانچہ جھرنہ کی ایک دیوار وہی بند تھی اس بند سے پانی رکرکر نولکھی نالہ میں ڈالا تھا۔ اسکے بعد نواب غازی الدین خان فیروز جنگ نے اس بند کے آگے حوض اور نہریں اور چادرین بنوادین۔ اسکے چاروں طرف وقتاً فوقتاً دالان بنائے گئے شمال کیطرف معین الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ نے دالان بنوائے اور جانب جنوب کا دالان شاہ جی کے بھائی سید محمد نے شاہ عالم کے عہد میں بنوایا تھا جانب شرق محمد شاہ بادشاہ نے پہلوان پتھر بنوادیا ہے تالاب کے کنارہ ایک عمارت مولانا شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی کا مقبرہ ہے اور مقبرہ کے گنبد کے اندر چونہ میں یہ عبارت لکھی ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجملی از احوال کرامت منوال مقتدائے وقت صاحب المفاخر ابو المجد عبد الحق رحمت اللہ رحمۃ واسعہ آنکہ از مبادی شعور بطاعت حق و طلب علم کمر بستہ نزدیک باوان بلوغ اکثر علوم دینیہ تحصیل کرد و در سن بست و دو سالگی از ہمہ آن فارغ شدہ و کلام مجید را از بر گرفتہ بر مسند نشست و ہم در عنفوان جوانی جاذبہ الٰہی در رسید بیکبار دل از یار و دیار برکندہ متوجہ حرمین محترمین گشت مدت مدید بآن مقامات شریفہ اقامت ورزیدہ باقطاب زمان و اولیائے کبار صحبتہا داشتہ ودایع ارجمند و رخصت ارشاد طالبان

اختصاص یافت وعلاوہ آن تکمیل فن حدیث نمودہ ببرکات فراوان بموطن مالوف مراجعت فرمود ومدت پنجاہ و دو سال بجمعیت ظاہر و باطن تمکن یافت تکمیل فرزندان وطالبان بجا آوردہ بیشتر علوم سیما علم شریف حدیث پرداختہ بنہجے کہ در دیار عجم احدی از علمائی متقدمین ومتاخرین دست ندادہ است ممتاز ومستثنے گردیدہ در فنون علمیہ خاصہ فن حدیث کتب معتبرہ تصنیف کرد چنانچہ علماے زمان اختیار بدان ورزیدہ دستور العمل خود دارند واہل درس در خواص وعوام بجان خریداری می نمایند تصانیف این فیاض والا از صغیر وکبیر بصد جلد وبحسب شمار ابیات بپانصد ہزار رسیدہ است در محرم سنہ ۹۵۸ھ این نور اتم پرتو ظہور بعالم عنصری دادہ ودر سنہ ۱۰۵۲ھ تمام آگہی وکشادہ رحمانی بعالم قدس۔ تاریخ ولادت شیخ اولیا۔ وتاریخ وفات فخر العالم۔ است۔

بہادوں کی نوچندی کو قطب صاحب میں بہت بڑا میلا ہوتا ہے جسکو پہول والوں کی سیر کہتے ہیں۔ علاوہ ازین یون بہی دلّی سے بہت لوگ آب و ہوا کی عمدگی کے سبب سے تندرستی کے لیے اکثر قطب صاحب کو جایا کرتے ہین اور تندرست ہوجاتے ہیں۔

مہرولی کے بازار کے شمالی ومغربی سرے پر ادہم خان کے ایک اور بہائی کا مقبرہ ہے وہاں سے سیدہا راستہ موضع ملک پور کو گیا ہے جو مہرولی سے مغرب کی طرف تین میل پر واقع ہے ملک پور میں سلطان غازی کا مقبرہ ہے۔ یہہ مقبرہ نصیر الدین محمود شاہ ابو الفتح محمد کا ہے جو سلطان التمش کے بڑے بیٹے تہے اور سنہ ۶۲۹ع میں اپنے باپ کے سامنے مرگئے تہے انتقال کے زمانہ میں وہ لکہنوتی

یعنے ڈہاکہ کے صوبہ دار تھے اور اِس سبب سے مقبرہ کے دروازہ پر مالک ملوک الشرق کا لقب کندہ ہے اِس مقبرہ کا احاطہ سنگ خارا کا ہے اور کونے کے برجوں کی دیوار باہر سے اندر کی طرف اِس طرح ڈہلوان ہے جیسے کالی مسجد وغیرہ پٹھانوں کی عمارتوں کی دیواریں ہیں۔ کیا تعجب ہے کہ فیروز شاہ نے اسکی مرمت کے وقت اپنے زمانہ کی طرز کے بُرج بنوا دیے ہوں دروازہ نہایت خوبصورت ہے اور اُسی طرح کا بنا ہوا ہے جیسے کہ مسجد قوت اسلام کی محرابیں بنی ہیں۔ مقبرہ کا گنبد سنگ مرمر کا ہے زمین سے اوپر صرف گنبد اور دیواریں ہیں باقی کل مقبرہ زمین سے نیچے بنا ہوا ہے اور اِسی طرز عمارت کی وجہ سے شہزادہ کا لقب سلطان غازی مشہور ہوا ہے۔ مقبرہ کے چہت کے لیٹے پتہر کے ہیں اور اُسی طرح سے چہت پٹی ہوئی ہے جیسے مسجد قوت اسلام میں جینی مندر کے ستونوں پر پاٹی گئی ہے۔ مقبرہ کے چبوترہ میں نیچے اترنے کی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ درگاہ کے دروازہ پر یہ کتبہ ہے امر ببنا ہذہ البقعۃ المبارکۃ السلطان المعظم شاہنشاہ الاعظم المالک رقاب الامم ؞ ؞ ؞ فی العالمین سلطان السلاطین شمس الدنیا والدین المخصوص بعنایۃ رب العالمین ابی المظفر التمش السلطان ناصر امیر مومنین خلد اللہ ملکہ فی سنہ تسع وعشرین وستماۃ۔ غرضکہ یہ درگاہ بھی بہت نفیس و لطیف بنی ہوئی ہے اور احاطہ کے جنوبی و مشرقی کونے پر سلطان رکن الدین اور سلطان معز الدین کے قبروں پر دو خوبصورت برجیاں بنی ہوئی ہیں جنمیں سے ایک گر گئی ہے اور دوسری بہی عنقریب گر جائیگی اگر جلدی مرمت نہ کی گئی مقبرہ کے سامنے بہت سی خوبصورت عمارتیں پٹہانوں کے وقت کی ہیں جنمیں سے ایک مسجد بہت خوبصورت ہے۔ قطب صاحب سے مشرق

کی طرف پانچ میل پر تغلق آباد کا قلعہ اور شہر ہے اور وہاں وہ عمدہ مقبرہ ہے جسمین تغلق شاہ اور اسکا قاتل بیٹا مدفون ہیں اگر قطب صاحب سے تغلق آباد جاؤ تو سڑک لال کوٹ کی دیوار سے یکایک نیچے اترتی ہے۔ ایک میل کے بعد مٹی کے ٹیلے ملتے ہیں۔ یہ قلعہ رائے پتھورا کی مشرقی فصیل کے آثار ہین اسجگہ سڑک سے شمال کی طرف ایک پرانے پل کے کھنڈرات ہین جسپر سے شہر کے بدایوں دروازہ کا راستہ تھا۔ اسی طرف آدہ میل کے فاصلہ پر آنبہ کے درختوں کی باغیچی ہے یہان حوض رانی تھا اسکے پاس موضع کھڑکی ہے جسکی کالی دیوارین درختوں مین سے دکھائی دیتی ہیں۔ یہہ مسجد دو منزلہ ہے۔ نیچے کی منزل میں ایک سو چار کوٹھریاں ہیں جنکی چھتوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے ہر کوٹھری نو فٹ مربع ہے علاوہ ان کوٹھریون کے ہر دروازہ کے نیچے کوٹھری ہے اور چاروں کونوں کے برجوں کے نیچے چار کوٹھریاں ہیں اس طرح سب ملاکر ایک سو بارہ کوٹھریاں نیچے کے درجہ میں ہین۔ اوپر کی منزل میں جانے کے تین دروازہ ہین۔ چاروں کونوں کے برج زمین سے پچاس فٹ بلند چلے گئے ہین۔ ساری مسجد پتھر اور چونے کی بنی ہوئی ہے اور کالی استرکاری ہے۔ اوپر کی منزل مین سامنے کے برج داہنی طرف اور بائین طرف تین تین گنبذ ہین جنمین اکہرے دوہرے اور چوہرے جو کور سادے سنگ خارا کے ستونوں پر کالی مسجد کی طرح چھوٹی چھوٹے گنبذ ہین جو تعداد میں ۸۹ ہین۔ کالی مسجد کی طرح یہہ مسجد بھی نہایت مضبوط بنی ہوی ہے اور ابھی تک مسلم ہے۔ باہر سے اسکی پیمایش اکیوبانوے فٹ لمبی اور اتنی ہی چوڑی ہے کالی مسجد اور بیگم پور کی مسجد کی طرح اس مسجد کو بھی جہاں خاں نے سنہ ۱۳۸۰ع مین بنوایا

تھا سنہ ۱۸۵۷ء سے پہلے اِس میں گوجروں نے گھر بنا لیئے تھے غدر کے ل
سے نکالدیا گیا۔

کھڑکی کی مسجد سے دوسو گز کے فاصلہ پر شمال کی طرف ایک نہایت خوبصورت بُرج سنگ سُرخ کا ہے جسمین حضرت یوسف قتال کا مزار ہے اور چار طرف اُسکے خوبصورت جالیان لگی ہوی ہیں درگاہ سنہ ۹۰۳ء میں سلطان سکندر بہلول لودہی کے عہد مین بنی ہے اور حضرت شیخ فرید شکر گنج کے نواسہ نے بنوائی ہے یہہ اندر سے اٹہتیں فٹ اور باہر سے اکسٹہہ فٹ مربع ہے۔ ایک طرف پتہر اور چونے کی مسجد بنی ہوی ہے جو بہت شکستہ ہے یہان سے آدہہ میل پر شمال کی طرف اور بیگم پور کی مسجد سے پانچسو گز پر مشرق کی طرف لال گنبذ کی عمارت ہے جسمین کبیر الدین اولیا یعنے یوسف قتال کے صاحبزادہ کا اور شیخ فرید الدین شکر گنج کے نواسہ کا مزار ہے۔ یہہ درگاہ سلطان محمد تغلق نے بنوائی تھی۔ حضرت یوسف قتال کی درگاہ سے بہت چھوٹی ہے اندر سے اُنتیس فٹ اور باہر سے سنیتالیس فٹ مربع ہے اندر سے بُرج سنگ سُرخ کا ہے اُسمیں نو زنجیرین جہاڑون کے لٹکانے کیلئے لگی ہوی ہین۔ مزار کے سرہانے چراغ کے رکہنے کا نہایت عمدہ منقش ستون ہے اور جنوبی دیوارون مین سنگ سُرخ کی جالیان نہایت عمدہ ہیں۔

موضع کہڑکی سے مشرق کی طرف ست پلہ ہے جسکو محمد تغلق نے سنہ ۱۳۲۶ء مین بنایا تہا۔ اِس ست پلہ کے نیچے جو مریض چراغ دہلی جانے مین شفا پانے کے لیے نہایا کرتے ہین ست پلہ سے آدہ میل کے فاصلہ پر شمال کیطرف حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی درگاہ ہے۔ جو دیوار درگاہ اور گاؤن کے گرد بنی ہوی ہے

اُسکو محمد شاہ نے سنہ ۱۴۲۹ء میں بنوایا تہا۔ مغربی دیوار میں ایک نہایت خوبصورت دروازہ ہے وہاں سے راستہ درگاہ کا ہے۔ درگاہ کا مشرقی دروازہ فیروز شاہ کا بنوایا ہوا ہے (سنہ ۱۳۷۳ء) (یعنی سنہ ۷۷۵ھ) اُس دروازہ پر بہت بڑا گنبذ ہے اِسپر کتبہ سلطان فیروز شاہ کا اور سنہ کندہ ہے … مزار پر ایک سنگ سُرخ کا گنبذ ہے۔ وقتاً فوقتاً اِسکی بہت مرمت ہوتی رہی ہے۔ نظام الدین کی مسجد کیطرح یہان بہی ایک سنہری کٹورا لٹکا ہوا ہے۔ شمالی مغربی کونہ میں ایک مجلس خانہ ہے۔ ایک طرف فرخ سیر کی بنوائی ہوئی مسجد ہے۔ گنبذ کے پاس دو اور برج ہیں۔ ایک بحضرت شیخ فرید کی پوتی کا مزار ہے اور دوسرے مین مخدوم زین الدین حضرت کے بہانجے کی قبر ہے اِسی کے قریب مخدوم کمال الدین اور فیض طلب خان بنگش کی بہی قبرین ہین۔ ہر سال رمضان کی سترہوین کو درگاہ میں عرس ہوتا ہے درگاہ کے پچھواڑے سلطان بہلول لودہی کا مقبرہ ہے جو سنگ سُرخ اُسمین لگا ہوا ہے اُسمین ہندوانی کام کیا ہوا ہے اِس مقبرہ میں درگاہ کے خادم رہتے ہین اِس مقبرہ کے نیچے کی منزل مین بارہ در ہین اور اوپر پانچ برج ہین سلطان بہلول لودہی نے سنہ ۸۹۲ھ یعنے ۱۴۸۸ء میں قریب نواح قصبہ سکیت مین انتقال کیا تہا اور یہان مدفون ہوا۔ اِسکے سامنے جنوب کی طرف ایک نہایت خوبصورت سنگ سُرخ کا مجحر ہے اور جسمین سنگ سُرخ کی جالیان نہایت عمدہ لگی ہوی ہین اوپر کے درختوں کی سبزی میں مجحر کی سُرخی عجب کیفیت دکہاتی ہے قطب صاحب سے پانچ میل پر مشرق کی طرف تغلق آباد کا شہر اور قلعہ ہے۔ قطب صاحب سے تین میل پر سڑک موڑ کہا کر تغلق آباد جاتی ہے یہان سے تغلق آباد کے قلعہ کا مغربی حصہ بہت اچھی طرح

نظر آتا ہے اور دل پر عجیب اثر ڈالتا ہے۔ اِس شہر اور قلعہ کو سنہ ۱۳۲۱ء میں محمد غیاث الدین تغلق بادشاہ نے بنایا تھا۔ (سنہ ۷۲۱ھ) اِسکو چھوڑکر محمد تغلق نے دولت آباد بسایا اور اُسکے بعد فیروز شاہ نے فیروز آباد تعمیر کرایا اِس سبب سے اِس میں آبادی نہین رہی یا شاید یہ سبب ہو کہ یہاں کی آب وہوا بہت خراب ہے اور شاید سب مین بڑا سبب یہہ ہے کہ حضرت نظام الدین نے بد دعا کی تھی کہ یا بسے گوجر یا رہے اوجڑ چنانچہ علاوہ کھنڈرات کے وہاں دو چھوٹے چھوٹے گاؤں گوجروں کے ہیں۔ اِس عمارت میں بہت بڑے بڑے پتھر لگے ہوئے ہیں جنکو دیکھکر یہہ معلوم ہوتا ہے کہ اُسی جگہ سے کھودے گئے ہونگے کسی اور مقام سے نہ لائے گئے ہونگے اِسکے برج سہ منزلہ تھے بہت اونچی فصیل بڑے اونچے دروازے تھے جنکے کھنڈرات کو دیکھنے سے بھی دل پر ایک عجیب عظمت پیدا ہوتی ہے یہہ قلعہ نیم دائرہ ہے جسکے تین پہل ہیں ہر پہل نصف میل کا ہے۔ قلعہ ایک پہاڑ پر واقع ہے اِسکے گرد بہت گہری خندق ہے جو جنوب کی طرف بہت چکلی ہے۔ قلعہ کے تیرہ دروازہ ہین اور تین دروازہ اندر قلعہ کے ہیں۔ اِسمیں سات باولیاں ہیں اور جامع مسجد اور برج مندر اور دیگر عمارات کے کھنڈرات ہیں۔ دروازہ میں داخل ہوکر ایک بڑی باولی دکھائی دیتی ہے جو پہاڑ میں کاٹ کر بنائی گئی ہے یہاں سے شمال ومغرب کیجانب محل اور اصطبل اور ایک عمدہ مسجد کے کھنڈرات ہیں باولی سے رستہ ایک دوسرے دروازہ کو جاتا ہے جسکے کھنڈرات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں نہایت عظیم الشان ہوگا۔ یہاں سے رستہ پھیر کھاتا ہوا سب سے بلند مقام تک پہونچتا ہے جہاں غالباً کوئی شاہی محل بنا ہوا ہوگا۔ اِسکے نیچے ایک بہت گہری باولی

باولی ہے جو محافظین قلعہ کے استعمال کے لیے بنوائی گئی اِسکے پاس ملازمین شاہی کے رہنے کیلئے تہخانے بنے ہوئے ہیں مگراب چیتے اور تیندوے اور گلبگھے اور کبھی کوئی شیر بھی اِن تہخانوں ملجاتے ہیں۔ قلعہ کی فصیلوں سے تغلق شاہ کا مقبرہ بہت بلند ہے ایسا خوش منظر موقع دہلی کے بیرونجات میں دوسرا نہیں ہے یہ مقبرہ ایک مصنوعی جھیل کے وسط میں مضبوط فصیلوں سے گھرا ہوا بڑے دروازہ کے سامنے تین سو گز کے فاصلہ سے بنایا گیا تھا اسکے اور قلعہ کے بیچ میں چھ سو فٹ لمبا پُل تھا جسکی ستائیس محرابین تھیں۔ یہ پُل شاید فیروزشاہ کا بنوایا ہوا ہے اُسکی دیواریں ڈھلوان اور نہایت مضبوط ہیں اور اِسی طرح فصیلوں کے بروج نہایت مستحکم اور عظیم الشان ہیں دنیا میں بھی کسی سپاہی بادشاہ کی ایسی قبر نظر نہین آتی اِس بادشاہ نے ایک مقبرہ اپنے لیے قلعہ ملتان میں اسی طرح کا بنوایا تھا اُس مقبرہ کی قطع بھی ایسی ہے جب جھیل میں پانی بھرا ہوا ہوگا اور اسکا سایہ اسمین پڑتا ہوگا تو عجب تماشا نظر آتیگا مقبرہ کا دروازہ سنگ سرخ کا پہلوان بنا ہوا ہے جسمین سنگ مرمر جابجا لگا ہوا ہے اور اُسکے گرد سیاہ دیوارین اور گول بروج فصیلون کے ہین جو مقابلہ سے عجب کیفیت دکھاتے ہیں۔ اندر سے مقبرہ سلطان بلبن کے مقبرہ سے زیادہ بڑا ہے مگر بالکل سادہ ہے جس سے دلپر بہت اثر پڑتا ہے۔ اِس میں تین قبرین ہین۔ بیچ کی قبر تغلق شاہ کی اور دوسری قبر اُسکے خونی بیٹے کی محمد تغلق اور تیسری قبر اُسکی بیوی کی ہے جسکا خطاب مخدومہ جہان تھا۔ گنبد مین سنگ مرمر کے پتھر ٹھیک نہیں بیٹھے ہیں کہتے ہیں کہ ۵۷ء کے غدر کے بعد اِن پتھروں کو اُکھڑواکر فروخت کرنے کا حکم ہوا تھا مگر بعد میں وہ حکم منسوخ ہوا اور پتھر وہیں لگا دیئے

گئے اس سبب سے یہہ ٹہیک نہیں بیٹہتے۔ مقبرہ باہر سے ساڑہے اکسٹہہ فٹ مربع ہے اور اندر سے ساڑہے اڑتیس فٹ ہے اور دیواروں کا آثار ساڑہے اکیس فٹ کا ہے اور نیچے سے اوپر تک دیواروں کی ڈہلان اندر کے رخ ساڑہے ساتھ فٹ کی ہے کل بلندی گنبذ کی چوٹی تک ستتر فٹ کی ہے اور دس فٹ کا اُسپر کلس ہے۔ مقبرہ کے چارونطرف چار محراب دار خوبصورت دروازہ ہین جنمین کسیقدر سنگ مرمر اِس طرح لگا ہوا ہے کہ دروازوں کی محراب پر ہوتا ہوا ایک پٹی سی سنگ مرمر کی چاروں طرف پہر گئی ہے۔ شمالی مغربی کونے میں ایک چھوٹا گنبذ ہے جنمین چند قبرین ہیں جنکے گرد چارون طرف دالان بنے ہوے ہیں۔ جسطرح یہہ مقبرہ جہیل کے مشرقی کونہ پر واقع ہے اسی طرح اسکے مقابل میں عادل آباد یا محمد آباد کے قلعہ کے کہنڈرات ہین جسکو عمارت ہزار ستون بہی کہتے ہیں۔ یہہ عمارت جوناخان پسر غیاث الدین تغلق کی بنوائی ہوی ہے چونکہ بعد میں اُسکا لقب سلطان محمد عادل تغلق شاہ رکہا گیا تہا اِسلیئے عادل آباد کے نام سے مشہور ہوا مگر جب بعد مین اُسنے بہت ظلم کیے تو لفظ عادل اُسکے نام سے ساقط ہوا اور محمد آباد نام رہگیا۔ ۷۲۵ھ میں شروع ہوی ۷۲۹ھ میں ختم ہوئی جسکی تاریخ تعمیر بدر ساشی شاعر نے فادخلوہا لکہی ہے کہتے ہین کہ پہلے اِس میں سنگ خارا کے ہزار ستون لگے ہوے تہے اسی لیے اِسکو عمارت ہزار ستون بہی کہتے ہیں۔ اِسکی مغربی دیوار مین اندر جانے کا نہایت خوبصورت دروازہ ہے۔ غالبًا یہ کوئی محل لب آب جو ہوگا اِسکی مشرقی دیوار چالیس فٹ بلند ہے اور تغلق آباد کے بیچ میں ایک نالہ پہاڑ میں کٹا ہوا ہے یہاں سے میل بہر کے فاصلہ پر ایک اور چھوٹا سا قلعہ ہے جسکو نامی کا قلعہ کہتے ہیں غالبًا یہہ کوئی مدرسہ

یا خانقاہ ہو اور مغلوں کے حملوں سے محفوظ رہنے کے لیے اِسکے گرد فصیلین بنا دی گئی ہوں۔

عادل آباد سے ڈہائی میل پر جنوب و مشرق کی طرف ایک نہایت عمدہ پختہ حوض ہے اور اُسکے پاس ایک پختہ بند ہے۔ اِس حوض کو سورج کنڈ کہتے ہیں اور اِس بند کا نام ارنگ پور بند ہے۔ یہہ دونون عمارتین ہندوانی ہیں اور آٹھوین صدی عیسوی کی ہین اُنسے زیادہ پُرانی ہندوانی عمارت دہلی کے قرب وجوار میں نہیں ہے۔ حوض کے مغربی کنارہ پر ایک مندر تہا اور بند تین سو فٹ لمبا اور بیچ میں ساٹ فٹ اونچا ہے

یہان سے تین میل کے فاصلہ پر موضع بدرپور ہے یہہ موضع ایک پُرانی شاہی سرای کے اندر آباد ہے موضع بدرپور نظام الدین سے آٹہہ میل کے فاصلہ پر ہے اِس سبب سے دہلی کا اِدہر سے سیدہا راستہ ہے۔

عادل آباد سے تہوڑی دور پر کالکا کا مندر ہے جہاں کالی جی کی پرستش ہوتی ہے اور چہٹے مہینہ بڑا میلا ہوتا ہے اِس مندر کا اکاس مرزا راجہ کدارناتہہ کا بنوایا ہوا ہے اور درگا سنگہ نامی نے اِس سے پہلے سمت ۱۸۲۱ میں سنگ سُرخ اور سنگ مرمر کا کٹہرا بنوا دیا تہا جسکے بائین طرف یہہ عبارت شاشتری اور فارسی میں کندہ ہے

سری درگا سنگہ پرسوار سمت ۱۸۲۱ ف

چھٹا باب

شاہنشاہی دربار دہلی

سنہ ۱۹۰۳ء

دربار شاہی کی رسم ادا کرنے کا ارادہ نومبر سنہ ۱۹۰۱ء میں ظاہر کیا گیا تہا۔ اِس موقع پر مخصوص والیان ریاست کے نام نویدی اشتہار ولایت کے جلسہ تاجپوشی میں شرکت کی غرض سے شائع ہوے تہے اور ساتہہ ہی یہ وعدہ کیا گیا تہا کہ جو رئیس ولایت کی تاجپوشی کے جلسہ میں شریک نہو سکیں گے اُنکی وفاداری کی تعمیل کے لیے ولایت کے جلسہ کے بعد ہندوستان میں بہی رسم تاجپوشی ادا کیجاے گی فروری سنہ ۱۹۰۲ء کے گزٹ اوف انڈیا میں اِس جلسہ کے لیے دہلی منتخب ہوئی یکم جنوری سنہ ۱۹۰۳ء انعقاد کی تاریخ قرار پائی۔ اِسکے بعد نواب گورنر جنرل بہادر نے مقامی گورنمنٹوں کے افسروں اور رؤسائے با اختیار کے نام نوید جاری کیں۔ ستمبر سنہ ۱۹۰۲ء کو یہ بات شہرت پذیر ہوی کہ حضور شہنشاہ ہند نے ڈیوک اوف کناٹ کو مزاحم خسروانہ میں شاہی خاندان کا قائمقام بناکر اِس جلسہ تاجپوشی میں شرکت کی اجازت دی ہے۔ اِس خبر سے کہ حضور ممدوح کو اِس آنیوالے موقع کے ساتہہ خاص دلچسپی ہے اور ہندوستان پر خاص نوازش ہے ہر مقام پر اطمینان پہیل گیا۔

تمام موسم گرما اور بالخصوص لندن میں ۹- اگست سنہ ۱۹۰۲ء کو رسم تاجپوشی کے ادا ہونے کے بعد ہندوستان میں آنیوالے موقع کی تیاریاں اِس عجلت و سرگرمی سے ہوئیں کہ ختم سال سے پیشتر اسقدر کام انجام ہو چکا تہا کہ نہایت ضروری کرتب

کئی کئی مرتبہ صاف کر لئے گئے تہے صرف سین پر مخصوص ایکٹروں اور خوش آیندہ موسم کی آمد کی ضرورت باقی رہگئی تہی۔

۲۷- دسمبر میں ہندوستان کے بڑے بڑے والیان ریاست غیر قوموں کے سفید اور گورنمنٹ کے جلیل القدر افسر آنے شروع ہوگئے تہے اور کثیر تعداد فوج (۴۰۰۰۰) دہلی میں جمع ہوگئی تہی۔ ۲۹- دسمبر کو ویسرائے ہند و ڈیوک ڈچز اوف کناٹ کی سرپرستی میں دربار شاہی کا جلوس نکلا وائسرائے ہند شاہزادے صاحب سے کچھہ قبل دہلی کے اسٹیشن پر آکر اُترے اور والیان ریاست و سفراء دول خارجہ اور جلیل القدر حکام جو استقبال کی غرض سے اسٹیشن پر موجود تہے اُنسے ملاقات کرکے شاہزادے و شاہزادی صاحبہ کا استقبال کیا جو بالا بالا بمبئی سے اسپیشل گاڑی میں آئے تہے۔ جلوس کے واسطے شہر کے بڑے بڑے بازار مخصوص کر دئے گئے تہے مثلاً کنوئین روڈ توہین روڈ گرد جامع مسجد و بازار چاندنی چوک و فتح پوری و احمد پائی۔ سڑک سے ہوتی ہوئی موری دروازہ حضور وائسرائے و لیڈی کرزن صاحبہ ایک ہاتہی پر اور ڈیوک آف کناٹ حضور ڈچز صاحبہ دوسرے ہاتہی پر یہ دونوں ہاتہی نہایت عالیشان قیمتی طلائی جہولوں سے آراستہ تہے۔ اِن دونوں ہاتہیوں کے آگے وائسرائے و شاہزادہ صاحب کے ہاتہی نشین مصاحب اور پہر شاہی بجہرہ پلٹن اور ویسرائے کا باڈی گارڈ زان بعد اِن دونو صاحبان کا خاص اسٹاف۔ وائسرائے اور حضور ڈیوک کے ہاتہیوں کے بعد اکیاون رؤساء کے ہاتہی دو دو ایک قطار میں یکے بعد دیگرے تہے ہاتہیوں کے پیچہے ڈیوک آف ہیسی مہمان وائسرائے و گورنروں و لفٹنٹ گورنروں و چیف کمشنروں صوبہ جات ہندوستان اور کمانڈر انچیف معہ مصاحبان

وممبران کونسل والسرائے و لفٹننٹ جنرل بنگال و بلوچستان اور شمال غربی حصّہ ہندوستان کے رئیس تھے اس طریقہ پر یہ جلوس صاف آسمان اور سرسبز گھندار درختوں کے نیچے سے ہوکے نکلا۔ والیان ریاست جو اس جلوس کے ساتھ نہ تھے انھیں ٹون ہال کے سامنے باعزاز بٹھایا تھا۔ جامع مسجد کے قلعہ کے رُخ کی صحنچوں میں ویسرائے کے ولایت کے دیگر انگریز مہمان بٹھائے گئے تھے اور اس جانب کی سیڑھیوں پر مسجد کے منتظمان نے خانہ خدا کے فائدہ کی غرض سے تماشائیوں کے بیٹھنے کا انتظام کیا تھا۔ جس سے مسجد کو ایک معقول فائدہ ہوا۔ اسٹیشن سے لیکر چھاؤنی تک جہاں ویسرائے کے رہنے کا مقام بنا تھا سڑک پر دورویہ گوروں اور کالوں کا پہرہ تھا کوئی شخص سڑک عبور نہ سکتا تھا۔ فوج کے عقب میں شہر کے اور ہندوستان کے بڑے بڑے اور دور کے شہروں کے تماشائی کھڑے تھے۔ سینکڑوں و ہزاروں نے اس جلوس کی نظارہ بازی کے لئے سینکڑوں روپے خرچ کرکے بالاخانے کرایہ پر لئے تھے۔ غرض یہ ہو کہ اس موقع پر دہلی میں اس قدر مجمع تھا کہ احاطۂ قیاس سے باہر ہو۔ تجارتی کاروبار صبح سے بند تھے اور کوئی چار میل تک بازار و مسجدیں و مندر و عارضی بلند مقامات جو اس غرض کے لئے بنائے گئے تھے اور چھتیں و برآمدے آدمیوں سے پٹے پڑے تھے۔ شہنشاہ و شہنشاہ بیگم کی تصویریں اور دعایہ فقرے جابجا ہندوستانی کوارٹروں میں آویزاں تھے۔ جلوس کی شان و شوکت جسقدر رکھی اُسیقدر ترتیب و جوش تھا شاہزادے شاہزادی پر مبارکبادونکی بھرمار تھی اور ان قایم مقامان خاندان شاہی کے بیشتر ہندوستان میں رہجانیکی وجہ سے باشندگان کو اس موقع پر اُن کے ساتھ اور بھی دلچسپی تھی۔ قریباً دو گھنٹے کے بعد جلوس شہر کے باہر پہنچا اور وہاں سے منتشر ہوکر اپنے اپنے کیمپوں میں جا پہنچا۔

واقعات کا سلسلہ قایم رکھنے کیلئے ویسرائے نے ۳۰ر دسمبر کو قدسیہ باغ میں ہندوستانی دستکاری کی نمایش کا افتتاح کیا۔ نمایشی چیزیں ایک عالیشان عمارت میں ترتیب سے رکھی گئی تھیں جو خاندان مغلیہ کی طرز پر بنائی گئی تھی۔ نمایش کی نگرانی و ترتیب کا کام سر جارج واٹس کے سپرد کیا گیا تھا۔ قدیم زمانہ کی دستکاری کے نمونے ریاستوں کے خزانوں سے عوام کے دیکھنے کے لئے منگائے گئے تھے۔ جو موجودہ زمانہ کے مٹی۔ پتھر۔ سینگ لکڑی۔ سوت و اون کی دستکاریوں کے پہلو بہ پہلو قدیم و حال کی کاریگریوں کا مقابلہ کرنے اور زندہ صناعوں میں ترقی کی روح پھونکنے کے لئے باقاعدہ آراستہ کئے گئے تھے۔ اس نمایش کے قایم کرنیکا سبب ویسرائے نے اپنی اسپیچ میں ظاہر کیا ہے جسے ہم آگے درج کرینگے۔ روسا و گورنمنٹ کی اولوالعزمی قابل تحسین ہے کہ دستکاریکو ترقی دینے کے خیال سے انہوں نے عمدہ عمدہ چیزوں پر معقول انعام بھی دیئے تاکہ لوگوں کو اپنی ملکی حرفت پر توجہ کرنیکا خیال قوی ہو جائے۔ اکثر اہل حرفہ و ہندوستانی ملازموں کو نمایش دیکھنے کی امداد دی گئی تھی اور عوام کو اس سے ایک خاص حظ حاصل ہوا تھا۔ اڑتالیس ہزار آدمیوں نے نمایشگاہ کی سیر کی اور بکری سے تین لاکھ باسٹھ ہزار تین سو تیس روپے کی آمدنی ہوئی۔

دربار کو پس انداز کر کے جسکا تذکرہ آیندہ کیا جائیگا ہم اس ضروری واقعہ کا تذکرہ کرتے ہیں جو ۲ر جنوری کی رات کو شاہجہانی قلعہ کے دربار عام میں سٹار آف انڈیا اور انڈین امپائر کے ہندوستانی طبقوں کا بڑا جلسہ تھا۔ بلا کسی رد و بدل کے اس عالیشان عمارت میں اس درجہ عارضی ایزادیں کی گئی تھیں کہ اصل حالت سے تنگی ہو گئی تھی اور اس موقع کیلئے اسکو دربار خاص کی سنگ مرمری عمارت سے بذریعہ ایک ہٹے ہوئے راستہ کے ملحق کر لیا تھا۔ کرنیل جے ڈبلیو تھربرن آر۔ ای سکرٹر گورنمنٹ محکمہ عمارات اور رائے بہادر گنگا رام کی نگرانی میں یہ عارضی عمارت اس ہوشیاری سے بنائی گئی تھی کہ اجنبی آدمی بجلی کی روشنی میں بھی رات کے وقت نئی و پرانی عمارت میں تمیز نہ کر سکتا تھا۔

اس جلسہ میں گیارہ کے۔ جی۔ سی۔ ایس۔ آئی وپندرہ کے۔ جی۔ سی۔ آئی۔ ای و چودہ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی وسولہ کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ واکتالیس کمپینین سی۔ ایس۔ ای کے اور ایکسو دس سی۔ آئی۔ ای۔ کے تھے۔ اس سے بڑا جلسہ اس قسم کا پہلے کبھی ہندوستان میں نہیں ہوا۔ اس موقع پر کوئی چوہتر جدید خطاب یا پیشتر کے خطابوں میں اضافے ہوئے جن لوگونکو یہ اعزاز دیئے گئے اُن میں چرکھاری۔ گوچین۔ سیرج (اعلیٰ شاخ) وناپھ وشاہپورہ اور سرمور وسروہی وٹہری وٹراونکور کے رئیس وڈیرہ کے خان وہنزا ونگر کے میر ومہتر چترال تھے

چھٹی جنوری کی رات کو قلعہ میں اسٹیٹ بال (سلطنت کا ناچ) ہوا جسکا اس مُلک میں بلحاظ معزز حاضرین اور تمثیل احاطہ کے نظیر نہیں ہے۔

بیشتر والیان ریاست اور کوئی چار ہزار سے زیادہ اور اشخاص موجود تھے۔

چوتھی جنوری کو اتوار کے دن جلوس کے ساتھ دارالسلطنت کے پادری اور بشپ پنجاب نے نماز پڑھائی۔ حضور ویسرائے وحضور شاہزادے وشاہزادی صاحبہ اور ایک انگریز افسر اور انگریزی رسالے جو اسوقت دہلی میں موجود تھے نماز میں شریک تھے۔

آٹھ جنوری کو کیمپ کے قریب جوار کے مسطح میدان میں کل فوج کا گرانڈ ریویو ہوا۔ کوئی چونتیس ہزار ہر مرتبہ کے رسالے جو زیر نظم کمانڈر انچیف ہیں اسوقت موجود تھے۔ تماشائیوں کیلیئے چبوترے بنے ہوئے تھے ہزاروں گاڑیوں گھوڑوں پر اور بتعداد پیدل تھے حضور ویسرا بہمراہی ڈیوک وڈچز آف کناٹ وگرانٹ ڈیوک آف ہیسی کے اپنی قیامگاہ سے جائے مقصود کی طرف گیارہ بجے دنکے روانہ ہوئے اور جو جو رسالے پاس سے گزرتے تھے اُنکا سلام لیتے جاتے تھے۔ یہ ریویو ہر طرح بنہایت کامیابی کے ساتھ ہوا جس سے بہت سی جنگجو قومیں جو اسوقت موجود تھیں بیحد اثر پڑا۔ شاہی رسالے شان وشوکت کی وردیاں پہنے ہوئے تھے الور وبھوپال وبیکانیر وگوالیار وجیند ونابھ وپٹیالہ وسرمور کی امدادی فوجیں

اپنے اپنے رئیسوں یا ریاست کے دیگر عزیزوں کی ماتحتی میں سلام کے مقام سے گزرتی جاتی تھیں۔ جو کیفیت ہر عمر کے یعنی صغیر سن راجہ نیپال سے لیکر ضعیف العمر رئیس نابھہ تک روسا کو دیکھنے سے حاصل ہوئی وہ رئیسوں اور عوام دونوں کو عرصہ تک یاد رہے گی اور اُن فوجی بندشوں کو جنکی وجہ سے ہندوستانی سلطنت کے مختلف موکل یکذات ہیں مضبوط کرنیکا خیال پیدا کریگی۔

لارڈ لٹن کے ۱۸۷۷ء والے شاہی جشن میں ہندوستانی رئیسوں کے ہمراہیوں کا ریویو فوجی ریویو سے پہلے ہوا تھا اس موقع پر ہمراہیوں کے ریویو کے لئے ایک صبح علیحدہ قرار پائی تھی۔ اور یہ رسم جو ۷ر جنوری کو ہوئی اس پندرروزے کل کرتبوں سے زیادہ دلچسپ و خوشنما تھی۔ کوئی چالیس ریاستوں سے امدادی فوج آئی تھی اور قدیم زمانہ کے اسلحہ کے نمایش میں جو اسوقت بالکل غیر مستعمل ہیں بڑی جانفشانی سے کام لیا گیا تھا۔

مختلف کیمپوں کے بیحد پھیلاؤ اور روزمرہ اور ساعت وار مشغلوں کی کثرت کی وجہ سے ویسرائے کو جو اسوقت دہلی میں موجود تھے نہ تو انھیں ملاقات کا موقع دیسکے اور نہ خود بازدید ملاقات کرسکے۔ مگر ان ممتاز اشخاص سے ملاقات کے لئے ایک خاص جلسہ قرار دیا گیا تھا۔ ویسرائے نے اپنے ہندوستانی مہمانوں کو دو دعوتیں دی تہیں۔ ایک قدسیہ باغ میں ۱۲ر جنوری کی صبح کو جس میں ماسوا روسا کے حکام و دیگر اشخاص تھے اور دوسرے ۹ر جنوری کی شام کو اپنے کیمپ میں کل روسا کو۔

آخری موقع پر خلعت دہی کا جلسہ تھا جسمیں حضور شاہزادہ ڈیوک آف کناٹ نے بحیثیت حضور نظام حیدرآباد کو خطاب جی۔ سی۔ بی اور مہاراجہ کولہاپور کو خطاب جی۔ سی۔ وی

عطا کیا اور دیگر روساء کو جو ولایت کے جلسہ تاجپوشی میں شریک تھے طلائی تمغے عطا کیے اور حضور وائسرائے نے حسب الحکم حضور شہنشاہ ہند چند اشخاص کو خطاب نائٹ مرحمت کیا۔

سرکاری کام تو جو تھے وہ تھے ہی عوام کو بھی طرح طرح کے مشغلے حاصل تھے دوسری جنوری کو شہر میں روشنی ہوئی اور آتشبازی چھوٹی۔ اور ۵ جنوری کو ہتھیاروں کے کرتب ہوئے اور بیشتر ایام میں بیشمار کھیل کود مثل پولو فٹ بال وغیرہ ہوتے جنہیں وائسرائے نے انعامات بھی دیئے اس سرزمین پر غالباً پولو کا کھیل کبھی زمانہ میں ہوا ہوگا اگرچہ دور دراز کی پہاڑی ریاست ہائے ہنزا و ناگر و منی پور میں یہہ کھیل اب بھی ہوتے ہیں اور انگریزوں نے اُنہی سے یہ کھیل سیکھے اور انہیں تکمیل کی۔ فوجی باجا بجانے والے اسوقت دہلی میں کوئی دو ہزار تھے اُن سب نے ملکر ایک ساتھہ باجا بجایا جو قابل دید تہا۔

تحقیقات سے ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ شہر کی آبادی کے علاوہ جو حال کی مردم شماری کی رو سے دو لاکھہ آٹھہ ہزار ہے ایک لاکھہ بہتر ہزار سے کسی طرح کم آدمی دربار کی وجہ سے دہلی نہ آئے ہونگے ۱۸۷۷ء کے دربار قیصری کے وقت صرف ۶۸۰۰۰ آدمی دہلی میں آئے تھے۔ سرکاری مہمان اور حکام جو بلائے گئے تھے یا دربار کے موقع پر دہلی میں تھے اُنکی ناموں کی تفصیل آیندہ درج کیجائیگی رؤسا با اختیار میں ۱۰۳ کو بلاوے گئے تھے جنمیں سے سوائے چھوٹی چھوٹی رئیس حسب دستور بلائے نہیں گئے جو رئیس زہر باری کے اندیشہ سے نہ آئے اُنکی حاضری معاف کردی گئی بخیال اس امر کے بعض بعض رئیسوں کو قحط سالی وغیرہ کی وجہ سے متواتر خرچ ہی خرچ اٹھانے پڑتے ہیں

اس لئے یہ بات ظاہر کردی گئی تھی کہ شان و شوکت دکھانے میں بھی مصارف کی ضرورت نہیں اور چنانچہ بعض رئیسوں کو پیشگی روپیہ دیکر اُنکی مدد بھی کی گئی۔

شہنشاہ فارس و بادشاہ سیام اور امیر افغانستان کے شاہزادوں و سلطان سقط اور نیپال کے مہاراج دہیراج کو دربار میں خود شریک ہونے یا اپنے قائمقامان بھیجنے کے بلاوے گئے تھے۔ چنانچہ جنرل چو پیا سراونس صاحب شاہ سیام کرنیل محمد اسمٰعیل خاں سفیر کابل۔ ولیعہد سلطان سقط و وزیر اعظم نیپال دربار میں شریک ہوئے تھے۔ وزیر برطانیہ مقیم ٹوکیو کے ذریعہ سے ایک نامہ شہنشاہ جاپان کے نام بھی بغرض شرکت دربار گیا تھا۔ وہاں سے بسرگردگی جنرل بیرن باسوکا تارو کر ایک مشن آئی تھی اُنہوں نے مصنوعی جنگوں کو جو دربار سے پیشتر ہوئی تھیں بہت پسند کیا۔

اُسوقت یہ بھی خیال کیا گیا تھا کہ آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ میں جو رعایا ہے وہ بھی اس جلسہ عالی میں شریک ہو۔ والیسرائے نے ہر دو حکومتوں میں بلاوے بھیجا اور آسٹریلیا سے سر جیرڈ ہیکر فیڈرل اسٹیٹ کا پریسیڈنٹ اور جنوبی افریقہ سے سر جیرڈ سومن اٹورنی جنرل ٹرنسوال آئے۔

کرنیل سر ایڈمنڈو گلبرڈو کے۔ سی۔ آئی۔ ای پرتگالی گورنر جنرل ہند اور مونس وکٹر لنزیرک ہندوستان کی فرانسیسی مقبوضات کا گورنر اور کونسل خارجہ واقع ہند کے بہت سے ممبر اُن رسومات میں بطور مہمان شریک تھے۔

اس جشن کی مکمل فوری اور سچی خبریں تمام دنیا میں مشہور کرنیکے لئے ولایت اور ہندوستان کے بڑے بڑے اخباروں کو اپنے اپنے اڈیٹر دربار میں بھیجنے کے لئے لکھا گیا تھا اور علاوہ اُن کے جن اخبار والوں نے شرکت کی درخواست کی انہیں بھی اجازت دی گئی اور اُن لوگوں کے

ذریعہ سے ہر قریب و بعید مقام پر اس جشن فیروزی کی خبریں جابجا پھیل گئیں ۔

لوکل گورنمنٹوں اور نظامتوں کو بلاوے کے وقت یہ بھی اجازت دیگئی تھی کہ اپنے اپنے صوبہ کے بڑے بڑے سرکاری ملازم ہندوستانی سربرآوردہ اشخاص اور انجمنوں کے قایم مقامان کو اپنے ہمراہ لائیں ۔

تمام انگریز جو اس طریقے سے آئے تھے وہ اپنے اپنے صوبوں کے گورنروں کے مہمان تھے اور انہیں ہیڈکوارٹروں یا صوبہ کے وسطی کیمپ میں قیام کی جگہہ دی گئی تھی ۔ روسا کو معہ پولٹیکل افسروں کے علیحدہ علیحدہ کیمپ میں جگہہ دی گئی تھی جو تقسیم ملکی کے لحاظ سے قایم کئے گئے تھے اور ہندوستانی شرفاء باوقعت اشخاص کو اکثر صوبہ دار کمپوں میں ٹھہرایا گیا تھا اور بعض شہر و سول اسٹیشن میں ٹھیرے تھے ۔

جس سرزمین پر وسطی کمپ جسمیں ویسرائے او مختلف لوکل گورنمنٹوں اور نظامتوں کا کمانڈر انچیف وصوبہ کے فوجی افسر اور غیر ولایت والوں اور اہالیان اور پریس کے ڈیرے تھے وہ سنہ ۵۷ء کی قابل یاد واقعہ کے وجہ سے مشہور ادر پہاڑی کے زیرین واقع ہے ان کمپوں کے رہنے والوں کی تعداد معہ ملازمین تیرہ ہزار سے اوپر تھی اور وسعت اور صفائی کے خیال سے پرونشل کمپ جن میں ۳۵۰۰۰ فوجی کمپ ۵۶۰۰ اور متفرق کمپ ۱۲۰۰۰ آدمی تھے دیگر مقامات پر نصب کئے گئے تھے ۔

باوجود اس کے کہ یہ مقام وسیع سمجھ کے اختیار کیا گیا تھا ۔ آبادی نے پھر بھی چالیس مربع میل سے زیادہ رقبہ گھیرا اور باقی ۵۷۰۰ آدمی شہر و سول اسٹیشن میں مقیم رہے ۔

یہ بات بہت جلد سمجھ میں آسکتی ہے اِسقدر کثیر خیمہ زنی میں کیا کچھہ تیاری کرنی پڑی
ہوگی - ہزاروں خیمے جابجا سے جمع کیے گئے تھے کیمپوں کی سرزمین ہموار کی گئی تھی
اور چالیس میل جدید سڑک بنائی گئی تھی - ۲½ فٹ پٹری کی لائٹ ریلوی سات میل
تک تعمیر کی گئی تھی جو کشمیری دروازہ سے سنٹرل کیمپ اور دربار کے چبوترے تک
بنائی گئی تھی - شروع ہونیکی تاریخ سے اختتام تک ایک لاکھہ دو ہزار اٹھانوین مسافر
اِسمین بیٹھے اور آٹھہ سو پچاس سیزن ٹکٹ والے اِس تعداد کے علاوہ تھے بڑی
لین بھی بھاری بھاری اسباب کیمپ میں پہچانے کی غرض سے پھیلادی گئی تھی ذرایع
آب رسانی میں بھی ترقی دی گئی تھی ۷۲ حوض ۴۵ کنوئیں جدید تعمیر کیے گئے اور ۲۸
نل زمین میں بچھائے گئے تھے اور دو ہزار چار سو پچھتر آدمی محکمہ حفظان صحت میں نوکر
رکھے گئے تھے مخصوص تار گھر ٹیلیفون اور ڈاکخانے ایزاد کیے گئے تھے اور سنٹرل
کیمپ قلعہ و شہر کے بڑے بڑے بازاروں میں بجلی کی روشنی کی گئی تھی پودونکے گملے
بارکوں میں ہوا اور روشنی کیلیئے روشندان بنائے گئے تھے - رسد رسانی کا انتظام کچھہ تو نج کے
طور پر ہوا اور کچھہ محکمہ رسد رسانی کے ذریعہ سے - دربار کے لیے ایک عارضی نقرئی سنہری
چبوترہ اُس نقشہ کے مطابق تیار کیا گیا تھا جو اُسرلے اور سر سوئن جیکب نے بنایا
تھا یہ عمارت اگرچہ محض دربار کی ضرورت سے تیار ہوئی تھی تاہم مصاحبین کا ریویو اور
فوجی کرتب بھی اِسی مقام پر ہوئے تھے - اِسکی ساخت بالکل مغلوں کی طرز پر تھی اور
دہلی اور آگرہ کے عمارات کی نقل تھی - جگہ تو وہی تھی جہاں لارڈ لٹن نے ۱۸۷۷ء مین
چبوترہ بنایا تھا مگر شکل و جسامت میں یہ عمارت اُس سے بالکل مختلف تھی اسمین پیشتر سے
تگنے یعنے ۱۶۰۰۰ تماشائیوں کے لیے گنجائش رکھی گئی تھی -

کل انتظامات زیر نگرانی سنٹرل اور ایگزکٹو کمیٹی تھے۔ اول الذکر کو اختیارات تھے اور اُسکے احکامات کی انجام دہی ایگزکٹو کمیٹی یا سرکار محکمہ متعلقہ کے سپرد تھی۔ پولیس کا انتظام ہوم ڈیپارٹمنٹ کے سپرد تھا برقی روشنی کا محکمہ فوجی تعمیرات کے اور بازاروں کا فوجی محکمہ کے اور رسومات کا فورین ڈیپارٹمنٹ کے۔

دربار کے وقت امن و انتظام قائم رکھنے اور جو خفیف جرائم کیمپوں میں ہوں اُنکے انسداد کا سیدھا سادھا ضابطہ بتانے کے لیے پنجاب کی قانونی کونسل نے ایک چھوٹا سا قانون موسوم بہ دہلی دربار پولیس ایکٹ سنہ ۱۹۰۲ء تیار کیا۔

پنجاب گورنمنٹ نے اِس معاملہ میں بہت زیادہ مدد دی اُسنے اپنی کمشنر حفظان صحت کو کیمپوں کی صفائی اور حفظان صحت کے لیے اور انسپکٹر جنرل پولیس کو پولیس کے انتظامات کے لیے اور چیف انجینیر کو عمارات آب رسانی اور سڑکوں کی نگرانی کے لیے مامور کیا علاوہ ان افسران کے ہر کیمپ میں خاص ایجنسیاں قائم کی گئی تھیں سنٹرل کیمپ میں ایک اور باقی کل صوبہ وار مجموعہ کیمپ میں ایک ایک خاص مجسٹریٹ، ایگزکٹو سنیٹری افسر و افسران صحت، پلیگ افسر و لائٹ ریلوے کے نظم و نسق کے لیے ایک ریلوے افسر مامور کیا تھا سب کیمپوں میں ٹامیوں کا اسٹاف بھی رہتا تھا کہ مختلف رسومات کے متعلق تفصیل بتلائیں اور رئیسوں کا استقبال کریں اِن مختلف ایجنسیوں کی محنت و جانفشانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسی وسیع بھیڑ بھاڑ میں جو عارضی طور سے اس وقت دہلی میں اکٹھی ہوئی تھی ایک بھی سنگین وقوعہ نہیں ہوا۔ اِن جملہ کارروائیوں کے ساتھ ساتھ موسم بھی بہت خوشگوار رہا بارش صرف ایک رات ہوئی اور پھر اگر ہوئی بھی تو اِسقدر کہ اُس سے خاک دب گئی اور

اور بجائے تکلیف کے آرام دہ ثابت ہوئی۔ دسمبر کے آخری ہفتہ میں اگرچہ راتیں زیادہ ٹھنڈی تھیں تاہم ویسا ہی دن گرم ہو جاتا تھا اور سرکاری اشغال کا یہ ہفتہ بڑی مصروفیت و عمدگی سے گزرا۔

ابتدائی کارروائیوں کے بیان کے بعد جو دربار سے پیشتر عمل میں آئیں اب ہم خاص دربار کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اس یادگار مجمع کے خوشنما منظر کا مفصل ذکر کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں معلوم ہوتی صرف مختصراً بیان کر دینا کافی ہے۔ رسالوں کے لمبی لمبی قطاروں، سلطنت کے مختلف قوموں کے ہجوم سے وسیع میدانوں کو گویا ہوئے ایمپی تھیٹر میں کثیر مجمع کا جس میں روساء و گورنروں و مقبوضات و ممالک غیر کے قائممقام و جلیل القدر حکام وایسرائے کی دائیں طرف بیٹھے تھے اور غدر کے سورماؤں کے چھوٹے سے بینڈ سے جو سماں بندھا تھا اسکا حال مفصلاً اخبارات میں شائع ہو چکا ہے منظر بھی عجب دلفریب تھا کہ کجا دہلی کی سرزمین اور کجا یہ مختلف صورتیں ایک طرف نظر اٹھا کر دیکھیے تو عدن کے ریاستوں کے شیخ و عرب مکلف لباس زیب تن کئے ہیں اور کسی طرف ہندوستانی سرحد کے بلوچ دہقان و رئیس زرین لباس میں نظر آتے ہیں کہیں نیپال و سکم و مسقط کے ولیعہد یا قائممقام ہیں اور کہیں ساتویں اور میکانگ شان کے رئیس خوشنما کپڑوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ یہ حالت دیکھکر اللہ کی قدرت و انگریزی حکومت کی شان نظر آتی تھی۔ مسلمانوں کی عید الفطر بھی اتفاق سے اسی دن آ کر پڑی تھی۔ انکو دربار میں شرکت کا موقع دینے کی غرض سے دربار کا وقت دوپہر کو قرار پایا تھا۔ وقت مقررہ پر حضور وایسرائے اپنے باڈی گارڈ اور شاہی بھیر ایلٹن کے جلو کے ساتھ اپنے فرودگاہ سے گاڑی میں سوار ہو کے

درباری چبوترہ کی طرف روانہ ہوئے اور جاتے ہی اپنی نشستگاہ پر چڑھ گئے۔ حضور شاہزادہ ڈیوک و شاہزادے ڈچز اوف کناٹ ایک علیحدہ جلوس کے ساتھ پیشتر سے وہاں پہنچ چکے تھے۔ ویسرائے کے پہنچنے کے بعد نقیب معہ اپنے نفیرچیوں کے گھوڑے پر سوار آگے بڑھا اور بحکم حضور ویسرائے باآواز بلند اعلان پڑھا جس میں حضور شہنشاہ ہند باقبالہ کی تاجپوشی کا ذکر تھا۔ اعلان کے ختم ہونے پر قومی راگ کے ساتھ شاہی جھنڈا اٹھا اور ایک سو ایک ضرب توپ شاہی سلامی کی چھوٹیں اس کے بعد وایسرائے نے اسی مجمع کے سامنے جو اظہار شان و شوکت و اقتدار سلطنت کے سبب جمع تھا اڈریس پڑھا اور حسب الہدایت فرمان شاہی جملہ رعایا ہند کو سنایا اختتام اڈریس پر حاضرین جلسہ فوج اور تماشائیوں نے تین چیرز بادشاہ کی تاجپوشی کی مسرت میں دیں۔ بعدہ روسائے با اختیار ویسرائے اور ڈیوک اوف کناٹ کے سامنے پیش ہوئے یہ کارروائی جو ہندوستانی تخت نشینی کے درباروں کی دراصل معزز دستور العمل ہے ویسرائے نے والیان ریاست کے سامنے پیش کی اور انکو خاص کر یہ وجہ سمجھائی کہ وہ اپنا اپنا فرض خود ادا کر سکیں اور فرداً فرداً بادشاہ کے قائم مقام اور انکے برادر عزیز کو اپنی زبان سے اس معزز موقع پر اپنے تعلق کے باعث مبارکباد اور اپنی دلی مسرت کا اظہار اپنی وفاداری اور اطاعت کا ثبوت دیں۔ روسا نے مبارکباد دیتے وقت اس تدبیر کی بہی تحسین کی کل روسا یکے بعد دیگرے آگے بڑھے بعض بعض کے ہمراہ انکے صاحبزادے یا وزرا تھے جنہوں نے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ تخت نشینی کی مبارکباد بادشاہ کو دی اور اس بڑے اور قابل یاد موقع پر جو روسا اور رعایا ہند پر اس واقع کے اظہار کیلئے منعقد ہوا تھا اپنی موجودگی پر اظہار

اطمینان کیا۔ اس رسم کے بعد جو غالبًا دربار کا نہایت موثر حصہ تہا دربار ختم ہوتی ہی اُسی شام کو وائسرائے نے اپنے کیمپ میں بڑے بڑے سرکاری مہمانوں کو دعوت دی اور بادشاہ اور شاہزادہ ڈیوک اوف کناٹ کی جام صحت کی تجویز پیش کی جو نہایت جوش کے ساتہہ سب نے قبول کی وائسرائے نے اُس موقع پر اسپیچ دی اور ڈیوک اوف کناٹ نے اس کا جواب دیا۔

وائسرائے اور ڈیوک اور ڈچز اوف کناٹ ۱۰ جنوری سنہ ۱۹۰۳ء ہفتہ کے روز دہلی سے اسی اعزاز کے ساتہہ جسطرح آئے تہے رخصت ہوے۔

اِس قابل یادرسم یا سلسلہ رسوم کا جو ہندوستان میں انگریزی حکومت میں یا شاید کسی اور عہد مین نہیں ہوئی اِس طرح خاتمہ ہوا۔ دربار ہونیکا خیال اور کل انتظامات کا بندوبست اور ہزاروں ضروری امور کی نگرانی خود وائسرائے نے اپنے ہاتہہ میں لے رکہی تہی اور وہ خود اُسکے انجام دہی کے ذمہ وار تہے اِسی سبب دربار کے پیشتر کے نو مہینوں میں کم از کم چار مرتبہ دہلی آئے جو پالیسی اِس تجویز میں درپردہ تہی اور جسنے اسکی تکمیل پر آمادہ کیا ہم اُس سے بہتر بیان نہیں کر سکتے جیسا وائسرائے نے ۲۵ مارچ سنہ ۱۹۰۳ء کے بجٹ ڈیبیٹ میں اپنے ہی لفظوں میں ادا کیا ہے جو الفاظ حسب ذیل ہین

"میرا یقین ہے ہم سب کے نزدیک یہ دربار محض نظارہ یا جلوس نہ تہا بلکہ تاریخ انسان کا ایک نقشہ اور سلطنت کی کتاب فقہ کا ایک باب تہا۔ اِس سے منشا کیا تہا غرض اس سے یہ تہی کہ تاج برطانیہ کے ایشیائی حکومت کے کل رئیس و رعایا کو خیال دلایا جائے کہ اب وہ ایک نئی اور شخصی حکومت کے ماتحت ہیں اور اُنہیں اِس عظیم الشان اور قابل یادواقعہ پر خوشی منانے اور شاہی اعتماد اور مبارک باد

حاصل کرنے کا موقع دیا جاے۔ اور اِس سے اثر کیا ہوا بلکہ یہ جان گئے تھے کہ اُس حلیم بادشاہت میں وہ کل ایک ہیں اور ایک غیر جنس اور گرانبار انبار کے منتشر ذرے نہیں ہیں بلکہ سازگار اور عظیم سلطنت کے نزدیک مساوی درجہ کے ہیں۔ نفسانیت تعصب اور غیر اطمینانی کے خیالات اُنکے دلوں سے جاتے رہے تھے اور مغرب میں عدن کے عربی شیخوں سے لیکر چین کے سرحد پر میکانگ کے شان کے رئیسوں تک سب وفاداری کے واحد دریا میں ڈوبے ہوئے تھے کیا اُسمیں کچھ بات نہ تھی؟ کیا یہ تھوڑی بات ہے کہ بادشاہ اپنی تخت نشینی پر اپنے مجموعہ رئیسوں سے حفاظت اور عزت کا وعدہ کرے اور اُنسے مطیع رہنے کے وعدے لے۔ کیا یہ تھوڑی بات ہے کہ باشندگان سلطنت یہ جان لیں کہ سلطنت کا منشا کیا ہے؟ اگر ہم اُن آدمیوں کو جو دربار کے موقع پر دہلی نہ آسکے مگر اُنھوں نے اپنے اپنے شہروں و قریوں میں اِس موقع پر اظہار مسرت کیا حساب میں رکھیں تو کیا یہ تھوڑی بات ہے کہ اِس نے غریب سے غریب اور مردہ دل آدمیوں میں اُمنگ پیدا کر دی اور اعلے خیالی کی روشنی سے فیضیاب ہونے کا خیال اُنکے دل میں ڈالا جو اُس پوشیدہ قانون کا خاصہ ہے جو قوموں کی ترقی اور انسانی تقدیر پر کارگر ہے؟ میرا یقین ہے کہ کسی تاریخی واقعہ نے ہندوستانی رعایا کو جس ڈگر پر وہ چل رہی ہے اُنہیں اُس سے زیادہ خوبی کے ساتھ نہیں بتایا جو خدا کی رہنمائی کے سبب اِس دربار نے بتا دی ہے اور ہندوستانی حکومت کو بھی یکتائی جتادی اور دنیا میں اسکے اخلاقی اور مادّی قوت کا سکہ جما دیا۔ یہ بات نہ بھولے گی اُلفت [illegible] ہو چکی ہے کہ شہنشاہ اور بادشاہ جدا ہو چکے ہیں مگر اِس یکجائی اور حب الوطنی کے نایاب اظہار سے جو اثر پیدا ہوا وہ اب تک زندہ ہے اور قائم رہیگا

یہ بات ہر جگہہ مشہور ہے کہ ایشیائی تخت پر اس وقت وہ قوت حکمران ہے جو تین عرب ایشیائیوں کی دانائی۔ آرزو اور شوق کا مجموعہ ہے اور اس بڑے مجموعہ میں ہر متنفس یہ بات سمجھ گیا ہے کہ اُن کے اتحاد پر اُن کی قوت مبنی ہے جیسا کہ ایک بے تعلق دربار کے تماشائی نے لکھا ہے "میں آجتک یہ نہ سمجھا تھا کہ ایشیا والوں کی قسمت ابتک مثل سابق کے ہندوستان کے ہاتھ میں ہے" میرا یہ بھی خیال ہے کہ دربار نے صرف قوت ہی کا سبق نہیں دیا بلکہ فرض بھی جتائی کوئی سرکاری ملازم یا رئیس با اختیار یا باخیال تماشائی ایسا نہ ہوگا جس نے کسی نہ کسی وقت یہ خیال نہ کیا ہو کہ اس بڑے نتیجہ خیال میں ذمہ داری اور فخر ضروری ہے اور اس عزت یا سلامتی یا موقع کے عوض میں جو سلطنت نے اس کو دیا وہ کچھ نہ کچھ ضرور ممنون ہے"

تخت کی وفاداری اور بندگی اور سلطنت کی قوت پر بھروسہ کے خیالات کی تصدیق جس کے اصلی ذرے وہ اپنے کو سمجھتے تھے خود رئیسوں کی تقریروں سے ہوتی ہے جو انہوں نے ویسرائے اور ڈیوک آف کناٹ کے اوپر مبارکباد دیتے اور تاج شاہی کی اطاعت کا اقرار کرتے ہوئے کیں۔ بعض صورتوں میں ایک رئیس نے ایک مختصر اسپیچ دوبارہ الگ سے ادا کہی مگر وقت کا رعب اُن پر ایسا چھایا ہوا تھا کہ اُس کی ترتیبی گویائی نے سادگی اختیار کر لی تھی اور اس سے اُس کی اس ظاہری و باطنی خوشی کا اظہار تھا جو اُسے سلطنت کے شغلوں اور مسرت میں شریک ہونے اور بادشاہ وقت کو مبارکباد کا موقع حاصل کرنے سے ہوئی تھی۔ مہاراجہ نابھہ نے جو چند الفاظ کہے کیا اُن سے زیادہ فصیح الفاظ اور بھی ہو سکتے ہیں۔

اس نے کہا "چونکہ میں سچے سکھ کی تینوں خدمات ادا کر چکا ہوں مجھے اب مرنے میں باک نہیں۔ میں گرو کی نصیحت پر عمل کر چکا ہوں اپنی تلوار سے سلطنت کی مدد کر چکا ہوں اور اب میں نے بذات خود بادشاہ کی اطاعت کا اقرار کیا ہے"۔

بیگم بھوپال نے جو چہرہ پر نقاب ڈالے دیگر رئیسوں کے درمیان بیٹھی ہوئی تھیں ایک تحریری اڈریس پیش کیا اول اس دربار اور عید کے ایک دن واقعہ ہونیکا مسلمانوں کے عقیدے کے موافق تذکرہ کر کے گورنمنٹ کو اسطرح یقین دلایا۔

"اس تاریخی واقعہ پر بحیثیت خیر اندیش و سچے مداح سلطنت برطانیہ اعظم نہ صرف اپنی یا اپنے لڑکوں یا اپنی رعایا یا اپنے ریاست کے عورتوں کی وفاداری۔ اطاعت و محبت کا بلکہ ہندوستان کے کل مسلمانوں کی وفاداری اور اطاعت کا یقین دلاتی ہوں"

یوں تو ہر ایک اسپیچ میں اس قسم کے بہت سے جملے ہیں مگر ہمارے نزدیک جو ضروری معلوم ہوئے وہ درج کر دیئے۔ مگر نظام حیدر آباد کی اس اڈریس کا لبّ لباب اور ناظرین کے سامنے پیش کئے دیتے ہیں جو ممدوح نے دربار سے واپس جا کر اپنے ملک میں دیا اور وہ یہ ہے "میرے لئے اس سے زیادہ اور خوشی کا موقع اور کوئی نہ ہو سکتا تھا کہ میں شہنشاہ ہند کی تاجپوشی میں شریک ہو (خدا اُن کی فیاضی ہمیشہ قایم رکھی) اور مجھے مثل اپنے بزرگوں کے بطریق سادگی اور راستبازی و سپاہیانہ تحریراً و تقریراً اپنی تاریخی دوستی و وفاداری ظاہر کرنے کا موقع ملا۔ میں اس سفر کو خاصکر اس وجہ سے مبارک خیال کرتا ہوں کہ میں نے ہمعصر رئیسوں اور بڑے بڑے افسروں سے ملاقات کی"

ہمنے دربار کے واقعات زیادہ مفصل لکھکر ناظرین کی سمع خراشی کرنی مناسب نہیں سمجھی صرف اسی قدر واقعات مندرج کیے ہیں جو رؤسا و حکام سے متعلق تھے اور جہاں تک اس رسم سے اُن کا تعلق پایا۔ یہ موقع ایک معمولی دربار سے بالکل جدا تھا۔ یہ سمجھا گیا تھا کہ یہ دربار شہنشاہی ہے اور بادشاہ کے حکم سے اپنے عہد سلطنت میں اس بڑے واقعہ کی شہرت دینے کے لئے منعقد ہوا ہے۔ چنانچہ یہ بادشاہ کی تحریر ہی تھی جس پر اس قدر تحسین و آفرین ہوئی۔ بادشاہ کے نام کے ساتھ اُس کا رعب ظاہر ہوتا تھا اور اس بادشاہ کے بھائی کے استقبال کے وقت ایسا رعب و جبروت نمایاں تھا۔ جو شخص دربار کے موقع پر موجود تھا اس کا یقین تھا کہ برطانیہ اعظم و ہندوستان کے اتحاد میں نہایت زبردست قوت تخت کی عزت و محبت کی وجہ سے ہے۔

اگر اس رسم کا فوری اثر ہندوستان کے اُن شاہزادوں یا رئیسوں پر لیا ہی تھا جو گورنمنٹ برطانیہ کے زیر نظر ہیں یا اُن پر جو حال میں اس حکومت کے تابع ہوئے ہیں یا ان پر جنہیں اس سلطنت سے اس قدر دلی تعلق نہیں ہے تو یہ بات قابل لحاظ ہے۔ سفیر افغانستان نے دربار کے وقت یہ دریافت کیا کہ کیا قوت ہائے خارجہ کے قایم مقام موجود ہیں اور کیا کہ یہ مجمع جو مجمع حشر کے مشابہ ہے اگرچہ بغیر قوت و زور کے جمع ہو سکتا تھا مگر اس موقع پر محض وفاداری و محبت کی وجہ سے ہے کہ ہر مذہب و ملت کے آدمی یہاں موجود ہیں اور مخالفت کا خیال ان کے نزدیک ایک سُبکائی کی بات ہے۔ یہی خیالات وزیر اعظم نیپال نے ظاہر کئے ہیں اور گلگت کے فرقوں کے قایم مقامان اس دن کا خیال کر کے ہنسے جس دن

وہ ایسی بڑی سلطنت کے مقابلہ میں اپنی قوت صرف کرنے آئے تھے ۔

ریویو کے وقت فوجی قوت کے اظہار پر جو اثر پیدا ہوا وہ بھی کم قابل لحاظ نہ تھا اور بے شبہ اُس سے تو تماشائے خارجہ کے قائم مقامان پر جو اس موقع پر موجود تھے خاص اثر ہوا ۔ رؤسا کے مجمع عام میں اپنے رسالوں کی سرداری کرنے کے شوق میں جو اثر ہوا اُس کا اظہار مشکل ہے ۔ جو دلچسپی رؤسا نے امپیریل سروس ٹرپس امدادی فوج میں ظاہر کی قابل تذکرہ ہے اور اُس میں ترقی کی بہت کچھ امید ہے ۔ بلوچستان کے رئیسوں نے اس بات کا بہت کچھ خیال کیا کہ اُن میں فوجی باقاعدگی کے لحاظ سے بہت کچھ نقص ہے ۔

ہمیں یقین ہے کہ یہ اثرات موثر جوش کے عارضی نشانات نہ تھے بلکہ حیرت انگیز حوادث تھے جن کے وہ مستحق نظارہ تھے اور خوب باقاعدہ قوت اور عام اطمینان اور عمدہ حکومت یکطرف اور رعایا کی وابستگی دوسری جانب جن سے یہ کل کارروائی نہایت ضروری بن گئی تھی حاضرین کو شاندار اور قابل دید نظارہ کے سوا اہل دربار کے بعد عرصہ تک یاد رہیں گے ۔

وائسرائے نے ایک اور پہلو بھی سوچا تھا جس سے دربار میں نہایت مفید نتیجہ نکلا اور جس کے اثرات دور دور پڑتے ہیں ۔ ریلوے کشادگی اور خط و کتابت کے دیگر وسایل سے ہندوستان کے مختلف مقامات اور دور دور کے علاقہ ایک ہوگئے تھے ۔ پیشتر کسی موقع پر اس قدر رئیس و امیر اور مختلف فرقوں اور مذہبوں کے قایم مقامان ایک گھنٹہ یا ایک دم یا ایک ہفتہ کے لئے کبھی ایک جگہ جمع ہوکر ایک دوسرے کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے ۔ تمدنی جلسوں اور سرکاری مشغلوں میں

لیا یہ دوسرے کے تبدیل خیالات تھے۔ ناآشنائی اور بے اعتمادی کی روکیں دور
ہوگئیں جنکی وجہ سے باہمی مفارقت تھی۔ اس موقعہ کے [illegible] نے حقیقت رقعہ
کی رہ نظام حیدرآباد کی مندرجہ بالا تحریر سے اور اس قسم کے دیگر مراسلات سے
جو مختلف مقامات سے وائسرائے کے پاس آئے تھے صاف ظاہر ہے۔ صرف رؤسا
ہی ایسے نہیں تھے جو اس موقعہ سے مستفید ہوئے۔ دیوانی و فوجداری کے حکام
نے بھی فائدہ اٹھایا جو دربار کی غرض سے جمع ہوئے تھے اور جنہیں مفوضہ خدمات
کی وجہ سے ملنے اور ضروری اور انتظامی معاملات میں باہم بحث کرنے اور مصلحتی یا
عملی امور پر اپنے خیالات کا مبادلہ کرنیکا موقع ملا جو اپنے اپنے صوبوں کی حدود کے
اندر ہونا ناممکن تھا۔ کوئی انگریزی یا ہندوستانی افسر ایسا نہ تھا جسے اس وسیع اور
فیاض گورنمنٹ کی خدمت کرنے پر فخر نہ ہوا اور اپنے بادشاہ اور ملک پر جان نثاری
کرنے پر دلی جوش نہو۔

اس دربار کے اثر صرف اُنہی لوگوں پر نہیں ہوئے جو موجود تھے بلکہ اور لوگوں
پر بھی ہوئے۔ ہمارے پاس اس بات کی دلیلیں ہیں کہ ہندوستانی کثیر جماعت خواہ
انگریزی عملداری میں یا انگریزوں کی ماتحت ریاستوں کی اس رسومات کی خبر پاکر نہایت
مسرور ہوئی اور ان کے توہمات اس خیال کے موجب ہوگئے جسکے یہ بیرونی شکل تھے۔
یوم دربار کے تمام ملک میں جابجا مقامی جلسے اور ان کے ادنیٰ سے ادنیٰ شریک
بھی اس رسومات کا اندازہ کر سکے کہ ہمیں مستحکم اور مکمل انگریزی سلطنت کے زیر نظم و کیا
[illegible] کی آزادی اور عام مساوات کے کل حقوق حاصل ہیں اور [illegible] رعایا کو جتنا
تحفہ بھی ملا۔ سولہ ہزار ایک سو اٹھائیس قیدی سرکاری جیلخانوں سے رہا ہوئے اور اس

رحمانہ کارروائی بیشتر ریاستوں میں ہوئی۔ اس ضمن میں ہم یہ بیان کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اندرونی تجارت کو اس وسیع مجمع کے ضروریات کے مطابق جو فروغ ہونا چاہیئے تہا وہ ہوا۔

جو خطابات و رعایتیں جنکی وجہ سے یہ موقع اور بھی قابل یاد ہے یکم جنوری کے انگریزی گزٹ میں شائع ہوئے ایک بڑے بڑے خطابات جو خاص بادشاہ کی طرف سے عطا ہوئے ان کا تذکرہ ہم اوپر کر چکے ہیں۔ بادشاہ نے اول درجہ کے ۱۵ اور دوم درجہ کے ۱۸ قیصر ہند تمغے بھی عطا کئے۔ نواب جانجیرہ کی سلامی میں دو ضرب توپ زیادہ کیں۔ ور شان کے تین بڑے رؤسا کینگ ٹنگ وسنگ نامی اور سیاسے رئیسوں کی مستقل نو ضرب توپ اور رؤسا بہور و اتنا و نواب امیر الدین خاں بہادر کے سی۔ آئی۔ ای کے لئے نو ضرب توپ منظور فرمائی۔

ہندوستانی فوج کے انگریزی افسر عطیہ مراتب پر نہایت ممنون ہوئے اور اسی طرح ہندوستانی افسر اس خبر پر کہ ہر سال انہیں سے چھ آدمی بادشاہ کے اردلی کے افسر مقرر ہوا کریں گے محظوظ ہوئے۔ مزید براں جو رعایتیں فوج کے ساتھ ہوئیں ان میں طبقہ برٹش انڈیا کے بیس اول درجہ کی اور ساٹھ دوم درجہ کی ترقیاں و پنشن پر جانے کے وقت ہندوستانی افسروں کو جو حال تمغہ ہیں عطا کیا جانا فیاض اور عارضیت ملازمت اور عمدہ چال چلن کے تمغہ و انعام دیا جانا و انگریزی و ہندوستانی فوج کو روپیہ دینا اور ہندوستانی پہاڑی توپخانے کو خاص حقوق بخشنا اور فوجی مجرموں کی مختلف جماعتوں کی رہائی یا تخفیف قید شامل ہیں۔ راجہ نابھ کو جو دہویں فیروزپور سکھ پیدل کی آنریری کرنیلی اور مہاراؤ کوٹہ کو دیوی کی سے بے قاعدہ فوج کی میجری کے رتبہ عطا ہوئے

۔ وایسرائے نے ہندوستانی ممبر اشخاص کو سول خطاب عطا کیے اور چھ آدمیوں کو اراضی و انعام بھی دیئے۔ ہندوستان میں قیدیوں کی رہائی کا تذکرہ ہم کر بھی چکے ہیں۔ وایسرائے نے اپنی اسپیچ میں انکم ٹکس میں معقول کمی کرنیکا تذکرہ کیا ہے جسکا ظہور تین مہینے بعد بجٹ میں ہوا اور یہ ہمیشہ سال تخت نشینی کی یادگار رہیگا۔

دربار کے متعلق جس قدر فرائض تھے وہ نہایت خوش اسلوبی اور لیاقت کے ساتھ انصرام پائے دربار کے پندرہ واڑہ کا پروگرام بلا دقت و خرابی انجام پایا اور مصنوعی جنگ کا مشکل کام بھی بہت سرعت و اطمینان کے ساتھ نبٹا۔ اس کی آخری میٹنگ ۱۰ اپریل کو ہوئی۔

جہانتک ہر شخص نے اپنے فرائض نہایت تندہی اور عمدگی کے ساتھ انجام دیئے ہوں وہاں کسی خاص شخص کو ترجیح دینا مشکل بات ہے مگر پھر بھی مندرجہ ذیل اشخاص اور کپتان خاص توجہ کی مستحق ہیں۔ منتظمانہ و ایگزیکٹو کمیٹی کے کام نہایت قابل تحسین ہے۔ اول الذکر میں سر ہیوبرٹ بارنس صاحب پریسیڈنٹ کمیٹی اور [illegible] بی جی بنرجی اور آخر الذکر میں کپتان اے۔ ڈی۔ بنیرن صاحب سکرٹری کمیٹی اور میجر ارق۔ ہڈسن صاحب قابل تذکرہ ہیں۔ مسٹر گورڈن واکر کمشنر قسمت دہلی اور میجر ایم۔ ڈیوڈگلس ڈپٹی کمشنر دہلی نے ان ڈیوٹیوں میں علاوہ فرائض منصبی اپنی ممبری کے کام نہایت شوق و عمدگی کے ساتھ انجام دیئے۔ ایگزیکٹو کمیٹی میں کرنل ایچ۔ ایف لائنز منٹگمری صاحب سپلائی اور ٹرانسپورٹ کور کے افسر تھے اور کمسریٹ کے کل انتظام انکے ذمہ تھے۔

لفٹنٹ کرنل سی۔ جے۔ بمبر کمشنر حفظان صحت اور لفٹنٹ کرنل۔ ایچ۔ بی۔ [illegible] منتظم ہیں۔ انہی کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ باوجود تمام ہندوستان میں طاعون

ہونے کے کمپ ہر قسم کے وبائی امراض سے محفوظ رہے اور اگر احتیاط نہ کی جاتی تو کم از کم ہیضہ کا ڈر تو ضرور تھا۔ جولائی ۱۹۰۲ء میں جبکہ کمپ کا کام شروع ہوا آخر تک طاعون کے صرف دس وقوعے ہوئے جن میں سے نو باہر کے تھے مگر عمدگی انتظام کی وجہ سے بیماری جگہ نہ پکڑ سکی۔

عمارتوں۔ سڑکوں اور چبوترہ کی تیاری اور آبرسانی کا کام رائے بہادر گنگا رام کی زیر نگرانی تھا۔ قلعہ میں برقی روشنی کا ٹھیکہ اوسلر وکمپنی نے اور سنٹرل کمپ میں برقی روشنی کا ٹھیکہ کلبرن وکمپنی نے لیا تھا۔ جابجا کمپوں میں جس قدر برقی ہنڈے لٹکائے گئے تھے اُن کی تعداد آٹھ ہزار تھی۔ برقی روشنی کی وجہ سے رات دن معلوم ہوتی تھی اور سماں تو قابل دید تھا۔ انتظام یہ کیا گیا تھا کہ مہینہ بھر کے عرصہ میں روشنی میں کسی قسم کا حرج واقع نہ ہو سکا۔

دربار کے لئے سولہ خاص ڈاکخانے اور بیشمار لیٹر بکس قایم کئے گئے تھے۔ رائے بہادر دولت رام سی۔ آئی۔ ای اور پوسٹ ماسٹر جنرل کی نگرانی میں یہ کام بخوش اسلوبی انجام کو پہنچا۔ محکمہ تار میں بھی گیارہ گھر کھلے تھے۔ اس کے افسر مسٹر ادلیس تھے بڑے بڑے کمپوں میں ٹیلفون لٹکائے گئے تھے اس سے عوام کو بہت آسایش رہی۔

مسٹر بوس کی خوش انتظامی کی وجہ سے جرایم کا انسداد خوب ہوا اور تجارت میں کسی قسم کی بیقاعدگی و بیضابطگی نہ ہونے پائی۔ مسٹر سی۔ برون انسپکٹر جنرل پولس پنجاب بھی اس کے بھی منتظم قرار دیئے گئے تھے۔

کشمیری اور موری دروازہ سے لیکر سنٹرل کمپ اور چبوترہ دربار تک لائٹ ریلوے بچھائی گئی اور جابجا اسٹیشن قایم کئے گئے تھے۔ علاوہ سرکاری ضرورتوں کے

عوام کے لئے بھی یہ ریل نہایت مفید ثابت ہوئی ۔ اس کا انتظام کپتان ایچ ۔ اے ایل ییپر آر ۔ ای کے سپرد تھا ۔ بڑی ریل کا اسٹیشن بھی سنٹرل کیمپ کے قریب بنایا تھا تمام دور دور کے شہروں سے جو مال واسباب آتا تھا وہ اس ریل کے ذریعہ سے کیمپ میں پہنچتا تھا ۔ کثرت کی وجہ سے تاخیر تو لابدی تھی ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صدر اسٹیشن ریل میں گنجایش کم تھی اور اگرچہ ضروری ترمیم کرکے جگہ نکالی گئی تھی مگر پھر بھی گنجایش اس قدر نہ ہوئی کہ ایسے بڑے کام کے اسباب کے لئے کافی ہوتی تاہم دربار کے اسٹیشن سے مسافروں اور تجار کو بہت آسایش اور کفایت رہی ۔ ہمیں امید ہے کہ آیندہ کسی موقع پر ریلوے اسٹیشن دہلی جہاں تین ریلوے کا مرکز ہو گئی ہے بہت وسیع ہو جائیگا ۔

افتتاح نمایش پر وایسرائے کی اسپیچ

ہمارے وزیٹروں سے بہت لوگ یقین کریں گے کہ سوائے درختوں کے تمام اشیاء جو ہم یہاں دیکھ رہے ہیں یہ صرف گزشتہ آٹھ مہینوں میں تیار ہوئی ہیں اپریل گزشتہ میں جب نمایش گاہ کی تیاری کا حکم دینے یہاں آیا تھا تو اشیاء موجودہ یعنی اس عمارت وغیرہ کا یہاں نام و نشان بھی نہ تھا ۔ اور اب بھی ہر چند کہ یہ مکانات وغیرہ بہت جلد یہاں سے محو ہو جائیں گے ۔ مگر اس نمایش سے جو اثر پیدا ہوگا یقین ہے کہ وہ جلد فراموش نہیں ہوگا ۔

میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اس نمایش کو فنونِ نفیسہ کے قایم کرنے کی کیوں ضرورت پیش آئی ۔ میں نے اس ملک میں پہنچکر شروع ہی سے اس ملک کی صنعت و حرفت پر غور کرنا شروع کیا ۔ اور جب دربار دہلی کا فیصلہ ہو چکا کہ جس میں شہنشاہ معظم کی

تاجپوشی کی رسم عمل میں آنے والی تھی اور جس میں کہ تمام ہندوستان کے والیان ریاست اور رؤسا عظام اور ہر درجہ کے شرفا شامل ہونے والے تھے تو مجھے خیال ہوا کہ اب وقت ہے کہ ہندوستان کی حرفتوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے یا اُن کے زوال کے روکنے کی تدبیر کی جائے۔ میں نے ڈاکٹر واٹس کو مدد کے لئے طلب کیا اور آپ لوگ اس مکان کے اندر جو کچھ دیکھو گے وہ سب ڈاکٹر واٹس اور اُنکے نائب مسٹر پرسی براؤن کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ جنہوں نے ہزار ہا میل ہندوستان کے ہر حصہ میں سفر کرکے یہ دستکاری کے نمونے منتخب کئے۔ یا اپنے نمونے کاریگروں کو دیکر اُنکی نقلیں بنوائیں اور جہاں جہاں روپیہ کی ضرورت تھی خرچ کرکے بہترین نمونے ہندوستانی دستکاری کے فراہم کئے۔ میں نے اس نمائش کے لئے تین شرائط قائم کردی تھیں۔

اول یہ کہ صرف آرٹس کی نمائش ہوگی۔ اس میں معمولی پیداوار کو دخل نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ اس قسم کی ایک بڑی نمائش کلکتہ میں ہے (عجائب گاہ کلکتہ کی طرف اشارہ تھا)

دوسری شرط یہ تھی کہ اس میں یوروپین یا نیم یوروپین طریقہ کی کوئی چیز نہو جیسے کہ شیشہ اور ٹین اور چمکدار کاغذ کے کھلونے وغیرہ۔ ہندوستان کے اپنے آرٹس بہت عمدہ ہیں۔

تیسری شرط یہ تھی کہ صرف سب سے اچھی چیزوں کو اس نمائش میں جگہ دیجائے جو خوبصورت عجیب اور نرالی ہوں۔ ہندوستانی وضع کی ایسی چیزیں نہوں جو برمنگھم سے ملسکتی ہیں یا شاید وہیں بنائی بھی جاتی ہیں۔

لکڑی۔ ہاتھی دانت۔ ریشم۔ قالین۔ اور دھاتوں کی قسم کی ایسی عمدہ حرفت کاری ہو جیسی کہ آپ یہاں دیکھینگے۔ یاد رکھئے کہ یہ نمایش ہی بازار نہیں ہے جہاں ہر قسم کی سستی چیزیں بھی ملسکیں۔ چونکہ آجکل ہندوستان میں مذاق خراب ہو رہا ہے ہمنے زمانہ گزشتہ کے بہترین نمونے جمع کئے ہیں جو مستعار کلکشن (مجموعہ) میں پائے جائیں گے۔ یہ ہندوستان کے والیان ریاست کی فیاضی سے ہمیں حاصل ہوئے ہیں بعض ان میں سے ہندوستان کے عجائب خانوں سے اکھٹے ہوئے ہیں اور بعض کنسنگٹن (انگلستان) کے ہندوستانی عجائب خانہ سے بھی منگوائے گئے ہیں۔ ہندوستان کا آرٹ غیر ممالک کے خیالات مستعار لینے سے ترقی نہیں کریگا بلکہ یہاں کے کاریگروں کے اپنے اصلی خیالات سے۔

اس زمانہ میں سستی چیزیں عمدہ چیز سے بہتر سمجھتے ہیں اور خوبصورت کو مضبوط سے۔ اسی وجہ سے پرانی حرفتیں اور دستکاریاں ہمیشہ کے لئے معدوم ہو رہی ہیں کوئی قومی آرٹ قایم نہیں رہ سکتا۔ جبتک کہ قومی ضرورت کو پورا نہ کرے۔ یقین ہے کہ یہ نمایش ایک ابجکٹ لیسن (سبق اشیاء) کا کام دیگی۔ اسکے کھولنے سے مقصود دکھانا ہے کہ ہندوستان ابھی کچھ کرسکتا ہے۔ ابھی یہاں کے دستکار کیا کچھ عجائبات تیار کرسکتے ہیں۔ ہمیں کلکتہ یا بمبئی کے یورپین دوکانوں کی طرف بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے ہندوستان کی بہت سی دوکانوں اور گھروں میں ایسی آرٹسٹکمٹ اور کاریگری کی چیزیں ملسکتی ہیں جو اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔ میں نے اسی غرض سے یہہ نمایش کھولی ہے اور امید ہے کہ یہ پیشہ یا نکس ([illegible]) مقصد کو پورا کریگی۔ کہ جس کے لئے اسے قایم کیا گیا ہے اور میں اسوقت اسکے افتتاح کر دینے کا اعلان کرتا ہوں۔

اس پر حضور ویسرائے اور والیان ریاستہائے ہند معہ اپنے رسالو اور اہلکاروں کے نمایش کے اندر چلے گئے اور چیزوں کو دیکھتے اور اُن کی تعریف کرتے رہے۔ ساڑھے بارہ بجے حضور ویسرائے تشریف لیگئے اُس وقت وہ دوسرے ہزارہا تماشائی کہ جن کے پاس ٹکٹ معائنہ رسم افتتاح تھے اندر داخل ہوکر نمایش دیکھنے لگے۔ اس بیش قیمت مجموعہ میں ہندوستان کے چابکدست صنّاعوں نے کیا کیا شعبدے اپنی کاریگری کے دکھلائے تھے۔

لارڈ کرزن بہادر کی اسپیچ دربار میں اور فرمان شاہی

یکم جنوری کو دربار ہوا اور گذر گیا اور اب اس دربار کی یادگار صرف اخباروں اور بعد ازاں کتابوں میں رہجائے گی۔ دربار کی شان و شوکت میں شک نہیں۔ ویسرائے بہادر کی اسپیچ اپنی بے نظیر فصاحت و بلاغت۔ روانی بیان اور ترتیب واقعات میں ایسی ہے جو کہ اس عالیشان دربار کے شایاں ہے۔ ملک معظم شاہ انگلستان و شاہ ہند نے ایک پیغام بھیجا تھا جو پڑھا گیا اور جس میں محبت اور ہمدردی رعایا سے کی گئی تھی جو ویسرائے نے سب کو سنایا۔

اسپیچ

لارڈ کرزن بہادر نے یہ فرمایا۔ وھو ہذا۔ پانچ مہینے کا عرصہ ہوا کہ بادشاہ انگلستان شہنشاہ ہند ایڈورڈ ہفتم نے اپنے سر پر تاج شاہی رکھا صرف چند ہندی والیانِ ملک اسوقت اپنی خوش قسمتی سے وہاں حاضر تھے۔ آج ملک معظم نے اپنے الطاف خسروانہ سے تمام ہندوستان کے رئیسوں شہزادوں اور اُمرا کو یہ موقع دیا ہے کہ وہ اس عالیشان

دربار میں شریک ہوں اور اپنی وفاداری کا ثبوت دیں یہ کل رئیس اور امراء ستون سلطنت ہیں۔ یورپ اور ہندوستان کے شہنشاہ ہند کی سلطنت کا کس جانکاہی سے اور اپنا فرض منصبی سمجھ کے انتظام کرتے ہیں۔ فوجیں کس بہادری سے اپنی حدود کی حفاظت کے لئے کمربستہ رہتی ہیں جو اس وقت صف بستہ موجود ہیں۔ لاکھوں آدمی محض مجلس تاجپوشی کی خوشی میں حصّہ لینے کے لئے کس طرح چاروں طرف سے امڈے چلے آتے ہیں۔

ملک معظم نے بحیثیت ویسرائے ہند مجھے حکم دیا کہ میں ایک دربار تاجپوشی منعقد کروں تاکہ اہل ہند کو اپنے جوشِ عقیدت اور وفاداری کے اظہار کا موقع ملے۔ اور بڑی بات یہ ہوئی کہ ملک معظم نے اپنے سگے بھائی کو اس جلسہ میں شرکت کی غرض سے روانہ کر دیا۔ ۲۶ چھبیس سال ہوتے ہیں کہ یہی جلسہ تاجپوشی اسی شہنشاہی شہر میں اسی جگہہ پر منعقد ہوا تھا۔ اور اس وقت ملکۂ آنجہانی نے خطاب قیصر ہند اختیار کیا تھا۔ اس دربار کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ ملکۂ آنجہانی کی محبت سب کے دلوں میں جاگزین ہو گئی تہی۔ اور ایک ہی تاج کے ماتحت ہونیکا خیال سب کا مضبوط ہو گیا تھا اور عام طور پر ایک یکجہتی قایم ہو گئی تہی آج جبکو ¼ صدی گذر گئی بہ نسبت اسوقت کے اب ہند کی سلطنت اور بھی متحد ہے اور وہ شاہ جس کے جلسۂ تاجپوشی کے دربار میں آج ہم شریک ہوئے ہیں اہل ہند کا وہ اسی طرح پیارا ہے کیونکہ انھوں نے اسے خود دیکھا ہے اور اسکی آواز سنی ہے۔ وہ آج اس تخت پر جلوہ افروز ہوا ہے جو نہ صرف شاندار ہے بلکہ زبردست پائدار ہے۔ لوگ خواہ کچھ ہی کیوں نہ کہیں لیکن میں تو یہ کہتا ہوں کہ ہندوستان کی سلطنت اور تخت کی پائداری کا بہت بڑا اصول ہے اور

ساتھ ہی اہل ہند کی وفاداری گویا اس بات کی ضامن ہے کہ تخت انگلستان لازوال ہو۔ جس طرح ہندوستان پہلی روایتوں میں اپنی دولتمندی میں مشہور ہو اسی طرح ہندوستان آج اپنی وفاداری پر فخر کرتا ہو جس میں مغرب کی وجہ سے اور بھی نئی روح پھنک گئی ہو۔ ایک عام یکجہتی پائی جاتی ہے اور کل رئیسوں اور ہندوستان کے حکمرانوں نے اپنے کو ایک ہی شاہ کے سپرد کر دیا ہے اور اسی پر بھروسہ کیا جاتا ہو۔

کیا دنیا میں کہیں اور بھی اس قسم کا نظارہ پایا جاتا ہو جو ہم اسوقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ گو مجھے تو یہ یقین ہے کہ اس کا نظیر تمام دنیا میں نہیں ہے لیکن میں زبان سے نہیں کہنا چاہتا۔ مجھے تو صرف یہ کہنا ہے کہ کس جوش و خروش سے لوگ یہاں جمع ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ اس وقت مختلف ریاستوں کے حکمران موجود ہیں جنکی رعایا کی کل آبادی ساٹھ ملین سے کم نہیں ہے اور جنکی عملداری کی حدود اربعہ ۵۵ درجہ طول بلد تک چلی گئی ہیں۔ وہ شاہ ایڈورڈ ہفتم سے محض اپنی وفاداری اور اطاعت کا اظہار کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔

ہم ان کے اس وفادارانہ جوش کی بڑی عزت کرتے ہیں جس سے وہ دہلی آئے اور زر خطیر خرچ کرنے کے علاوہ انھوں نے بعد مسافت کی تکلیف برداشت کی۔ اور اس وقت میں بہت فخر کرتا ہوں کہ خود ان ہی کی زبان سے شہنشاہ ہند کی مبارکباد کے الفاظ سنوں گا جو فوجی افسر اور سپاہی یہاں موجود ہیں یہ ہندوستان کی دولاکھ تیس ہزار فوج میں سے بلائے گئے ہیں۔ جنہیں بہت بڑا فخر اس بات پر ہے کہ وہ شاہ ایڈورڈ کی فوج ہیں اسوقت نظر کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہو کہ یہاں مختلف حکمران اور لوگوں کے قائم مقام جمع ہیں تو گویا تمام دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ یہاں

اسوقت موجود ہی۔ کل رعایا کے قائم مقاموں کا جمع ہونا۔ یا کسی رئیس کا ہونا گویا رعایا کا خود موجود ہونا ہی۔

سب میں ایک ہی جوش اور جذبہ ہے اور سب ایک ہی تخت کے آگے کھڑے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی یہ دریافت کرے آخر کونسی بات نے اُنھیں یہاں لاکے جمع کر دیا ہے۔ تو جواب یہی دیا جائیگا کہ وفادارانہ خیال اور تخت انگلستان کی محبت نے اور اُس بھروسہ نے جو وہ شہنشاہ ہند پر رکھتے ہیں۔ یہ بھروسہ اور جوش محبت کچھ یوں ہی تقلیدی نہیں پیدا ہو گیا ہی بلکہ پے درپے کے تجربوں کے بعد یہ بات پیدا ہوئی ہے۔ اس کی ادنئے وجہ یہ ہے کہ ملک معظم کی گورنمنٹ نے روزمرّہ کے حملوں اور طوائف الملوکی سے اُنھیں آزادی دیدی۔ اور اُنھیں وہ حقوق عنایت کئے جن کے وہ مستحق تھے۔

عام طور پر امن وانصاف کی ڈُنڈی پٹ گئی اور کل آدمیوں کو ترقی کرنے اور عزت حاصل کرنے کا موقع ملا۔ یہی اصول ہیں جن سے تمام سلطنت پر حکومت کی جاتی ہے اور تمام آدمیوں کے دلوں پر قبضہ ہو گیا ہے اور یہ اسی کا پَرتو ہے کہ آپ اس وقت مختلف دیار و امصار کے لوگوں کا مجمع ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ اب میرا فرض ہے کہ میں آپ کے آگے ۔

فرمان شاہی

پڑھوں (اور وہ یہ ہے) ما بدولت و اقبال اپنی وفادار رعایا کو اپنی اس تاجپوشی کے موقع پر مبارکباد دیتے ہیں۔ رئیسان ہند میں صرف چند رئیس لندن کے جلسۂ تاجپوشی میں شریک ہوئے تھے اس لئے میں نے اپنے ویسرائے و گورنر جنرل ہند کو ہدایت کی

کہ وہ مابدولت واقبال کی تاجپوشی کا ایک دربار دہلی میں منعقد کریں تاکہ کل ہندوستانی رئیسوں - سرداروں - رعایا - اور میری گورنمنٹ کے حکام کو اس شاندار جلسہ میں شریک ہونے کا موقع ملے -

وہ میرے ملک اور تخت سے جو کچھ وہ وفادارانہ پیش آتے ہیں اس سے میں بہت متاثر ہوں اور مجھے بڑا خیال ہے - کئی سال کے عرصہ میں انکی وفاداری اور جوش عقیدت کے حالات پے درپے میرے سننے میں آئے ہیں اور میری ہندوستانی افواج نے مختلف جنگوں میں جو فتوحات حاصل کی ہیں وہ میں برابر گوشگزار کرتا رہا ہوں -

مجھے امید تھی کہ میرا پیارا بیٹا شہزادہ ویلس اور پرنسز اف ویلس ہندوستان جائیں گے اور اس تاجپوشی کے دربار میں شریک ہوں گے - میرے دل میں اس امر کی بہت بڑی خواہش تھی کہ ایسا ہو اور خود پرنس اوف ویلس بھی یہی چاہتے تھے اور میں اس سے زیادہ خوش ہوتا اگر خود آتا اور تاجپوشی کی کل رسمیں اپنے ہاتھ سے ادا کرتا مگر ان میں سے کوئی بات نہو سکی - اس لئے میں نے اپنے بھائی کو بھیجا تاکہ میرے جلسہ تاجپوشی میں شاہی خاندان کے قائمقام بن کے شریک ہوں -

جب سے میں اپنی والدہ مکرمہ کوئن وکٹوریہ امپرس اف انڈیا کے بعد تخت نشین ہوا ہوں میری دلی خواہش یہی رہی ہے کہ میں اُن ہی اصول پر حکومت کروں جن اصول پر میری معزز مادر مہربان نے حکومت کرکے اپنی رعایا کے قلوب کو اپنے ہاتھ میں لیلیا تھا اور جو عجیب وغریب احترام رعایا نے اپنی مہربان قیصر ہند کا کیا وہ صرف رحیمانہ حکومت کا باعث تھا - میں پھر اُن ہی اصول کی تجدید کرکے بیان کرتا ہوں کہ میری رعایا کے وہی حقوق بحال رہیں گے جو اُسے پہلے سے حاصل ہیں - وہی آزادی قائم رہے گی

اور انکی بہبودی کا وہی خیال بابدولت و اقبال کو رہے گا۔

”خداوند عالم و عالمیان میری رہنمائی کرے گا تاکہ میں اپنی رعایا اور ملک کو سرسبز کرنے میں کامیابی حاصل کروں“

ای شاہزادگان و رئیسان والا تبار۔ و ای رعایائے ہند یہ الفاظ ہیں ملک معظم کے جو آپ کے آگے اسوقت بیان کئے گئے ہیں۔ ان الفاظ میں ایک خاص اثر ہے جن سے تمام افسر متاثر ہیں۔ مثل میرے اور میرے پیشروں کے جو براہ راست ہز مجسٹی کے گورنمنٹ کے آئے ہیں۔ یہ الفاظ انتظامی معاملات میں مثل رہنما کے کام دیتے ہیں ہندوستان کا انتظام فیاضی اور نرمی سے کرنیکا خیال اسقدر کبھی عروج پر نہ تھا۔ جتنا اسوقت پایا جاتا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے زیادہ تکلیف اٹھائی ہے زیادہ حق ہے۔ اور جنہوں نے عمدہ کام کیا ہے وہ عمدہ استحقاق رکھتے ہیں۔ شاہزادگان ہندوستان نے گزشتہ جنگوں میں اپنے سپاہی اور تلواریں ہماری نذر کیں اور ایسا ہی دیگر ضروریات مثلاً قحط وغیرہ کے موقع پر بھی فیاضی اور بہادری کا ثبوت دیا۔ جو کچھ ان کے پاس ہے انہیں اس سے زیادہ دینا محال ہے اور جو حفاظت ان کی موجودہ حالت میں ہے اس سے زیادہ یقینی بنانا غیر ممکن ہے۔ تاہم یہ تجویز خوشی کی مظہر ہے کہ گورنمنٹ عالیہ ان قرضوں پر جو دیسی ریاستوں کو گزشتہ قحطوں کے موقع پر دیئے گئے تین سال تک کوئی سود نہیں لیگی اور ہم امید کرتے ہیں کہ وہ لوگ جن سے ایسا فیاضی کا سلوک کیا گیا ہے اسے بخوشی منظور کریں گے۔

ہندوستان کے دیگر فریقوں اور جماعتوں میں بھی (ہم امید کرتے ہیں) بہت جلد شاہی عنایات کا اعلان کیا جائیگا۔ مالی سال کے وسط میں اعلان کرنا یا تخمینے پیش

کرنا خالی از وقت کام نہیں ہی تاہم اگر موجودہ حالت قایم رہی اور جو ہم معقول وجوہات کی بنا پر اُمید کرسکتے ہیں کہ ضرور قائم رہیگی تو گویا ہندوستان کی مالی حالت میں ترقی عمل میں آئی ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہز مجسٹی کے ابتدائی سالوں میں ہم لائل رعایا کے ساتھ ہمدردی اور فیاضی کا سلوک کرسکیں گے ۔

یہاں ضرورت نہیں ہے کہ میں اُن مہربانیوں اور رعایتوں کا بتفصیل ذکر کروں جن کا موجودہ وقت سے تعلق ہے مگر وہ کسی دوسری جگہہ مندرج ہیں ۔ البتہ اسقدر کہدینا ضروری ہی کہ فوج کے افسر جو آجکل انڈین سٹاف کاریس سے متعلق ہیں آئندہ اِن کا یہ نام نہ رہیگا ۔ اور وہ بھی انڈین آرمی آف دی کنگ (بادشاہ کی ہندوستانی فوج) کے متعلق سمجھے جائیں گے ۔

اے رعایا و شاہزادگان ہند ۔ جب ہم ہندوستان کے مستقبل پر نظر ڈالتے ہیں تو بغیر شک و شبہہ کے روشن امیدوں کا ایک وسیع میدان ہمیں دکھائی دیتا ہی ہندوستان کے متعلق کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے ۔ خواہ وہ آبادی کا ہو یا تعلیم کا یا محنت کا یا معاش کا کہ جسے مدبران ملک نے اچھی طرح سلجھا نہیں لیا ۔ اور بعض مسائل اب ہمارے سامنے حل ہو رہے ہیں اگر برطانیہ اور ہندوستان تو فقط افواج سرحد ہندوستان پر مستقل امن قائم رکھ سکتی ہیں ۔ اگر یوروپین اور دیسیوں میں اتحاد رہے اور اگر موسم خاطر خواہ رہیں تو کوئی چیز نہیں جو ہندوستان کی ترقی کو روک سکے بفضل خدا ہندوستان کا مستقبل زوال یا ناسازگی کا مستقبل نہوگا بلکہ وہ اپنی ترقی پذیر محنت بیداری قوائے اور بڑھنے والے تمول اور آرام اور دولت کے لئے خاص ہی اپنے ضمیر اور میرے ملک (انگلستان) کے مقاصد پر ہمیشہ بھروسہ رکھو ۔ لیکن یاد رہے کہ یہ محقق کبھی وقوع پذیر نہیں ہوسکتا جبتک

کہ کسی ایک بینظیر حکومت کی عظمت تسلیم نہ کیجائے۔ اور وہ حکومت صرف برٹش کروُن کی بدولت ممکن ہے۔

اب میں اُن آرائے کا خاتمہ کردینا چاہتا ہوں اور میں صدق دل سے اُمید کرتا ہوں کہ یہ بڑا مجمع سالہاسال تک یادگار رہے گا۔ کہ اسکی بدولت ہندوستانی رعایا اور شہنشاہ ہند کے باہمی تعلقات بہت زیادہ مضبوط ہوگئے۔ مجھے توقع ہی کہ اس موقع کی یاد ہمیشہ ہمارے سامنے خوشی اور خوشحالی لاتی رہے گی۔ اور شاہ اڈورڈ ہفتم کا زمانہ سلطنت جو خاص برکتوں کے ساتھ شروع ہوا ہی ہندوستان کی تاریخ اور رعایا کے دلوں میں محبت سے یاد کیا جائیگا۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ خداوند دوجہاں کے فضل وکرم سے شاہ موصوف کی حکومت اور طاقت سالہاسال تک قائم رہے۔ انکی رعایا کی ترقی روز بروز زیادہ ہو حکام بالا کا انتظام دانائی اور نیکی پر مبنی ہو اور اس سلطنت کی مضبوطی اور فائدہ مندی ابدالآباد تک قایم رہے۔ خدا شہنشاہ ہندوستان کی عمر دراز کرے۔

مندرجہ ذیل اصحاب دربار دہلی میں مدعو کئے گئے تھے

(الف) روسا با اختیار جنکو ہز اکسلنسی ویسرائے نے براہ راست مدعو کیا تھا۔

(ب) روسا با اختیار جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا۔

(ج) روسا باخطاب ودیگر ہندوستانی رئیس جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا۔

(د) صاحبان انگریز جن کو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا۔

نوٹ۔ (الف) (ب) (ج) والے پرونشل کیمپ میں مقیم تھے اور (د) والے سنٹرل کیمپ میں۔

نمبر شمار	نام احاطہ یا مقام	باختیار ریاستیں جنکو ہز اکسلنسی وائسراے نے مدعو کیا		باختیار رئیس جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا
		تعداد مدعو	تعداد انکی جنہوں نے شریک ہونا قبول کیا	تعداد مدعو
۱	مدراس	۲	۲	۱
۲	بمبئی	۳	۳	۱۴
۳	بنگال	۳	۴	۱
۴	ممالک متحدہ	۲	۲	۱
۵	پنجاب	۷	۶	۷
۶	برہما	۰	۰	۶
۷	آسام	۱	۱	۰
۸	ممالک متوسط	۰	۰	۶
۹	ممالک مغربی وشمالی	۰	۰	۳
۱۰	حیدرآباد	۱	۱	۰
۱۱	میسور	۱	۱	۰
۱۲	بلوچستان	۱	۱	۱
۱۳	متوسط ہندوستان	۱۵	۱۴	۴
۱۴	راجپوتانہ	۱۵	۱۴	۲
۱۵	بڑودہ	۱	۱	۰
۱۶	کشمیر	۱	۱	۰
۱۷	اجمیر مارواڑ	۰	۰	۰

نمبر شمار	نام احاطہ یا مقام	تعداد روسا باخطاب و معززین جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا	تعداد عہدہ داران دیگر معززین جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا
۱	مدراس	۴	۲
۲	بمبئی	۹	۴۰
۳	بنگال	۲۹	۳۰
۴	ممالک متحدہ	۴۲	۳۳
۵	پنجاب	۰	۸۶
۶	برہما	۰	۳
۷	آسام	۶	۲۱
۸	ممالک متوسط	۰	۳۴
۹	ممالک مغربی و شمالی	۲۰	۰
۱۰	حیدر آباد	۲	۵
۱۱	میسور	۰	۴
۱۲	بلوچستان	۳۰ + ۴۵	۰
۱۳	متوسط ہندوستان	۰	۰
۱۴	راجپوتانہ	۰	۰
۱۵	بڑودہ	۰	۰
۱۶	کشمیر	۰	۰
۱۷	اجمیر مدوارہ	۰	۴

نمبر شمار	نام احاطہ یا مقام	صاحبان انگریز جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا۔		
		مرد	عورت	میزان
۱	مدراس	۳۴	۱۷	۵۱
۲	بمبئی	۴۱	۱۴	۵۵
۳	بنگال	۳۲	۰	۳۲
۴	ممالک متحدہ	۲۹	۲۰	۴۹
۵	پنجاب	۱۹	۲۲	۴۱
۶	برہما	۲۲	۱۶	۳۸
۷	آسام	۱۷	۹	۲۶
۸	ممالک متوسط	۱۹	۲۲	۴۱
۹	ممالک مغربی وشمالی	۱۱	۱۰	۲۱
۱۰	حیدرآباد	۱۴	۸	۲۲
۱۱	میسور	۸	۶	۱۴
۱۲	بلوچستان۔	۱۶	۱۰	۲۶
۱۳	متوسط ہندوستان	۱۲	۱۳	۲۵
۱۴	راجپوتانہ	۲۱	۱۲	۳۳
۱۵	بڑودہ	۴	۸	۱۲
۱۶	کشمیر	۷	۴	۱۱
۱۷	اجمیر مارواڑ	ـــ	ـــ	..

(الف) روسار با اختیار جنکو ہز اکسلنسی ویسرائے نے مدعو کیا تھا

مدراس

ہز ہائنس راجہ صاحب کوچین   ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ٹراونکور

بمبئی

ہز ہائنس راؤ صاحب - کچھہ   ہز ہائنس میر صاحب - خیرپور

ہز ہائنس مہاراجہ صاحب - کولہاپور

بنگال

ہز ہائنس مہاراجہ صاحب - کوچ بہار۔   ہز ہائنس مہاراجہ صاحب - سکم

ہز ہائنس راجہ صاحب - کوہیڑا

ممالک متحدہ

ہز ہائنس مہاراجہ صاحب - بنارس -   ہز ہائنس نواب صاحب - رامپور

پنجاب

ہز ہائنس نواب صاحب - بہاولپور   ہز ہائنس راجہ صاحب - فریدکوٹ

ہز ہائنس راجہ صاحب - جیند -   ہز ہائنس راجہ صاحب - کپورتھلہ

ہز ہائنس راجہ صاحب - نابھہ -   ہز ہائنس مہاراجہ صاحب - پٹیالہ

ہز ہائنس راجہ صاحب - سرمورناہن -

آسام

ہز ہائنس راجہ صاحب - منی پور -

حیدرآباد

ہز ہائنس نظام صاحب ۔ حیدر آباد

میسور

ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ میسور ۔

بلوچستان

ہز ہائنس خان صاحب ۔ قلات ۔

ممالک متوسط

ہز ہائنس بیگم صاحبہ ۔ بھوپال ۔
ہز ہائنس مہاراجہ صاحب چھترپور ۔
ہز ہائنس سینیر راجہ صاحب ۔ دیواس ۔
ہز ہائنس راجہ صاحب ۔ دہار ۔
ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ اندور ۔
ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ اورچھا
ہز ہائنس راجہ صاحب ۔ رتلام ۔
ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ سمتھر ۔
ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ چرکھاری
ہز ہائنس مہارا صاحب ۔ دتیا ۔
ہز ہائنس جونیر راجہ صاحب دیواس
ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ گوالیار
ہز ہائنس نواب صاحب ۔ جاورہ
ہز ہائنس راجہ صاحب ۔ راجگڑھ
ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ ریوا

راجپوتانہ

ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ الور ۔
ہز ہائنس مہاراؤ راجہ صاحب ۔ بُندی ۔
ہز ہائنس مہاراول صاحب ۔ ڈونگرپور ۔
ہز ہائنس راج رانا صاحب ۔ جھالاوار ۔
ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ بیکانیر
ہز ہائنس مہاراجہ رانا صاحب ۔ دہولپور
ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ جیسلمیر ۔
ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ جودھپور

ہزہائنس مہاراجہ صاحب - قرولی۔
ہزہائنس مہاراجہ صاحب - کشنگڈھ
ہزہائنس مہاراؤ صاحب - کوٹہ ۔
ہزہائنس مہاراؤ صاحب - سروہی۔
ہزہائنس نواب صاحب - ٹونک
ہزہائنس مہارانا صاحب - اودیپور۔

بڑودہ

ہزہائنس گیکواڑ صاحب - بڑودہ

کشمیر

ہزہائنس مہاراجہ صاحب - کشمیر۔

(ب) روسا باختیار جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا تھا

مدراس (ب)

ہزہائنس مہاراجہ صاحب پوڈوکوٹہ

بمبئی (ب)

فہرست روسا بمبئی پریسیڈنسی جنکو ہز اکسلنسی گورنر بمبئی نے مدعو کیا تھا

	تعداد سلامی		تعداد سلامی
کیمبے -	۱۱ توپ	بانسدا -	۹ توپ
جنجیرا-	۹ توپ	جوناگڈھ -	۱۱ توپ
بھاؤنگر-	۱۱ توپ	پوربندر-	۱۱ توپ
موروی-	۱۱ توپ	گونڈل	۱۱ توپ
پلیٹنا -	۹ توپ	ایدر-	۱۵ توپ
لمبدی-	۹ توپ	راج پیپلا-	۱۱ توپ
بارٹریا-	۹ توپ	ہزہائنس جناب سلطان صاحب شہر وموقلا (عدن سلم)	۱۲ توپ

بنگال (ب)

ہز ہائنس راجہ صاحب - مہر بانج

ممالک متحدہ (ب)

ہز ہائنس راجہ صاحب ٹہیری (گڈھ وال)

پنجاب (ب)

راجہ صاحب - نالاگڈھ (ہندور) راجہ صاحب - کونتھل -
راجہ صاحب - چمبا سردار صاحب - کلسیا
نواب صاحب - لوہارو - نواب صاحب - دوجانہ
خلف الرشید نواب صاحب - مالیر کوٹلہ

برہما (ب)

ریاستہائے جنوبی شان

کنکیا صاحب - کے - ایس - ایم - سابوا - موگنی -
ساہانگ صاحب - کے - ایس - ایم - سابوا - یانگ ہیو -
ساکیوان کیا ان ٹالینگ صاحب - کے - ایس - ایم - سابوا - کینگ ٹونگ
ہلنتی صاحب - کے - ایس - ایم - سابوا - مونگ پان -
سالوا صاحب - ٹی - ڈی - ایم - میوزا - کنترا ولادی -

ریاستہائے شمالی شان

سانامونگ صاحب - کے - ایس - ایم - سابوا - جنوب سنوی -
بی - ایس - کیری صاحب بہادر سی - آئی - ای مہتمم ریاست معہ میم صاحبہ کے -

ممالک متوسط (ب)

راجہ صاحب - رہراکول　　راجہ صاحب - بمرا - سی - آئی - ای -
راجہ صاحب - رائے گڈھ　　راجہ صاحب - خیراگڈھ
راجہ صاحب - سکرئی　　راجہ صاحب - سنپور

ممالک مشرق و مغربی سرحد (ب)

مہتر صاحب - چترال　　نواب صاحب - دیر
خان صاحب - نواب گائی

بلوچستان (ب)

جام صاحب - لاس بیلا -

سنٹرل انڈیا (ب)

رانا صاحب - برڑوانی　　ٹھاکر صاحب - پیپلودہ
راؤ صاحب - علی پور - سی - ایس - آئی -

راجپوتانہ (ب)

چیف صاحب - شاہپورہ　　ٹھاکر صاحب - لاوا

(ج) روسا باخطاب و دیگر معززین جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا تھا

مدراس (ج)

سر محمد منور صاحب - کے - سی - آئی - ای - خان بہادر - پرنس ارکوٹ -
مہاراجہ نگراؤ صاحب - کے - سی - آئی - ای - راجہ بوبلی - زمیندار ضلع ویزاگپٹم
مہاراجہ صاحب - جیپور - زمیندار - ضلع ویزاگپٹم -

راجہ۔ دیون کاتاگیری صاحب کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ زمیندار ضلع نیلور۔

زمیندار صاحب دیرہ کوٹہ۔ ضلع گنجام۔

راجہ پرلاکمیدی صاحب۔ زمیندار ضلع گنجام۔

زمیندار۔ آئیاپورم صاحب۔ ضلع ٹی نی دیلی۔

زمیندار مندواسہ صاحب۔ ضلع گنجام۔

راجہ۔ کلی کوٹہ۔ وسآناگدا صاحب۔ زمیندار ضلع گنجام۔

آنریبل دیوان بہادر۔ ایس سری نواسارنگھوا ایان گرایورگل۔ سی۔ آئی۔ ای

راجہ سر صاحب۔ ایس رام سوامی مودالیار۔ سی۔ آئی۔ ای۔

آنریبل جبلنگم مودالی یار صاحب۔ سی۔ آئی۔ ای۔ رائے بہادر ممبر لیجسلیٹو کونسل۔

آنریبل نواب سید محمد صاحب بہادر ممبر لیجسلیٹو کونسل۔

ایم۔ آر۔ رائے۔ سی۔ سنکرن نیار ایورگل۔ گورنمنٹ پلیڈر۔ مدراس۔

آنریبل۔ جی۔ سری نورساراؤ۔ ممبر لیجسلیٹو کونسل۔

آنریبل پراجو ٹیلولو۔ ممبر لیجسلیٹو کونسل۔

آنریبل۔ پی۔ اتناسبھاپتی۔ پلی۔ ممبر لیجسلیٹو کونسل۔

آنریبل رائے بہادر۔ پی انند اچرلو۔ ایورگل۔ سی۔ آئی۔ ای۔ ممبر وائسرائے لیجسلیٹو کونسل۔

راجہ صاحب ویلو دیوا۔ راجہ گارو۔ گرلنگو دی۔ ضلع مالابار

ایم۔ آر۔ رائے۔ سی۔ آر پٹیم بی ریلیا۔ آیار ایورگل۔ جج شہر۔ عدالت دیوانی۔

مسٹر۔ این صبرامنی یم۔ بیرسٹر ایٹ لا۔ جنرل منتظمات۔

دیوان بہادر۔ سی۔ راجچندرا راؤ صاحب۔ وکیل ہائیکورٹ۔

دیوان بہادر۔ پی۔ راجہ اتھناموا دلی یار ایورگل۔ سی۔ آئی۔ ای۔ محکمہ آبپاشی۔

ایم۔ آر۔ رائے۔ اے الشوامی یتواو۔ ایورگل۔ ضلع تن جورا۔

بمبئی (ج) شمالی ڈویژن

نام سکونت

میر سظفر حسین خاں صاحب۔ سکونت سورت

راؤ بہادر حمایت لعل دیوچ رام صاحب احمد آباد

آنریبل راؤ بہادر چنی لعل وی لعل صاحب سی۔ آئی۔ ای۔ بھڑوچ

بیچے داس دہاریداس صاحب دیسا۔ خیرا

رائے بہادر مکند رائے منی رائے صاحب۔ سورت

ٹھاکر صاحب۔ آگلیا۔ ضلع احمد آباد

خان بہادر نورجی پستم جی صاحب وکیل۔ سی۔ آئی۔ ای۔ احمد آباد

رائے بہادر راجندرا صاحب ترمباک آچاریہ تھانہ

آنریبل سٹر گوکل داس خان داس صاحب۔ بیرک بے اے۔ ایل ایل بی۔ بمبئی

گنگادھر جیمن سوامی صاحب۔ ستارہ ڈسٹرکٹ (سنٹرل دویژن)

نگاجوری راؤ راجندر راؤ صاحب۔ پنکاری۔ کھولاپور

خان صاحب دیامیاں انور خاں۔ ضلع خاندیس

آنریبل سٹر ہری سیتا رام صاحب۔ ڈکسٹ۔ بی اے ایل ایل بی۔ بمبئی

آنریبل سٹر جی کے گوکل صاحب۔ بی۔ اے۔ بمبئی

رام کرشنا گوپال بھنڈر کر صاحب۔ ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ بمبئی

ورچند دیپ چند صاحب - سی - آئی - ای - شولاپور بمبئی

حصّہ شمالی

لن گوپا چیاپا عرف آپا صاحب - دیسی ضلع بیل گاؤں -

لکھم گودا لبساؤ پرابھو صاحب - بیرسٹر ایٹ لا - ایضاً

راجندرا راؤ وشو وس راؤ عرف بالا صاحب - سونت بہونسل - ایضاً

ونایک ڈہندی راج بی والکر صاحب - ضلع کولابا -

آنریبل مسٹر دے - جی آباجی لوخیری - بی - اے ایل ایل بی - بمبئی

آنریبل راؤ بہادر اجیت البکر دیسی - سنگلی - ایس - ایم - سی - شہر بمبئی

جمشید جی - نارسروان جی صاحب - تاتا -
بمبئی -

فضل بھائی وسرام صاحب - سی - آئی - ای -
ایضاً

جمشید جی - جی جی بھائی صاحب (بیرسٹر)
ایضاً

ہرکشنداس ناروتم داس صاحب -
بمبئی

ہزہائنس سر آغا سلطان محمد شاہ - آغا خان صاحب کے - سی - آئی - ای - بمبئی

آنریبل مسٹر فیروز شاہ مروان جی مہتا صاحب - سی - آئی - ای -
بمبئی

آنریبل سر بال چندرا کرشنا بہاٹا دیدی کار صاحب - نائٹ
بمبئی

ڈاکٹر تلم جی بہیکاجی - ماری ین صاحب -
بمبئی

مسٹر بھوان جی ڈنشا پیٹٹ صاحب
بمبئی

مسٹر ڈنشا نانک جی پیٹٹ صاحب ([illegible])
بمبئی

آنریبل مسٹر بدرالدین حبیب جی صاحب -
بمبئی

آنریبل مسٹر ابراہیم رحمت اللہ صاحب ۔	بمبئی
آدم جی پیر بھائی صاحب ۔	بمبئی
آنریبل مسٹر جسٹس نراین گنیش چنداوارکر صاحب ۔	بمبئی
ل جی بھوانی داس بار بہایا صاحب ۔	بمبئی
گوردہن داس خٹؤ مکن جی صاحب ۔	بمبئی
وتل داس دامودر ٹھاکر سہائے صاحب ۔	بمبئی
گوردہن داس گوکل داس تیج پال صاحب	بمبئی
آنریبل مسٹر ایس ۔ ایم موسس صاحب ۔	بمبئی
ایچ ایچ میر محمد حسین علیخاں صاحب ۔ سی ۔ آئی ۔ ای ۔	حیدرآباد
ایچ ایچ میر نور محمد خاں صاحب ۔	حیدرآباد
میر رستم خاں صاحب ۔	ضلع سکر
آنریبل میر الہ بخش خاں صاحب ۔	حیدرآباد
شمس العلما پیر میاں شاہ مردان شاہ صاحب ۔	ضلع شکارپور
ملک صفدر خاں صاحب بالا خاں ۔	ضلع کراچی
جام بہو خاں صاحب ۔	ضلع شکارپور
ٹھل رام کھیم چند صاحب ۔ سی ۔ آئی ۔ ای ۔	کراچی
دوپرو الہ بخش خاں صاحب ۔	ضلع شکارپور
ودیرو علی مراد صاحب ۔	اپر سندھ ضلع فرانٹیئر
خان بہادر نہادر خاں صاحب ۔	ضلع لارکانا

آنریبل سردار گنپت راؤ مادہوا راؤ ونچرکر صاحب۔	ضلع ناسک
اننت راؤ خاندے راؤ عرف بالا صاحب راستی۔	پونا

سی-آئی-ای-یا سی-ایس-آئی

بھامن جی جاماس جی صاحب دستور۔	بمبئی
خان بہادر منچرجی کاؤس جی صاحب مرزبان۔	بمبئی
نوروجی مانک جی صاحب ویدیا۔	بمبئی
خان بہادر مان جی چیرجی رستم جی صاحب دیولو۔	عدن
ایڈل جی صاحب ڈنشا۔	کراچی
خان بہادر سردار محمد یعقوب شیخ اسمٰعیل صاحب۔	حیدرآباد سندھ
فردون جی کنورجی صاحب تاراپور والہ۔	احمد آباد

بنگال (ج)

لیجسلیٹو کونسل کے نومبر

مہاراجہ صاحب بہادر سر جوتندرو موہن۔ ٹیگوری۔

مہاراجہ صاحب بہادر سر نرائن ورا کرشنا۔

مہاراجہ صاحب۔ نادیا۔

مہاراجہ صاحب۔ سبرسا۔

مہاراجہ صاحب۔ دربنگا۔

مہاراجہ صاحب۔ چھوٹا ناگپور

مہاراجہ صاحب۔ میمن سنگھہ

مہاراجہ صاحب بہادر بیٹھور۔
مہاراجہ صاحب بہادر۔ وینا جپور۔
مہاراجہ صاحب بہادر۔ درگا چرن - لا
مہاراجہ صاحب بہادر۔ سریا کنتا آچاریہ
مہاراجہ صاحب بہادر۔ ہیتم پور۔
مہاراجہ صاحب بہادر۔ بنے لی۔
مہاراجہ صاحب بہادر - خاسیرا۔
مہاراجہ صاحب بہادر۔ تہرپور۔
مہاراجہ صاحب بہادر۔ نصیرپور۔
مہاراجہ صاحب بہادر۔ دیگا پٹیا۔
مہاراجہ صاحب بہادر۔ کہنٹا ناتھ دی۔
مہاراجہ صاحب بہادر - سر سرندر موہن تگوری۔
مہاراجہ صاحب بہادر۔ پیارے موہن مکرجی۔
مہاراجہ صاحب بہادر۔ مان بہاری کپور - بردوان -
مہاراجہ صاحب بہادر۔ لی نے کرشنا۔
مہاراجہ صاحب کنور۔ بردوان۔
پرنس کنور صاحب - رکدر۔
صاحبزادہ محمد بختیار شاہ صاحب۔
نواب صاحب بہادر۔ مرشد آباد

نواب صاحب - دکن - نواب صاحب - بوگرا -

نواب سید امیر حسین صاحب - سی - آئی - ای -

ہری دتاری بوموننگ چٹاگنگ صاحب - احاطہ بہار

ممالک متوسط (ج)

تعلقہ دارانِ اودھ

مہاراجہ بھگوتی پرساد سنگھہ صاحب - بلرام پور

مہاراجہ سر پرتاب نراین سنگھ صاحب - کے - سی - آئی - ای - اجودھیا -

رانا بھوراج سنگھہ صاحب - ہٹلری (خجور گاؤں)

راجہ جگ موہن سنگھہ صاحب - سی - آئی - ای - اترا چاندا پور -

راجہ رام پال سنگھہ صاحب - کالا کنکر

راجہ رام پال سنگھ صاحب - کوری سدہولی -

امیر الدولہ سید الملک ممتاز جنگ راجہ سر محمد امیر حسین خاں صاحب خان بہادر کے - سی - آئی - ای - محمد آباد

آنریبل راجہ تصدق رسول خاں صاحب - سی - ایس - آئی - جہانگیر آباد

راجہ پرتاب بہادر سنگھ صاحب - کالا پرتاب گڈھ

راجہ بھوپ اندرا بکرام سنگھ صاحب - سی - آئی - ای - بیگ پور

معززین صوبہ آگرہ

راجہ فتح سنگھ صاحب - پوایان -

جے کرشنا داس بہادر صاحب - سی - ایس - آئی -

راجہ شیام سنگھ صاحب۔ تاج پور

راجہ کرشنا کنور صاحب۔ سسیرام

راجہ رام پرتاب سنگھ صاحب۔ مین پوری۔

راجہ بلونت سنگھ صاحب۔ سی۔ آئی۔ ای۔ آدا۔

راجہ کہوسل کشور پرشاد مل صاحب بہادر۔ منجھولی۔

راجہ رام سنگھ صاحب۔ بستی۔

راجہ محمد سلامت شاہ صاحب۔ اعظم گڈھ

راجہ صاحب۔ مرسان۔ راجہ رنبہیر سنگھ صاحب۔ دہرہ

آنریبل نواب ممتاز الدولہ محمد فیاض علیخاں صاحب۔ پہاسو۔

نواب یوسف علی خاں صاحب۔

نواب اسد اللہ خاں صاحب خان بہادر وائس چیرمین میونسپل بورڈ میرٹھ

نواب احمد شاہ صاحب۔ سردھنہ

راجہ اودے راج سنگھ صاحب۔ کاشی پور

راجہ بھو بندر بہادر سنگھ صاحب۔ کن ٹنٹ

راجہ ٹھاکر پرشاد نراین صاحب۔ دیولہ ہلدی۔

راجہ رام پرتاب سنگھ صاحب۔ مانڈا

راجہ رام سنگھ صاحب۔ رامپور

راجہ نرپت سنگھ صاحب۔ اسوتر۔

راجہ سردار سنگھ صاحب بہادر۔ کھیڑہ

مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب ۔ سی ۔ ایم ۔ جی ۔

مہامہوپدیایا پنڈت مہیش چندرا نیایا رتنا صاحب ۔ سی ۔ آئی ۔ ای ۔

پنڈت ہیت رام صاحب ۔ سی ۔ آئی ۔ ای ۔

شیخ حافظ عبد الکریم خاں صاحب خان بہادر ۔ سی ۔ آئی ۔ ای ۔

منشی عبد الکریم خاں صاحب ۔ سی ۔ آئی ۔ ای ۔ سی ۔ وی ۔ او ۔

نواب محسن الملک صاحب آنریری سکرٹری ۔ ایم ۔ اے ۔ او ۔ کالج علیگڈھ

رائے کرشنا شاہ بہادر صاحب ۔ آنریری مجسٹریٹ و ممبر میونسپل بورڈ نینی تال ۔

بابو منوہر لعل صاحب ۔ چیرمین ۔ میونسپل بورڈ ۔ فیض آباد ۔

سلیمان قدر مرزا محمد حسین علی صاحب بہادر (خاندان شاہی اودھ)

نواب مہدی حسین خان صاحب بہادر (ابو صاحب) لکھنو ۔

عہدہ داران سرکاری

کنور بھرت سنگھ صاحب ۔ ڈسٹرکٹ جج قانونی عدالت سول ۔

پنڈت رانا شنکر مصرا صاحب ۔ مجسٹریٹ و کلکٹر قانونی عدالت سول

١	جج عدالت خفیفہ	اودھ
١	ایضاً	آگرہ
١	ڈپٹی کلکٹر	اودھ
١	ایضاً	آگرہ
١	ماتحت جج	اودھ
١	ایضاً	آگرہ

۱ پولیس انسپکٹر۔

۱ افسر محکمہ تعلیم۔

۱ اسسٹنٹ ڈاکٹر

۱ انجنیر محکمہ آبپاشی

۱ انجنیر محکمہ سڑک وغیرہ

۱ منصف اودھ

۱ ایضاً آگرہ

پنجاب (ج)

مرزا محمد کیوان شاہ صاحب عرف ثریا جاہ۔ ضلع دہلی

سردار جیون سنگھ صاحب شاہد۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ضلع انبالہ

نواب ابراہیم علی خاں صاحب۔ کنجپورہ۔ ضلع کرنال۔

نواب بہادر عظمت علی خاں صاحب۔ منڈال۔ ضلع کرنال

خان بہادر مولوی سید ضیاء الدین خاں صاحب شمس العلماء۔ ایل ایل ڈی ضلع دہلی

برخوردار سر محمد باقر علی خاں صاحب۔ سی۔ آئی۔ ای۔ ضلع انبالہ

سردار دیو اندر سنگھ صاحب۔ سالونی۔ ضلع انبالہ

سردار بچتاب سنگھ صاحب۔ سالونی۔ ضلع انبالہ

سردار نراین سنگھ صاحب۔ نانک ماجرا۔ ضلع انبالہ

سردار بہادر ہرنام سنگھ صاحب۔ ضلع انبالہ

سید احمد صاحب امام جامع مسجد۔ دہلی

میاں اوروسنگھہ صاحب برادر میاں پردوان سنگھہ ۔ ضلع انبالہ

میاں گوردہن سنگھہ صاحب ۔ رام گڈھ ۔ ضلع انبالہ

میاں سکھہ درشن سنگھہ صاحب ۔ رام گڈھ کجولی ۔ ضلع انبالہ

خان صاحب محمد عالم خاں صاحب ۔ کوٹلہ نہانگ ۔ ضلع انبالہ

سردار کشن سنگھہ صاحب ۔ تھل تہنگر ۔ ضلع کرنال ۔

سردار جسمیر سنگھہ صاحب ۔ تھل تہنگر ۔ ضلع کرنال

سردار بہادر جوالا سنگھہ صاحب ۔ جھرولی ۔ ضلع کرنال

سردار پرتاب سنگھہ صاحب ۔ ایس ۔ بی ۔ مین پور ۔ ضلع انبالہ

سردار گوردت سنگھہ صاحب ۔ صاحبزادہ سردار رام سنگھہ شام گڈھ ۔ ضلع کرنال

قسمت جالندہر

راجہ جے چند ہاتری صاحب ۔ میجر ۳۷ ڈگرس ۔ لمباغراؤں ۔ کانگرا

راجہ جی سنگھہ صاحب سبا ۔ کانگرا

راجہ ندر چند ۔ نودوں ۔ کانگرا

کنور سر ہرنام سنگھہ صاحب ۔ کے ۔ سی ۔ آئی ۔ ای ۔ کپورتھلہ ۔ جالندہر

سردار پرتاب سنگھہ صاحب اہلوالیہ ۔ جالندہر

سردار چرن جیت سنگھہ صاحب ۔ اہلوالیہ ۔ جالندہر

راجہ رام پال ۔ کٹ لر ۔ کانگرا

گرد نونہال سنگھہ صاحب ۔ کرتار پور ۔ جالندہر

راجہ رگھناتھ صاحب جیسوان ہوشیارپور

سودیرام نراین سنگھہ - اتند پور -	شیار پور
بیدی سبحان سنگھہ صاحب -	ہوشیارپور
سردار بدن سنگھہ صاحب - مالودہ -	لودہیانہ
محمد طاہر صاحب -	لودہیانہ
سردار بلونت سنگھہ صاحب - سیر -	لودہیانہ
رانا لہنا سنگھہ صاحب - مناسوال -	ہوشیارپور
صوبہ دار سردار البیل سنگھہ - لودہرن	لودہیانہ
صوبہ دار سردار ہری سنگھہ - لدہرن -	لودہیانہ

قسمت لاہور

سردار بخشیش سنگھہ صاحب سندہن والیہ -	امرتسر
سردار امراؤ سنگھہ صاحب - مجیتیا -	امرتسر
نواب فتح علی خاں صاحب - قزلباش -	لاہور
سردار بہادر نارندر سنگھہ صاحب -	لاہور
ٹھاکر جہین چند صاحب -	گورداسپور
بھائی گوربخش سنگھہ صاحب -	امرتسر
دیوان نرندر ناتھہ صاحب - ایم - اے -	لاہور
سردار سروپ سنگھہ صاحب - مالوی	لاہور
سردار بلونت سنگھہ صاحب - بٹالہ -	گوجرانوالہ
سردار آرور سنگھہ صاحب - نوشیرہ ناگل -	امرتسر

رچپال سنگھ صاحب۔ سرلوالی۔	سیالکوٹ
سردار دیال سنگھ صاحب۔ رنجہا ہیا۔	سیالکوٹ
دیوان ہری سنگھ صاحب۔ عقل گڑھ	گوجرانوالہ
رائے بہادر سودی حکم سنگھ صاحب۔ دیوان بہادر۔	لاہور
سردار بہادر ارجن سنگھ صاحب۔ چیپال۔	امرتسر
خان بہادر میاں غلام فرید خان صاحب۔	گورداسپور
سٹر مدان گوپال صاحب (ممبر پنجاب لیجسلیٹو کونسل)	لاہور

قسمت راولپنڈی

آنریبل سر بابو کھیم سنگھ صاحب۔ بیدی کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔	راولپنڈی
ملک عمر حیات خاں صاحب۔ تیوانہ۔	شاہ پور
ملک غلام محمد خاں صاحب۔ جودھرا۔	راولپنڈی
راجہ علی بہادر خاں صاحب۔	گجرات
سردار ٹیک سنگھ صاحب۔ جھلیچی۔	راولپنڈی
ملک محمد امین خاں صاحب۔ شمس آباد	راولپنڈی
راجہ کریم داد خاں صاحب۔ گکھر۔	راولپنڈی
سودی شیر سنگھ صاحب۔ ہرن پورہ۔	جہلم
محمد حیات خاں صاحب۔ احمد آباد۔	جہلم
سٹر جہن جیمی۔ ایف۔ کمادور۔ کے۔ بی۔ سی۔ آئی۔ ای۔	راولپنڈی
ملک مبارز خاں صاحب۔ جہان آباد۔	شاہ پور

ملک خدا بخش صاحب۔ ٹیوانہ۔	شاہ پور
خان بہادر ملک حکیم خاں صاحب۔ نون یا اس کا بھتیجہ محمد حیات خاں۔	شاہپور
ملک خان محمد خاں صاحب۔ ٹیوانہ۔	شاہ پور

قسمت ملتان

مخدوم حسین بخش صاحب۔	ملتان
آنریبل نواب سر امام بخش خانصاحب مزاری۔ کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔	ڈیرہ غازیخاں
سردار بہرام خاں صاحب خلف الرشید آنریبل نواب سر امام بخش خانصاحب مزاری کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔	ڈیرہ غازی خاں
لطف حسین خاں صاحب عرف میاں شاہ نواز خاں سرائی۔	ڈیرہ غازیخاں
خان بہادر محمد عبد اللہ خاں صاحب سی۔ آئی۔ ای۔ عیسیٰ خیل۔	میاں والی
ملک یار محمد خاں صاحب۔ کالا باغ۔	ایضاً
سردار بہادر خان خوشا صاحب۔	ڈیرہ غازی خاں
سردار ابراہم خاں صاحب۔ دریشک۔	ایضاً
سردار جلب خاں صاحب۔ گورچنی۔	ایضاً
سردار محمد حسین خاں صاحب۔ بوزدر کلاں۔	ایضاً
سردار لورنگ خاں صاحب۔ پیشوا فرقہ سوری لوند کے۔	ایضاً
سردار فضل علی خاں صاحب۔ کسراین۔	ایضاً
سردار مسور خاں صاحب۔ ٹبی لوند کے پیشوا۔	ایضاً
خان بہادر شریف اللہ خاں صاحب۔ خان گڈھ۔	مظفر گڈھ

اسحاق محمد خاں صاحب ۔ ملتان

مولا داد خاں صاحب جھنگ

امیر علی خاں صاحب ۔ ایضاً ۔

سردار تیغیا خاں صاحب ۔ لگھوری ۔ ڈیرہ غازی خاں

برہما (ج)

مونگ لو پی صاحب اے ۔ ٹی ۔ ایم ۔ میوک ۔

مونگ ٹن صاحب گیا ۔ ٹی ۔ ڈی ۔ ایم ۔ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر

مونگ اونگ لان صاحب ۔ کے ۔ ایس ۔ ایم ۔ ایضاً

آنریبل یو پو صاحب ۔ کے ۔ ایس ۔ ایم ۔

مونگ سان صاحب ۔ پی ۔ ٹی ۔ ڈی ۔ ایم ۔ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر

مونگ ہور صاحب ۔ ٹی ۔ ڈی ۔ ایم ۔ میوک

یو ۔ پی ۔ گیا تھو صاحب ۔ کے ۔ ایس ۔ ایم ۔

مونگ تھا صاحب ۔ ڈو ۔ وی ۔ اے ۔ ٹی ۔ ایم ۔

مونگ شن ۔ گیوی صاحب ۔ اے ۔ ٹی ۔ ایم ۔ میوک ۔

مونگ تن مون صاحب ۔

مونگ کت صاحب ۔ کے ۔ ایس ۔ ایم ۔ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر

مونگ شو دی پو صاحب ۔ اے ۔ ٹی ۔ ایم ۔ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر

مونگ لڑن صاحب ۔ کے ۔ ایس ۔ ایم ۔ میوک ۔

مونگ تہو ۔ متاؤ ۔ یو ۔ ٹی ۔ ڈس ۔ ایم ۔ صاحب ۔

مونگ۔ نی صاحب۔ اے۔ ٹی۔ ایم۔

مونگ شیوی تہا صاحب۔ اے۔ ٹی۔ ایم۔

مونگ تن ہلا صاحب۔ ٹی۔ ڈی۔ ایم۔

مونگ شادی۔ پی۔ کے۔ ایس۔ ایم صاحب سابق اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر

مکن سون صاحب کے۔ ایس۔ ایم۔ میوک۔ مہتمم ریاست ماتحت سوم ہسائی۔

مونگ پو صاحب۔ اے۔ ٹی۔ ایم میوزا۔ ہسامونگ مکن۔

آسام (ج)

سری جت لل بہوج صاحب بروا۔	لکھیم پور
رائے چنی لعل صاحب سراوگی بہادر	سوداگر لکھیم پور
سری جت صاحب لکشوریوبراگوہن جورہٹ۔	سب ساگر
سری جت کالی پرشاد صاحب چالی ہا۔	
سری سری داتا دیو اتیانی او ہیکز گوسوامی	یہ شریف خاندانوں میں خیال کیے جاتے ہیں
سری سری نارد دیو کار گوسوامی۔ دکھن پت	
رائے جگن ناتھ صاحب۔ بارد بہادر۔ بی۔ اے۔ جورہٹ۔	
بابو سواما چرن صاحب موترا۔ بی۔ ایل۔	بار رنگ
سری جت بہوانی چرن صاحب سرما۔	آنریری مجسٹریٹ
سری جت نندی ناتھ صاحب سمرودا۔	نوگانگ
منشی رحمت علی صاحب	آنریری مجسٹریٹ
رائے صاحب بیونت رامداس صاحب۔	کم روپ

(۲) سری جوت مانک چندرا صاحب برما - خود مختار

(۳) سری سری گوبندا دیو صاحب مسرا - بوبادھی کری بر پتیا ستّرا

(۱) راجہ پرابہت چندرا بروا گوری پور - گول پارا

(۲) بابو لشنو چندرا صاحب چٹا پدہیا بی - ایل - وائس چیرمین

(۱) بابو کمانی کنور چندرا صاحب - ایم - اے - بی - ایل - کوچار

(۱) راجہ گرس چندرا رائی صاحب - زمیندار

(۲) مولوی علی امجد خاں صاحب - خاص زمیندار ضلع کا

(۳) مولوی مجید بخت خاں صاحب - زمیندار سلہٹ

(۴) بابو بیکنٹھا ناتھ صاحب سرما - ایضاً

(۱) بابو بی بون رے صاحب - پنشن یافتہ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر - خاصی جینتیا

(۲) یو کلور سنگھ صاحب - جلیل القدر ہے یہ پہاڑیوں پر

(۳) یو کینی سنگھ صاحب - عیسائی ہے اور با قدر سیم ہے

(۱) بابو درگا چرن صاحب سین - بی - اے - بی - ایل - سلہٹ

رائے مادھوپ چندر مردلائی صاحب بہادر - ایل - ایل - کمروپ

رائے دلال چندر دیب صاحب بہادر بی - ایل - سلہٹ

راجہ بہادر رگھوجی راؤ صاحب - ناگپور

راجہ اعظم شاہ صاحب - ناگپور

گنگا دھر راؤ صاحب چٹ نویس سی - آئی - ای - آنریری مجسٹریٹ و پریسیڈنٹ ناگ میونسپل

ناگپور

رائے بہادر کستور چندر صاحب - آنریری مجسٹریٹ ناگپور

رائے بہادر بپن کرشنا صاحب بوس سی - آئی - ای ناگپور

غلام مصطفٰے صاحب - آنریری مجسٹریٹ و وائس پریسیڈنٹ میونسپل آردی - وردھا

رائے بہادر گنگش باپو صاحب - زمیندار پاسگھڑہ - چندا

رائے بہادر جنکی پرشاد صاحب آنریری مجسٹریٹ و زمیندار - چندا

راؤ بہادر لتریا بہان صاحب - زمیندار کمپٹا - بہندارہ

مادہو راؤ بھان صاحب - زمیندار ارام کامل و آنریری مجسٹریٹ - بہنڈارہ

راؤ صاحب رنگ راؤ - پریسیڈنٹ کونسل - ضلع بہنڈارہ

رگھوناتھ ابا صاحب - زمیندار - جبل پور

راجہ اجت سنگھ صاحب زمیندار - جبل پور

راجہ وشنوناتھ سنگھ صاحب - تعلقدار جبل پور

راجہ گوکل داس صاحب سیٹھ - زمیندار و مالک بنک - جبلپور

راؤ بہادر بہاری لعل صاحب زمیندار و آنریری مجسٹریٹ - جبلپور

راؤ صاحب ونکٹ راؤ - آنریری مجسٹریٹ سنگور

رائے بہادر ٹھاکر مہاراج سنگھ صاحب - آنریری مجسٹریٹ و زمیندار - سنگور

مولوی ظہور السلام صاحب - آنریری مجسٹریٹ و زمیندار - دمہوک

دیوان محمد علی خان صاحب - زمیندار وسیولی

راجہ کرشنا صاحب - زمیندار - ہوشنگ آباد

راؤ صاحب نربے سنگھ صاحب - آنریری مجسٹریٹ و زمیندار - ایضاً

راجہ بلونت راؤ صاحب بھگوتی۔ آنریری اسسٹنٹ کمشنر و زمیندار ۔ نیمر

راجہ بچے بہادر ۔ زمیندار ۔ نرسنگھ پور

ٹھاکر مردان شاہ صاحب ۔ جاگیردار ۔ ہری ۔ چندواڑہ

برج راج سنگھ صاحب دیو۔ آنریری اسسٹنٹ کمشنر و زمیندار کھرار ۔ رائے پور

لعل چھتر سہائے صاحب زمیندار نبدرا لواب گڈھ و آنریری مجسٹریٹ ۔ رائے پور

راؤ بہادر رگھوبار سیاوک صاحب ۔ زمیندار و آنریری مجسٹریٹ ۔ رائے پور

ٹھاکر رگھوراج سنگھ صاحب ۔ زمیندار پندریا ۔ بلاسپور

رائے بہادر لال نرپ راج سنگھ صاحب ۔ زمیندار بریلی ۔ سمبلپور

راؤ بہادر کاشی ناتھ صاحب کیسو ٹھاکر ۔ ڈویژنل جج ۔ ایضاً

سید مہدی حسین صاحب بیرسٹر ایٹ لا سینئر اکزکٹونیک اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ۔ سمبلپور ۔

آر ۔ مترا صاحب ۔ انجنیر درجہ اول بارگاستری ۔ سمبلپور

ممالک شرقی و مغربی سرحدی

ہندوستانی معززین شرفاء

نواب الہ داد خاں صاحب سدوزئی ۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاں

سردار سلطان جان صاحب ۔ سی ۔ آئی ۔ ای ۔ کوہاٹ

خان صاحب ۔ ٹہڑی کیمبلک

نواب حافظ عبداللہ خاں صاحب علی زئی ۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاں

نواب غلام قاسم خاں صاحب ۔ ٹونک

نواب سر محمد اکرم خاں صاحب امبہ کے - سی - ایس - آئی -

راجہ جہاندار خاں صاحب کے - سی - بی -   گاکھور

ارباب حسین خاں صاحب - خان بہادر - محمد

کرنیل نواب محمد اسلام خاں صاحب - وزیر زادہ سردار بہادر سی - آئی - ای

خوشدل خاں صاحب -   کوہاٹ

خان بہادر ابراہیم خاں صاحب -

دوست محمد خاں صاحب - خان بہادر - خلیل -

خواجہ محمد خاں صاحب - خان بہادر -

نواب رعب نواز خاں صاحب - علی زئی -

راجہ شیر احمد خاں صاحب -   گہک کر

محمد حسین خاں صاحب -   گڑہی حبیب اللہ -

عرب محمد اعظم خاں صاحب -   امین اللہ خانصاحب اوراق زئی

رسالدار محمد امیر خاں صاحب -   اسمٰعیل زئی - محمد خانصاحب تورو

حیدر آباد

نواب محمد سلام اللہ خاں صاحب -   کنور سری ہر بہنجی راؤ جی صاحب

راؤ بہادر - ڈی - وی - صاحب - بھگوت -

خان بہادر خواجہ بدیع الدین صاحب - قاضی - ملکہ پور

مسٹر جی - ایس صاحب - کبیر دہی -

خان بہادر عبد الباقی خاں صاحب -   بھگونت راؤ - شنکر راؤ صاحب

میسور

مسٹر سی - سمی راؤ بہادر صاحب - نخل بند -

مسٹر ایم - اے - سندانہ رائے بہادر صاحب اسسٹنٹ کمشنر سابق

بنگلور

مسٹر ارکٹ نراین سوامی مودیلر رائے بہادر صاحب رئیس معزز بنگلور

مسٹر انس وانی مودیلر ممبر میونسپل کمشنر و رئیس -

بلوچستان

فرد اُن اصحاب کی جو معہ شاگرد پیشہ مدعو کئے گئے تھے دربار کے واسطے بلوچستان سے

شہر	ہندوستانی ریاستیں			اضلاع برٹش		کیفیت
	سردار	معززین	شاگرد پیشہ	معززین	شاگرد پیشہ	
کوہاٹ	-	۲۹	۳۵۸	-	-	
لس بیلا	-	-	۲۰	-	-	
کہرن	۱	-	۱۲	-	-	
کوئٹہ پشین	-	-	-	-	-	
ہتل چوتیالی	-	-	-	-	-	
زکوب	-	-	-	۱۵+۳۰=۴۵	-	
چیگن	-	-	-	-	-	
میزان	۱	۲۹	۳۹۰	۴۵	-	

اجمیر مارواڑ

رائے بہادر سیٹھ امیدمل صاحب۔ سیٹھ لیمچند صاحب۔

رائے بہادر سیٹھ چمپالل صاحب۔

راؤ بہادر سنگھ صاحب۔ سی۔ آئی۔ ای۔ استمراردار۔ سودہ۔ اجمیر

اصحاب انگریزی جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا

مدراس

آنریبل مسٹر ایچ۔ ایم ونٹر باتھم۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ معہ میم صاحبہ۔

آنریبل مسٹر جیمس تھامسن معہ میم صاحبہ۔

آنریبل سر سی ارنلڈ وائٹ۔ چیف جسٹس۔ لیڈی وائٹ صاحب

رائٹ ریورینڈ بشپ مدراس۔ میم صاحبہ وائٹ ہیڈ

آنریبل مسٹر گابریل اسٹوکس۔ آئی۔ سی۔ ایس۔ چیف سکرٹری۔

آنریبل مسٹر ایف۔ اے۔ نیکلسن صاحب سی۔ آئی۔ ای۔ ممبر کلاں محکمۂ مال معہ میم صاحبہ۔

آنریبل مسٹر جی۔ ایس۔ فوربس۔ مہتمم محکمہ مال۔

سرجن جنرل ڈیوائڈ سنکلر۔ سی۔ ایس۔ آئی۔

آنریبل مسٹر جی۔ ایچ اسٹوارٹ۔ ڈائرکٹر ہدایات عام۔

ایچ۔ اے۔ اسٹوارٹ صاحب بہادر۔ آئی۔ سی۔ ایس۔ انسپکٹر جنرل پولیس

ڈبلو۔ بی۔ ڈی۔ ونٹن صاحب بہادر چیف انجنیر سکرٹری محکمہ تعمیرات

آنریبل سر جارج آربہت ناٹ صاحب سوداگر خزانچی و ممبر کونسل لیجسلیو

آنریبل مسٹر اے۔ زے۔ یارک صاحب سوداگر و ممبر لیجسلیٹو کونسل۔

ایچ۔ پی۔ نگسن صاحب بہادر۔ کاشتکار

آنریبل ریورنڈ ولیم ملر صاحب۔ سی۔ آئی۔ ای۔ وائس چنچلر یونیورسٹی۔

میجر بن ہم رنجیت صاحب مدراس ریلوے۔

اے۔ کے۔ نیپ صاحب بہادر۔ آئی۔ سی۔ ایس } مہتمم مدراس کیمپ
لفٹنٹ کرنل آر۔ ایف۔ فارم بی صاحب } ۲۵

صاحبان گورنر و میم صاحبان و عہدہ داران ۱۳

مہمان ولایت سے ۱۳
میزان ۵۱

ان میں ۳۴ مرد اور ۱۷ عورت ہیں۔

بمبئی

ہز اکسلنسی گورنر صاحب و میم صاحبہ۔ نارتھ کوٹ

لفٹنٹ کرنل رچرڈ اون صاحب سکریٹری ملٹری۔

لفٹنٹ کرنل اے۔ ای۔ رے۔ کردی۔ آر۔ اے۔ ایم۔ سی۔ سرجن ہز اکسلنسی گورنر

کپتان آنریبل سی۔ ایف۔ گریولی صاحب مصاحب۔

کپتان زے۔ جی گریگ صاحب۔ مصاحب۔

کپتان اسلون اسٹینلی صاحب۔ مصاحب۔

میجر زے۔ ایچ پلرڈ کمانڈنیٹ صاحب ہز اکسلنسی گورنر باڈی گارڈ۔

آنریبل سر ڈے من تہتہ صاحب سی۔ ایس۔ آئی ممبر کونسل۔

آنریبل مسٹر ای۔ ایم۔ ایچ فلٹن صاحب ممبر کونسل۔ معہ میم صاحبہ۔

آنریبل سر لارنس صاحب چیف جسٹس معہ میم صاحبہ۔

آنریبل مسٹر نسے ٹھیٹ صاحب معہ میم صاحبہ

آنریبل مسٹر ایس۔ ڈبلیو۔ اڈگرلی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ چیف سکرٹری گورنمنٹ

معہ میم صاحبہ۔ آنریبل مسٹر نے پولن صاحب

اے۔ ایم۔ ٹی جیکسن صاحب بہادر معہ میم صاحبہ۔

ڈبلو ٹی۔ میری سن صاحب بہادر معہ میم صاحبہ۔

آنریبل مسٹر ڈبلو۔ سی۔ ہوگیس صاحب۔ سی۔ آئی۔ ای۔ ممبر لیجسلیٹو کونسل

معہ میم صاحبہ۔

آنریبل مسٹر ڈی۔ یک آئی ور صاحب ممبر لیجلیٹو کونسل معہ میم صاحبہ۔

آنریبل مسٹر ڈی۔ ایم۔ موسیس صاحب ممبر لیجلیٹو کونسل معہ میم صاحبہ۔

آنریبل مسٹر ڈی۔ ایچ۔ ایف۔ اسٹن صاحب۔ معہ میم صاحبہ۔

آنریبل مسٹر ایف۔ ایس۔ لیلی صاحب۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ کمشنر شرقی ڈویزن

معہ میم صاحبہ۔

آر۔ ایم۔ کینڈی صاحب بہادر۔ کمشنر جنوبی ڈویزن۔ معہ میم صاحبہ۔

اے۔ ڈی۔ ینگ ہسبنڈ صاحب بہادر کمشنر سنٹرل ڈویزن معہ میم صاحبہ۔

رزیڈنٹ صاحب عدن۔

آنریبل مسٹر گریوز صاحب۔ ممبر لیجیلیٹو کونسل۔

آنریبل مسٹر جسٹس صاحب کنڈے۔

رائٹ ریورینڈ جمیس مک آرتھر صاحب ڈی۔ ڈی۔ بسھوپ بمبئی۔

مسٹر مویر صاحب مکٹری۔ بارہ مہمان ولایت سے

بنگال

چیف جسٹس بنگال۔
دو ممبر محکمہ مال
جنرل افسر کمان و عہدہ داران ۔
انسپکٹر جنرل پولیس۔
ڈائرکٹر ہدایات عام۔
چیرمین کلکتہ دربار۔
پادری کلکتہ۔
پریسیڈنٹ محکمہ تجارت۔
پریسیڈنٹ محکمہ ہندوستانی کان۔
پریسیڈنٹ محکمہ سوداگری۔
کمشنر پولیس کلکتہ۔
ایجنٹ بنگال ناگپور ریلوے
دو معزز سوداگر کلکتہ۔

دو جج ہائی کورٹ۔
ایک کمشنر۔
اڈووکیٹ جنرل۔
انسپکٹر جنرل قید خانہ جات۔
انسپکٹر جنرل سول ہسپتال۔
پانچ سکرٹری گورنمنٹ۔
انسپکٹر جنرل رجسٹری۔
پریسیڈنٹ محکمہ ہندوستانی کاشتکاروں کے
پریسیڈنٹ محکمہ ہندوستانی چاہ۔
سکرٹری بنگال بنک۔
ایجنٹ ایسٹ انڈیا ریلوے
ایجنٹ ایسٹ بنگال ریاست ریلوے
چند مہان نجی۔

آنربل مسٹر نے۔ ای۔ گل۔ سکرٹری لفٹنٹ گورنر کونسل۔
ڈبلو۔ بی گارڈن صاحب بہادر سکرٹری نہر کمیشن۔
ڈبلو۔ ایم۔ کالون بہادر۔ بیرسٹرایٹ لا۔ پولیس کمیشن۔

پنجاب

آنریبل مسٹر۔ ڈبلو۔ او کلارک جج چیف کورٹ۔

۳ آنریبل مسٹر ریڈ صاحب معہ میم صاحبہ و مس بیڈن ۔

۳ آنریبل مسٹر ٹوپر صاحب معہ میم صاحبہ و مس صاحبہ ۔ فائنینشل کمشنر ۔

۱ رائٹ ریورینڈ صاحب لارڈ بشپ لاہور ۔ بشپ

۲ مسٹر اندرس جلندر صاحب و میم صاحبہ ۔ کمشنران

۴ مسٹر اے ۔ اینڈرسن صاحب و میم صاحبہ و دو مس صاحبان ۔

۲ مسٹر رسل کاک صاحب و میم صاحبہ ۔ راولپنڈی ۔

مسٹر مریڈٹ صاحب و میم صاحبہ ۔ ملتان ۔

۴ آنریبل کرنل مانٹگمری صاحب و میم صاحبہ و دو مس صاحبان ۔

۱ مسٹر آر ۔ ڈین صاحب چیف سکرٹری ۔ سکریٹریان

۱ مسٹر اے ۔ ایچ ۔ ڈی اک صاحب ۔

۲ مسٹر ہلی فاکس صاحب و میم صاحب ۔

۲ کرنل تھربرن صاحب و میم صاحبہ ۔ چیف انجنیر ۔

۲ مسٹر بردن صاحب و میم صاحبہ ۔ انسپکٹر جنرل پولیس ۔

۲ لفٹنٹ کرنل مکنگی صاحب و میم صاحبہ ۔ انسپکٹر جنرل سول ہسپتال ۔

۳ لفٹنٹ کرنل بیٹ صاحب و میم صاحبہ و مس مرفی ۔ انسپکٹر جنرل جیل

۲ مسٹر ہیلی صاحب و میم صاحبہ ۔ ڈائرکٹر ہدایات پولیس ۔

۲ آنریبل مسٹر ولسن صاحب و میم صاحبہ ۔ کمشنر بندوبست ۔

۲ مسٹر کیمبل صاحب و میم صاحبہ ۔ اکاؤنٹنٹ جنرل ۔

کل مہمان ۱۹ ۔ میزان ۶۰

ممالک متحدہ

آنریبل سرجان اسٹینلی صاحب کے سی۔ زے۔ پی چیف جسٹس ہائی کورٹ ممالک مغربی و شمالی ۔

آنریبل مسٹر ایچ۔ ایف بلیرسینی صاحب جج ہائی کورٹ ممالک مغربی و شمالی ۔

آنریبل مسٹر پی۔ سی بنرجی صاحب جج ہائیکورٹ ۔ ممالک مغربی و شمالی ۔

آنریبل مسٹر ڈبلو آر برکٹ صاحب جج ہائیکورٹ ۔ ممالک مغربی و شمالی ۔

آنریبل مسٹر آر۔ ایس اکمین صاحب جج ہائیکورٹ ۔ ممالک مغربی و شمالی ۔

آر اسکوٹ صاحب بہادر جوڈیشنل کمشنر اودھ

آنریبل مسٹر ۔ ڈی۔ ٹی رابرٹس صاحب ۔ سی ۔ ایس ۔ آئی ۔ ممبر اعلی محکمہ مال ۔

زے ہوپر صاحب بہادر قائم مقام ۔ ممبر خورد محکمہ مال ۔

آنریبل مسٹر ڈبلو ۔ ایچ ۔ ایل ۔ اپی صاحب قائمقام چیف سکریٹری گورنمنٹ

آنریبل مسٹر جے ۔ ایس میسٹن فانشیل ۔ سکریٹری گورنمنٹ ۔

جوڈیشنل سکریٹری گورنمنٹ ۔

ڈبلو ۔ ایچ ہائیٹنگل صاحب بہادر ۔ قایم مقام سکریٹری گورنمنٹ محکمہ تعمیرات وچیف انجنیر ۔

ایچ ۔ مارشن صاحب بہادر ۔ سی ۔ آئی ۔ ای قایم مقام سکریٹری گورنمنٹ محکمہ انہار وچیف انجنیر ۔

زے ۔ بی ۔ تہامسن صاحب بہادر ۔ کمشنر لکھنؤ ۔

کرنل ۔ سی ۔ ایچ ۔ جوبرٹ آئی ۔ ایم ۔ ایس صاحب قائمقام انسپکٹر جنرل سول ہسپتال ۔

میجر۔ سی۔ مک ٹیگارٹ صاحب آئی۔ ایم۔ ایس انسپکٹر جنرل قید خانہ جات

آر۔ ایچ بریری ٹن صاحب بہادر۔ انسپکٹر جنرل پولیس۔

ٹی۔ سی۔ لیوس صاحب بہادر۔ ڈائرکٹر عام ہدایات۔

زے۔ زے۔ مک لین صاحب بہادر۔ سینیر ڈسٹرکٹ جج۔

ڈے۔ ڈبلو۔ ایبور صاحب بہادر سینیر کنسرویٹر محکمہ جنگلات۔

آنریبل مسٹر جسٹس نکس صاحب۔ چینچلر۔ الہ آباد یونیورسٹی۔

آنریبل مسٹر کنلن صاحب سی۔ آئی۔ ای۔ ممبر لوکل لیجسلیٹو کونسل۔

آنریبل مسٹر اے مک رابرٹ صاحب پریسیڈنٹ اپر انڈیا محکمہ تجارت و ممبر لیجسلیٹو کونسل۔

رائٹ ریورینڈ کلیپ خورد۔ بشپ لکھنؤ

موسٹ ریورینڈ چارلیس صاحب جنٹائیلی۔ او۔ سی۔ آرچ بشپ آگرہ۔

میزان ۸۵۔ (معہ اُن کی میم صاحبہ کے)

برہما

ہز آنر لفٹننٹ جرنل۔ لیڈی فریزر۔ مس لیس خورد۔

پرائیویٹ سکرٹری۔ مصاحب۔ مہمان۔

آنریبل ڈی۔ نارٹن صاحب۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ فائننشیل و میم صاحبہ

آنریبل۔ زے لودس صاحب گورنمنٹ اڈوکیٹ و میم صاحبہ

آنریبل۔ زے۔ جی۔ فرعینڈلے صاحب و میم صاحبہ۔

آنریبل سنگپیو صاحب۔ کے۔ ایس۔ ایم۔

آنریبل۔ سی۔ جی۔ بینی صاحب سی۔ ایس۔ آئی چیف سکرٹری و میم صاحبہ۔

آنریبل گرووز صاحب چیف انجنیر و میم صاحبہ۔

آنریبل۔ سی۔ اے سروی صاحب و میم صاحبہ۔

جی۔ سی۔ بچہان صاحب چیرمین۔ و میم صاحبہ۔

ڈبلو۔ ایچ۔ اے سینٹ زے لیڈس صاحب بہادر۔ آئی۔ سی۔ ایس۔

پریسیڈنٹ رنگون۔ میونسپلٹی و میم صاحبہ۔

ایچ۔ پی ٹوڈینلر صاحب بہادر۔ سی۔ آئی۔ اِی کمشنر و میم صاحبہ۔

سر جارج اسکاٹ صاحب کے۔ سی۔ آئی۔ اِی سپرنٹنڈنٹ چھوٹے شان ریاستہائے

آنریبل مسٹر تہرکل وائٹ صاحب چیف جج و میم صاحبہ۔

زے۔ بی دن گیٹ صاحب بہادر۔ آئی۔ سی۔ ایس سکرٹری و میم صاحبہ

الیف اٹلے صاحب بہادر میجر ربی مائنس کمپنی و میم صاحبہ

آنریبل مسٹر۔ ڈبلو۔ ٹی۔ ہال کمشنر پیگو۔

معالج افسر

میجر ڈیوس صاحب۔ آئی۔ ایم۔ ایس۔

کرنیل ہیلی صاحب۔ سی۔ آئی۔ اِی۔ انسپکٹر جنرل پولیس و میم صاحبہ

کمانڈر ہالیڈ صاحب۔ و میم صاحبہ۔

میجر پارکن صاحب ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس۔

آسام عہدہ داران

کمشنر آسام۔ ضلع دہلی۔

جرنل افسر کمانڈنگ ضلع آسام (معہ ایک افسر ڈپٹی اسسٹنٹ اجینٹ جرنل)

سکرٹری چیف کمشنر - جرنل ڈپارٹمنٹ (معہ ایک میم صاحبہ)

سکرٹری چیف کمشنر بارگ ماسٹری (معہ دو میم صاحبہ)

پرنسپل مڈیکل افسر و سینیٹری کمشنر صاحب (معہ ایک میم صاحبہ)

ڈائرکٹر صاحب محکمہ زمین و کاشت (معہ ایک میم صاحبہ)

انسپکٹر جنرل پولیس۔

ڈائرکٹر پولس انسٹرکشن صاحب (معہ ایک میم صاحبہ)

ایجنٹ آسام بنگال ریلوے۔

چیف کمشنر پرسنل اسسٹنٹ۔ ایک مڈیکل افسر

عہدہ داران غیر ملازمین

آنریبل مسٹر جے۔ بوکنگھم - سی۔ آئی۔ ای (معہ ایک میم صاحبہ)

کرنل ڈی۔ ایم۔ لس دین صاحب۔

مسٹر سی۔ ایچ۔ ہولڈر (معہ ایک میم صاحبہ)

آنریبل مسٹر آر۔ ایچ ہینڈرسن۔ مسٹر ٹیلر و میم صاحبہ

سنٹرل پروونیسز

فہرست انگریزی عہدہ داران

۱ مسٹر [illegible] صاحب سی۔ ایس۔ آئی۔ جوڈیشنل کمشنر (معہ دو میم صاحبہ)

۲ مسٹر فلیپ کمشنر صاحب (و یک میم صاحبہ)

۳ مسٹر کیری۔ کمشنر صاحب (و یک میم صاحبہ)

۴ مسٹر فاکس اسٹرینوے - کمشنر صاحب - معہ یک میم صاحبہ

۵ مسٹر کراڈاک کمشنر صاحب - ویک میم صاحبہ -

۶ مسٹر گرڈسپ صاحب - قایم مقام کمشنر - ویک میم صاحبہ -

۷ مسٹر کیمبل صاحب ڈویژنل جج - ویک میم صاحبہ -

۸ کرنل مورارسٹی - آئی - ایم - ایس صاحب - مہتمم شفاخانہ و دو میم صاحبہ

۹ مسٹر سلے صاحب کمشنر بندوبست وزراعت ویک میم صاحبہ -

۱۰ مسٹر رابرٹسن صاحب سی - آئی - ای - چیف سکرٹری - یک میم صاحبہ

۱۱ مسٹر ڈیسک صاحب پولیٹکل ایجنٹ - و دو میم صاحبہ -

۱۲ لفٹننٹ کرنل مے صاحب کے - آئی - ایم - ایس - سول سرجن ویک میم صاحبہ -

۱۳ آنریبل - ایل - ایم سنٹ کلیر سکرٹری محکمہ بارگ ماسٹری - ایک میم صاحبہ

۱۴ مسٹر واکر صاحب ڈپٹی کمشنر - ویک میم صاحبہ -

۱۵ مسٹر لمدی صاحب سکنڈ سکرٹری - ویک میم صاحبہ -

۱۶ مسٹر مونرو صاحب ڈائرکٹر پولیس انسٹرکشن وتین میم صاحبہ -

۱۷ مسٹر کلیولینڈ صاحب انسپکٹر جنرل پولیس وجیل معہ یک میم صاحبہ -

۱۸ مسٹر نیبل صاحب کمشنر اکزسایز وغیرہ -

۱۹ مسٹر پلے فیر صاحب قائمقام انسپکٹر جنرل پولیس وجیل -

ممالک مغربی وشمالی سرحدی

انگریز صاحبان

میم صاحبہ ومس صاحبہ ڈین - میجر ڈین آر - اے - یم - سی

مسٹر ۔ ایچ ۔ بی ۔ سنڈب جان صاحب پرنسپل اسسٹنٹ

مسٹر اے ۔ ایچ ۔ گرینڈ صاحب سکرٹری ۔ و میم صاحبہ ۔

مسٹر ۔ آر ۔ گلینسی صاحب ۔ اسسٹنٹ سکرٹری ۔

مسٹر ۔ سی ۔ بن بری صاحب ۔ جوڈیشل کمشنر ۔ و میم صاحبہ ۔

مسٹر ۔ ایم ۔ اُودی یار صاحب ۔ کمشنر مال ۔ و میم صاحبہ ۔

مسٹر ۔ سی ۔ ہاسٹنگس صاحب انسپکٹر جنرل پولیس ۔ و میم صاحبہ ۔

کرنل اسکاٹ سنکرف صاحب سکرٹری بارگ ماسٹری ۔

میجر سیکس صاحب مڈیکل افسر ممالک مغربی وشمالی سرحدی ۔

میجر جنرل اگرٹن صاحب سی ۔ بی ۔ اے ۔ ڈی ۔ سی وغیرہ و میم صاحبہ ۔

کپتان مان صاحب ۔ میجر شارپ صاحب توپخانہ و میم صاحبہ ۔

لفٹننٹ جمبرس صاحب توپ خانہ ۔

حیدر آباد

مسٹر اے البٹ صاحب قایم مقام کمشنر حیدر آباد آسابن ضلع ۔

مسٹر ۔ آر ۔ دے ۔ ہیر صاحب قائمقام جوڈیشل کمشنر حیدر آباد آسابن ضلع ۔

لفٹننٹ کرنل ڈبلو ہاسٹنگس صاحب انسپکٹر جنرل پولیس جیل وغیرہ حیدر آباد آسابن ضلع

مسٹر ایچ گاڈڈن اسٹن صاحب ڈپٹی کمشنر حیدر آباد آسابن ضلع ۔

لفٹننٹ کرنل آر ۔ درنون گیرٹ صاحب ڈپٹی کمشنر حیدر آباد آسابن ضلع ۔

لفٹننٹ کرنل ای ۔ سی ۔ ایم ۔ لوشینگٹن صاحب ملٹری سکرٹری رزیڈنٹ ۔

لفٹننٹ کرنل جی ۔ ایچ ۔ ڈی گم لٹے صاحب سی ۔ آئی ۔ ای رزیڈنسی سرجن حیدر آباد

مسٹر ایل - ایم - کروسیس صاحب سکنڈ اسسٹنٹ رزیڈنٹ -

کپتان - ایچ - کے بار صاحب پرسنل اسسٹنٹ رزیڈنٹ -

میجر جنرل وڈ ہاؤس صاحب - سی - بی - ایم - جی -

برگیڈ جنرل - جی - اچپرڈسن صاحب سی - بی - سی - ایس - آئی - سی - آئی - ای

کپتان وٹ کن -

مسٹر اسے - ڈی - بار صاحب -

میم صاحبان (۸)

میم صاحبہ بار صاحب -
میم صاحبہ وڈ ہاوس -
میم صاحبہ اے - بار
میم صاحبہ گیرٹ
میم صاحبہ فشر -
میم صاحبہ رچپرڈسن -
میم صاحبہ ہاسٹنگس
میم صاحبہ جی - اسٹن -

مسٹر اے - سی - ہنکن صاحب ممبر پولیس کمیشن -

میسور

برگڈیر جنرل سر جیمس ووف بیری صاحب معہ میم صاحبہ وِس صاحبہ -

مسٹر لائینیل ڈیڈوسن صاحب - آئی - سی - ایس کمشنر کورک معہ میم صاحبہ -

مسٹر - ایل - ای - بکلی صاحب آئی - سی - ایس کلکٹر سرنبولی معہ میم صاحبہ -

مسٹر سی - ایل - ایس روسل صاحب آئی - سی - ایس - فرسٹ اسسٹنٹ رزیڈنٹ

کپتان اسٹینڈرلنگ صاحب - آئی - ایم - ایس - رزیڈنسی سرجن معہ میم صاحبہ

سکنڈ لفٹننٹ ڈی - ای - رابرٹسن صاحب نمبر ۱۱ بنگال رجمنٹ - کرنل ابرٹس کا لڑکا

مسٹر اسپرٹ صاحب معہ میم صاحبہ -

	میجر لوگن صاحب۔	میجر کمانڈنگ کورگ و میسور رائفل ولنٹیر۔
۲	کرنل یاٹ صاحب معہ میم صاحبہ۔	ایجنٹ گورنر جنرل بلوچستان

نجی مہمان

۲	میجر الیف۔ ایچ لاٹ صاحب و میم صاحبہ۔	رسالہ نمبر ۵ پنجاب
۱	لفٹننٹ کرنل اسلس صاحب۔	لائٹ انفنٹری
۱	لفٹننٹ کرنل سینڈیمن صاحب	باڈی گارڈ توپخانہ
۲	لفٹننٹ کرنل ٹرینچ گنگنی صاحب	سابق گارڈ توپخانہ
۲	کپتان زنبی و میم صاحبہ۔	سابق نمبر ۵ رجمن
۲	لفٹننٹ کرنل تھامپس و میم صاحبہ	سابق نمبر ۲ رجمن
۲	مس ہاورڈ دختر سر ایچ ہاورڈ وزیر ہگو و	

مہمان

۲	جنرل سر آر۔ و نیڈی ہارٹ صاحب۔	جنرل افسر کمان ضلع کوئٹہ
۲	میجر نکلسن صاحب و میم صاحبہ۔	کمشنر مال بلوچستان۔
۲	لفٹننٹ کرنل کیلی صاحب و میم صاحبہ۔	اسسٹنٹ ایجنٹ ضلع کوئٹہ
۱	میجر شوور صاحب	پولیٹیکل ایجنٹ کوہاٹ
۱	کپتان وز صاحب	پولیٹیکل ایجنٹ جنوبی بلوچستان۔
۱	کپتان اے۔ ایل جیکب صاحب۔	اسسٹنٹ ایجنٹ درجہ اول گورنر جنرل بلوچستان
۱	کپتان اے ...	اسسٹنٹ ایجنٹ درجہ دوم گورنر جنرل بلوچستان

لفٹنٹ کرنل فلرٹن صاحب - مہتمم شفاخانہ بلوچستان

کپتان ڈیو صاحب - اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ اپر ژاب

سنٹرل انڈیا

صاحبان شرفا	میم صاحبان
مسٹر بارلی صاحب -	میم صاحبہ بیلی -
کپتان ونڈہم -	مس صاحبہ بیلی
مسٹر گبرل صاحب -	میم صاحبہ ونڈہم -
کرنل ویر صاحب	آنریبل میم صاحبہ گگنک
میجر ینگ ہبنڈ صاحب -	میم صاحبہ ینگ ہبنڈ
کپتان لویرڈ صاحب	میم صاحبہ پارلس
کپتان پارلس صاحب -	میم صاحبہ الیس الیف بیلی -
میجر بیلی صاحب -	مس صاحبہ گننگ
کپتان اسپیس صاحب	میم صاحبہ بیولی
ایک افسر متعینہ کام	میم صاحبہ ڈبلو - ای - بیلی -
لفٹنٹ - ایل - بیلی صاحب -	آنریبل - ایل - الفنسٹن
مسٹر ڈبلو - ای - بیلی صاحب	مس صاحبہ مکنزی
	مس صاحبہ فورڈ

راجپوتانہ

۲ چیف مڈیکل افسر صاحب - معہ میم صاحبہ -

۲ چیف انجنیر صاحب - (معہ میم صاحب)

۱ اسسٹنٹ ایجنٹ گورنر جنرل درجہ اول - معہ میم صاحبہ -

۲ ایضاً ایضاً درجہ دوم - معہ میم صاحبہ -

۱ کرنل ڈبلولک مصاحب ہز اکسلنسی والیسرائے -

۲ رزیڈنٹ مغربی راجپوتانہ ریاست ہائے - معہ میم صاحبہ -

۲ رزیڈنٹ صاحب اودیپور - معہ میم صاحبہ -

۱ رزیڈنٹ صاحب جے پور -

۱ اے - ایل - پی - ٹکر صاحب بہادر سی - آئی - ای - کمشنر - اجمیر میرواڑہ -

۲ سر سونٹن جیکب صاحب کے - سی - آئی - اِی معہ میم صاحبہ جے پور سے

۲ کپتان - اے بنرمین صاحب سپرنٹنڈنٹ راجپوتانہ سکرٹری کمیٹی ریلوے دہلی معہ میم صاحبہ

۲ پولیٹکل ایجنٹ صاحب الور معہ میم صاحبہ -

۲ پولیٹکل ایجنٹ صاحب شرقی راجپوتانہ ریاستہائے - معہ میم صاحبہ -

۲ اگزکیٹو صاحب انجنیر منتظم کمپ - معہ میم صاحبہ -

۱ پولیٹکل افسر صاحب مسٹر اڈورڈ -

۱ اسسٹنٹ جنرل سپرنٹنڈنٹ ٹاگی وڈکیتی - متعینہ مصاحب -

۲ ایجنٹ بمبی بڑودہ وسنٹرل انڈیا ریلوے - معہ میم صاحبہ -

۴ نجی دوست ولایت سے - میزان ۳۳

بڑودہ

میم صاحبہ میڈ - مس صاحبہ بریڈی - کپتان کارنیگی - میم صاحبہ کارنیگی

کپتان - او - برین صاحب (معہ میم صاحبہ یمن)

کشمیر

اور تھوڑے سے نجی مہمان

میجر بروس صاحب اسسٹنٹ رزیڈنٹ و میم صاحبہ۔ رزیڈنسی سرجن میجر اسلوٹ اڈار صاحب پولٹیکل ایجنٹ گلگت۔

میجر کینی صاحب کمشنر بندوبست - و میم صاحبہ

مسٹر ولڈی بلد صاحب انجنیر ریاست - و میم صاحبہ۔

مسٹر برچہارڈ صاحب اکاؤنٹنٹ جنرل -

میجر بری تہرٹن صاحب گلگت سامان رسد - و میم صاحبہ -

مندرجہ ذیل فوجین دربار دہلی کی موقع پر طلب کیگئی تہیں

لفٹنٹ جنرل سر جی لک فوجوں کے کمانیر تھے اور آے اسسٹنٹ فورڈ کالبنس برگیڈ جنرل بافسری افواج ذیل وایسرائے کی محافظت پر تھے۔

ایچ باتری توپ خانہ	میرٹھ
رجمن عہ ۴	راولپنڈی
رجبن عہ ۱۱	میانمیر
رجمنٹ عہ ۱	انبالہ
پلٹن سکھ عہ ۱۵	پشاور

سکشن سی - نمبر ۲۴ - توپ خانہ ہسپتال راولپنڈی۔

سکشن بی نمبر ۲ - توپ خانہ ہسپتال انبالہ۔

سکشن بی نمبر ۲۹ - ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال پشاور

سکشن اے نمبر ۳۸ - ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال میانمیر

گھوڑ چڑہی فوجونکے دو ڈویژن تھے

ڈویژن اول		ڈویژن دوم	
ڈی باتری توپ خانہ -	انبالہ	آئی باتری توپ خانہ -	انبالہ
رجمن نمبر ۱۵	میرٹھ	رجمن نمبر ۹	سیالکوٹ
رجمن نمبر ۹	جالندر	رجمن نمبر ۸	بریلی
رسالہ نمبر ۴ بمبئی	نصیر آباد نیمچ	رجمن نمبر ۱۹	انبالہ
سکشن بی نمبر ۱ توپخانہ ہسپتال	میرٹھ	سکشن بی نمبر ۳ توپخانہ ہسپتال	راولپنڈی
سکشن اے نمبر ۴ توپخانہ ہسپتال	مئو	سکشن اے نمبر ۲۶ ہندوستانی توپخانہ	بریلی

۲ کمپنی انگریزی - سیالکوٹ

سکشن ۱½ ۲ کمپنی انگریزی - انبالہ

۲ کمپنی ہندوستانی - فتحگڈھ

سکشن اے نمبر ۱۵ توپخانہ ہسپتال پونا - سکشن اے نمبر ۲ توپخانہ ہندوستانی ہسپتال میرٹھ

پیدل فوج اول ڈویژن -

برگڈ جرنل سرزے ووف مری صاحب -

برگڈ جرنل ایف - ایچ بلوڈن صاحب -

لعل کورتی نمبر ۱ پورہ پشاور

لعل کورتی نمبر ۲ - انبالہ

ا ڈبل کمپنی سکھ پلٹن نمبر۴ ۔	بنوں ۔
ا ڈبل کمپنی پنجاب نمبر۲ ۔	دتاخیل
ا ڈبل کمپنی پنجاب نمبر۴ ۔	کوہاٹ
ا ڈبل کمپنی کالی پلٹن ۔	مردان
نمبر۳۲ پنجاب کالی پلٹن ۔	جہلم
سکشن اے نمبر۵ توپ خانہ ہسپتال ۔	پشاور
سکشن بی ۔ ڈی نمبر۳۴ ہندوستانی توپخانہ ہسپتال	راولپنڈی
کرنل سی ۔ ایچ سڈس ۔ وے اکس	
لعل کورتی نمبر۲ ہائی لینڈ	سیالکوٹ
لعل کورتی نمبر۲ سٹرلینڈ	فورتھ ولیم
کالی پلٹن پنجاب نمبر۱	ڈیرہ اسمٰعیل خاں
کالی پلٹن بلوچی نمبر۲۷	کراچی
سکشن اے نمبر۳ توپخانہ ہسپتال	راولپنڈی
سکشن اے نمبر۲۰ توپخانہ ہسپتال	کلکتہ
سکشن سی نمبر۳۱ ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال	راولپنڈی
سکشن اے نمبر۴۵ ہندوستانی توپخانہ ہسپتال	کراچی
نمبر۱ لعل کرتی رائفل	
۱/۳ پلٹن گورکھہ	المورہ
پلٹن نمبر۶ جاٹ ۔	میرٹھ

پلٹن نمبر ۱۳ راجپوت	بریلی
سکشن بی - نمبر ۱۱ توپ خانہ ہسپتال	لکھنؤ
سکشن ڈی نمبر ۳۲ ہندوستانی توپخانہ ہسپتال	میرٹھ
سکشن بی نمبر ۴۸ توپ خانہ ہندوستانی ہسپتال	بریلی
سکشن بی نمبر ۵۶ ہندوستانی توپخانہ ہسپتال ۔	بریلی

تقسیم افواج

۳۸ برگڈ توپ خانہ	۲۴ نمبر باتری توپ خانہ	میرٹھ
	۳۴ نمبر باتری توپ خانہ	آگرہ
	۷۲ نمبر باتری توپ خانہ	میرٹھ
نمبر ۷ ماونٹین باتری		کوئٹہ
پشاور ماونٹین باتری		ایبٹ آباد
۲ اسکوارڈن رسالہ گائڈ		مردان
۲ اسکوارڈن نمبر ۵ رسالہ پنجاب		کوہاٹ
رسالہ نمبر ۴ راجپوت		آگرہ
نمبر ۱ کمپنی بنگال سفرمینا		روڑکی
نمبر ۲ کمپنی مدراس سفرمینا		چکدرہ
سکشن سی - نمبر ۱ توپ خانہ ہسپتال		میرٹھ
سکشن اے نمبر ۱۳ ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال		میرٹھ
سکشن اے نمبر ۴۲	ایضاً	انبالہ

سکشن اے نمبر ۵۹ ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال - آگرہ

ڈویژن نمبر دوم پیدل فوج

میجر جنرل ڈی - زے یک یوید برگڈ نمبر ۴

برگڈ جنرل - ایچ - اے - البٹ

نمبر ۱ بیلفورڈ لال کرتی - ملتان -

نمبر ۲ بورڈر لال کرتی - بریلی

نمبر ۲ پنجاب کالی پلٹن - میانمیر -

نمبر ۳۸ ڈوگراس - فیروزپور

سکشن دے - نمبر ۹ توپ خانہ ہسپتال - بریلی -

سکشن بی - نمبر ۱۵ توپ خانہ ہسپتال - میانمیر -

سکشن بی رسی - نمبر ۳۸ ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال میانمیر

کرنل بی ڈف برگڈ نمبر ۵

نمبر ۳ رائفل برگڈ لال کرتی - میرٹھ

نمبر ۲ کے - آر - آر - کور - راولپنڈی -

۱-۲ گورکھا ڈیرہ دون

۱-۳۹ گڑوال لینسڈونی

سکشن اے نمبر ۱ توپ خانہ ہسپتال - میرٹھ

سکشن ڈی نمبر توپ خانہ ہسپتال ساولپنڈی

سکشن سی - نمبر ۳۲ ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال - میرٹھ

سکشن اے نمبر ۴۵ ہندوستانی ہسپتال ۔	بریلی
کرنل ۔ اے ۔ اے پیرسن برگڈ نمبر ۳	
نمبر۱ یارک سپر لال گرتی	سیتاپور و بنارس
نمبر۱ اسٹف فورڈ	جھانسی
نمبر۴ کالی پلٹن ۔	ایلیچ پور
نمبر۲۸ مدراس پلٹن	سکندرآباد
سکشن سی ۔ نمبر۱۲ توپ خانہ ہسپتال ۔	لکھنؤ
سکشن سی نمبر ۲۲ توپ خانہ ہسپتال	آگرہ
سکشن اے نمبر۴۱ ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال ۔	سکندرآباد
سکشن بی ۔ نمبر۴۱ توپ خانہ ہسپتال ہندوستانی ۔	سکندرآباد
۳۹ برگڈ نمبر۴۶ باتری توپ خانہ ۔	میانمیر
توپ خانہ نمبر۵۱ باتری توپ خانہ ۔	فیروزپور
نمبر۵۴ باتری توپ خانہ ۔	سیانمیر
نمبر۶ ماؤنٹین باتری توپ خانہ ۔	انبالہ
کوہٹہ ماؤنٹین باتری ۔	ایبٹ آباد
سنٹرل انڈیا یا ہارس توپ خانہ	اگر و گونا
۳۴ پنجاب پلٹن پانیر ۔	انبالہ
نمبر۴ کمپنی بنگال سفر مینا ۔	روڑکی
نمبر۴ کمپنی بمبئی سفر مینا ۔	کرکی

سکشن- اے نمبر ۸ توپ خانہ ہسپتال -	انبالہ
سکشن اے نمبر ۱۵ توپ خانہ ہسپتال	میانمیر
سکشن بی- نمبر ۴۲ توپ خانہ ہسپتال ہندوستانی	انبالہ

تروپ

برگیڈ جنرل- جی- ایچ- مور مولی نیوکس

	نمبر ۸ رجمن -	سیالکوٹ
	ایک اسکواڈرن نمبر ۱ پنجاب رسالہ-	نوشہرہ -
	ایک اسکواڈرن نمبر ۲ پنجاب رسالہ-	پشاور
	ایک اسکواڈرن نمبر ۱ بنگال رجمن -	کانپور
	ایک اسکواڈرن نمبر ۱۴ بنگال رجمن ،	الہ آباد
اول برگیڈ ڈویژن توپخانہ	نمبر ۱۳ باٹری توپ خانہ	ناوگنج
	نمبر ۶۷ باٹری توپ خانہ	جالندر
	نمبر ۶۹ باٹری توپ خانہ-	ملتان-
	نمبر ۲۴ کمپنی توپ خانہ ۶ ہوٹزر -	رورکی
	نمبر ۱۵ ایضاً ۶ ایضاً-	رورکی
	نمبر ۱۷ ایضاً ۳۰ باٹری -	جھانسی
	نمبر ۲۷ ایضاً ۴۰ باٹری	سکندرآباد
	نمبر ۹۱ ایضاً ۵ توپ باٹری	رورکی
	نمبر ۱۰۴ ایضاً ۵ توپ باٹری	راولپنڈی

نمبر۳ بنگال سفرمینا ۔ پشاور

بلشون سکشن بنگال سفرمینا رڑکی ۔

بلون سکشن ایضاً راولپنڈی

سکشن ڈی نمبر۱ توپ خانہ ہسپتال ۔ میرٹھ

سکشن اے ۔ نمبر۱ ایضاً سکندرآباد

سکشن سی ۔ نمبر ۱۵ ایضاً میانمیر

سکشن اے نمبر۲۹ ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال ۔ پشاور

سکشن سی ۔ نمبر۱۴ ایضاً ایضاً راولپنڈی

توپ خانہ

کشمیر باتری جموں

رسالہ

دو اسکواڈرن	الور رجمن	الور
ایضاً	بھوپال "	بھوپال
ایضاً	گوالیار	گوالیار
ایضاً	حیدرآباد	حیدرآباد
ایضاً	جودھپور	جودھپور
ایضاً	میسور	بنگلور
ایضاً	پٹیالہ	پٹیالہ

شتر سوار ۔ چار کمپنیاں ۔ بیکانیر شتر سوار ۔ بیکانیر توپ ۔

پیدل پلٹن

چار کمپنیاں ۔	الور پلٹن ۔	الور ۔
چار کمپنیاں ۔	بھرت پور ۔ پلٹن	بھرت پور
چار کمپنیاں ۔	جھیند پلٹن	جھیند
چار کمپنیاں ۔	کپور تھلہ پلٹن	کپور تھلہ
چار کمپنیاں	کشمیر پلٹن ۔	جموں
چار کمپنیاں	نابھہ پلٹن ۔	نابھہ
چار کمپنیاں	پٹیالہ پلٹن ۔	پٹیالہ

سفر مینا

مالیر کوٹلہ	سفر مینا ۔	مالیر کوٹلہ
سرمور ۔	سفر مینا ۔	نہان ۔

سکشن بی نمبر ۳۱ ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال ۔			راولپنڈی
سکشن ڈی نمبر ۳۱۱ ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال			راولپنڈی
سکشن اے نمبر ۴۴	ایضاً	ایضاً	راولپنڈی
سکشن ڈی نمبر ۳۸	ایضاً	ایضاً	میانمیر
سکشن اے نمبر ۴۶	ایضاً	ایضاً	آگرہ
سکشن بی نمبر ۵۹	ایضاً	ایضاً	آگرہ

والنٹیر

لفٹنٹ کرنل اے گرے

لفٹنٹ کرنل ایف گاڈون۔

۲ اسکواڈرن ماؤنٹڈ } متفرق
۸ کمپنیاں ڈس ماؤنٹڈ }

تفصیل کیمپ

۳	اسکواڈرن	رسالہ نمبر ۳ بنگال۔	میرٹھ و دہلی۔
	پونٹنگ سکشن	سفر مینا بنگال۔	روڑکی۔
۲	ایضاً	سفر مینا مدراس۔	بنگلور
	فوٹو لتھو سکشن	سفر مینا بنگال	روڑکی
۲	خاص ماؤنٹیڈ سگنلنگ	رسالہ نمبر ۴۔	سکندرآباد
۲	ایضاً ایضاً	رسالہ نمبر ۵۔	لکھنؤ
۲	ایضاً ایضاً	رسالہ نمبر ۶۔	بنگلور
۲	ایضاً ایضاً	رسالہ نمبر ۲ مدراس۔	سکندرآباد
۱	ایضاً ایضاً	رسالہ نمبر ۳ "	بنگلور
	نمبر ۲ توپ خانہ ہسپتال۔		میرٹھ
	جرنیلی ہسپتال انگریزی ۲۰۰ بستر		دہلی۔
	جرنیلی ہسپتال ہندوستانی ۳۰۰ بستر		دہلی
	چ ر ڈیپو۔		

خاتمۂ کتاب

مجھسے جہانتک ہوسکا میں نے اس کتاب کی ترتیب دینے میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا یہ کام جو ایک سال کے عرصہ میں بھلا برا انجام کو پہنچگیا حقیقت میں کئی سال کا تھا۔ علاوہ اور ابواب کے صرف آثار الصنادید ہی کا ایک باب ہے جو ایک مدّت چاہتا ہے اور آسان نہیں ہے کہ چند مہینے میں کوئی اسکی تکمیل کرے اسیطرح جتنے باب ہیں اور جس تحقیق سے لکھے گئے ہیں اسکو ناظر کتاب خود جانچیگا باقی میں نے اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔

دربار شہنشاہی کے بیانکو میں نے زیادہ طول نہیں دیا کیونکہ لاکھوں آدمی اسوقت موجود ہیں جنھوں نے آنکھوں سے دیکھا ہے ان کے آگے تو وہ زیادہ دلچسپ نہیں تاہم وہ لوگ جو نہیں آئے انکا شوق پورا کرنا چاہیے تھا اور اسبات کے لئے میرے خیال میں اسقدر لکھنا کافی ہوگا۔ میں نے سرکاری کاغذات کا زیادہ خلاصہ کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ سرکاری بیان سے زیادہ معتبر اس معاملہ میں اور کوئی بیان نہیں ہوسکتا۔ میں نے بعض عمارتوں کی اور بعض رئیسوں کی اخیر کتاب میں تصویریں بھی دی ہیں اور میں افسوس کرتا ہوں کہ جنھیں امپیریل گورنمنٹ۔ گورنر جنرل۔ لیفٹننٹ گورنر اور لوکل گورنمنٹ وغیرہ نے مدعو کیا ان کل کی تصاویر نہ لیسکا۔ اگر مجھے تصویریں

ہاتھ لگ جائیں تو میں بہت خوشی سے درج کر دیتا۔

یہ جلد تو یہاں تک پوری ہو گئی۔ اور اس میں کچھ گھٹانا بڑھانا نہیں رہا۔ ہاں

ناموران ہندوستان

کے حالات اور تصاویر کی دوسری کتاب تیار کرنی ہے۔ بہت سی نامور اصحاب نے اپنے اپنے فوٹو اور حالات میرے پاس بھیجدیئے ہیں جنکو میں نے ترتیب دے لیا ہے مگر میں اور ناموران ہندوستان کے فوٹو اور حالات جمع کرنے میں اور بھی ایک بار کوشش کرونگا اگر میں کامیاب ہو گیا بعونہٖ یہ ایک عجیب کتاب ہوگی۔ بہرحال "ناموران ہندوستان" کی کتاب بھی چھپنی شروع ہو گئی ہے۔ جو انشاء اللہ "چراغ دہلی" کی طرح نہایت خوش اسلوبی سے ختم ہو جائے گی اور بعد ازاں شائقین کی خدمت بھیج دی جائے گی۔

والسلام

میرزا حیرت

مسجد موٹھ

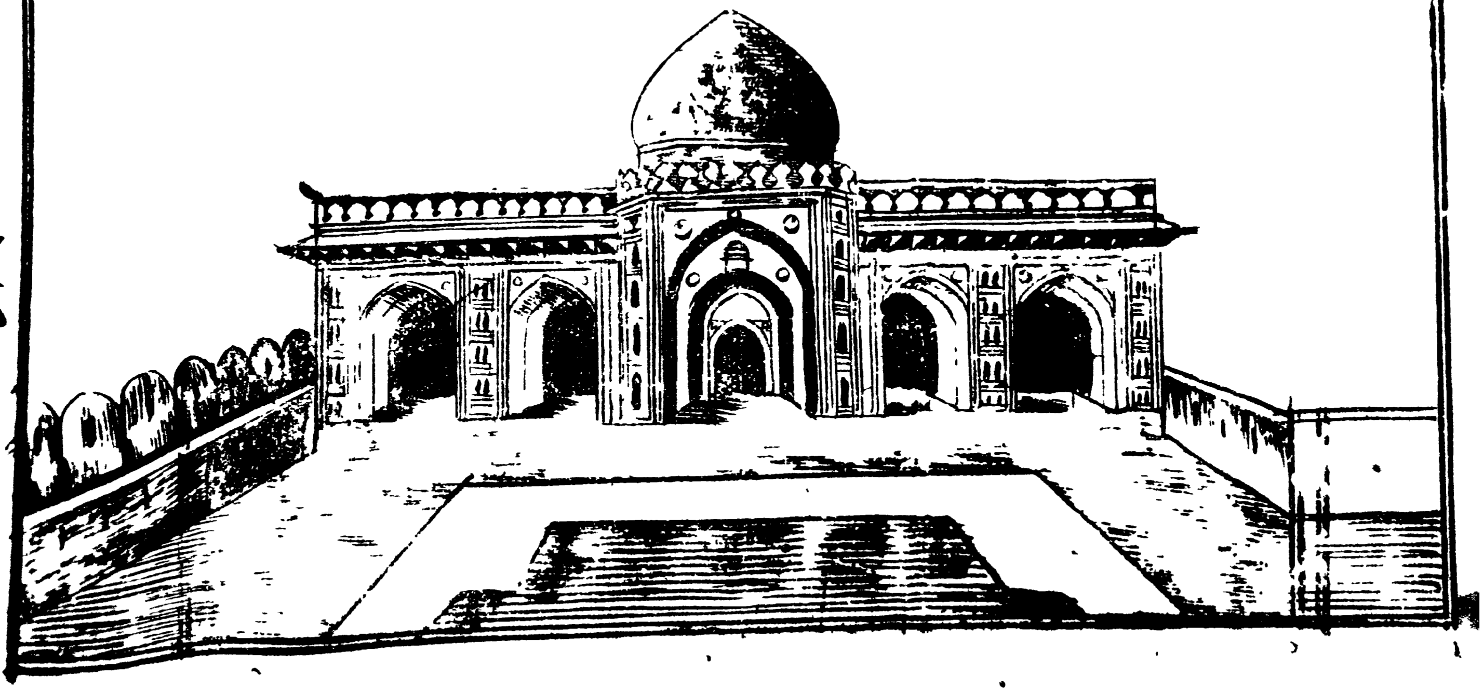

باؤلی خواجہ قطب الدین صاحب

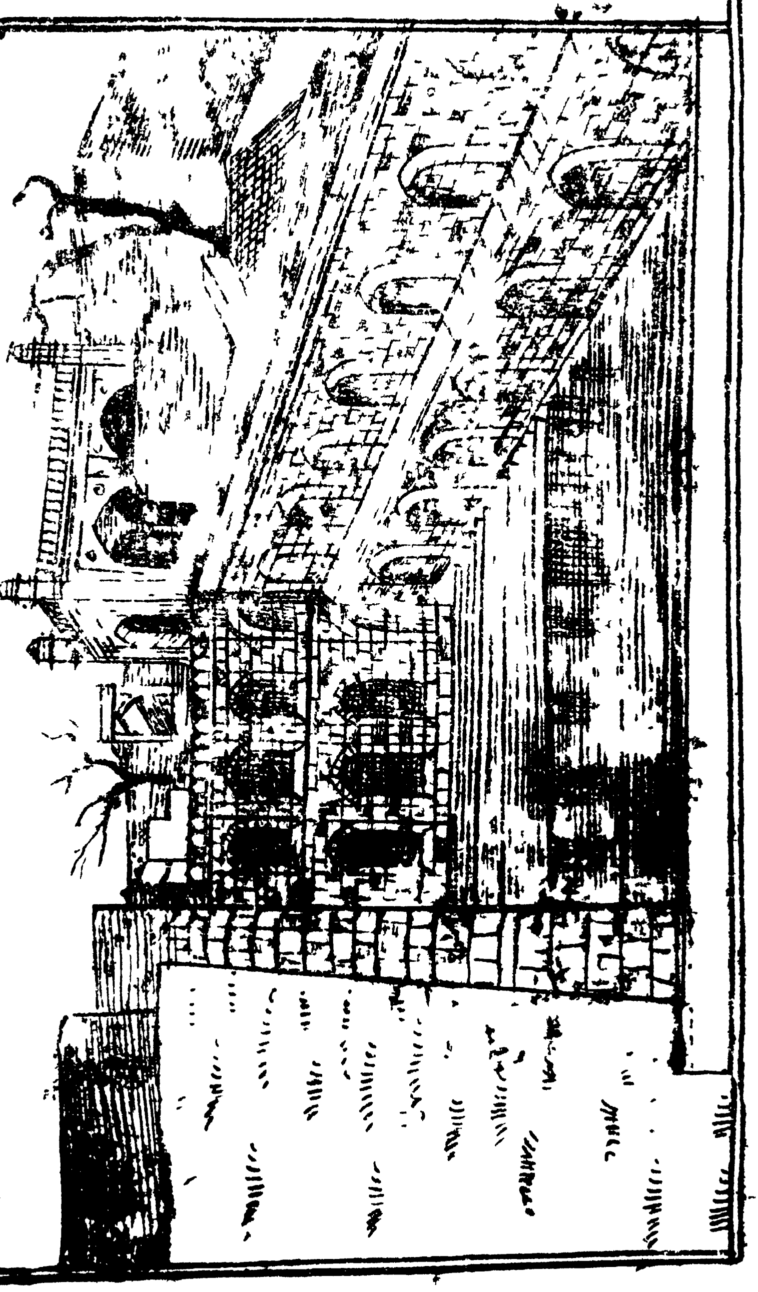

نقشهٔ بدیع منزل

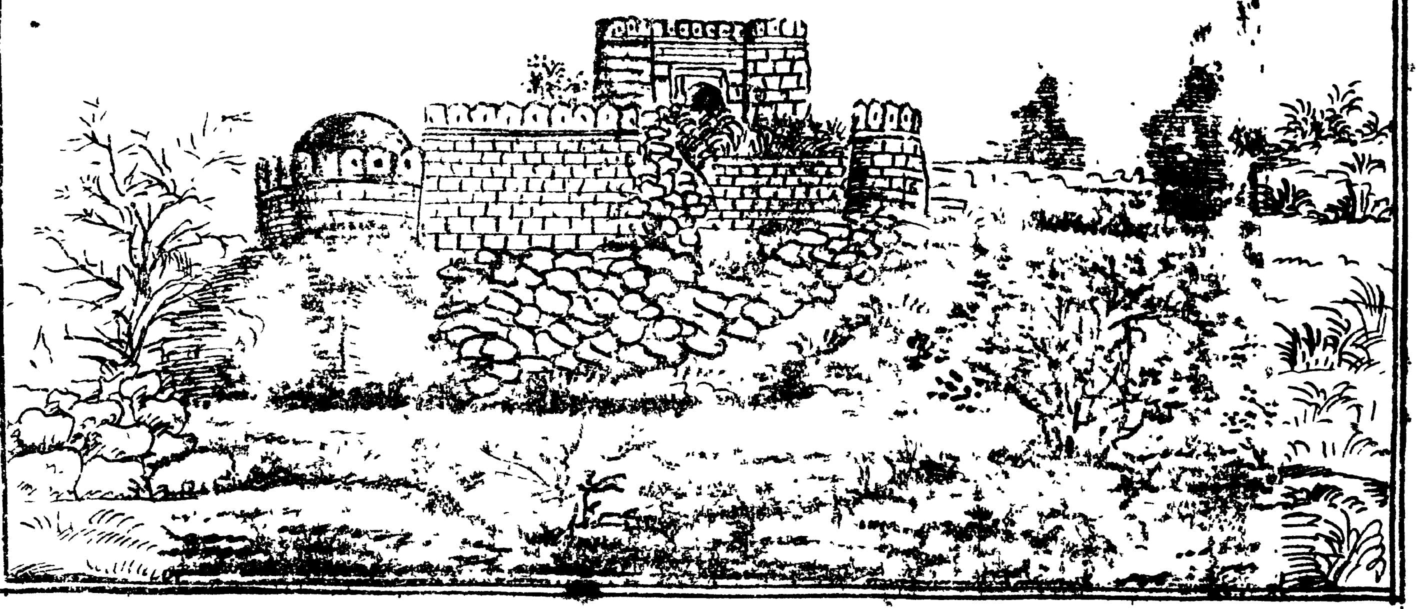

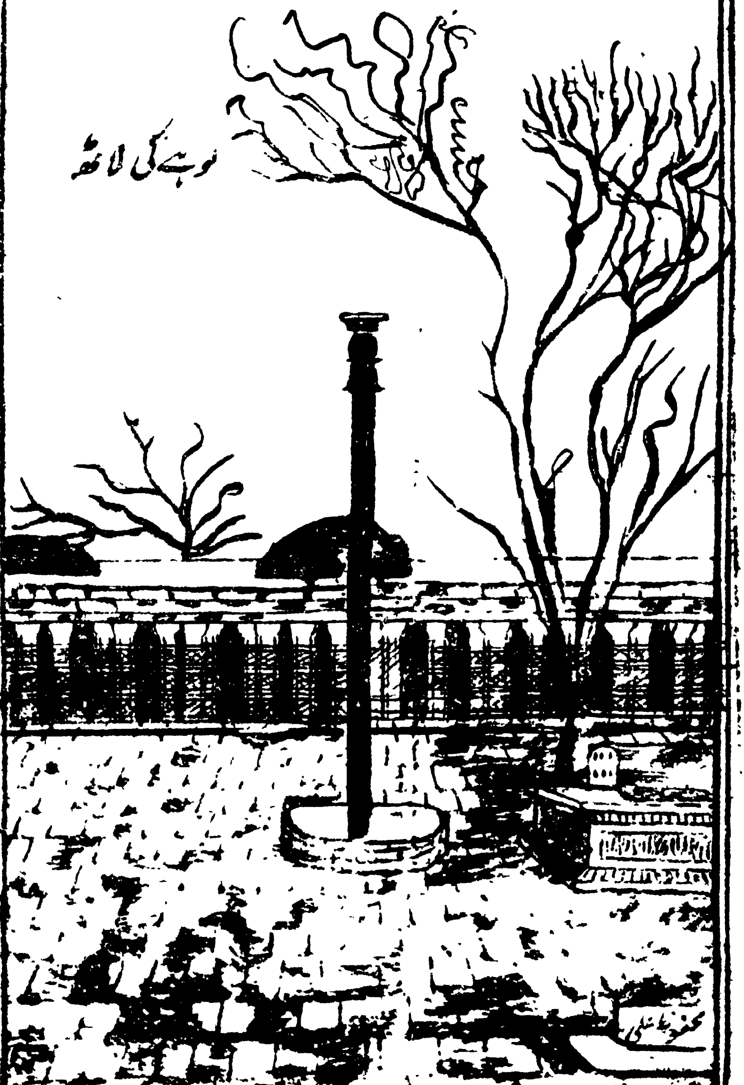

لوہے کی لاٹھ

منیار قطب صاحب

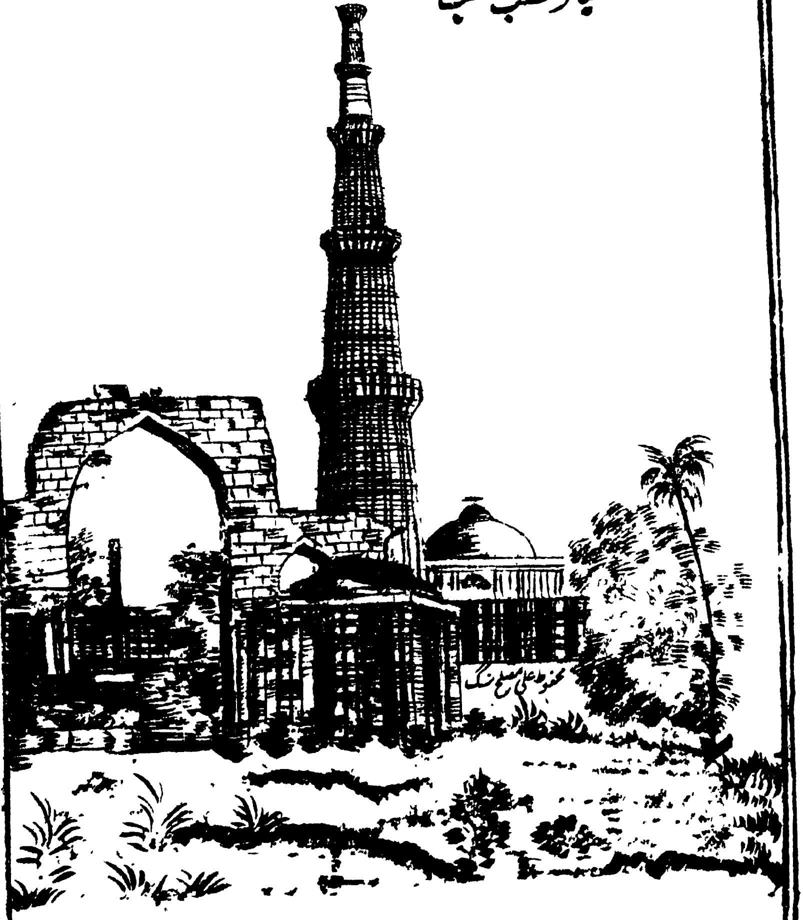
محفوظ علی مصلح سنگ

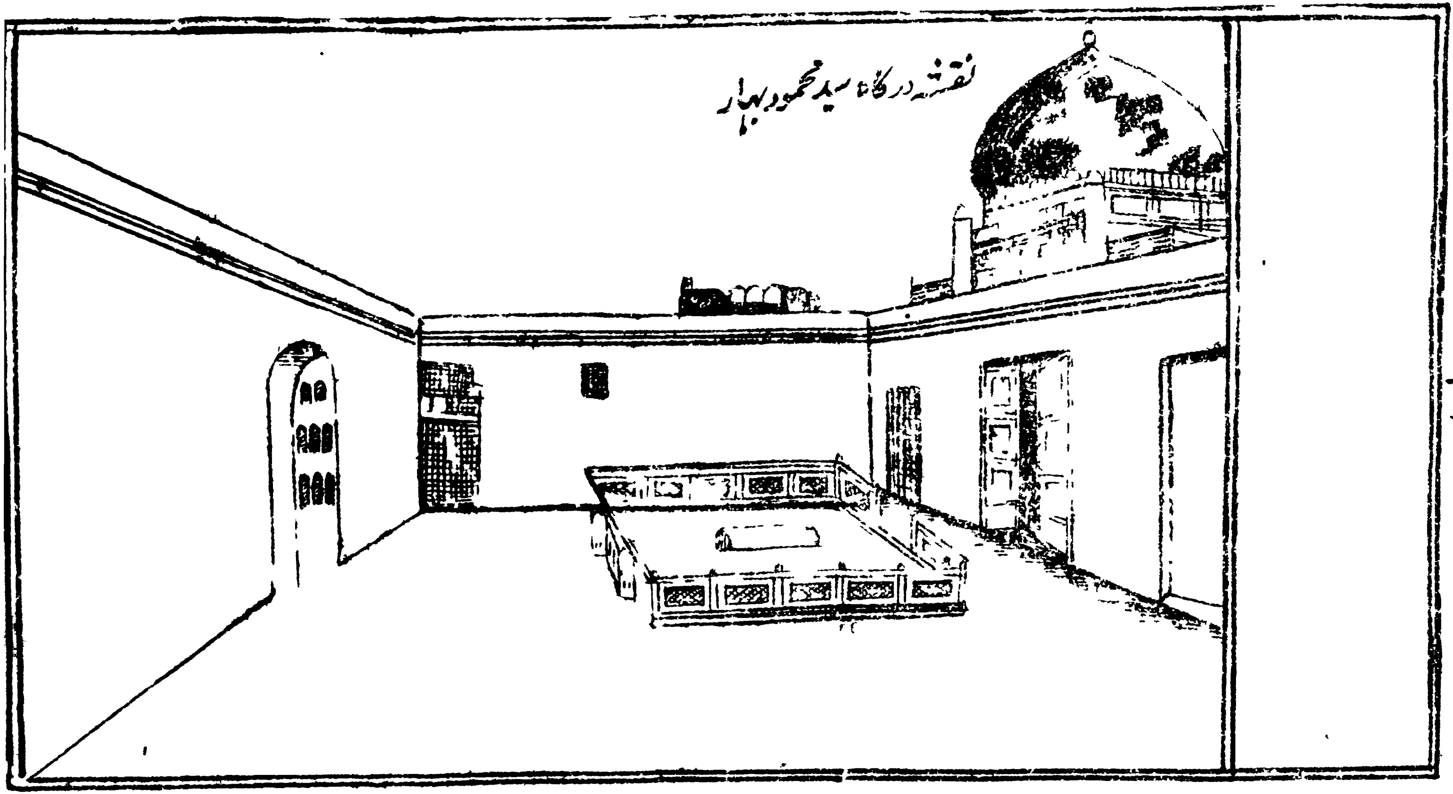

نقشہ درگاہ سید محمود بہار

نقشہ ست پلہ متصل روشن چراغ دہلی

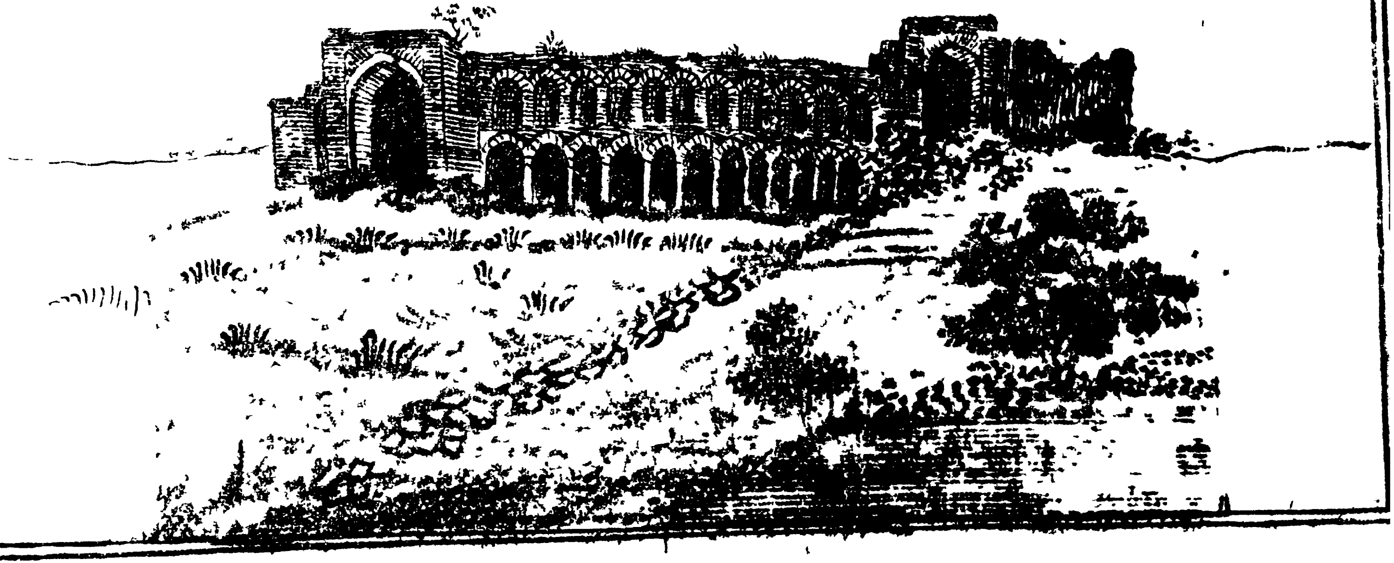

مقبرہ سلطان بہلول لودہی

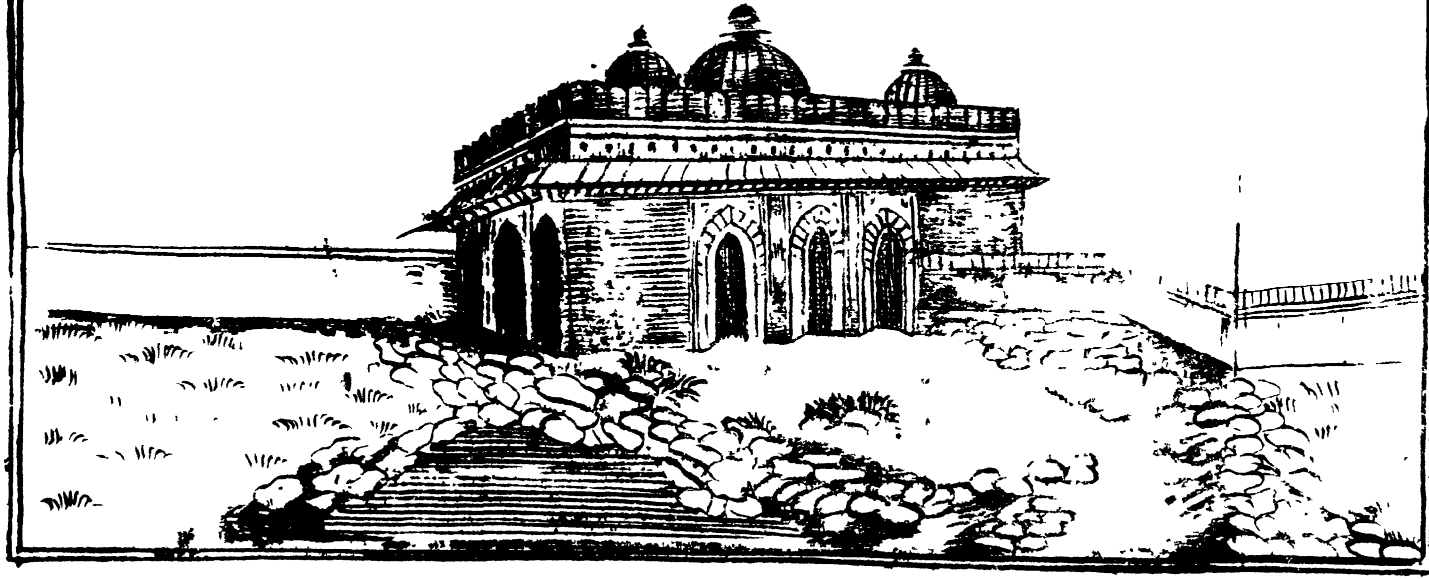

نقارخانہ اندرون قلعہ

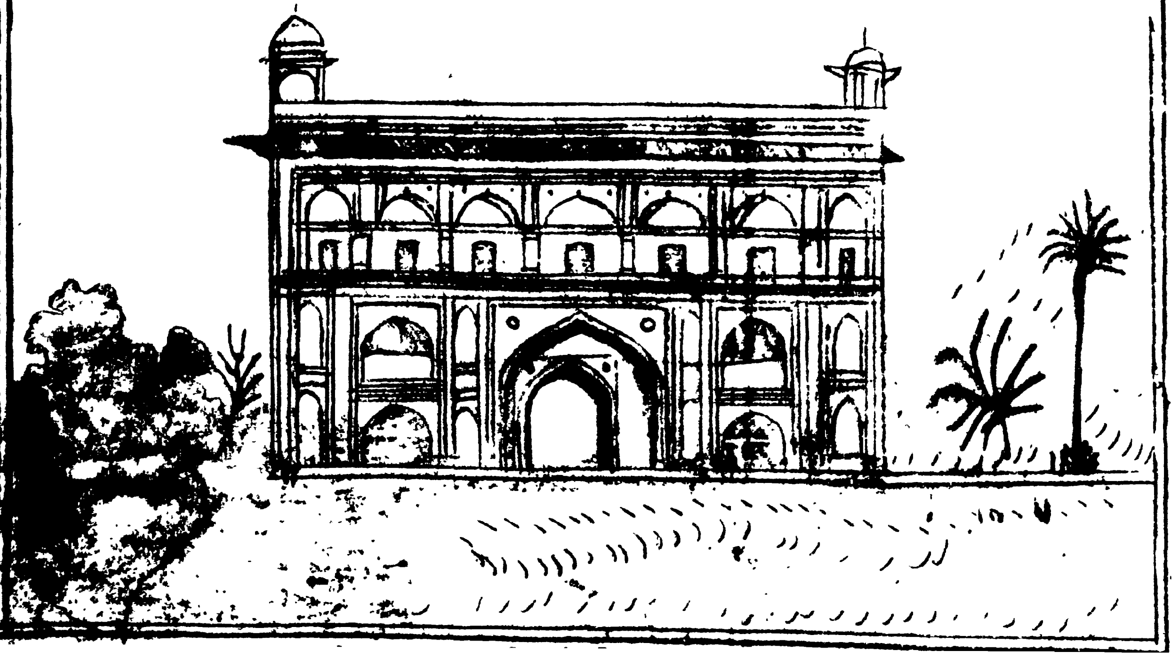

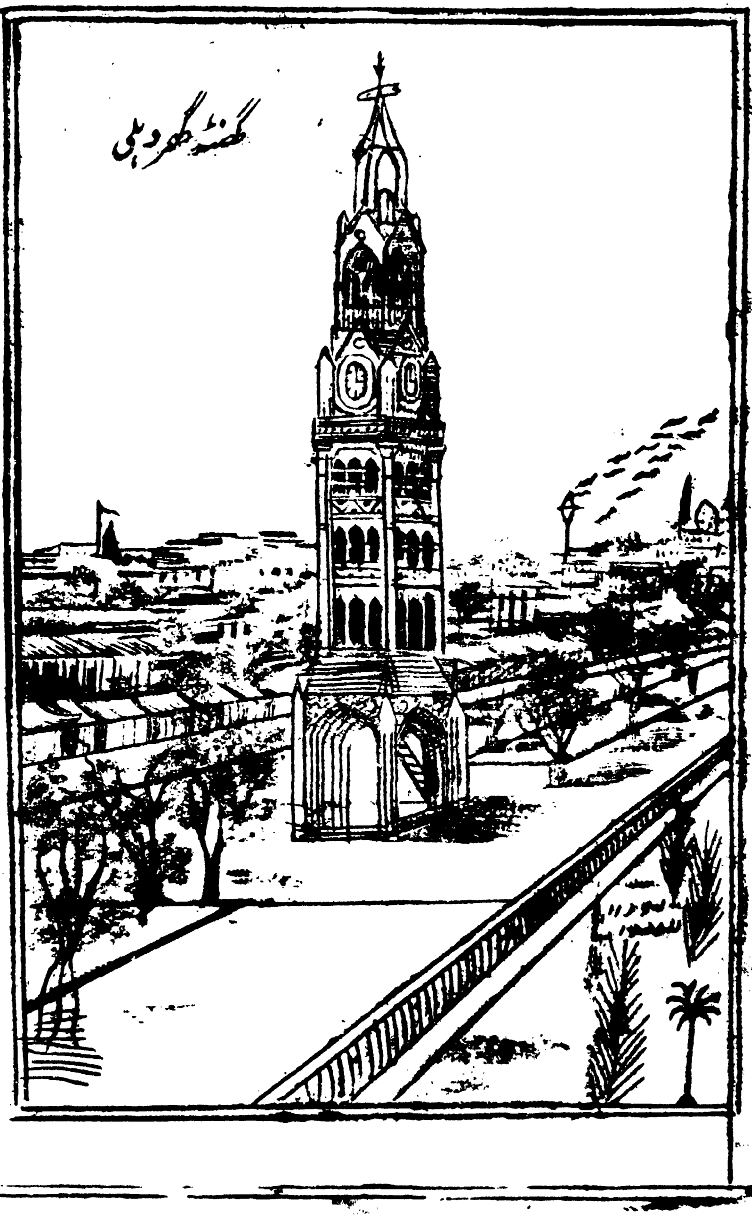

گھنٹہ گھر دہلی

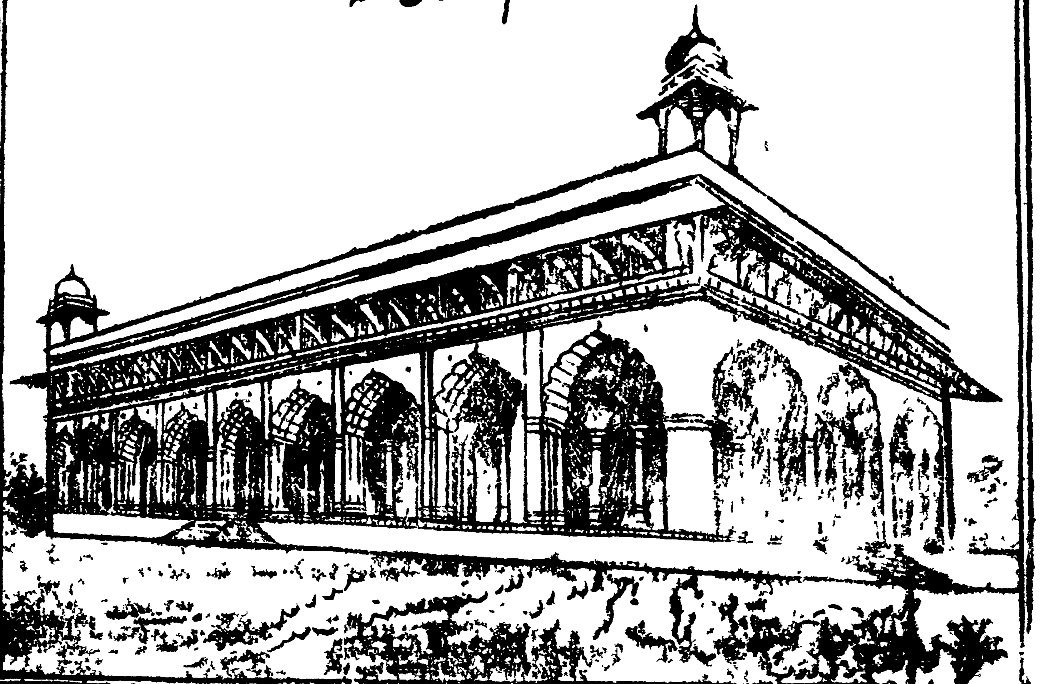

دیوان عام اندرون قلعہ

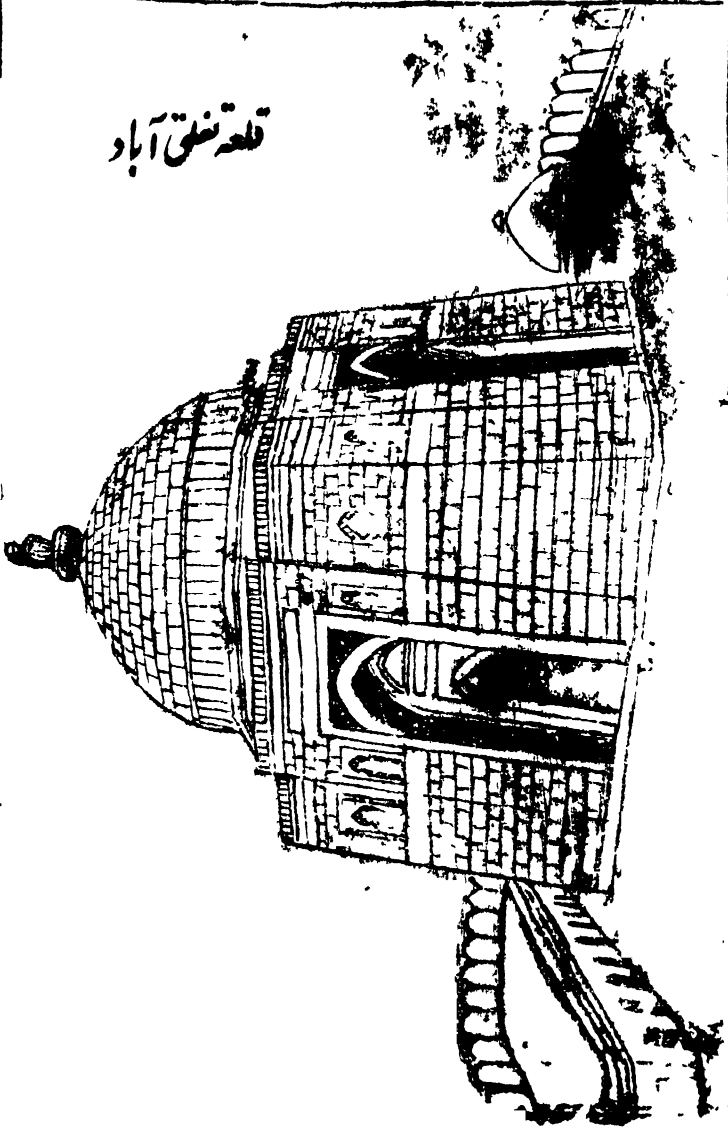

قلعہ تغلق آباد

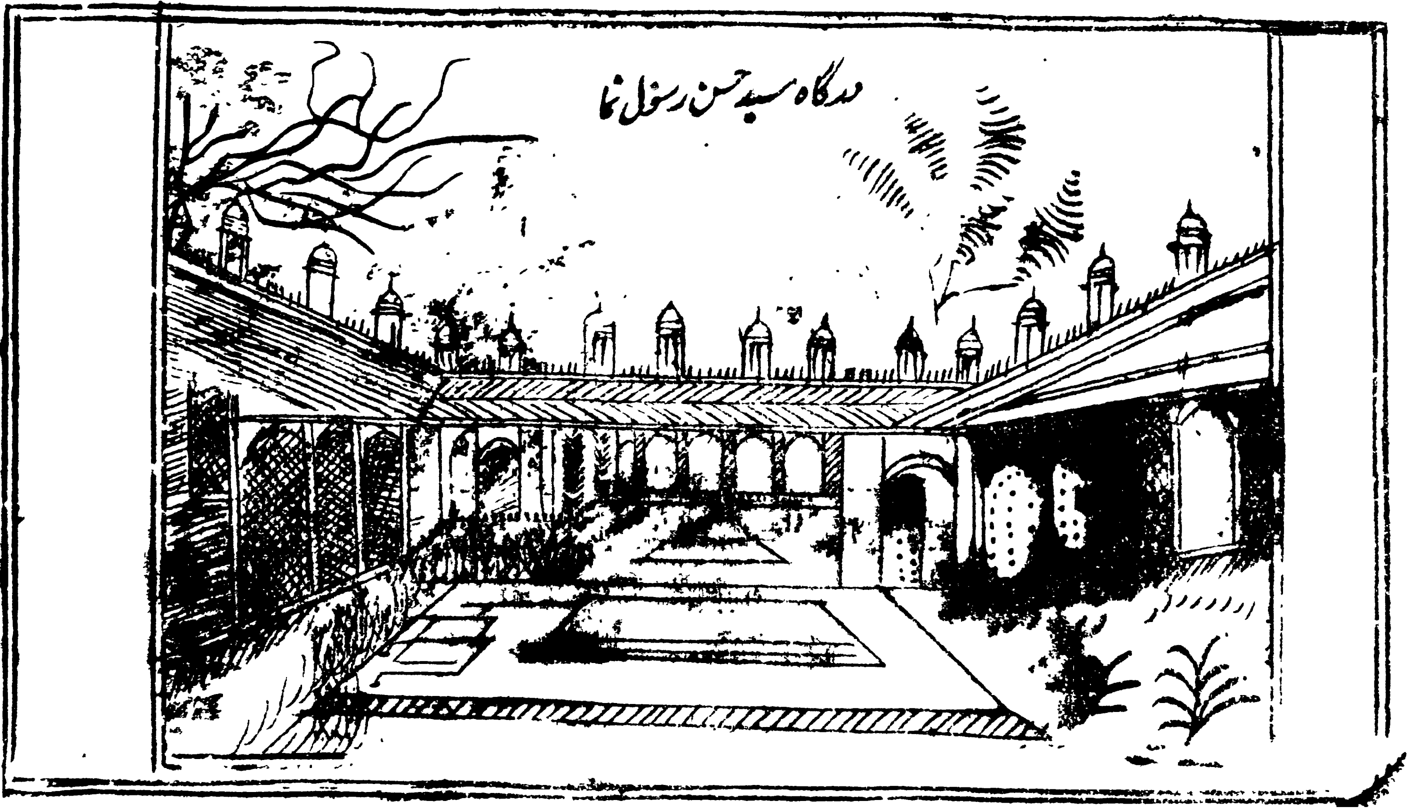

درگاہ سید حسن رسول نما

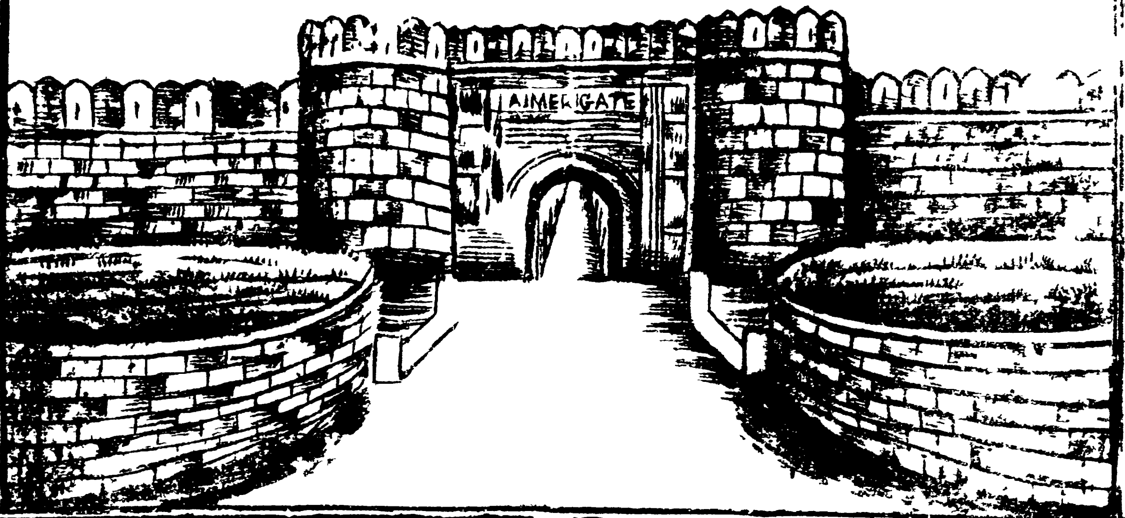

اجمیری دروازہ

AJMERI GATE

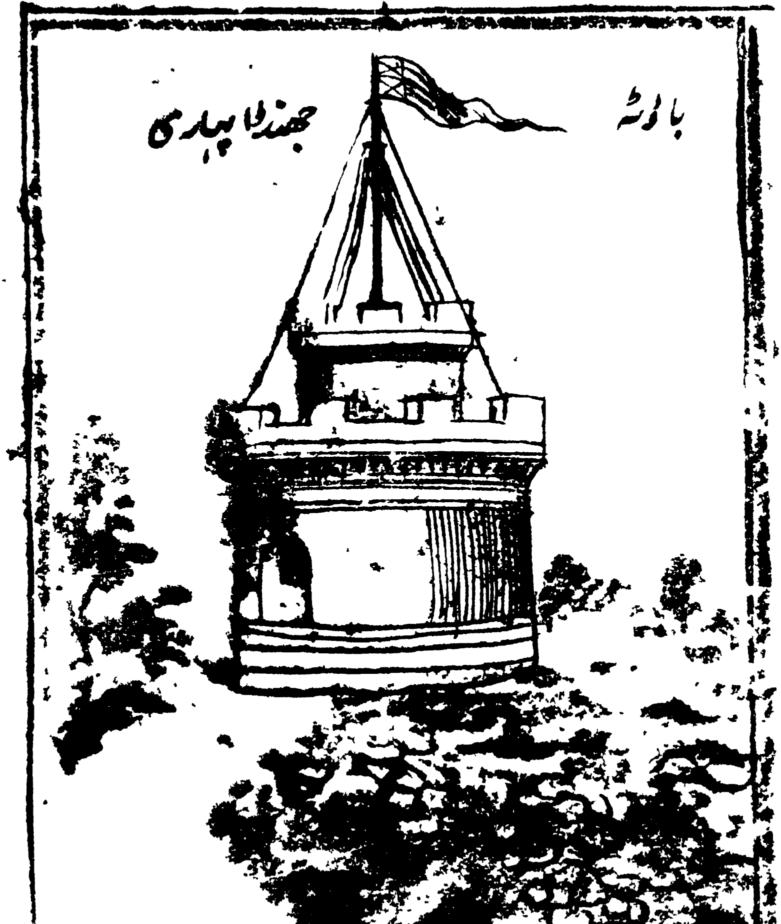
باڈشہ
جھنڈا پہاڑی

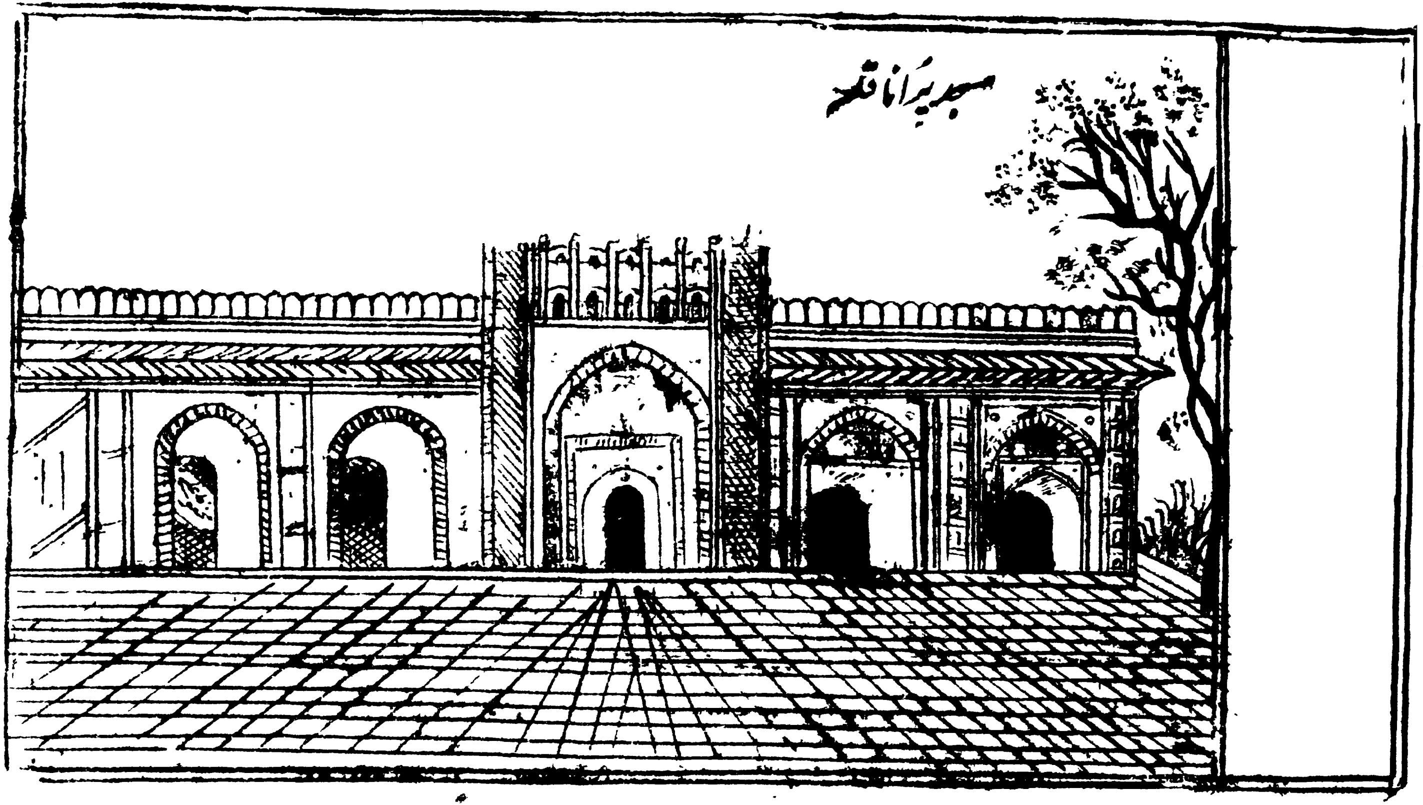

مسجد پرانا قلعہ

کلان مسجد

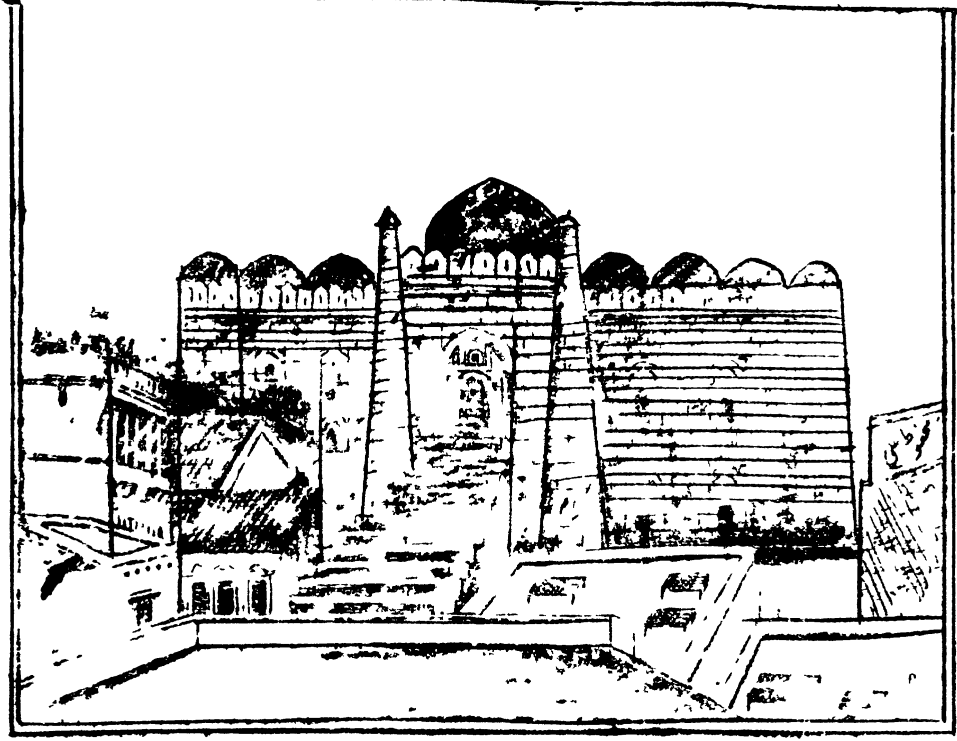

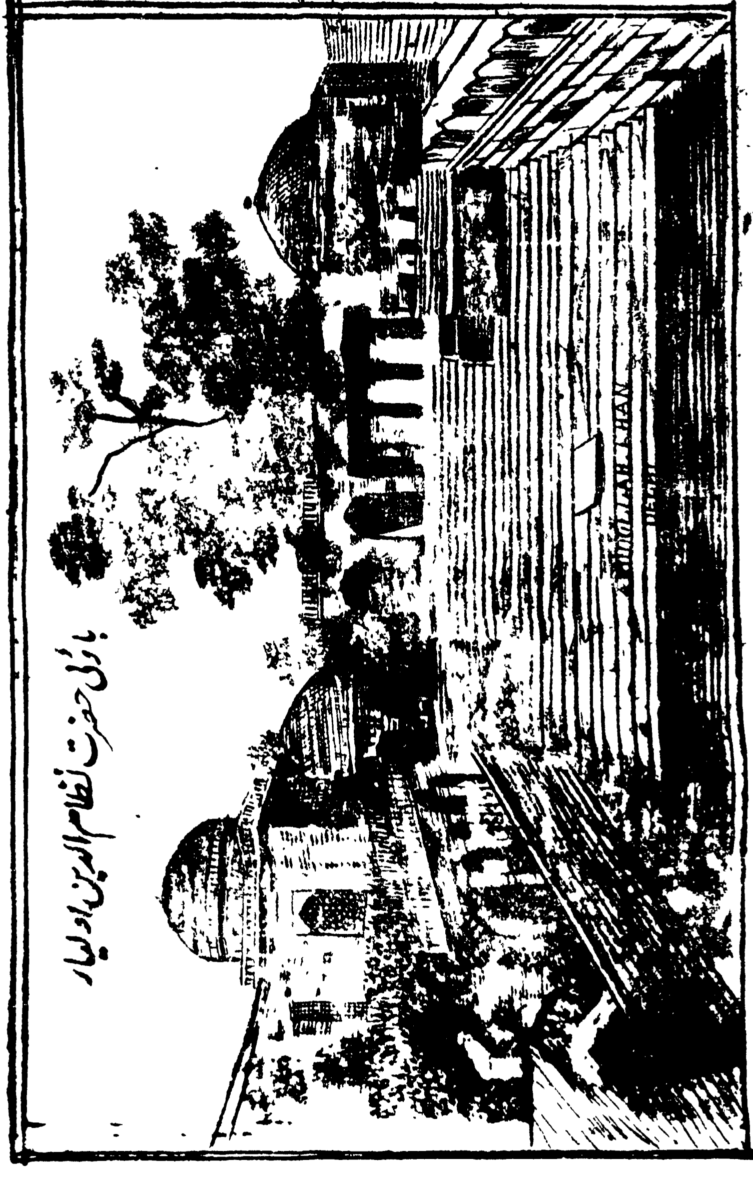
ABDULLAH KHAN

باؤلی حضرت نظام الدین اولیاء

دروازہ عرب سرائے

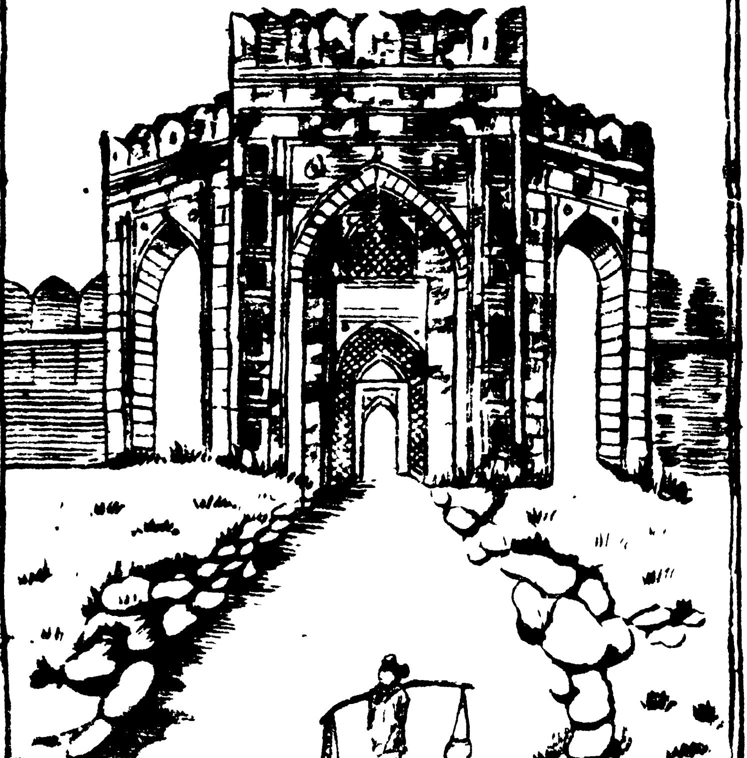

دروازہ عرب سراے

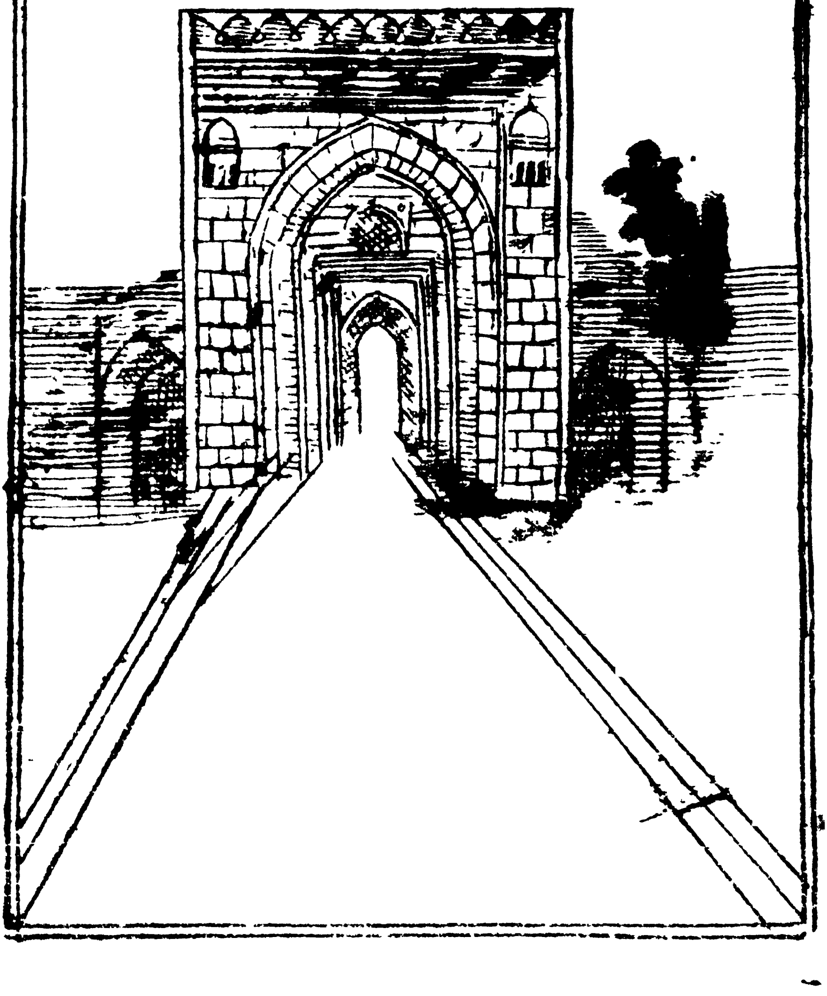

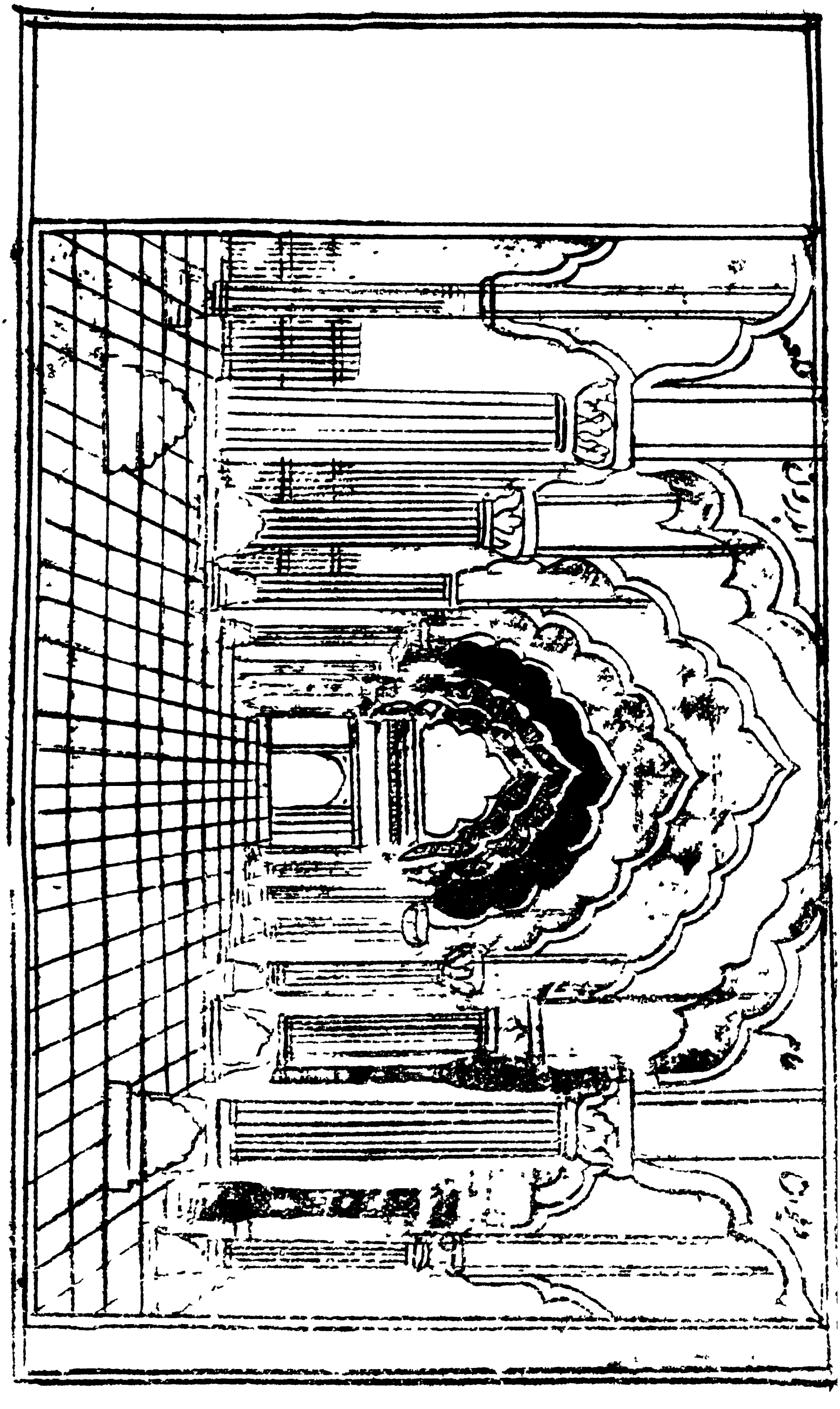

دروازہ غربی عرب سرائے

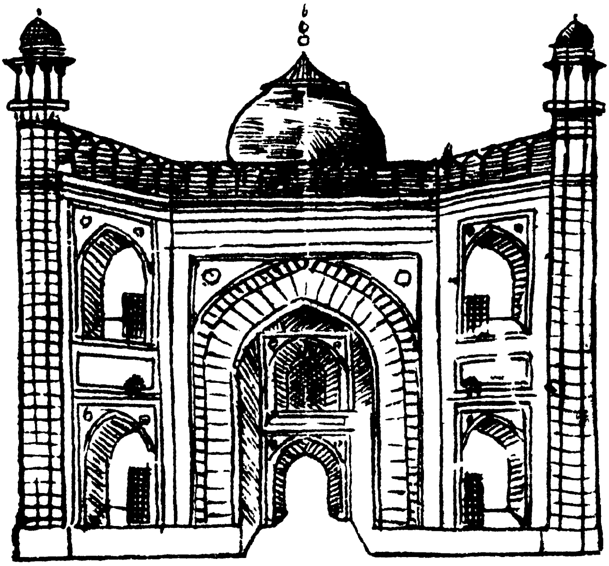

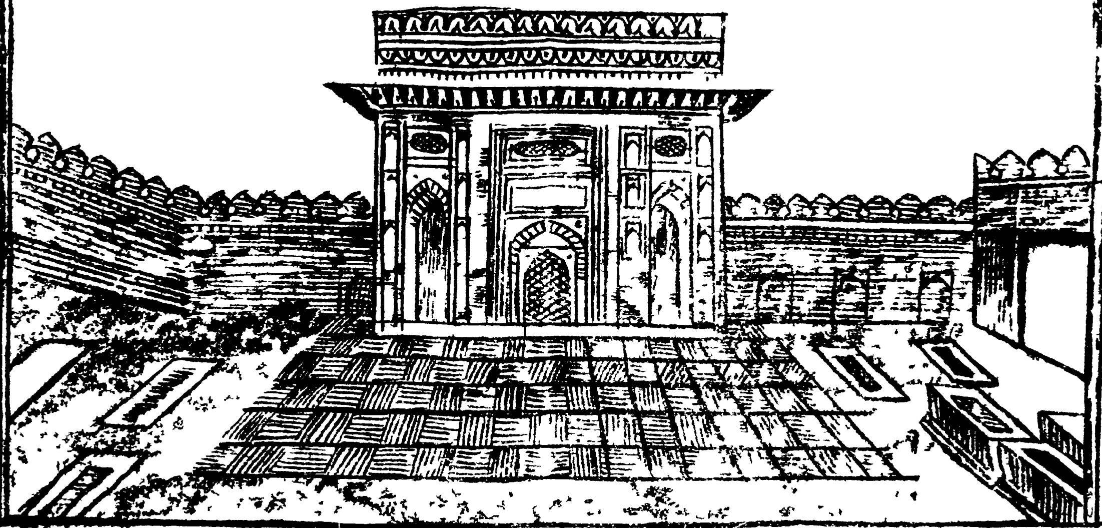

درگاہ مولانا جمالی

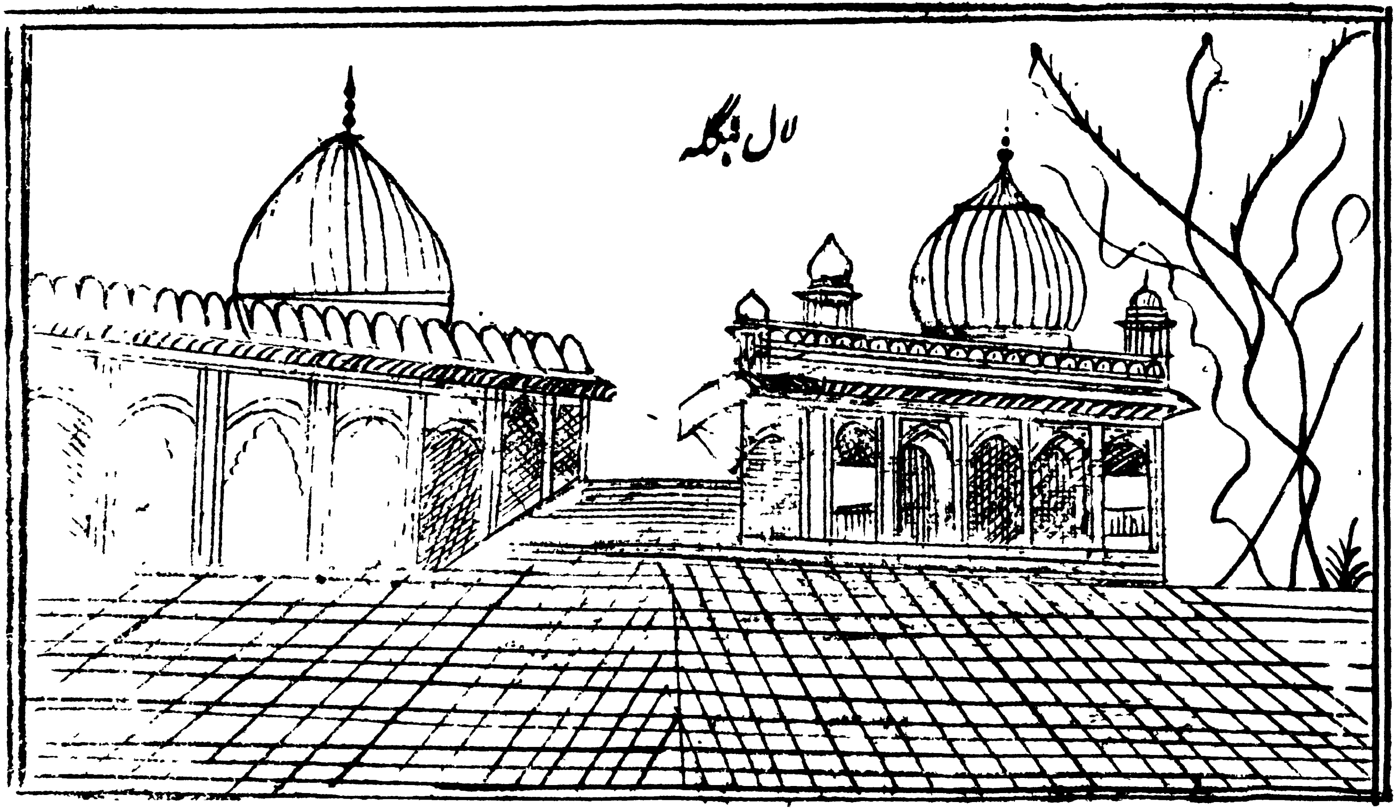
لال بنگلہ

دروازہ پرانا سنگین

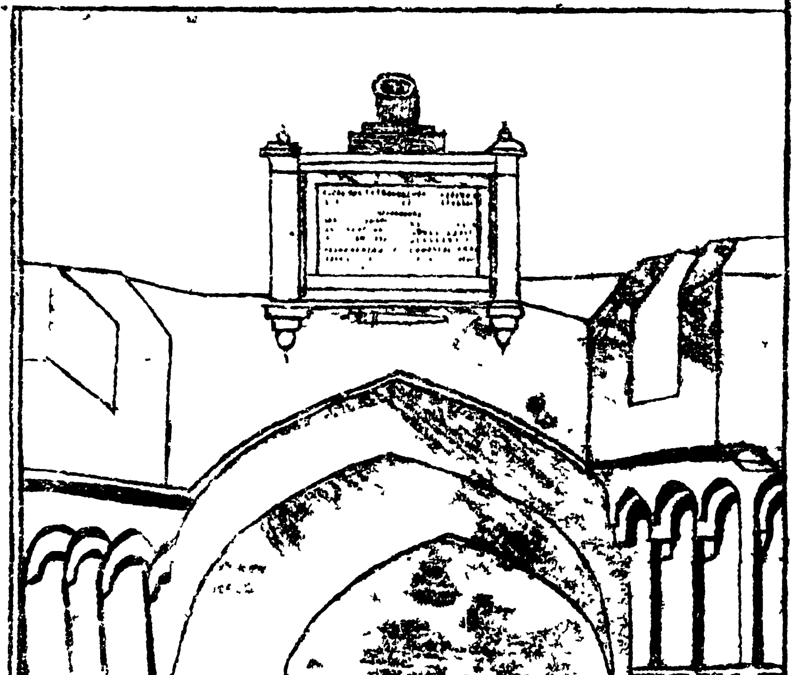

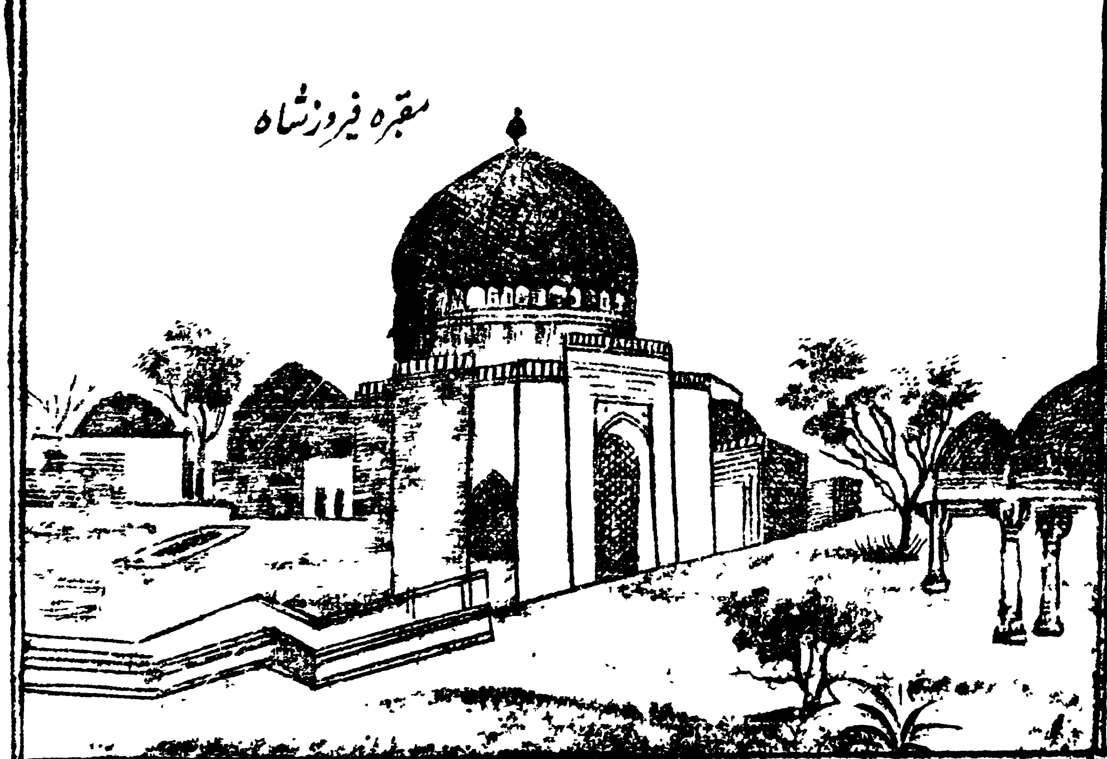

مقبرہ فیروزشاہ

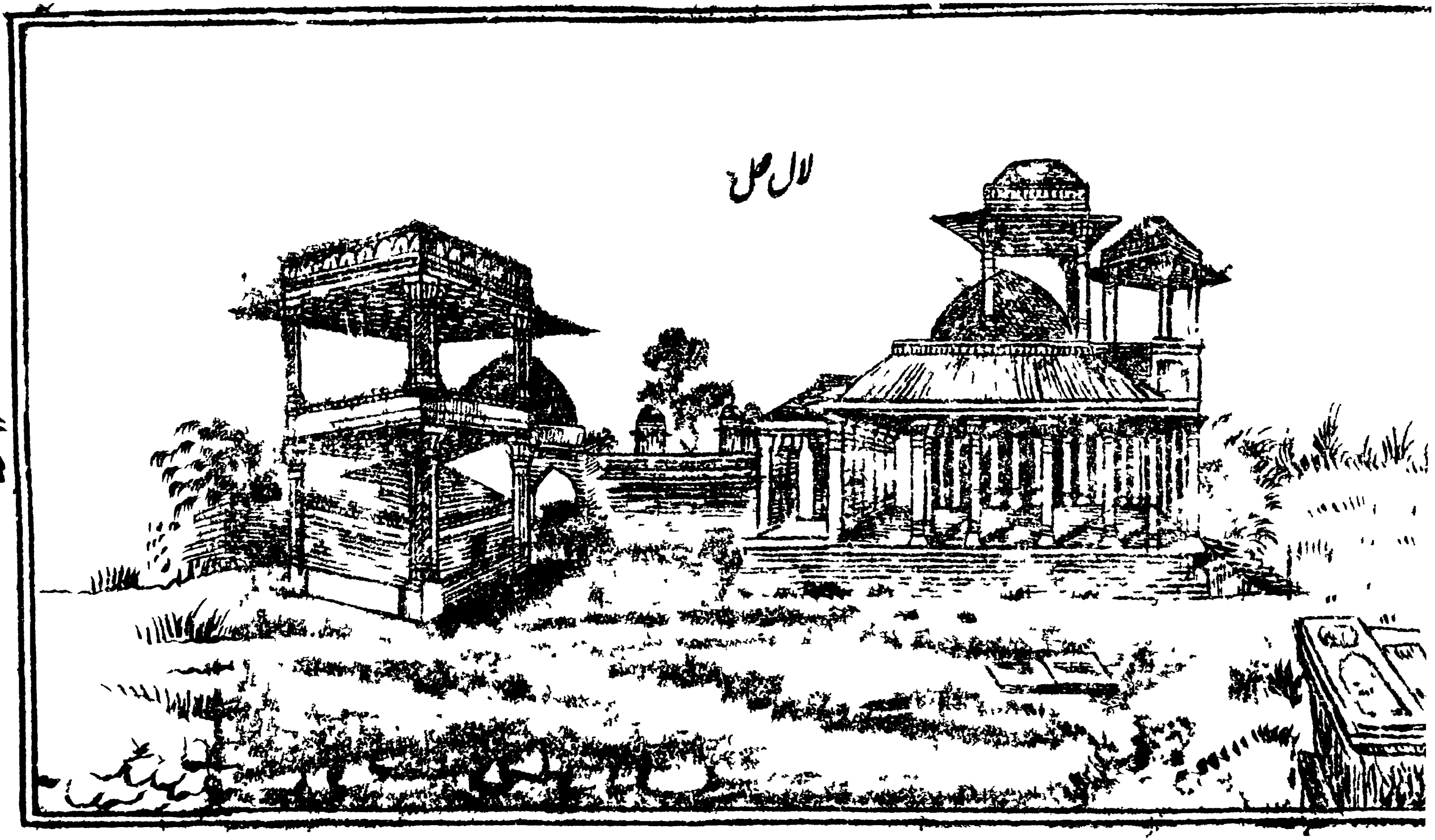

لال محل

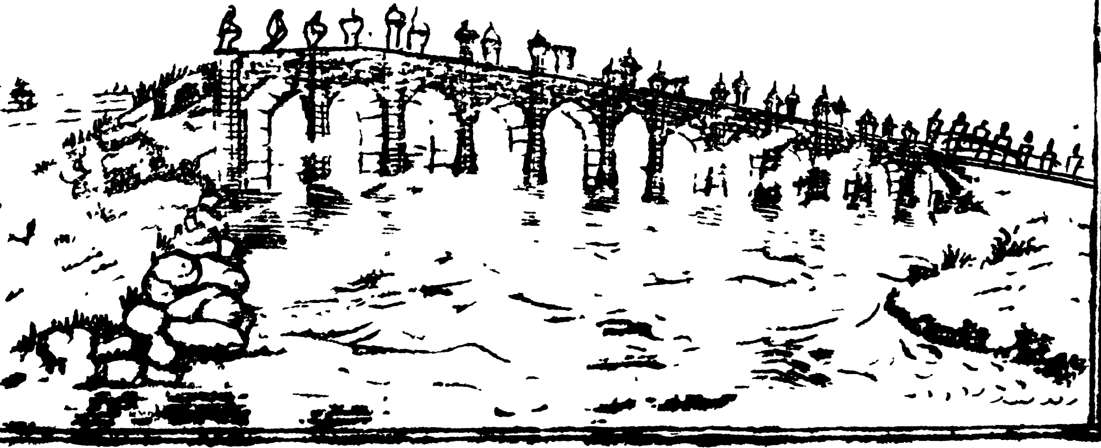

باره پله

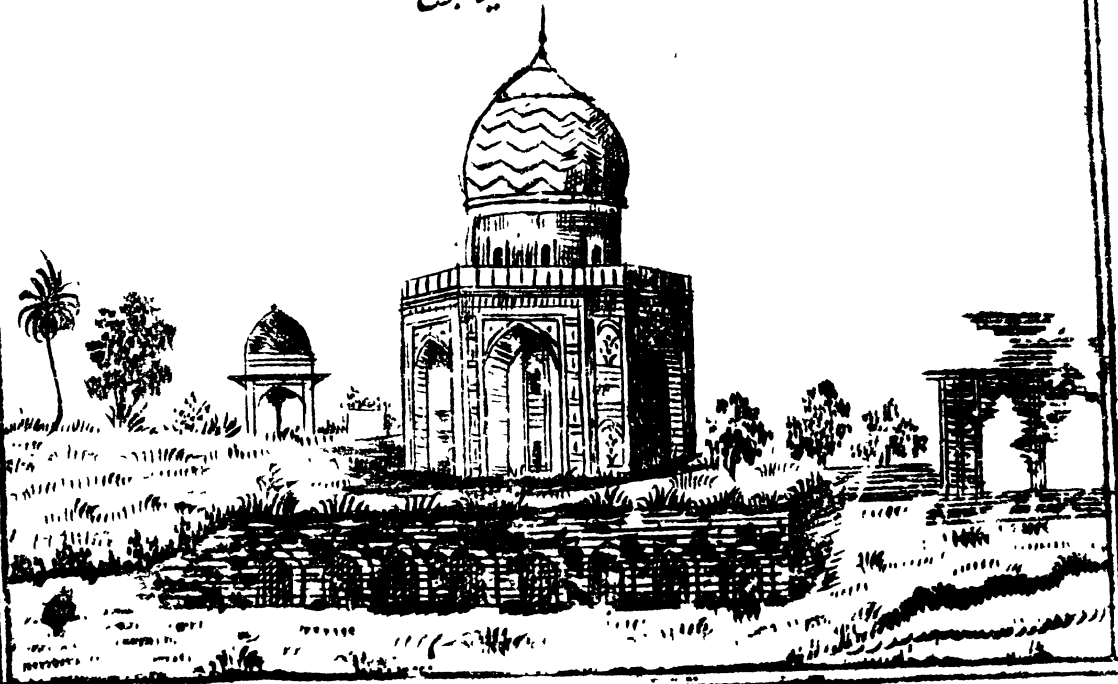

نیلا برج

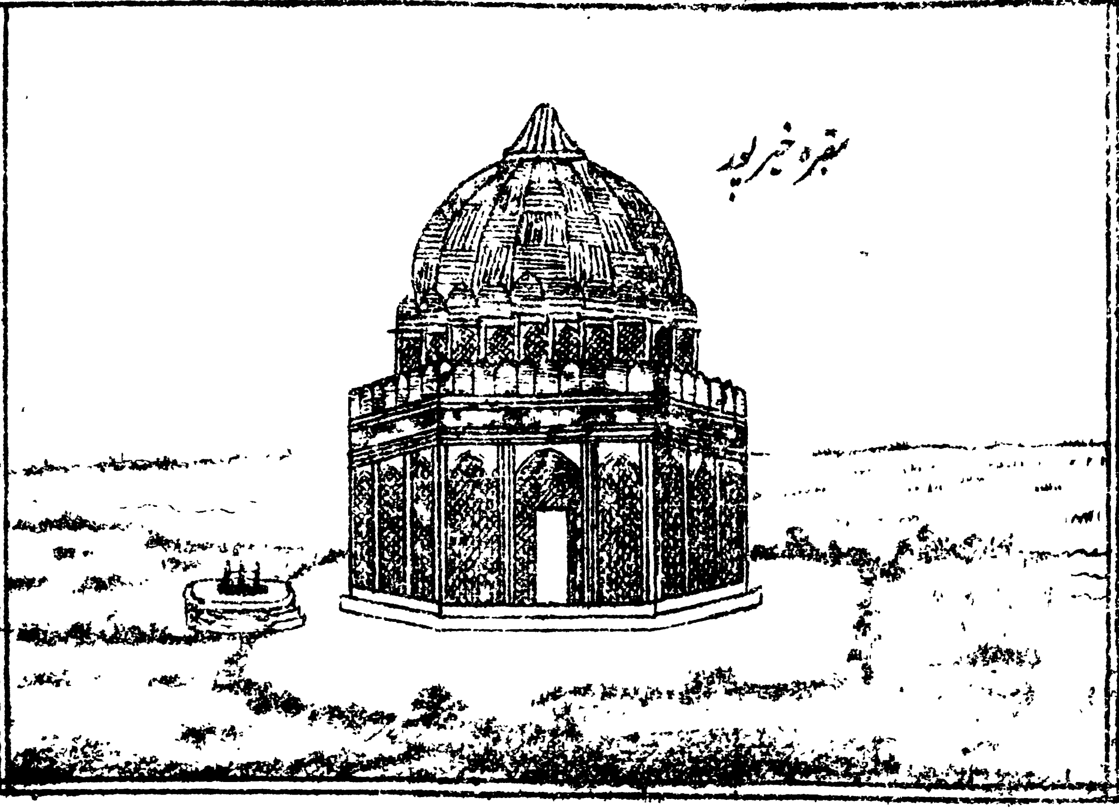
مقبرہ خیرلوبہ

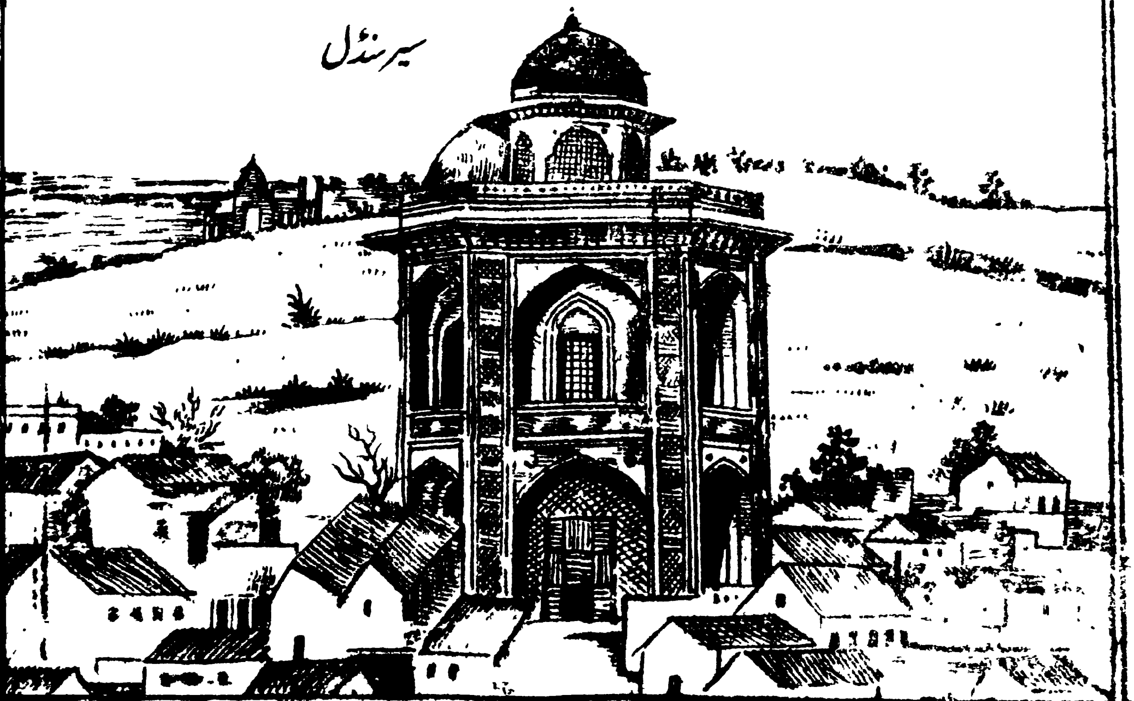
سیرنڈل

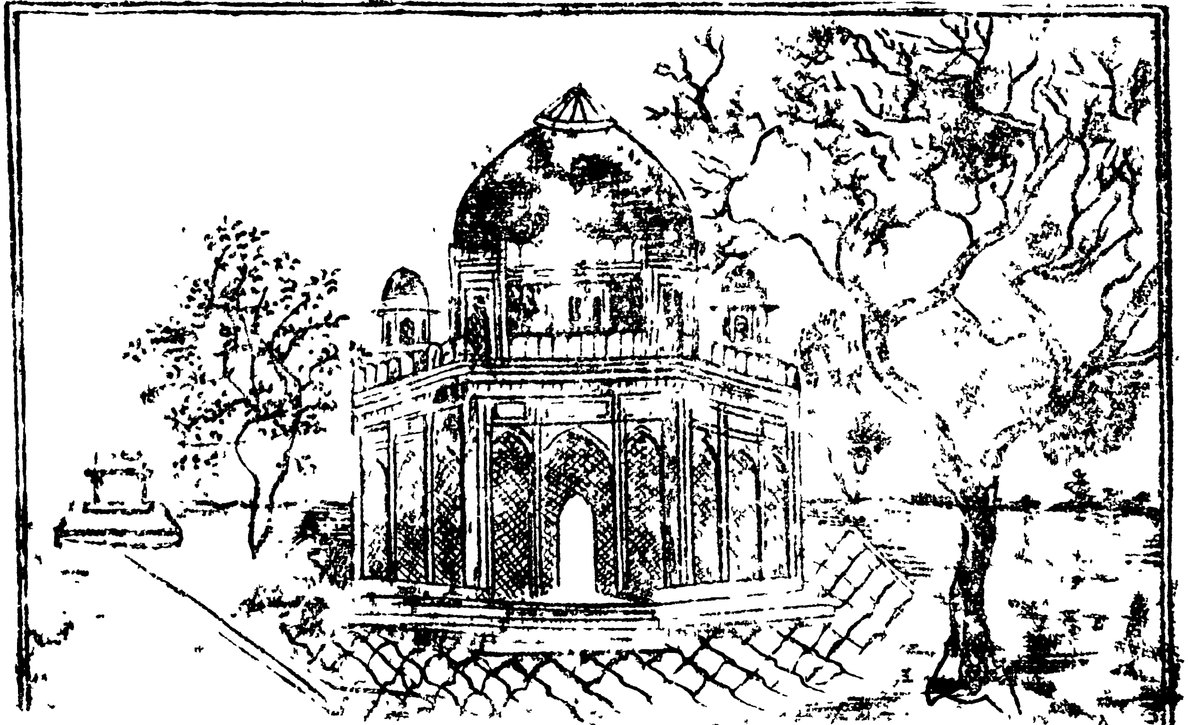

مقبرہ اندرون احاطہ

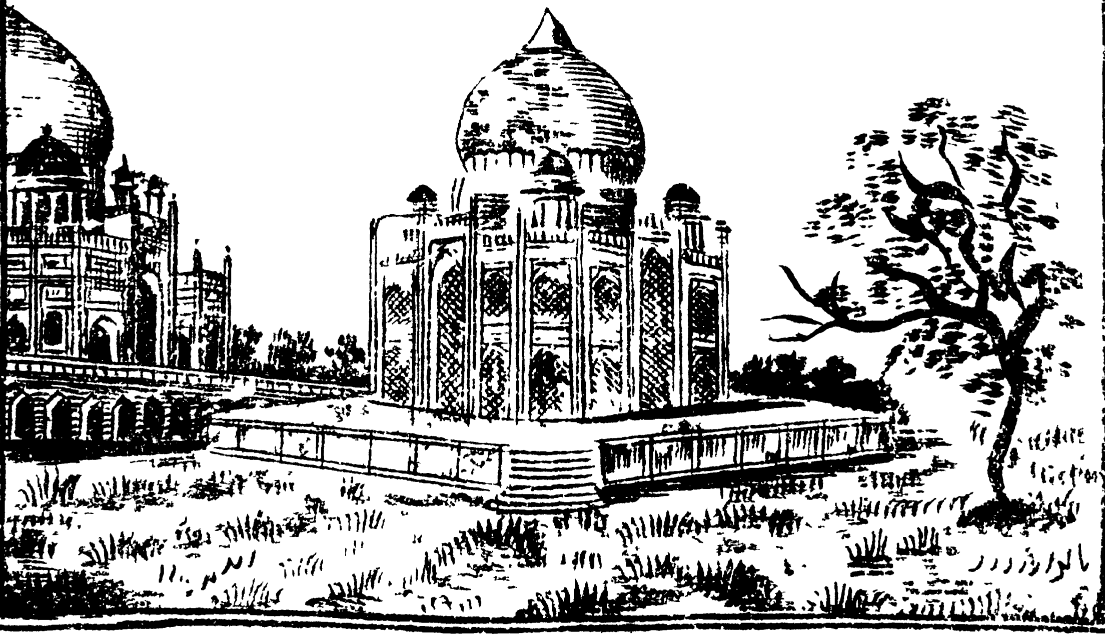

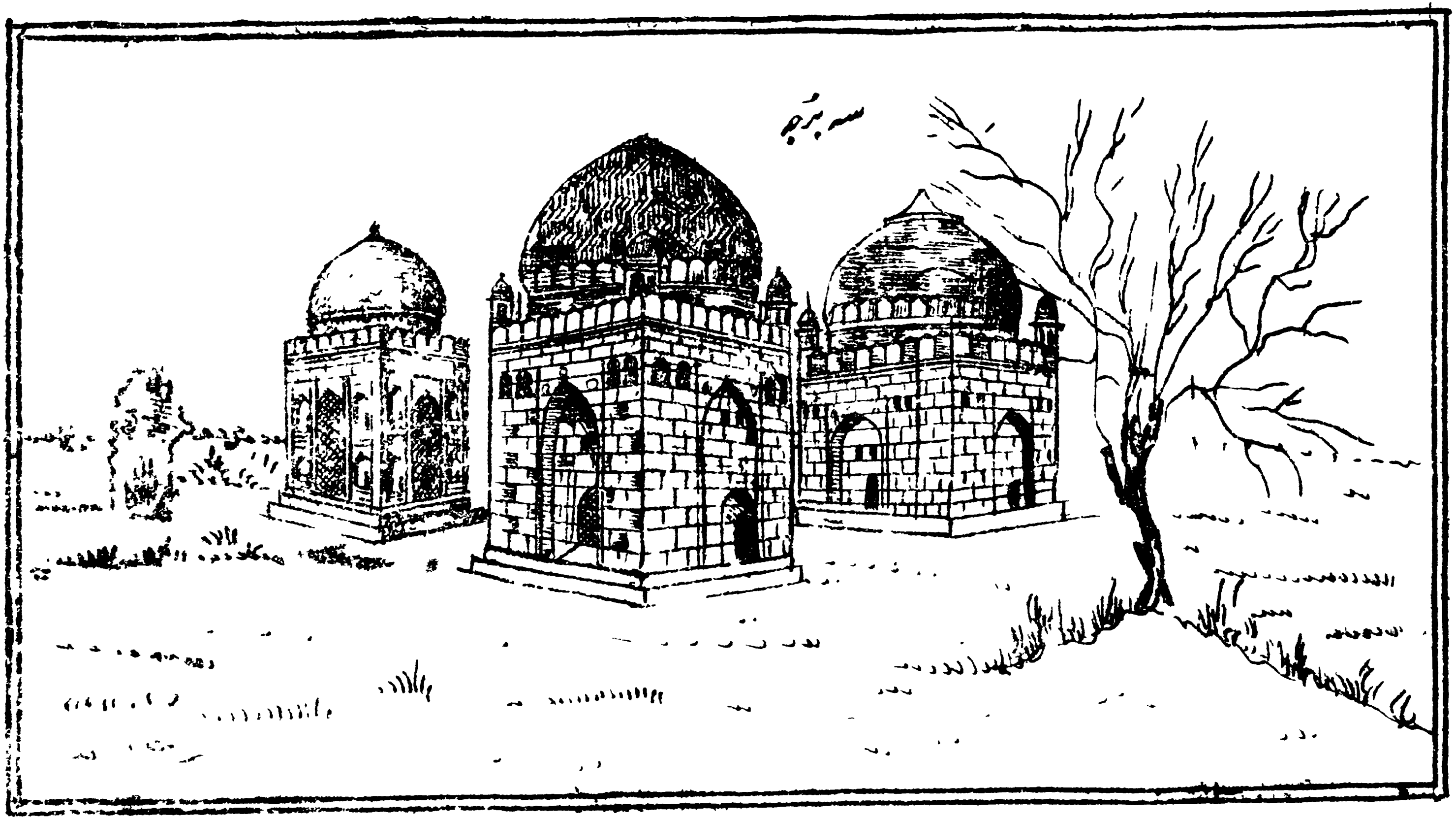
سہ برجہ

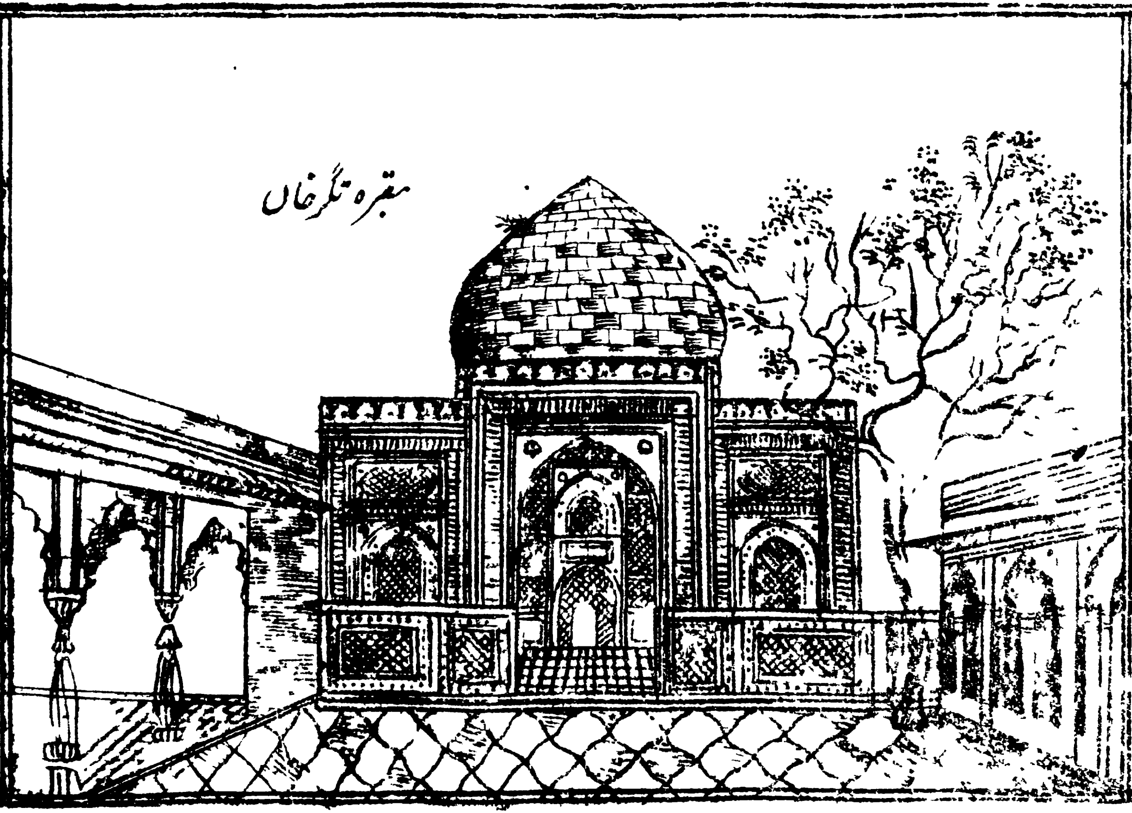

مقبرہ تگر خاں

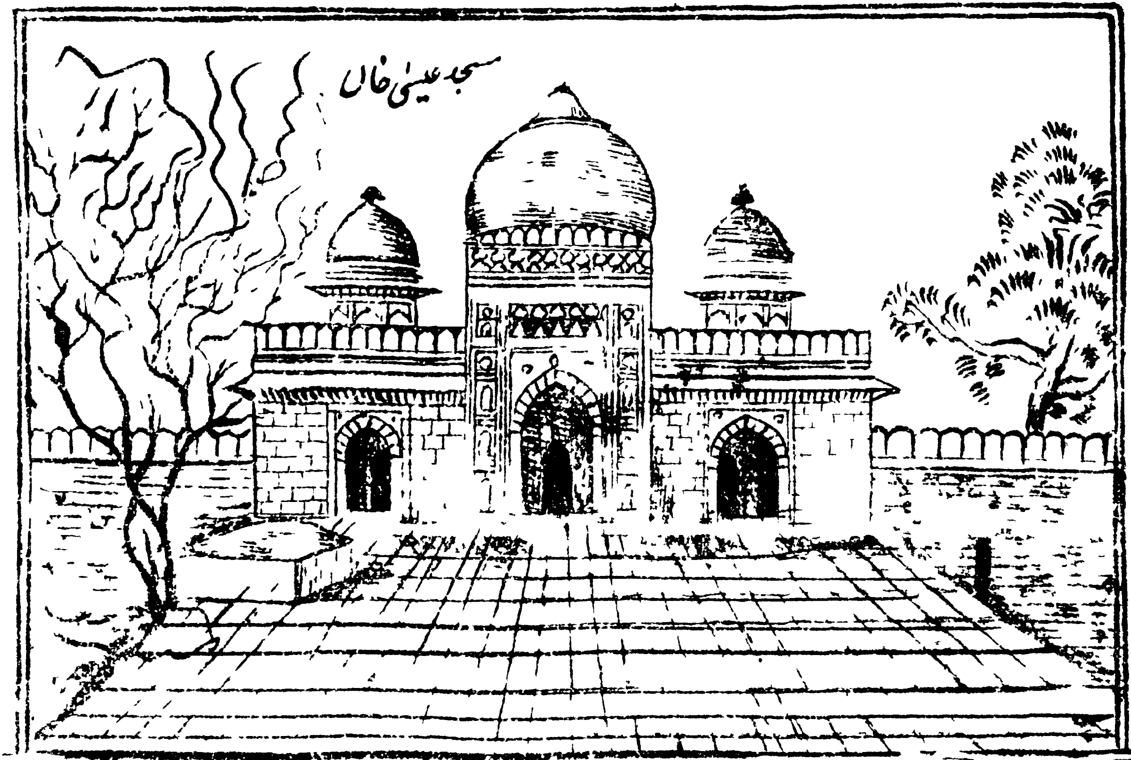
مسجد عیسیٰ خاں

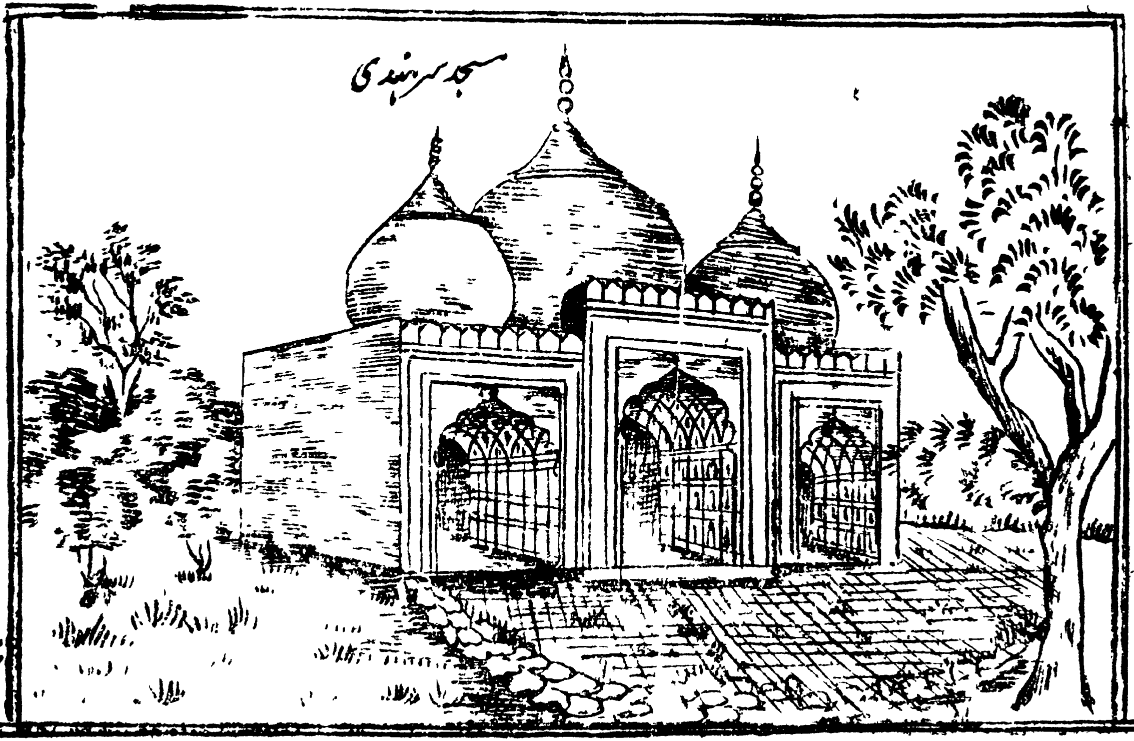

مسجد سرهندی

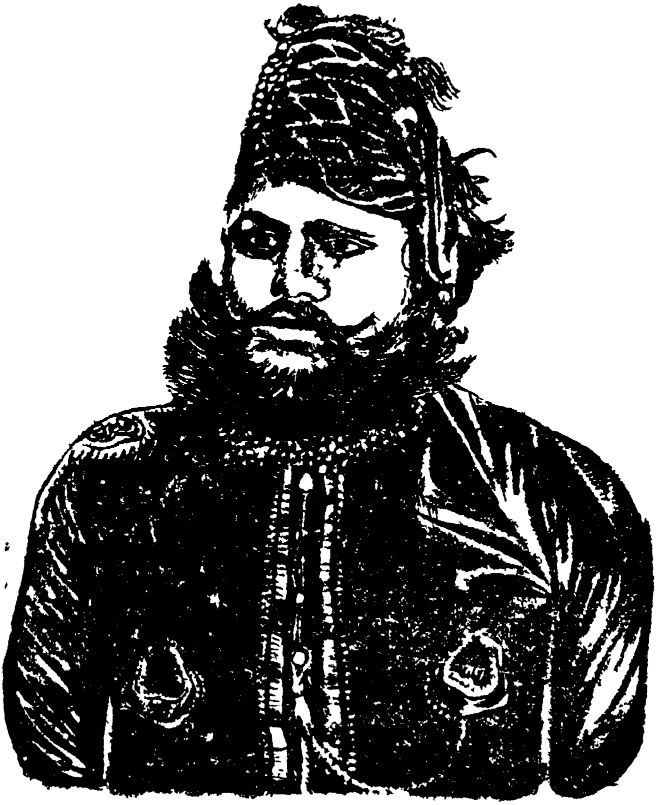

مہاراجہ جیپور

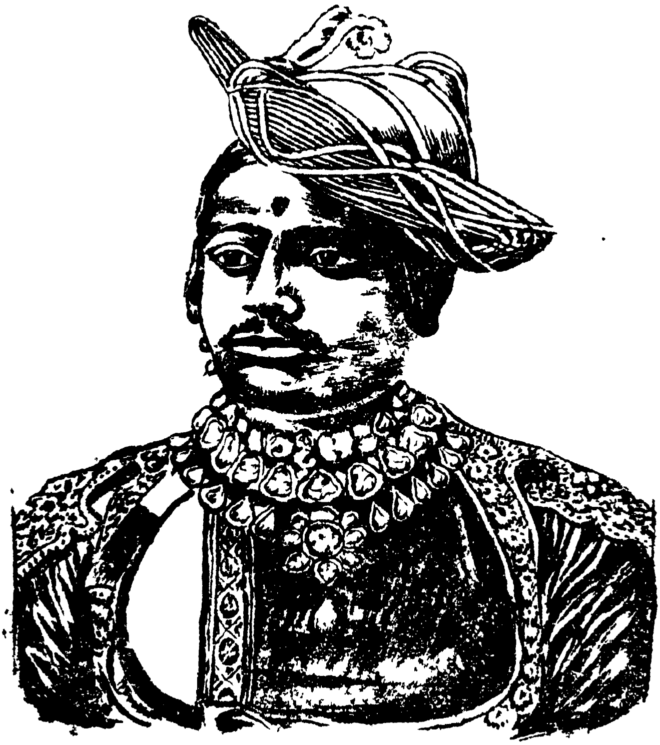

مہاراجہ گوالیار

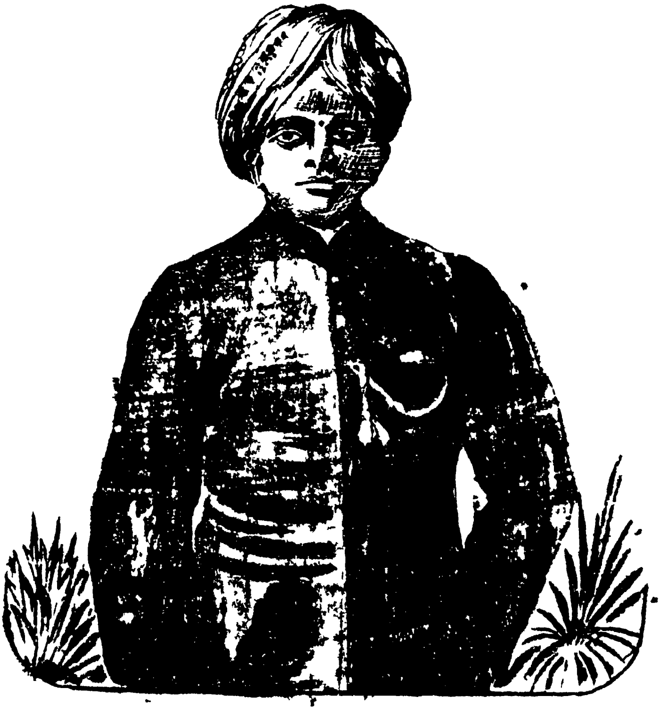

مہاراجہ میسور

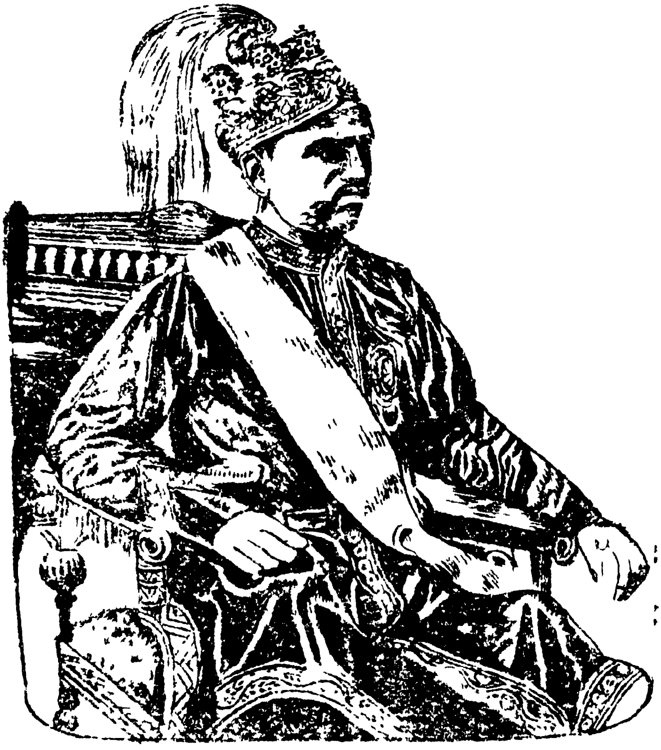

ہز ہائی نس مہاراجہ تراونکور

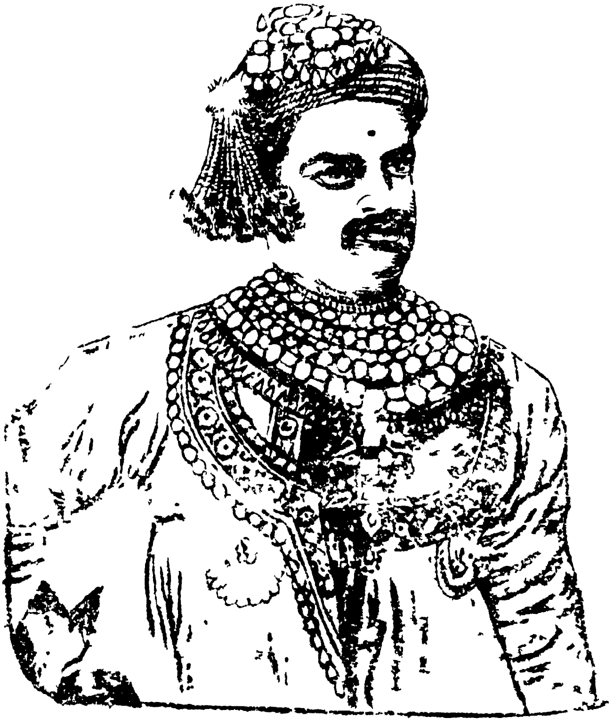

ہز ہائی نس مہاراجہ بڑودہ - گیکوار

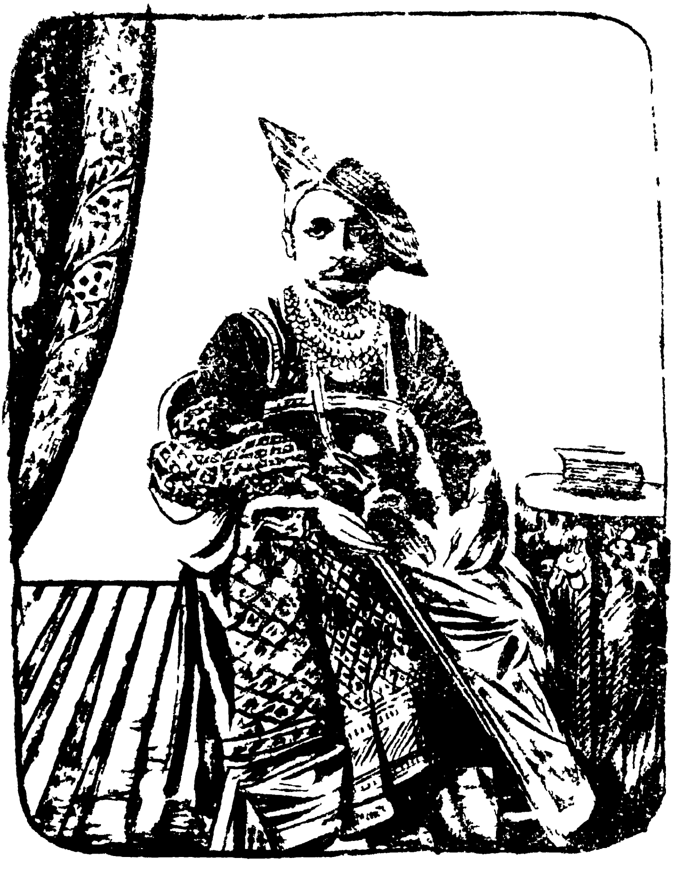

مہاراجہ کولہاپور

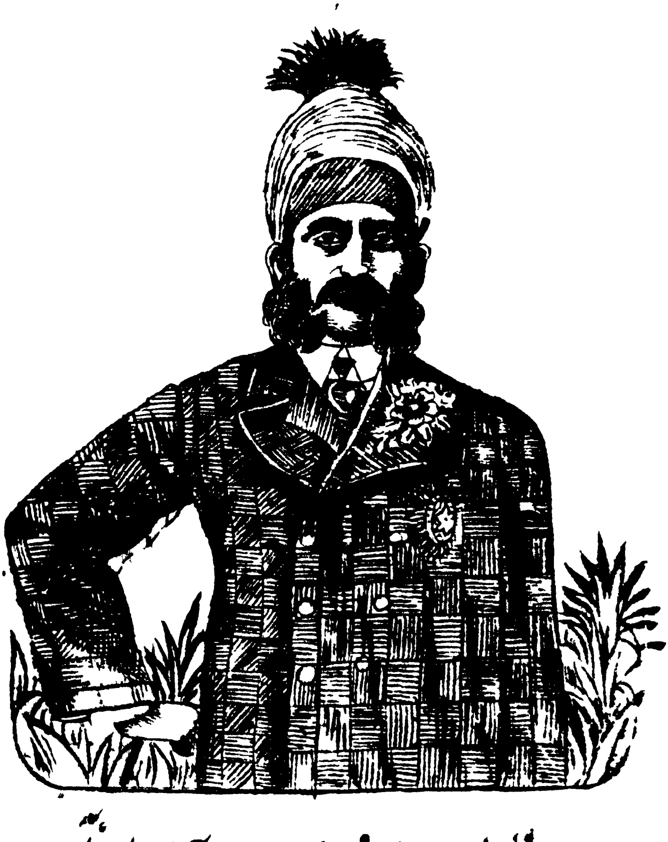

عالیجاہ حضور نظام حیدر آباد بالقابہ

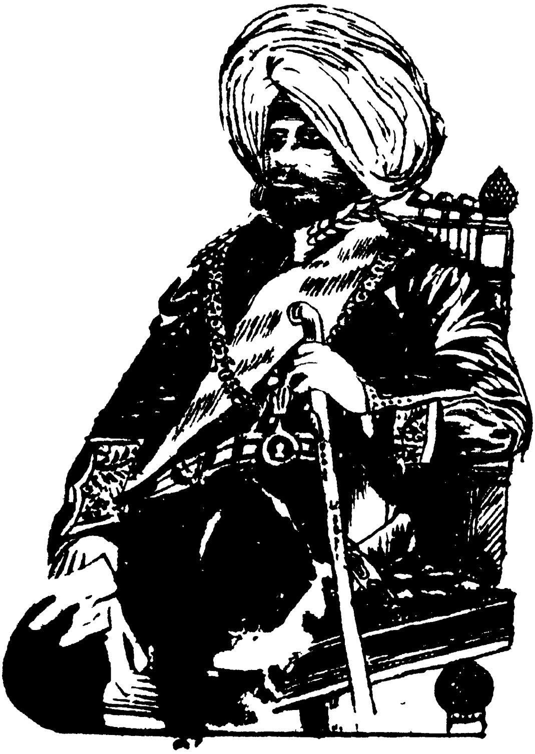

ہز ہائنس مہاراجہ جموں و کشمیر

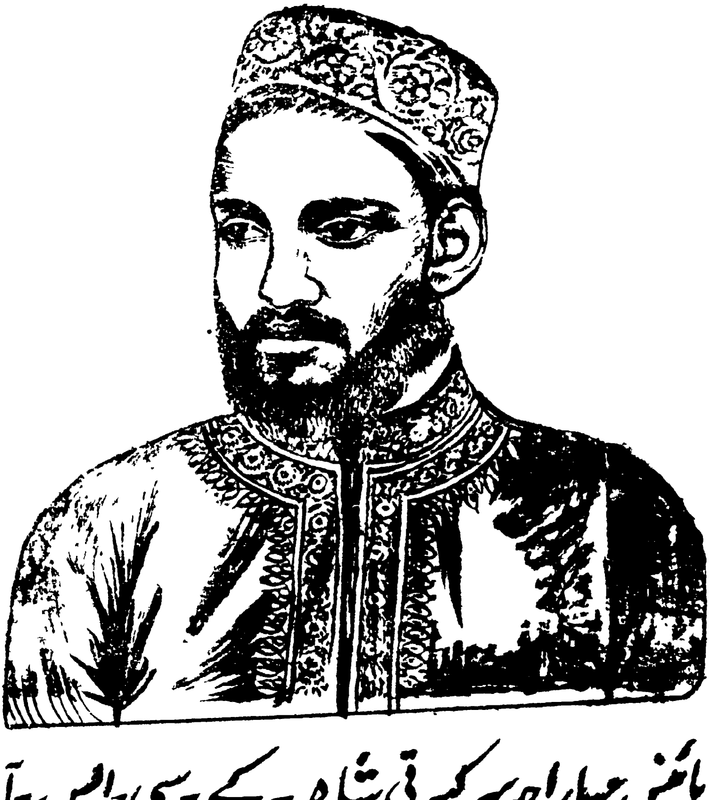

ہز ہائنس مہاراجہ سر کیرتی شاہ - کے - سی - ایس - آئی

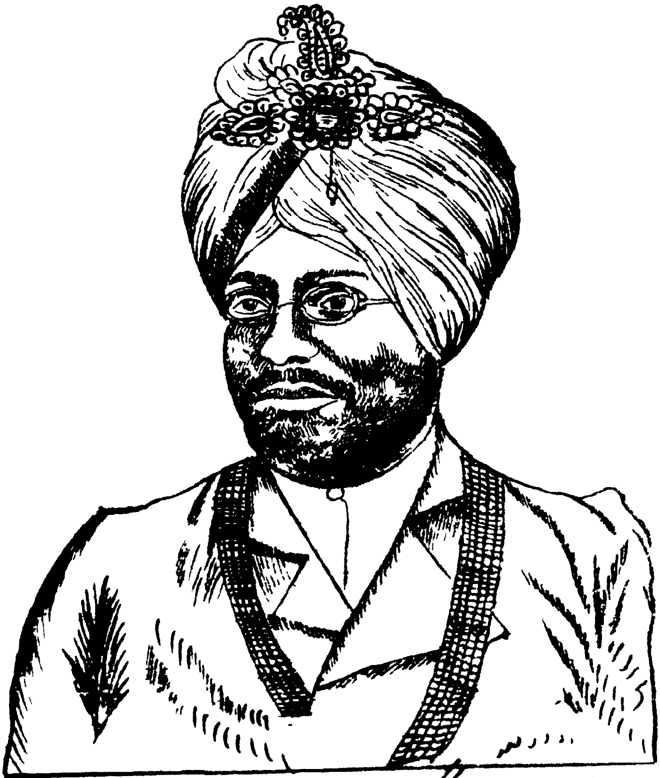

سردار رنجیت سنگہ صاحب خالصہ اسٹیٹ

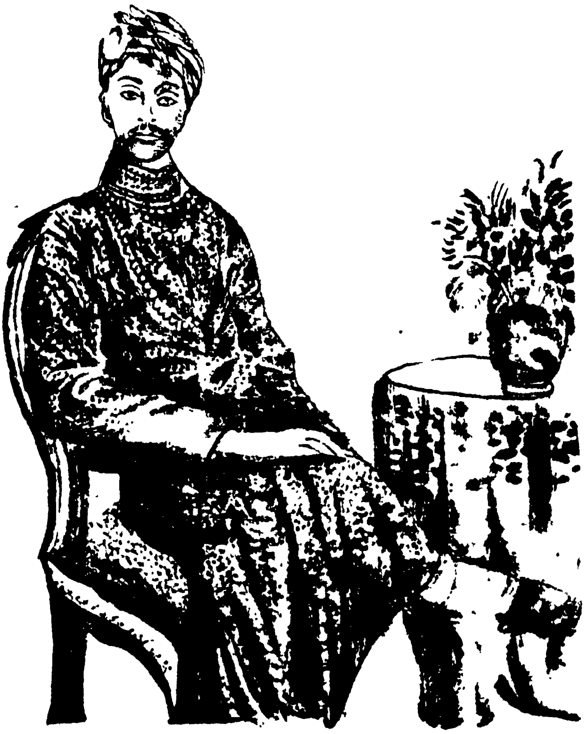

ہز ہائنس مہاراجہ کشن گڑھ

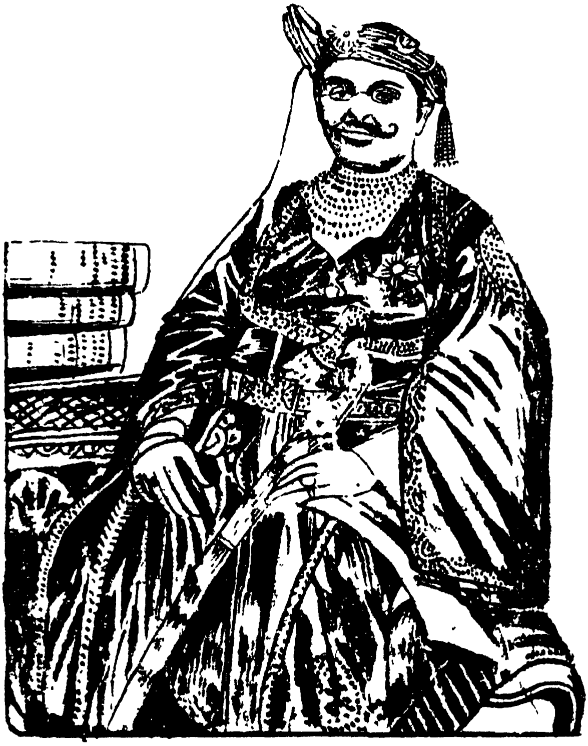

ٹھاکر صاحب آف پالی ٹانا

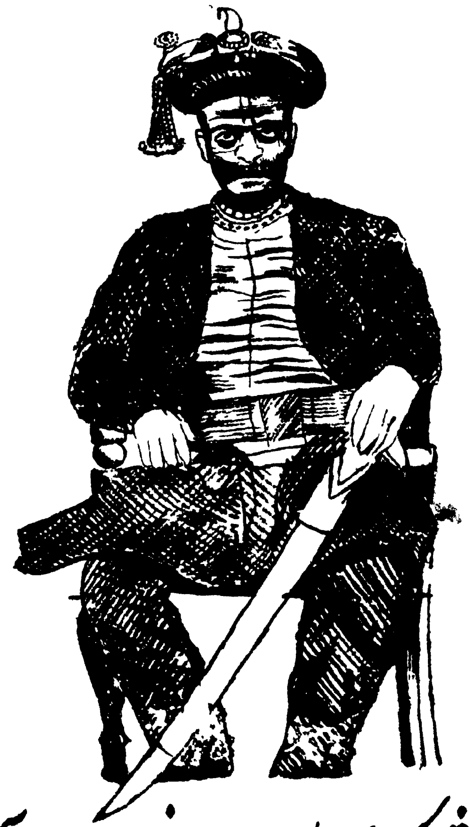

ہز ہائی نس شنکر راؤ پنڈت بنٹ شیوا چیف آف بھور

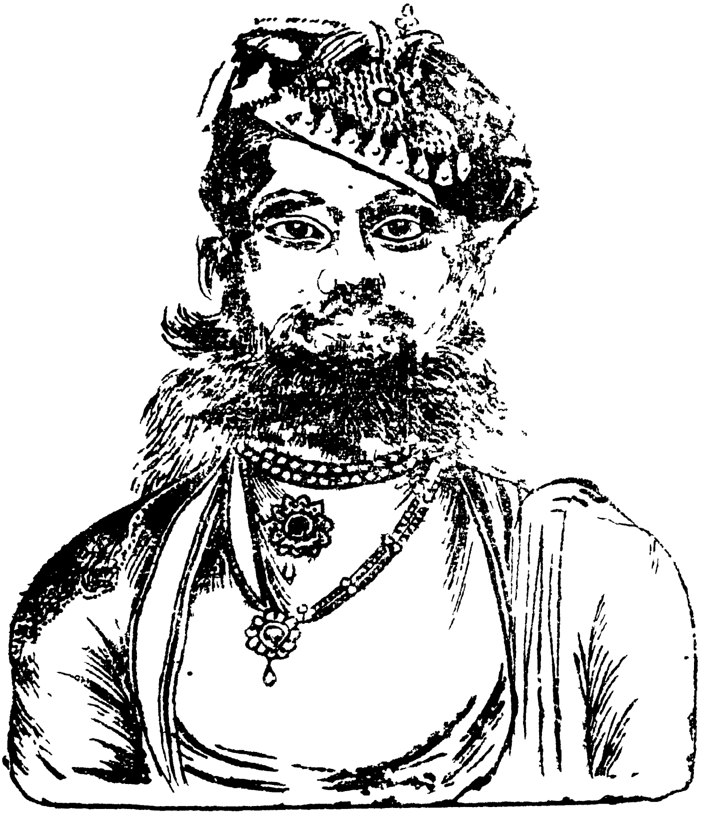

ہز ہائی نس مہاراجہ قرولی

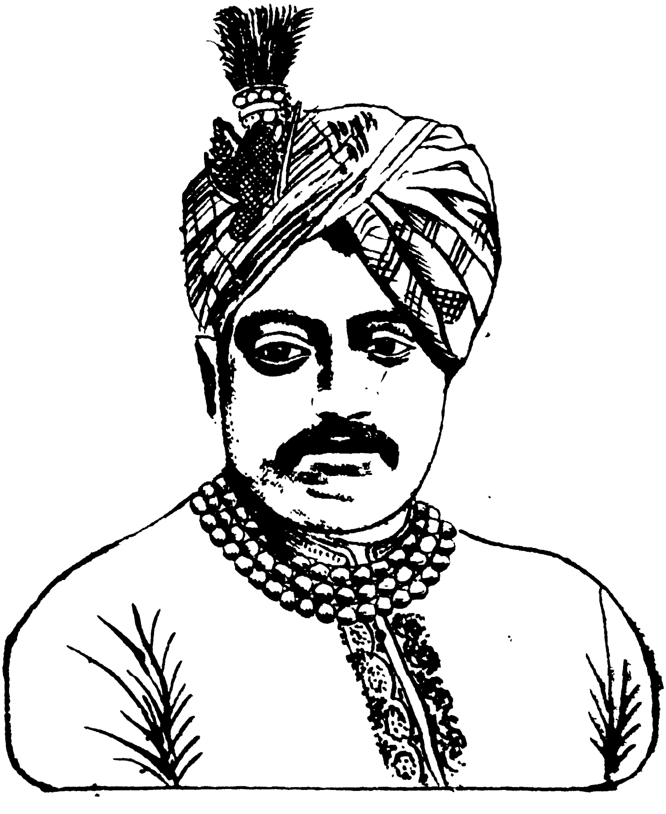

ہز ہائی نس ٹھاکر صاحب آف بھاؤنگر

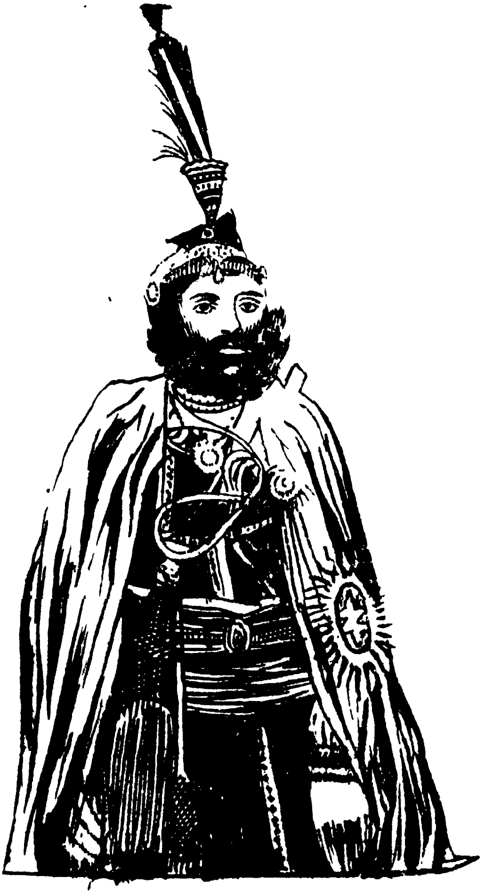

ہز ہائی نس مہاراجہ اودیپور

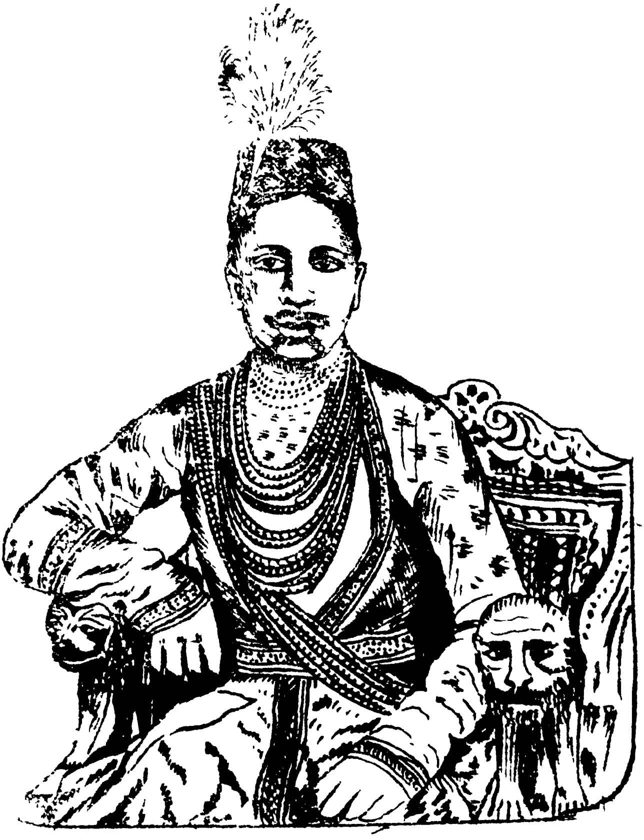

ہز ہائنس نواب صاحب رامپور

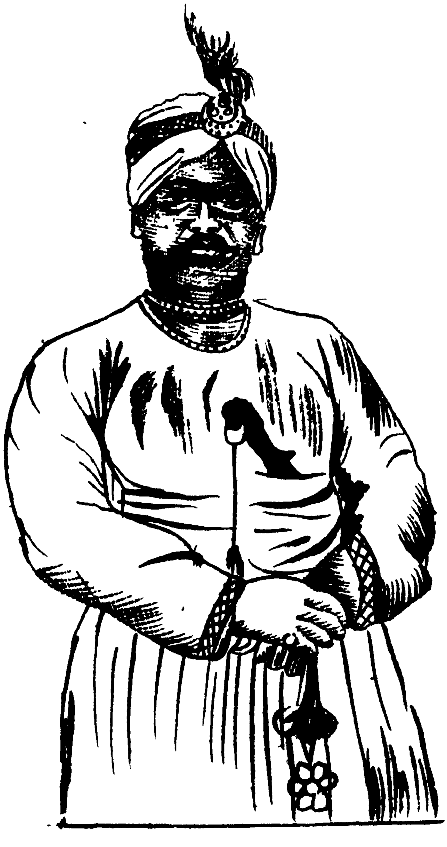

ہز ہائی نس مہاراجہ ہل بھیرا

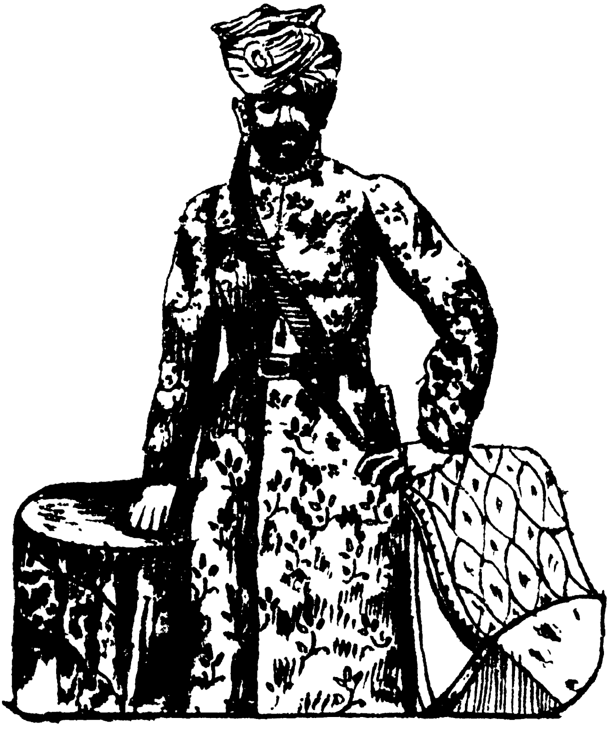

ٹھاکر آر کیسری سنگھ ورما۔ چیف آف پیلودا

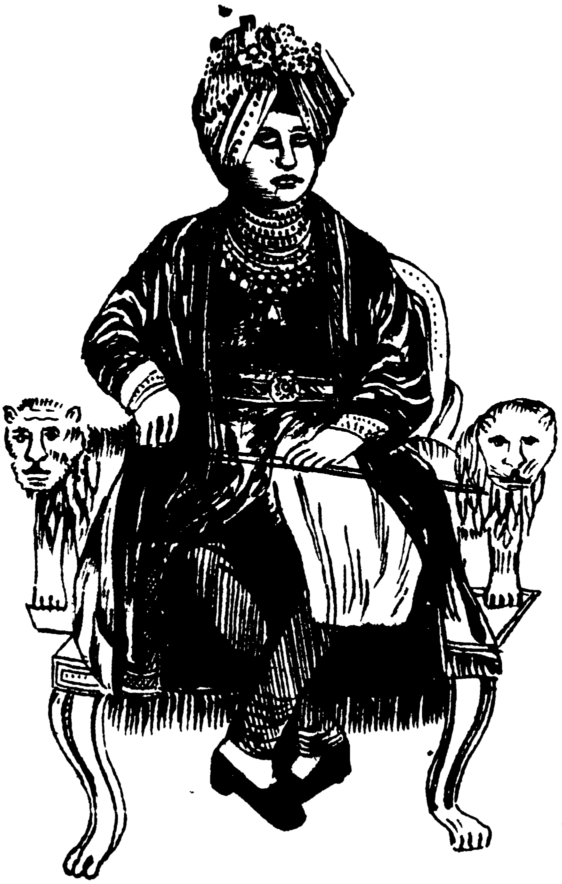

ہز ہائی نس مہاراجہ پٹیالہ

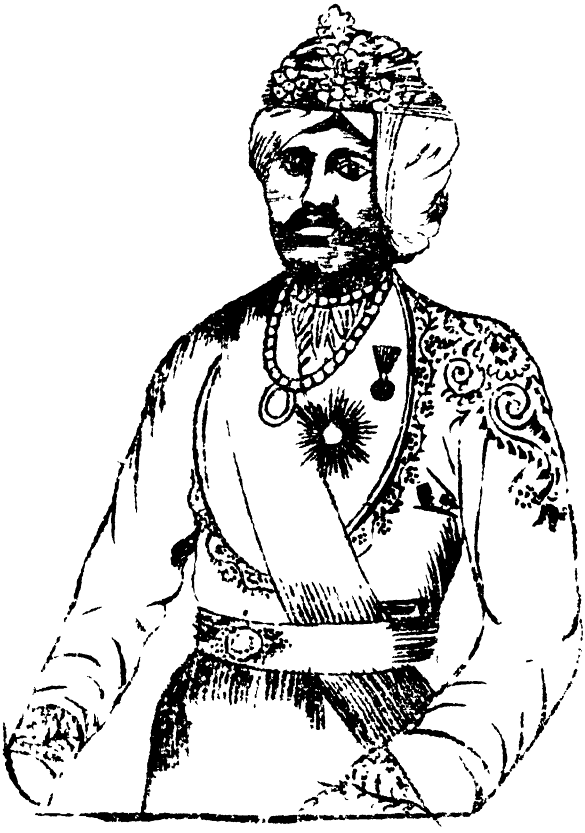

ہز ہائی نس مہاراجہ کوچ بہار

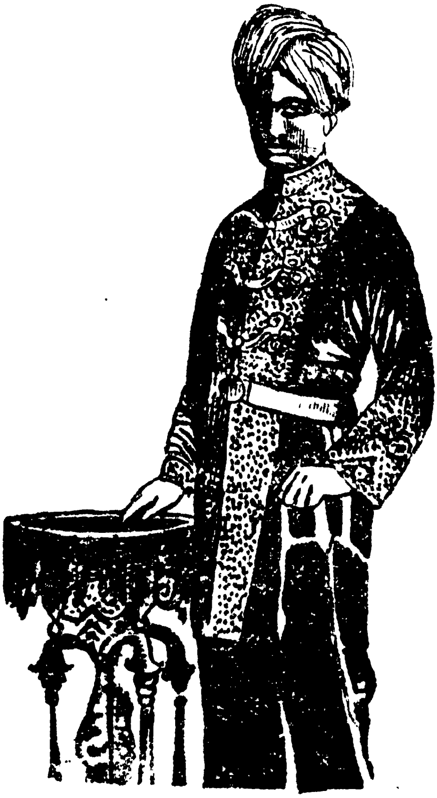

ہز ہائی نس مہاراجہ موربھنج اڑیسہ

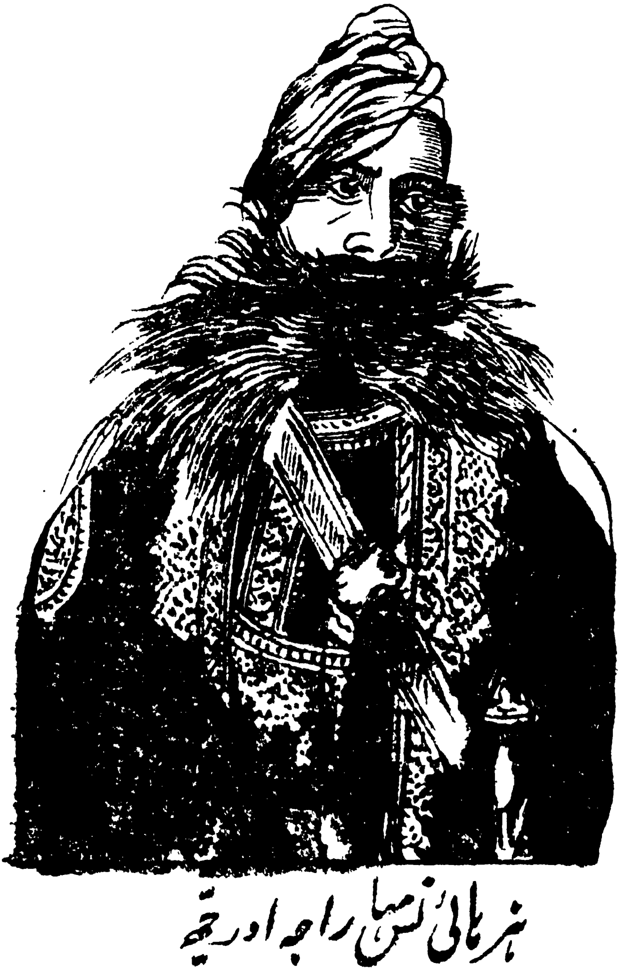

ہز ہائی نس مہاراجہ اورچھہ

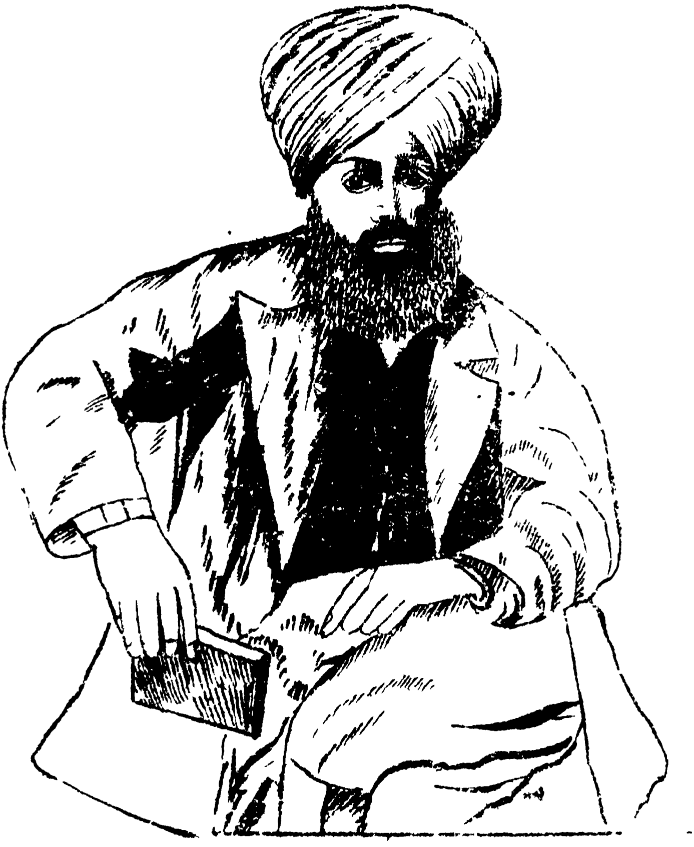

ہز ہائی نس مہاراجہ جیند

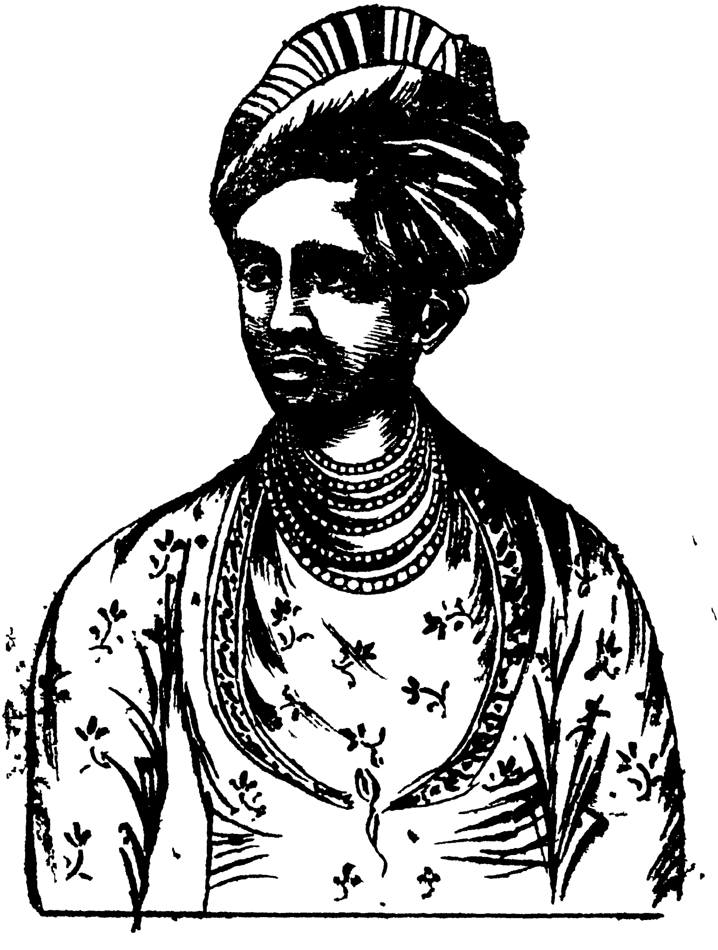

ہز ہائنس مہاراجہ دھولپور

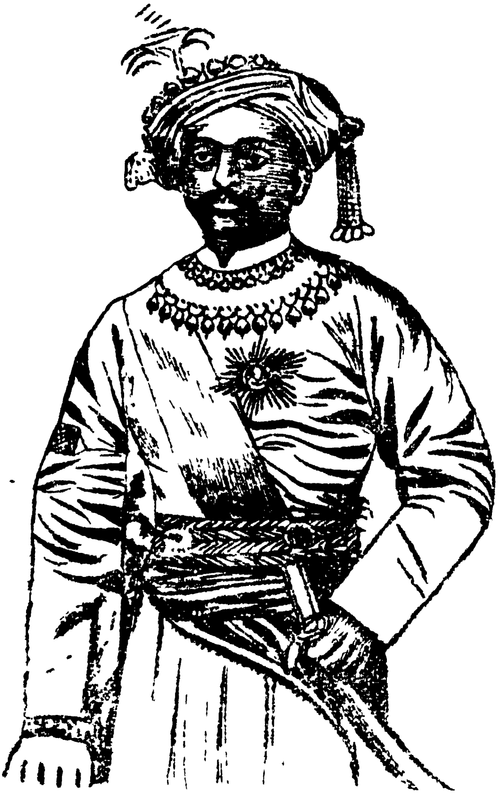

ہز ہائی نس مہاراجہ بنارس

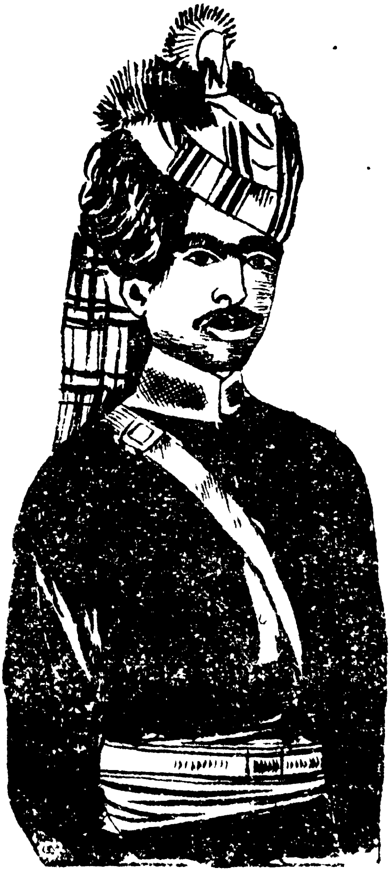

ہز ہائی نس مہاراجہ بیکانیر

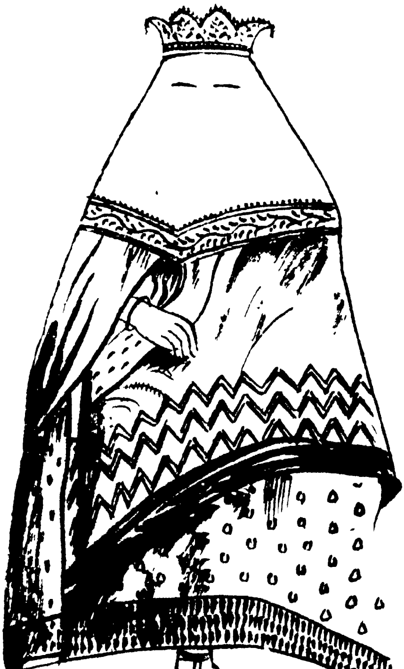

ہز ہائی نس بیگم صاحبہ بھوپال

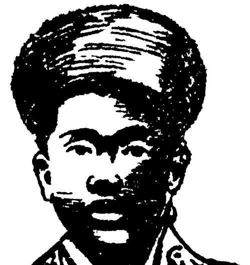

مہاراجہ کنور سکم

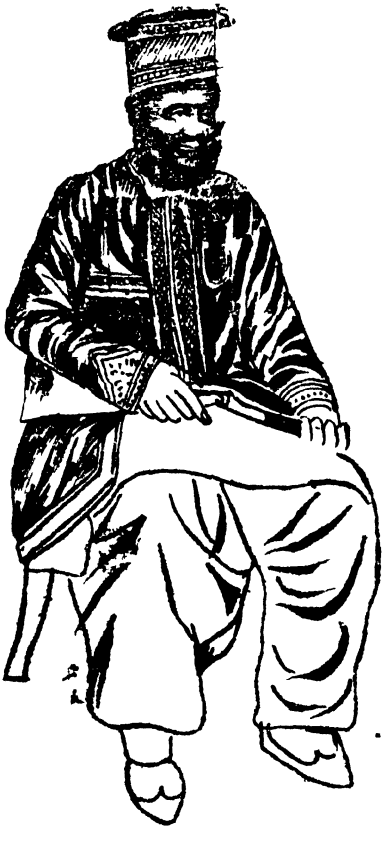

ہز ہائنس نواب صاحب خیرپور

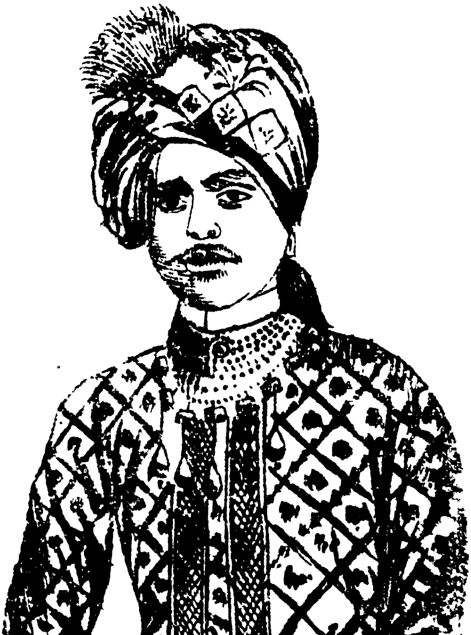

ہز ہائی نس مہاراجہ الور

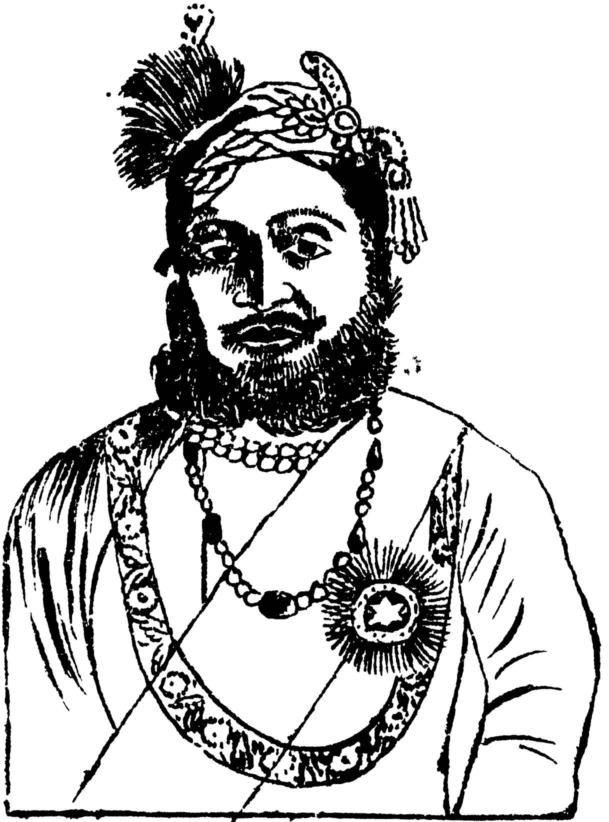

ہز ہائی نس مہاراجہ ریوا

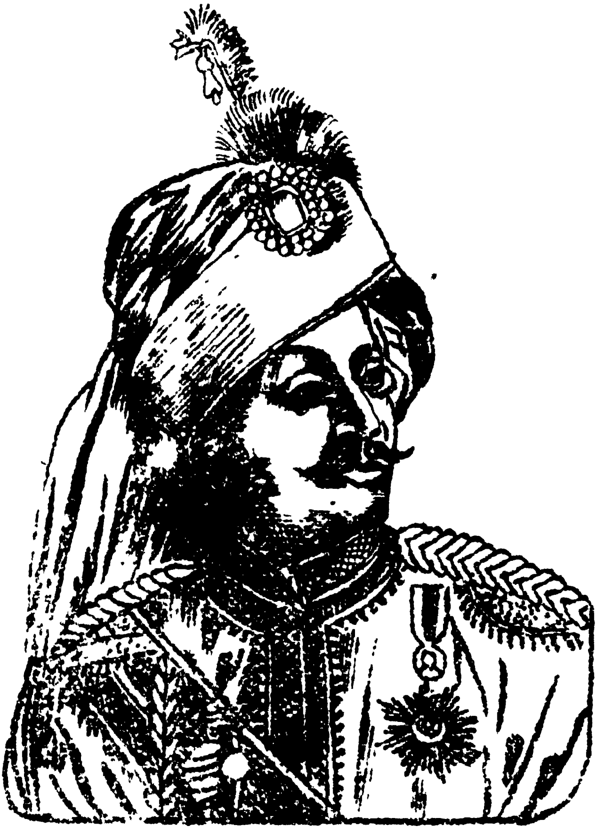

ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب گیکواڑ

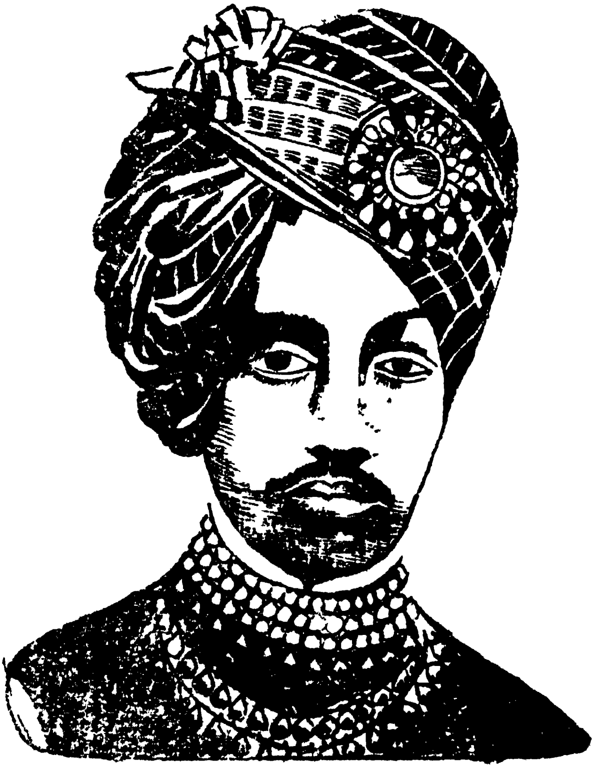

ہز ہائی نس مہاراجہ جودھپور راجپوتانہ

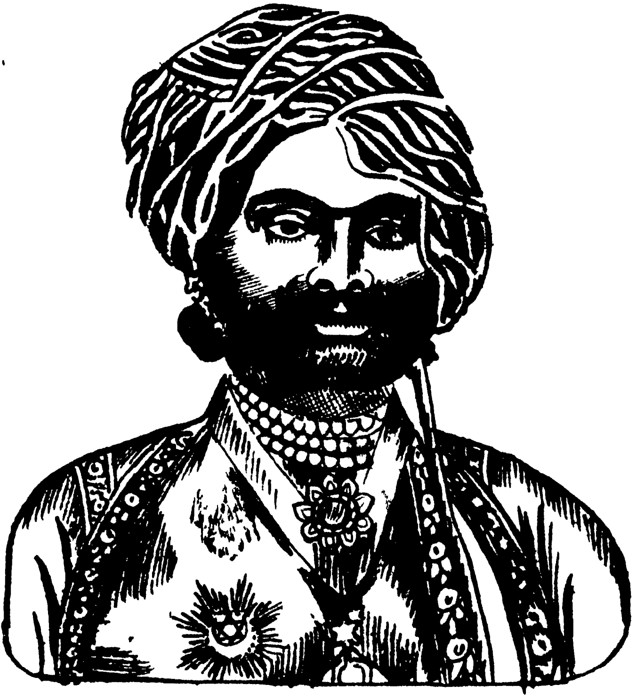

ہز ہائی نس نواب صاحب جونہ گڈھ

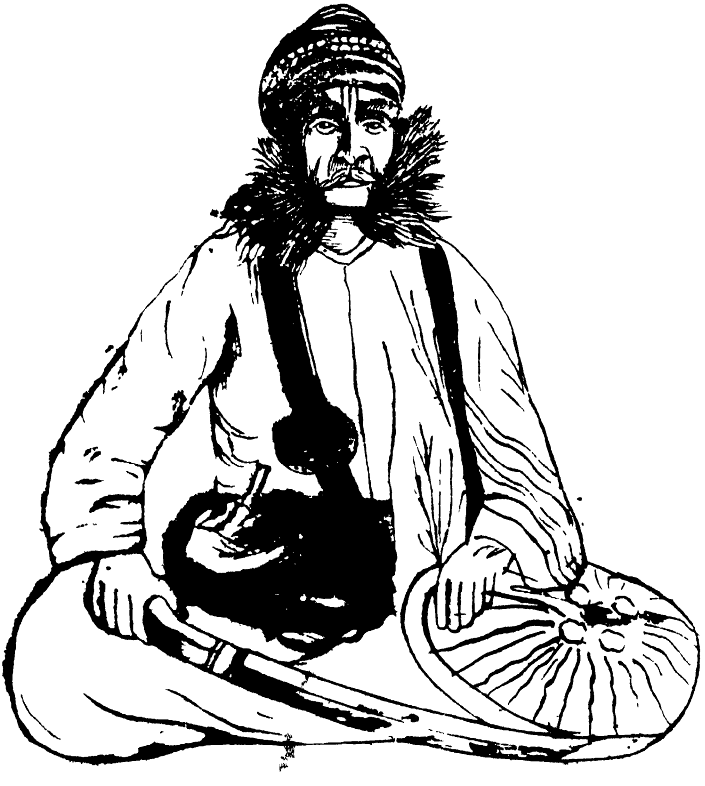

ہز ہائی نس مہاراجہ بوندی

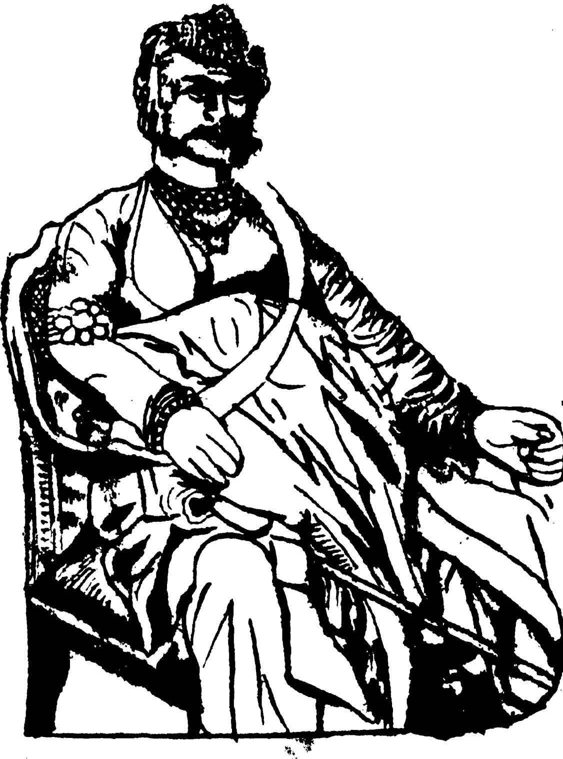

ہز ہائی نس مہاراجہ اندور

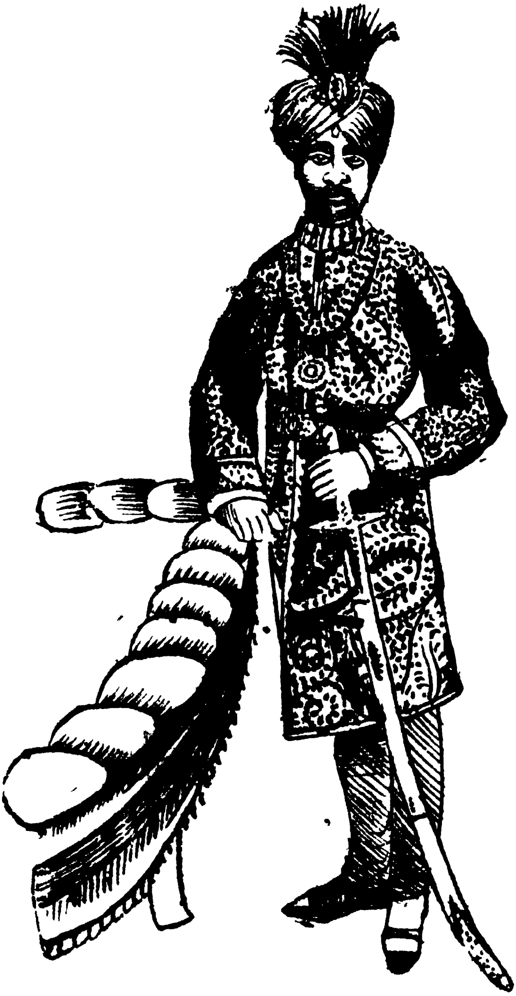

جانشین ہز ہائی نس نوابصاحب مالیر کوٹلہ

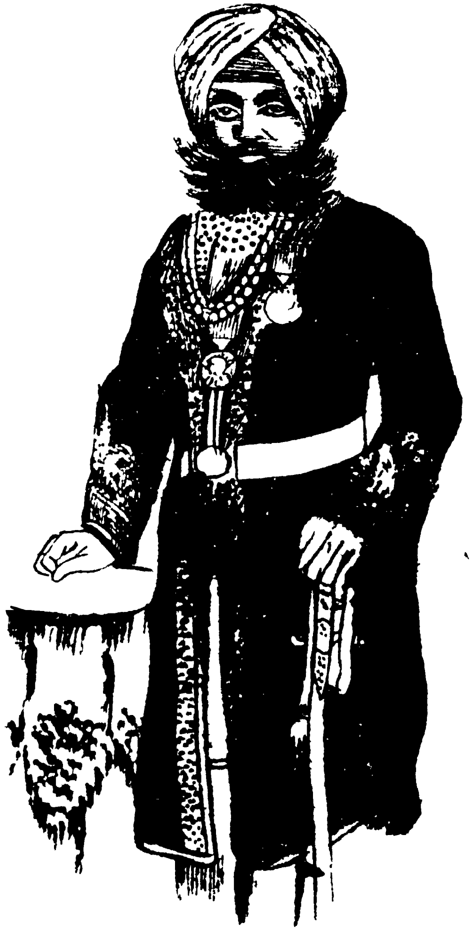

ہز ہائی نس مہاراجہ فریدکوٹ

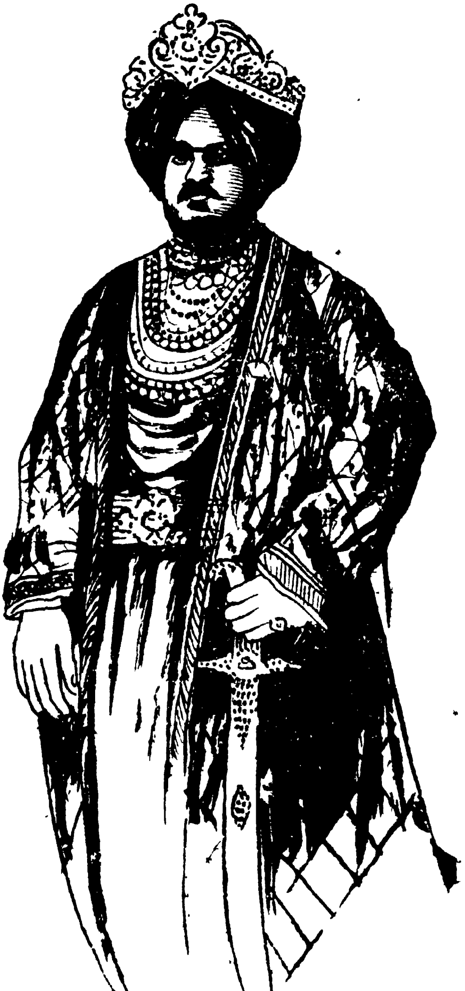

ہز ہائی نس مہاراجہ کپورتھلہ

آخری التماس

تصاویر اور نقشوں کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ ہند کے نوابوں اور راجاؤں کی جتنی تصویریں ملسکیں وہ سب درج کر دی ہیں تصویریں اگرچہ فوٹو کی نہیں ہیں مگر اپنی عمدگی اور صحت میں فوٹو کے برابر ہیں۔ جتنے روسار کی تصاویر بنی ہیں میں خوشی سے کہہ سکتا ہوں کہ اُنکی اصلی صورتوں میں اور ان تصویروں میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہی بنانے والے کی کاریگری ہی کہ اُس نے مثل فوٹوؤں کے تصویریں کھینچدی ہیں ✤

مجھے اِس بات کا سخت افسوس ہی کہ کل رئیسوں کی تصویریں بہم نہ پہنچ سکیں۔ یوں تصویریں ملیں تو سہی لیکن اصل صورت سے مشابہت بہت کم پائی جاتی تھی اس لئیے میں نے اُن تصاویر کو داخل کتاب نہیں کیا ✤

میرا ارادہ تھا کہ ہر رئیس کے ساتھ اسکی ریاست کی کیفیت بھی درج کرتا مگر افسوس سے اس کا اظہار کرنا پڑتا ہی کہ کسی ریاست کے پورے حالات آمد و خرچ وغیرہ کی بابت نہیں مل سکے ہیں

جستجو میں تو لگا ہوا ہوں شاید اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاؤں میں نے یقیناً اس کتاب کے لئے مواد جمع کرنے میں بڑی عرق ریزی کی ہی اور خدا جانتا ہی کہ امید سے زیادہ میرا اس میں روپیہ خرچ ہوا ہی۔ اگر تصویریں اور نقشے نہ بنائے جاتے تو شاید اتنا خرچ نہ بیٹھتا۔ میں نے کئی ہزار روپے لگا کے یہ کتاب تیار کی ہی تاکہ بلا قیمت خریداران کرزن گزٹ کو تقسیم کروں۔

آپ میرا جگر تو دیکھئے میں کس دریا دلی اور جرأت سے ایسی ایسی ضخیم کتابیں انعام میں دیتا ہوں جو آج تک کسی مالک اخبار نے نہیں دیں۔ میری غرض اس سے یہی ہی کہ کرزن گزٹ کی اشاعت ہو کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اسکی اشاعت سے مسلمانوں کو ایک حد تک بہت کچھ فائدہ پہنچے گا +

میں اپنے ناظرین سے داد نہیں چاہتا میری غرض صرف یہ ہی کہ جو صاحب اس کتاب کو اول سے آخر تک پڑھیں اور انکے پسند بھی آجائے تو وہ اپنا یہ فرض سمجھ لیں کہ صرف دو خریدار اخبار کرزن گزٹ دہلی کے ضرور پیدا کر دیں کیونکہ ہر خریدار اخبار کو

یہ کتاب مفت دی جاتی ہے اور اصل یہ ہے کہ چراغ دہ
محض کرزن گزٹ ہی کے خریدار کو دینے کے لئے چھاپ
گئی ہے ✤

ایک سال کے عرصہ میں مَیں نے یہ کتاب تصنیف یا تالیف بھی کی اور اسی عرصہ میں چھپوا بھی دی اصل میں اتنا تھوڑا زمانہ ایسی کتاب کی بہمہ وجوہ تیاری کے لئے بہت کم تھا مگر اللہ نے محض اپنے فضل سے پورا کر دیا۔ جس کا لاکھ لاکھ شکر کیا جاتا ہے ✤

میرزا حیرت

دفتر کرزن گزٹ دہلی

کرزن گزٹ دہلی

ایڈیٹر میرزا حیرت دہلوی

اخبار جسکے ساتھ اتنی قیمتی کتاب مفت دی جاتی ہے کوئی معمولی اخبار نہین ہے تمام تعلیمی ہند کرزن گزٹ اور اوسکی وقعت کو خوب جانتا ہے ۔ آج تھوڑی سی مدت مین اسکی اشاعت ہزارون تک پہونچ گئی ہے ۔ اس کی ضخامت کم و بیش ۲۰ - ۲۲ صفحے کی ہوتی ہے ہمیشہ دوسرے اور تیسرے صفحہ مین ایک زبردست مضمون خود ایڈیٹر کی قلم کا نکلا ہوا ہوتا ہے چوتھے صفحہ پر سر سید احمد خان کی تفسیر کا رد لکھا جاتا ہے اور انکی نیچری خیالات کی تردید کی جاتی ہے ۔ پانچوین صفحہ پر کوئی نہایت دلچسپ جدید تحقیقات کا علمی یا تواریخی مضمون درج کیا جاتا ہے پھر ہندوستان انگلستان اور مصر کے بعض اخبارات کا ترجمہ کیا جاتا ہے اور تمام سیاسیہ امور پر بحث کی جاتی ہے ۔ اب آپ خیال فرمائین کہ اتنا عمدہ اور اتنا سستا اخبار آپ ہندوستان مین پا سکتے ہین ۔ اور آپ انصاف سے غور کرین کہ کوئی صاحب اخبار بھی اتنی ضخیم ۔ بڑی اور بے نظیر کتاب مفت اخبار کے ساتھ دیسکتا ہے ۔

اگر آپ نے درخواست نہ بھیجی اور کتابین سب ختم ہوگئیں تو پھر کتاب کو دیکھنے سے آپ کو افسوس تو ضرور ہوگا کہ کیسا اخبار اور کیسی کتاب چار روپے مین کھوئی ہے

(صرف چار روپے (۵ر) یا ۶ر)

کا وی پی [illegible] دہلی کا آپ کے نام درخواست آنے پر روانہ ہوگا جب آپ وی پی وصول کرلین گے آپ کا نام درج رجسٹر خریداران اخبار ہو جاوے گا بعد پھر سال بھر تک آپ کے پاس اخبار **کرزن گزٹ** برابر پہونچتا رہے گا ۔)

منیجر کرزن گزٹ

LIBRARY